تالیف
حافظ زبیر علی زئی

تحقیقی، اِصلاحی اور علمی

مقالات

جلد سوم

الکتاب انٹرنیشنل
جامعہ نگر، نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵
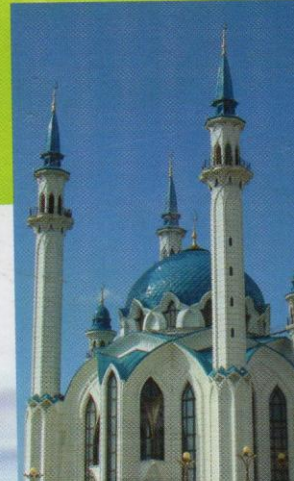
تحقیقی اصلاحی اور علمی

مقالات

(جلد سوم)

تالیف

حافظ زبیر علی زئی
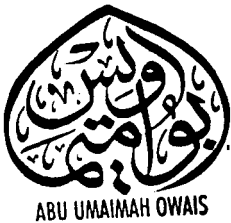
الکتاب انٹرنیشنل

جامعہ نگر، نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

نام کتاب	:	مقالات تحقیقی، اصلاحی اور علمی
تالیف	:	حافظ زبیر علی زئی
ناشر	:	سید شوکت سلیم سہسوانی
جلد	:	سوم
اشاعت	:	اپریل ۲۰۱۳ء
قیمت	:	-/350 روپے

الکتاب انٹرنیشنل

F-50 B، مرادی روڈ، بٹلہ ہاؤس، جامعہ نگر، نئی دہلی۔۲۵

Phone:. 9312508762, 011-26986973

E-mail:. alkitabint@gmail.com

ملنے کے پتے

۱۔ مکتبہ دارالسلام، گاوکدل، سرینگر، کشمیر

۲۔ القرآن پبلیکیشنز، میسومہ بازار، سرینگر، کشمیر

۳۔ مکتبہ دارالسلام، اننت ناگ، کشمیر

۴۔ مکتبہ المعارف، محمد علی روڈ، ممبئی

۵۔ مکتبہ ترجمان، اردو بازار، دہلی۔۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست

مسلکِ اہلِ حدیث

نماز کے مسائل

اصولِ حدیث اور تحقیق الروایات

تذکرہ علمائے حدیث

تذکرۃ الراوی

کتاب الفتن

بعض شبہات اور باطل استدلالات کا رد

باطل مذاہب اور اہلِ باطل کا رد

شذرات الذہب

متفرق

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

تقدیم

تمام حمد وثنا اللہ تعالیٰ رب العالمین کے لئے ہے جس نے ساری کائنات پیدا فرمائی اور ہر طرح کی نعمتیں بخشیں، ان نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت اللہ اور رسول پر ایمان ہے اور یہی دینِ اسلام ہے۔ درود وسلام ہو نبی آخر الزمان سیدنا محمد المصطفیٰ ﷺ پر اور اللہ تعالیٰ راضی ہو آپ کے تمام صحابہ کرام سے رضی اللہ عنہم اجمعین.

اللہ کی رحمتیں ہوں تمام صحیح العقیدہ تابعین عظام اور صحیح العقیدہ علمائے اسلام پر رحمۃ اللہ علیہم اجمعین. امابعد:

اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل وکرم ہے کہ اُس نے قلم کے ذریعے سے دینِ حق پھیلانے کی استطاعت بخشی اور مسلکِ اہلِ سنت (اہلِ حدیث) کا علم سر بلند ہوا۔ والحمدللہ

راقم الحروف کے مختلف تحقیقی، اصلاحی اور علمی مقالات کے دو مجموعے شائع ہو کر قارئین کے ہاتھوں میں پہنچ چکے ہیں اور اب مقالات کی تیسری جلد پیشِ خدمت کرنے کی سعادت حاصل ہے۔ والحمدللہ

چونکہ یہ مختلف مواقع پر لکھے گئے تحقیقی مضامین ہیں لہٰذا بعض عبارات میں تکرار ہے لیکن یہ تکرار بھی مفید ہے۔ بعض مضامین توضیح الاحکام اور مقالات میں مکرر شائع کئے گئے ہیں تا کہ کتابِ مذکورہ سے استفادہ کرنے والے قارئین کو زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل ہوں۔

حوالہ جات اور عبارات کی اصلاح کی ہر ممکن کوشش کردی گئی ہے لیکن عین ممکن ہے کہ کہیں کوئی غلطی یا خامی رہ گئی ہو لہٰذا ہر اصلاحی کوشش اور اطلاع کا خیر مقدم کیا جائے گا اور تصحیح کی پوری کوشش کی جائے گی۔ ان شاء اللہ

کتاب کے آخر میں مفید فہرستیں بھی بنادی ہیں تا کہ قاری اپنے مطلب ومقصود تک

پہنچ جائے۔

اس عظیم کام میں حافظ ندیم ظہیر صاحب حفظہ اللہ، محمد اعظم المبارکی حفظہ اللہ اور کئی ساتھیوں کا تعاون حاصل رہا ہے، جس کا از حد شکر گزار ہوں۔ اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر عطا فرمائے اور اس کتاب کو کتاب وسنت کی ترویج کا باعث بنائے۔ آمین

حافظ زبیر علی زئی

(۱۱/ مئی ۲۰۱۰ء)

مسلکِ اہلِ حدیث

اہلِ حدیث کے اصول

اہلِ حدیث کے خلاف بعض جھوٹے اور فتنہ پرور لوگ یہ پروپیگنڈا کرتے رہتے ہیں کہ ''اہلِ حدیث کے نزدیک شرعی دلیلیں صرف دو ہیں: قرآن اور حدیث/ تیسری کوئی دلیل نہیں'' حالانکہ اہلِ حدیث کے نزدیک قرآن مجید، رسول اللہ ﷺ کی احادیثِ ثابتہ اور اجماعِ امت شرعی دلیلیں ہیں۔

''اہلِ حدیث کے دو اصول: قال اللہ اور قال الرسول'' کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اجماع حجت نہیں ہے بلکہ قال اللہ (قرآن) اور قال الرسول (حدیث) سے اجماع کا حجت ہونا ثابت ہے۔ دیکھئے ماہنامہ الحدیث: ۱ص ۴

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو مسئلہ کتاب وسنت میں نہ ملے تو لوگوں کا اجماع دیکھ کر اُس پر عمل کرو۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲۴۰/۷ ح ۲۲۹۸۰ ملخصاً وسندہ صحیح)

سیدنا ابو مسعود الانصاری رضی اللہ عنہ نے الجماعۃ (اجماع) کو لازم پکڑنے کا حکم دیا اور فرمایا: بے شک اللہ عزوجل محمد ﷺ کی اُمت کو گمراہی پر کبھی جمع نہیں کرے گا۔

(کتاب المعرفۃ والتاریخ ۳/ ۲۴۴ وسندہ صحیح)

قرآن وحدیث سے اجتہاد کا جواز ثابت ہے لہٰذا اجتہاد جائز ہے۔ یاد رہے کہ قرآن و حدیث کے صریح خلاف ہر اجتہاد مردود ہے اور قرآن وحدیث کا وہی مفہوم معتبر و حجت ہے جو سلف صالحین سے بالاتفاق ثابت ہے۔ مختصراً عرض ہے کہ اہلِ حدیث کے نزدیک قرآن، حدیث اور اجماع شرعی حجت ہیں۔ اجتہاد جائز ہے، جس کی بہت سی اقسام ہیں مثلاً آثارِ سلف صالحین سے استدلال، قیاس، اَولیٰ غیر اَولیٰ اور مصالح مرسلہ وغیرہ

دیوبندی و بریلوی حضرات کے نزدیک ادلۂ اربعہ حجت نہیں بلکہ امام ابوحنیفہ کی تقلید واجب ہے لہٰذا یہ لوگ ادلۂ اربعہ سے صرف بذریعہ امام ابوحنیفہ ہی استدلال کر سکتے ہیں۔

اصلِ ثانی: حدیث

قرآن مجید اَصلِ اول ہے اور حدیث اَصلِ ثانی، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ خاص اور صریح حدیث کو عمومِ قرآن اور خود تراشیدہ مفہوم کے مقابلے میں رد کر دیا جائے بلکہ دینِ اسلام میں قرآن و حدیث دونوں حجت ہیں اور دونوں وحی ہیں۔

قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام اور وحی متلو (وحی جلی) ہے، جبکہ حدیث نبی ﷺ کا فعل و فرمان اور وحی غیر متلو (وحی خفی) ہے۔

حدیث کی دو قسمیں ہیں: مقبول (صحیح وحسن) اور غیر مقبول یعنی ضعیف و مردود۔
حدیث کے صحیح یا ضعیف ہونے کا دارومدار راویانِ حدیث اور اصولِ حدیث پر ہے۔
راویانِ حدیث کی چار بڑی اقسام ہیں:

۱) جن کے ثقہ وصدوق ہونے پر اتفاق ہے اور کوئی اختلاف نہیں۔

۲) جن کے ضعیف و مجروح ہونے پر اتفاق ہے اور کوئی اختلاف نہیں۔

ان دونوں اقسام میں اتفاقی فیصلہ حق اور حجت ہے، کیونکہ اجماع شرعی حجت ہے۔

۳) جن کے ثقہ وصدوق یا ضعیف و مجروح ہونے پر اختلاف ہے۔

ایسی صورت میں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ تطبیق و توفیق اور خاص کو عام پر مقدم کرنا چاہئے۔ اگر تطبیق و توفیق اور خاص کی عام پر تقدیم ممکن نہ ہو تو پھر ہمیشہ جمہور محدثین (مثلاً ایک کے مقابلے میں دو) کو ترجیح دینی چاہئے اور اس طرح یہ مسئلہ بغیر کسی فرقہ پرستی، خواہش پرستی اور تناقضات کے حل ہو جاتا ہے۔

۴) جن کی توثیق ثابت نہیں اور وہ علم کے ساتھ مشہور نہ ہونے کی وجہ سے مجہول و نامعلوم کے حکم میں ہیں۔

اول الذکر کی غیر معلول اور غیر شاذ حدیث کے صحیح ہونے پر اہلِ ایمان کا اجماع ہے۔

ثانی الذکر کی بیان کردہ حدیث ضعیف و مردود ہوتی ہے، اِلا یہ کہ اُس کی معتبر متابعت یا قوی شاہد ثابت ہو۔

آخری قسم (چہارم) کے راوی کی روایت قولِ راجح میں ضعیف و مردود ہوتی ہے۔

اصولِ حدیث میں اس مسئلے پر اتفاق ہے کہ جس حدیث میں پانچ شرطیں ہوں، وہ صحیح ہوتی ہے:

ہر راوی عادل ہو، ہر راوی ضابط ہو (ان دونوں کے مجموعے کو ثقہ وصدوق کہا جاتا ہے)، سند متصل ہو، شاذ نہ ہو اور معلول (علتِ قادحہ کے ساتھ) نہ ہو۔

دیکھئے مقدمہ ابن الصلاح (ص ۲۰)

معلوم ہوا کہ مرسل اور منقطع دونوں متصل نہ ہونے کی وجہ سے ضعیف حدیث کی اقسام ہیں اور اسی طرح مدلّس (مدلّس کے عنعنہ والی) روایت معلول ہونے کی وجہ سے (غیر صحیحین میں) ضعیف و مردود ہوتی ہے۔

ہم اپنی مرضی کی روایت کو صحیح اور مرضی کے خلاف روایت کو ضعیف نہیں کہتے بلکہ ہمیشہ اصول کی پابندی اور عدل وانصاف سے کام لیتے ہیں۔ والحمدللہ

جب اہلِ حدیث (اہلِ سنت) صحیح حدیث کو قبول اور ضعیف حدیث کو رد کر دیتے ہیں تو بعض لوگ ضعیف حدیث کے دفاع میں شور مچانا شروع کر دیتے ہیں حالانکہ یہی لوگ خود بہت سی روایات کو ضعیف قرار دے کر ردّ کر دیتے ہیں، جس کی فی الحال دو مثالیں پیشِ خدمت ہیں:

اول: امام قتیبہ بن سعید الثقفی رحمہ اللہ (ثقہ ثبت/من رجال الستہ) نے صحیح سند کے ساتھ ایک حدیث بیان کی، جس میں آیا ہے: نبی ﷺ ... اگر زوالِ شمس کے بعد سفر کرتے تو ظہر و عصر کی نمازیں جمع کر کے سفر شروع کرتے تھے۔

(مسند احمد ۵/۲۴۱-۲۴۲، سنن ابی داود: ۱۲۲۰، وقال: لم یروھذا الحدیث الا قتیبہ وحدہ)

اس حدیث کو ترمذی نے حسن غریب (ح ۵۵۴) اور ابن حبان (الاحسان: ۱۴۵۶) نے صحیح کہا ہے۔

احمد رضا خان بریلوی نے اس حدیث پر جرح کر کے اسے غلط اور منکر قرار دیا۔
دیکھئے فتاویٰ رضویہ (طبع جدید ج ۵ ص ۲۰۵۔۲۰۶)

یاد رہے کہ اس روایت پر امام بخاری کی جرح ثابت نہیں۔
دیکھئے میری کتاب علمی مقالات (ج ۲ ص ۱۹۴۔۱۹۵)
اس حدیث سے سفر میں جمع تقدیم کا ثبوت ملتا ہے لیکن بریلویہ اس کے سراسر خلاف ہیں۔

احمد رضا خان نے اس حدیث پر جرح میں دو بڑی خیانتیں کی ہیں:

۱: ترمذی سے ''حدیث غریب'' کے الفاظ نقل کئے اور ''حسن غریب'' کے الفاظ کو جان بوجھ کر حذف کر دیا، حالانکہ یہ الفاظ اسی عبارت کے متصل اوپر لکھے ہوئے ہیں۔

۲: ''المکی'' کے بعد امام ترمذی نے فرمایا: '' و بهذا الحديث يقول الشافعي و أحمد و إسحاق يقولان : لا بأس أن يجمع بين الصلاتين فی السفر في وقت احداهما '' اور اس حدیث کے مطابق شافعی کا قول ہے، احمد اور اسحاق کہتے ہیں: سفر میں دو نمازوں کے کسی ایک وقت میں (مثلاً ظہر کے وقت میں عصر اور عصر کے وقت میں ظہر) جمع کر کے پڑھنا جائز ہے۔ (ح ۵۵۴)

اگر درج بالا حدیث صحیح ہے تو سفر میں جمع تقدیم کا ثبوت ہے اور اگر (بقولِ بریلویہ) ضعیف ہے تو بریلویوں نے حدیث کو ضعیف کہہ کر رد کر دیا لہٰذا وہ دوسروں پر کیوں اعتراض کرتے ہیں؟!

دوم: امام طاوس رحمہ اللہ (تابعی) سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نماز میں اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر سینے پر رکھتے تھے۔ (کتاب المراسیل: ۳۴ وسنن ابی داود: ۷۵۹)

دیو بندی اور بریلوی دونوں گروہ اس حدیث کو ضعیف قرار دے کر رد کر دیتے ہیں۔

اگر کوئی اہلِ حدیث کسی ضعیف حدیث کو ضعیف کہہ کر رد کر دے تو یہ دونوں فرقے شور مچانا اور منکرِ حدیث کے فتوے لگانا شروع کر دیتے ہیں۔ کیا انصاف اسی کا نام ہے؟!

(۲۰/ جنوری ۲۰۱۰ء)

حق پر کون؟

آج کل اہلِ حدیث کے خلاف کتابوں ہی کتابوں پر زور ہے، جن میں زہریلی زبان کے ساتھ اکاذیب، افتراءات، مغالطات اور جھوٹ ہی جھوٹ کی بھرمار ہے۔ نوید بھائی (حضروی) نے محمد ظفر عطاری (بریلوی) کی کتاب ''حق پر کون؟'' لا کر دی، جس پر محمد عبدالحکیم شرف قادری اور محمد صدیق ہزاروی بریلوی وغیرہما نے تقریظیں لکھی ہیں۔
ایسی تمام کتابوں کی کثرت کے باوجود اہلِ حدیث دعوت پھیلتی ہی جارہی ہے۔ والحمد للہ

قارئین کرام! اس بریلوی کتاب: ''حق پر کون؟'' سے تین حوالے پیشِ خدمت ہیں، جن میں رسول اللہ ﷺ، امام ابوحنیفہ اور امام طحاوی پر جھوٹ بولا گیا ہے:

۱) عطاری بریلوی نے بحوالہ ''عینی شرح بخاری'' نقل کیا کہ
''(حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما) نے دیکھا کہ ایک شخص رکوع میں جاتے اور رکوع سے واپس لوٹتے وقت رفع یدین کر رہا ہے تو آپ اسے فرمایا کہ رفع یدین نہ کر کیونکہ یہ ایسا فعل ہے کہ جسے رسول اللہ ﷺ نے پہلے کیا پھر چھوڑ دیا تھا۔'' (حق پر کون؟ ص ۲۹۹)

عرض ہے کہ اس روایت کو عینی حنفی نے عمدۃ القاری (ج ۵ ص ۲۷۳) میں بغیر کسی سند اور بغیر کسی حوالے کے لکھا ہے اور اس روایت کی کوئی سند متصل کسی کتاب میں نہیں ہے لہٰذا عبارتِ مذکورہ میں نبی کریم ﷺ پر جھوٹ بولا گیا ہے۔

تنبیہ: صحیح سند سے ثابت ہے کہ (سیدنا) عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ (زمانۂ تابعین میں) شروع نماز، رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔
دیکھئے السنن الکبریٰ للبیہقی (ج ۲ ص ۷۳ وقال: ''رواتہ ثقات'' امام بیہقی نے فرمایا: اس کے راوی ثقہ ہیں۔)

۲) عطاری بریلوی نے لکھا ہے: ''امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سرکارِ دو عالم ﷺ کی بارگاہِ بے کس پناہ میں عرض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:.....

ترجمہ: اے موجودات سے زیادہ تعظیم والے، اے وری کے خزانے، مجھے بھی اپنی جناب سے عطا فرمایئے اللہ تعالیٰ نے جیسے آپ ﷺ کو راضی کیا ہے مجھے بھی راضی کیجئے میں آپ ﷺ کی جودت وسخاوت کا طلب گار ہوں مخلوق میں آپ ﷺ کے سوا ابوحنیفہ کا کوئی نہیں۔'' (حق پر کون؟ ص ۱۰۲، بحوالہ قصیدہ نعمان)

عرض ہے کہ یہ اشعار اور قصیدہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے قطعاً ثابت نہیں اور نہ قصیدہ نعمان نامی کوئی کتاب اُن سے ثابت ہے لہٰذا عبارت مذکورہ میں امام ابوحنیفہ پر جھوٹ بولا گیا ہے۔

۳) عطاری بریلوی نے لکھا ہے: ''امام طحاوی کا نظریہ

مَنْ کان خَارِجًا عَنْ هٰذِهِ الْاَرْبَعَةِ فِی الزَّمَانِ فَهُوَ مِنْ اَهْلِ الْبِدْعَةِ وَالنَّارِ۔

(طحاوی شریف) ترجمہ: فی زمانہ جو آدمی چاروں مذاہب سے خارج ہو تو وہ اہل بدعت اور اہل نار میں سے ہے۔'' (حق پر کون؟ ص ۲۷۳)

عرض ہے کہ اس قسم کی کوئی عبارت امام طحاوی رحمہ اللہ سے ثابت نہیں ہے بلکہ اس کے خلاف ابومحمد حسن بن ابراہیم بن زُولاق نے امام طحاوی کے بیٹے ابوالحسن علی سے نقل کیا کہ طحاوی نے کہا: '' و هل يقلّد إلا عصبي.... أو غبي '' اور تقلید تو صرف متعصب یا غبی (بے وقوف جاہل) کرتا ہے۔

دیکھئے حافظ ابن حجر العسقلانی کی کتاب: لسان المیزان (۲۸۰/۱، دوسرا نسخہ ص ۴۲۰)

اگر اس سے مراد طحطاوی (ایک عام مولوی) ہے تو پھر طحاوی کا نام کیوں لکھا گیا ہے؟

تنبیہ: اس بریلوی حوالے سے ثابت ہوا کہ اہلِ بدعت اہل نار میں سے یعنی جہنمی ہیں لہٰذا بطورِ نصیحت عرض ہے کہ بریلوی مفتی احمد یار خان نعیمی نے کہا: ''شریعت وطریقت دونوں کے چار چار سلسلے یعنی حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اسی طرح قادری، چشتی، نقشبندی، سہروردی یہ سب سلسلے بالکل بدعت ہیں۔'' (جاء الحق ج ۱ ص ۲۲۲، بدعت کی قسموں کی پہچان)

حدیث کے مقابلے میں تقلید

عروہ بن الزبیر رحمہ اللہ تابعی نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ نے لوگوں کو پھسلا دیا ہے۔ انھوں نے پوچھا: اے عُریہ! کیا بات ہے؟
عروہ نے کہا: آپ (حج کے) ان دس دنوں میں عمرے کا حکم دیتے ہیں حالانکہ ان میں کوئی عمرہ نہیں ہے۔ ابن عباس نے فرمایا: تم اپنی ماں (اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما) سے اس کے بارے میں کیوں نہیں پوچھتے؟ تو عروہ نے کہا: ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) یہ (عمرہ) نہیں کرتے تھے۔ تو ابن عباس (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: اسی چیز نے تمھیں ہلاک کیا ہے۔ اللہ کی قسم! میرا یہی خیال ہے کہ اللہ تمھیں عذاب دے گا، میں تمھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرتا ہوں اور تم میرے سامنے ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) کو پیش کرتے ہو۔
عروہ نے کہا: اللہ کی قسم! وہ دونوں آپ سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو جاننے والے اور اس پر عمل کرنے والے تھے۔
خطیب بغدادی نے فرمایا: ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) کے بارے میں عروہ نے جو کہا وہ صحیح ہے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت (یعنی حدیث) کے مقابلے میں کسی کی تقلید جائز نہیں ہے۔

(الفقیہ والمتفقہ ج ۱ص ۱۴۵، وسندہ صحیح)

عرض ہے کہ تقلید ہوتی ہی حدیث کے مقابلے میں ہے۔
ابن جوزی کے استاذ ابوالوفاء علی بن عقیل البغدادی (متوفی ۵۱۳ھ) فرماتے ہیں:
''هو تعظيم الرجال و ترك الأدلة هو التقليد فأول من سلكه الشيطان''
رجال کی تعظیم اور دلائل کو ترک کرنا یہی تقلید ہے اور سب سے پہلے اس راستے پر شیطان چلا۔

(کتاب الفنون ج ۲ص ۶۰۴ بحوالہ ماہنامہ التوحید | جولائی ۲۰۰۶ء | ص۹)

یعنی بعض رجال کی اندھی تعظیم اور دلائل / احادیث کو ترک کر دینا تقلید کہلاتا ہے۔

ترکِ تقلید اور ابو بکر غازی پوری

محمد ابو بکر غازی پوری (دیوبندی) نے لکھا ہے: ''ترک تقلید اگر للّٰہیت واخلاص کے ساتھ اختیار کی جائے اور مقصد اس کا محض یہ ہو کہ آدمی صرف وہی بات لینا چاہتا ہے جس کا ثبوت براہ راست کتاب وسنت سے ہے، تو اس کا انکار ہم نہیں کرتے، مگر اس کیلئے ضروری ہے کہ آدمی ان تمام باتوں کو قبول کرے جس کا ثبوت کتاب وسنت سے ہو، یہ نہ ہو کہ ایک خاص فکر ذہن میں پہلے سے موجود ہو اور جو احادیث اور قرآن کی جو آیات اس فکر سے مطابق نظر آئے تو اس کو قبول کرلیا جائے، اور ان تمام احادیث وآیات کا انکار کیا جائے یا اس کی بے معنی تاویل کی جائے جو اس خاص فکر اور نقطۂ نظر کے خلاف ہو، ایسا کرنا ہمارے نزدیک کتاب وسنت پر عمل کرنا نہیں ہے۔ بلکہ کتاب وسنت کو اپنے اس خاص فکر کا پابند بنانا ہے، اور اس کا نام ہمارے نزدیک اتباع نفس اور خواہشات نفسانی کی پیروی ہے جو کہ سراسر ضلالت اور گمراہی ہے۔'' (حدیث کے بارے میں غیر مقلدین کا معیار ردّ وقبول ص ۱)

عرض ہے کہ ہم غیر مقلدین نہیں بلکہ اہلِ حدیث ہیں اور حلفیہ گواہی دیتے ہیں کہ تقلید ہمارے نزدیک کتاب وسنت کے خلاف ہے لہٰذا ہم نے للّٰہیت واخلاص کے ساتھ تقلید کو ترک کردیا ہے اور ہمارا مقصد محض صرف کتاب وسنت (اور اجماع) کی اتباع ہے، ہم اپنے ذہنوں میں کوئی تقلیدی فکر نہیں رکھتے بلکہ تمام صحیح وثابت دلائل کے پابند ہیں اور اللہ تعالیٰ سے یہ دعا گو ہیں کہ وہ ہمیں اتباعِ نفس اور خواہشات کی پیروی سے ہمیشہ بچائے۔ آمین

ہم کتاب وسنت کا خود تراشیدہ مفہوم نہیں لیتے بلکہ ہر حوالے کے لئے سلف صالحین کے متفقہ فہم کو ترجیح دیتے ہیں اور جب کسی مسئلے میں غلطی ثابت ہو جائے تو علانیہ رجوع کرتے ہیں۔ ہمارے خلاف آپ لوگ جتنا بھی جھوٹا پروپیگنڈا کرتے ہیں اس کا حساب اللہ تعالیٰ کی عدالت میں دینا پڑے گا۔ ان شاء اللہ (۲۶/ دسمبر ۲۰۰۹ء)

سلف صالحین اور تقلید

الحمد للّٰہ ربّ العالمین والصّلوۃ والسّلام علٰی محمد رسول اللّٰہ :خاتم النبیین ﷺ و رضي اللّٰہ عن أصحابہ أجمعین و من تبعھم إلٰی یوم الدین ،

أما بعد:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾

کہہ دیجئے! کیا جو جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے وہ (دونوں) برابر ہیں؟ (الزمر:۹)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ لوگوں کی دو (بڑی) قسمیں ہیں:

۱: علماء (درجات کے لحاظ سے علماء کی کئی اقسام ہیں اور اُن میں طالب علم بھی شامل ہیں۔)

۲: عوام (عوام کی کئی اقسام ہیں اور اُن میں اَن پڑھ لاعلم بھی شامل ہیں۔)

عوام کے لئے یہ حکم ہے کہ وہ اہل الذکر (علماء) سے پوچھیں۔ (دیکھئے سورۃ النحل:۴۳)

یہ پوچھنا تقلید نہیں ہے۔ دیکھئے منتہی الوصول لابن الحاجب النحوی (ص ۲۱۸۔ ۲۱۹) اور میری کتاب: دین میں تقلید کا مسئلہ (ص۱۶)

اگر پوچھنا تقلید ہوتا تو بریلویوں اور دیوبندیوں کے عوام موجودہ بریلوی اور دیوبندی علماء کے مقلد ہوتے اور اپنے آپ کو کبھی حنفی ، ماتریدی یا نقشبندی وغیرہ نہ کہتے۔ کوئی سرفرازی ہوتا اور کوئی اَمینی ، کوئی تقوِی ہوتا اور کوئی گھمنی (!) حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں لہٰذا مطلق پوچھنے کو تقلید قرار دینا غلط اور باطل ہے۔

علماء کے لئے تقلید جائز نہیں بلکہ حسبِ استطاعت کتاب و سنت اور اجماع پر قولاً و فعلاً عمل کرنا ضروری ہے اور اگر ادلۂ ثلاثہ میں کوئی مسئلہ نہ ملے تو پھر اجتہاد (مثلاً متفقہ و غیر مختلفہ آثارِ سلف صالحین سے استدلال اور قیاس صحیح وغیرہ) جائز ہے۔

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ (متوفی ۷۵۱ھ) نے فرمایا: "و إذا كان المقلّد ليس من العلماء باتفاق العلماء لم يدخل في شيءٍ من هذه النصوص" اور جب مقلد علماء میں سے نہیں ہے جیسا کہ علماء کا اتفاق (اجماع) ہے (لہٰذا) وہ ان دلائل (آیات و احادیث میں بیان شدہ فضائل) میں داخل نہیں ہے۔ (اعلام الموقعین ج ۲ ص ۲۰۰)

اس قول کے مفہوم سے معلوم ہوا کہ عالم مقلد نہیں ہوتا۔

حافظ ابن عبدالبر الاندلسی رحمہ اللہ (متوفی ۴۶۳ھ) نے فرمایا: "قالوا: والمقلّد لا علم له و لم يختلفوا في ذلك" اور انھوں (علماء) نے فرمایا: اور مقلد لاعلم (جاہل) ہوتا ہے اور اس میں اُن کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ (جامع بیان العلم وفضلہ ج ۲ ص ۲۳۱ باب فساد التقلید)

اس اجماع سے بھی یہی ثابت ہے کہ عالم مقلد نہیں ہوتا، بلکہ حنفیوں کی کتاب الہدایہ کے حاشیے پر لکھا ہوا ہے کہ "يحتمل أن يكون مراده بالجاهل المقلّد لأنه ذكره في مقابلة المجتهد" اس کا احتمال ہے کہ جاہل سے اُن کی مراد مقلد ہے کیونکہ انھوں نے اسے مجتہد کے مقابلے میں ذکر کیا ہے۔ (ہدایہ اخیرین ص ۱۳۲، حاشیہ: ۶، کتاب ادب القاضی)

اس تمہید کے بعد اس تحقیقی مضمون میں ایک سو (۱۰۰) علماء کے حوالے پیشِ خدمت ہیں، جن کے بارے میں صراحتاً ثابت ہے کہ وہ تقلید نہیں کرتے تھے:

۱) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "لا تقلّدوا دينكم الرجال ..." إلخ اپنے دین میں مَردوں (یعنی لوگوں) کی تقلید نہ کرو۔ الخ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۱۰/۲، وسندہ صحیح)

نیز دیکھئے دین میں تقلید کا مسئلہ (ص ۳۵)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اُغد عالمًا أو متعلّمًا و لا تغد إمّعة بين ذلك" عالم بنو یا متعلم (سیکھنے والا، طالب علم) بنو، ان دونوں کے درمیان (یعنی اُن کے علاوہ) مقلد نہ بنو۔ (جامع بیان العلم وفضلہ ۱/۷۱۔۷۲ ح ۱۰۸، وسندہ حسن)

اِمّعہ کا ایک ترجمہ مقلد بھی ہے۔

دیکھئے تاج العروس (ج ۱۱ ص ۴) المعجم الوسیط (ص ۲۶) اور القاموس الوحید (ص ۱۳۴)

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک لوگوں کی تین قسمیں ہیں:

ا: عالم ۲: طالب علم ۳: مقلد

انھوں نے لوگوں کو مقلد بننے سے منع فرما دیا تھا اور عالم یا طالب علم بننے کا حکم دیا تھا۔

۲) سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"أما العالم فإن اهتدى فلا تقلّدوه دينكم" إلخ اگر عالم ہدایت پر بھی ہو تو اپنے دین میں اس کی تقلید نہ کرو۔ الخ (جامع بیان العلم وفضلہ ۲/ ۲۲۲ ح ۹۵۵، وسندہ حسن)

نیز دیکھئے دین میں تقلید کا مسئلہ (ص ۳۵۔ ۳۷)

تنبیہ: تمام صحابۂ کرام میں سے کسی ایک صحابی سے بھی تقلید کا صریح جواز قولاً یا فعلاً ثابت نہیں ہے بلکہ حافظ ابن حزم اندلسی رحمہ اللہ (متوفی ۴۵۶ھ) نے فرمایا:

اول سے آخر تک تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اور اول سے آخر تک تمام تابعین کا ثابت شدہ اجماع ہے کہ ان میں سے یا ان سے پہلے کسی (اُمتی) انسان کے تمام اقوال قبول کرنا منع اور ناجائز ہے۔ الخ (النبذۃ الکافیہ لابن حزم ص ۷۱، الرد علیٰ من اخلد الی الارض للسیوطی ص ۱۳۱۔ ۱۳۲، دین میں تقلید کا مسئلہ ص ۳۴۔ ۳۵)

۳) امام مالک بن انس المدنی رحمہ اللہ (متوفی ۱۷۹ھ) امام دار الہجرۃ بہت بڑے مجتہد تھے۔ طحطاوی حنفی نے ائمۂ اربعہ (امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد) کے بارے میں کہا: "وهم غير مقلدين" اور وہ غیر مقلد تھے۔

(حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار ج ۱ ص ۵۱)

محمد حسین "حنفی" نامی ایک شخص نے لکھا ہے: "ہر مجتہد اپنے مظنونات پر عمل کرے اسی لئے ائمہ اربعہ سب کے سب غیر مقلد ہیں۔" (معین الفقہ ص ۸۸)

ماسٹر امین اوکاڑوی نے کہا: "مجتہد پر اجتہاد واجب ہے اور اپنے جیسے مجتہد کی تقلید حرام ہے۔" الخ (تجلیات صفدر ج ۳ ص ۴۳۰)

سرفراز خان صفدر گکھڑوی دیوبندی نے کہا: "اور تقلید جاہل ہی کیلئے ہے جو احکام اور دلائل

سے ناواقف ہے یا تعارض ادلہ میں تطبیق وترجیح کی اہلیت نہیں رکھتا...''

(الکلام المفید فی اثبات التقلید ص ۲۳۴)

۴) امام اسماعیل بن یحییٰ المزنی رحمہ اللہ (متوفی ۲۶۴ھ) نے فرمایا:
میرا یہ اعلان ہے کہ امام شافعی نے اپنی تقلید اور دوسروں کی تقلید سے منع فرمایا ہے تاکہ (ہر شخص) اپنے دین کو پیشِ نظر رکھے اور اپنے لئے احتیاط کرے۔

(مختصر المزنی ص ۱، دین میں تقلید کا مسئلہ ص ۳۸)

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''ولا تقلّدوني'' اور میری تقلید نہ کرو۔

(آداب الشافعی ومناقبہ لابن ابی حاتم ص ۵۱، وسندہ حسن، دین میں تقلید کا مسئلہ ص ۳۸) نیز دیکھئے فقرہ نمبر ۳

۵) اہلِ سنت کے مشہور امام اور مجتہد احمد بن محمد بن حنبل رحمہ اللہ (متوفی ۲۴۱ھ) نے امام اوزاعی اور امام مالک کے بارے میں اپنے شاگرد امام ابوداود سجستانی رحمہ اللہ سے فرمایا:
'' لا تقلّد دینك أحدًا من ھولاء '' إلخ اپنے دین میں اُن میں سے کسی ایک کی بھی تقلید نہ کر...الخ (مسائل ابی داود ص ۲۷۷) نیز دیکھئے فقرہ: ۳

فائدہ: علامہ نووی نے فرمایا: ''فإن المجتھد لا یقلّد المجتھد'' کیونکہ بے شک مجتہد مجتہد کی تقلید نہیں کرتا۔ (شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۱۰ تحت ح ۲۱)

ابن الترکمانی (حنفی) نے کہا: ''فإن المجتھد لا یقلّد المجتھد'' کیونکہ بے شک مجتہد مجتہد کی تقلید نہیں کرتا۔ (الجوہر النقی علی السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۶ ص ۲۱۰)

تنبیہ: بعض لوگوں نے (اپنے نمبر بڑھانے کے لئے) کئی علماء کو طبقاتِ مالکیہ، طبقاتِ شافعیہ، طبقاتِ حنابلہ اور طبقاتِ حنفیہ میں ذکر کیا ہے، جو کہ مذکورہ علماء کے مقلد ہونے کی دلیل نہیں مثلاً:

۱: امام احمد بن حنبل کو طبقاتِ شافعیہ للسبکی (ج ۱ ص ۱۹۹، دوسرا نسخہ ج ۱ ص ۲۶۴) میں ذکر کیا گیا ہے۔

۲: امام شافعی کو طبقاتِ مالکیہ (الدیباج المذہب ص ۳۲۶ ت ۴۳۷) اور طبقاتِ حنابلہ

(۱/۲۸۰) میں ذکر کیا گیا ہے۔

کیا امام احمد امام شافعی کے مقلد اور امام شافعی امام مالک و امام احمد کے مقلد تھے؟!

معلوم ہوا کہ طبقاتِ مذکورہ میں کسی عالم کا مذکور ہونا اُس کے مقلد ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ نیز دیکھئے تنقید سدید بر رسالہ اجتہاد و تقلید لشیخنا الامام ابی محمد بدیع الدین الراشدی السندی رحمہ اللہ (ص ۳۳۔۳۷)

۶) امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی الکابلی رحمہ اللہ کے بارے میں طحطاوی حنفی کا قول گزر چکا ہے کہ وہ غیر مقلد تھے۔ دیکھئے فقرہ: ۳

اشرفعلی تھانوی دیوبندی نے کہا: ''کیونکہ امام اعظم ابوحنیفہ کا غیر مقلد ہونا یقینی ہے۔''

(مجالس حکیم الامت ص ۳۴۵، ملفوظات حکیم الامت ج ۲۴ ص ۳۳۲)

امام ابوحنیفہ نے اپنے شاگرد قاضی ابویوسف سے کہا:

میری ہر بات نہ لکھا کر، میری آج ایک رائے ہوتی ہے اور کل بدل جاتی ہے۔ کل دوسری رائے ہوتی ہے تو پھر پرسوں وہ بھی بدل جاتی ہے۔

(تاریخ یحییٰ بن معین، روایۃ الدوری ج ۲ ص ۶۰۷ ت ۲۴۶۱ وسندہ صحیح، دین میں تقلید کا مسئلہ ص ۳۸۔۳۹)

فائدہ: شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور حافظ ابن القیم رحمہما اللہ دونوں نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ نے تقلید سے منع کیا ہے۔ دیکھئے مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ (۲۰/۱۰، ۲۱۱) اعلام الموقعین (۲/۲۰۰، ۲۰۷، ۲۱۱، ۲۲۸) اور الرد علیٰ من اخلد الی الارض للسیوطی (ص ۱۳۲)

اپنے آپ کو حنفی سمجھنے والوں کی درج ذیل کتابوں میں بھی لکھا ہوا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے تقلید سے منع کیا ہے:

مقدمہ عمدۃ الرعایۃ فی حل شرح الوقایہ (ص ۹) لمحات النظر فی سیرۃ الامام زفر للکوثری (ص ۲۱) حجۃ اللہ البالغہ (۱/۱۵۷)

۷) شیخ الاسلام ابوعبدالرحمٰن بقی بن مخلد بن یزید القرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۲۷۶ھ) کے بارے میں امام ابوعبداللہ محمد بن الفتوح بن عبداللہ الحمیدی الازدی الاندلسی الاثری الظاہری

رحمہ اللہ (متوفی ۴۸۸ھ) نے اپنے استاذ ابو محمد علی بن احمد عرف ابن حزم سے نقل کیا:

''و كان متخيّرًا لا يقلّد أحدًا''

اور وہ (کتاب وسنت اور راجح کو) اختیار کرتے تھے، کسی ایک کی تقلید نہیں کرتے تھے۔

(جذوۃ المقتبس فی ذکر ولاۃ الاندلس ص ۱۶۸، تاریخ دمشق لابن عساکر ۲۷۹/۱۰)

حافظ ابن حزم کا قول کتاب الصلۃ لابن بشکوال (۴۰۸/۱ت ۸۹۴) میں بھی مذکور ہے

اور حافظ ذہبی نے بقی بن مخلد کے بارے میں فرمایا:

''و كان مجتهدًا لا يقلّد أحدًا بل يفتي بالأثر'' اور وہ مجتہد تھے، کسی ایک کی تقلید نہیں کرتے تھے بلکہ اثر (حدیث و آثار) کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔

(تاریخ الاسلام ج ۲۰ ص ۳۱۳ وفیات ۲۷۶ھ)

فائدہ: حافظ ابو سعد عبدالکریم بن محمد بن منصور التمیمی السمعانی رحمہ اللہ (متوفی ۵۶۲ھ) نے فرمایا: ''الأثري ... هذه النسبة إلى الأثر يعني الحديث و طلبه و اتباعه'' اثری... یہ اثر یعنی حدیث، حدیث کی طلب اور اس کی اتباع کی طرف نسبت ہے۔

(الانساب ۸۴/۱)

حافظ سمعانی رحمہ اللہ نے فرمایا: '' الظاهري ... هذه النسبة إلى أصحاب الظاهر وهم جماعة ينتحلون مذهب داود بن علي الأصبهاني صاحب الظاهر فإنهم يجرون النصوص على ظاهرها و فيم كثرة ''

ظاہری... یہ اصحابِ ظاہر کی طرف نسبت ہے اور یہ جماعت ہے جو داود بن علی اصبہانی ظاہری کے مذہب (طریقے) پر ہے، یہ لوگ نصوص (قرآن وحدیث کے دلائل) کو ظاہر پر جاری کرتے ہیں اور یہ لوگ کثرت سے ہیں۔ (الانساب ج ۴ ص ۹۹)

حافظ سمعانی رحمہ اللہ نے فرمایا: '' السَّلَفي... هذه النسبة إلى السلف و انتحال مذهبهم على ما سمعت '' سلفی... جیسا کہ میں نے سُنا ہے: یہ سلف اور اُن کے مذہب (مسلک) اختیار کرنے کی طرف نسبت ہے۔ (الانساب ج ۳ ص ۲۷۳)

اس سے معلوم ہوا کہ صحیح العقیدہ مسلمین کے بہت سے صفاتی نام اور اَلقاب ہیں لہٰذا سلفی، ظاہری، اثری، اہلِ حدیث اور اہلِ سنت سے مراد وہ صحیح العقیدہ مسلمان ہیں جو قرآن، حدیث اور اجماع کی اتباع کرتے ہیں اور کسی اُمتی کی تقلید نہیں کرتے۔ والحمدللہ

۸) امام ابو محمد عبداللہ بن وھب بن مسلم الفہری المصری رحمہ اللہ (متوفی ۱۹۷ھ) کے بارے میں حافظ ذہبی نے فرمایا:

''و کان ثقة حجة حافظًا مجتهدًا لا يقلّد أحدًا، ذا تعبدو زهد .''

اور آپ ثقہ (روایتِ حدیث میں) حجت، حافظ مجتہد تھے، آپ کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے، آپ عبادت اور زہد والے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ ۳۰۵/۱ ت ۲۸۳)

۹) ابو علی الحسن بن موسیٰ الاشیب البغدادی قاضی موصل رحمہ اللہ (متوفی ۲۰۹ھ) کے بارے میں حافظ ذہبی نے فرمایا: ''و کان من أوعية العلم لا يقلّد أحدًا .''

اور وہ علم کے خزانوں میں سے تھے، کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۹ ص ۵۶۰)

۱۰) ابو محمد القاسم بن محمد بن قاسم بن محمد بن یسار البیانی القرطبی الاندلسی رحمہ اللہ (متوفی ۲۷۶ھ) کے بارے میں حافظ ذہبی نے فرمایا: '' ولازم ابن عبدالحكم حتى برع في الفقه و صار إمامًا مجتهدًا لا يقلّد أحدًا وهو مصنف كتاب الإيضاح في الرد على المقلدين .'' اور انھوں نے (محمد بن عبداللہ) ابن عبدالحکم (بن اعین بن لیث المصری) کی مصاحبت اختیار کی حتیٰ کہ فقہ میں بہت ماہر ہو گئے اور امام مجتہد بن گئے، آپ کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے، آپ الایضاح فی الرد علی المقلدین کتاب کے مصنف ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ ۶۴۸/۲ ت ۶۷۱)

مقلدین کے رد میں آپ کی اس کتاب کا درج ذیل علماء نے بھی ذکر کیا ہے۔

۱: الحمیدی الاندلسی الظاہری (جذوۃ المقتبس ۱۱۸/۱، بحوالہ المکتبۃ الشاملہ)

۲: عبدالوہاب بن علی بن عبدالکافی السبکی (طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ۵۳۰/۱)

۳: صلاح الدین خلیل بن ایبک الصفدی (الوافی بالوفیات ج ۲۴ ص ۱۱۶)

۴: جلال الدین السیوطی (طبقات الحفاظ ص ۲۸۸ ت ۶۴۷)

تنبیہ: ہمارے علم کے مطابق زمانۂ تدوینِ حدیث (پانچویں صدی ہجری) بلکہ آٹھویں صدی ہجری تک کسی ثقہ وصدوق صحیح العقیدہ عالم نے کتاب الدفاع عن المقلدین، کتاب جواز التقلید، کتاب وجوب التقلید یا اس مفہوم کی کوئی کتاب نہیں لکھی اور اگر کسی کو اس تحقیق سے اختلاف ہے تو صرف ایک صریح حوالہ پیش کردے۔ **ھل من مجیب ؟**

۱۱) ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیسابوری شیخ الحرم رحمہ اللہ (متوفی ۳۱۸ھ) کے بارے میں حافظ ذہبی نے فرمایا: "**وكان مجتهدًا لا يقلّد أحدًا**" اور آپ مجتہد تھے، کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ ۳/۷۸۲ ت ۷۷۵، تاریخ الاسلام ۲۳/۵۶۸)

علامہ نووی شافعی نے کہا: "**ولا يلتزم التقيد في الاختيار بمذهب أحد بعينه ولا يتعصب لأحد ولا على أحد على عادة أهل الخلاف بل يدور مع ظهور الدليل و دلالة السنة الصحيحة و يقول بها مع من كانت و مع هذا فهو عند أصحابنا معدود من أصحاب الشافعي ...**"

وہ اختیار میں کسی معین مذہب کی قید کا التزام نہیں کرتے تھے اور نہ کسی کے لئے تعصب کرتے تھے جیسا کہ اختلاف کرنے والے لوگوں کی عادت ہوتی ہے، بلکہ دلیل ظاہر ہونے اور سنتِ صحیحہ کے قائل تھے، چاہے دلیل کسی کے پاس ہو، اس کے باوجود ہمارے اصحاب نے انھیں اصحابِ شافعی میں ذکر کیا ہے... الخ (تہذیب الاسماء واللغات ج ۲ ص ۱۹۷)

نووی کی بات کا ایک حصہ نقل کرکے حافظ ذہبی نے فرمایا: "**ما يتقيّد بمذهب واحد إلا من هو قاصر في التمكّن من العلم كأكثر علماء أهل زماننا أو من هو متعصب**"

ایک مذہب کی قید کو وہی اختیار کرتا ہے جو حصولِ علم پر قادر ہونے سے قاصر ہوتا ہے جیسا کہ ہمارے زمانے کے اکثر "علماء" ہیں یا (پھر) جو متعصب ہوتا ہے۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۱۴ ص ۴۹۱)

ان حوالوں سے دو باتیں ظاہر ہیں:

۱: مذاہب کی تقلید وہی کرتا ہے جو جاہل یا متعصب ہے۔

۲: تقلیدی مذاہب والوں نے کئی علماء کو اپنے اپنے طبقات میں ذکر کر دیا ہے، حالانکہ مذکورہ علماء کا مقلد ہونا ثابت نہیں بلکہ وہ تقلید کے مخالف تھے لہٰذا مقلدین کی کتبِ طبقات کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

۱۲) صدوق حسن الحدیث کے درجے پر فائز ابوعلی الحسن بن سعد بن ادریس الکتامی القرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۳۳۱ھ) کے بارے میں حافظ ذہبی نے فرمایا:

''و کان علامة مجتهدًا لا یقلّد و یمیل إلٰی أقوال الشافعي ''اور وہ علامہ مجتہد تھے، تقلید نہیں کرتے تھے اور اقوالِ شافعی کی طرف مائل تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ ۳/ ۸۷۰ ت ۸۴۰)

۱۳) امام اوزاعی رحمہ اللہ (متوفی ۱۵۷ھ) کے عظیم شاگرد اور (اُندلس کے) امیر (خلیفہ) ہشام بن عبدالرحمٰن بن معاویہ الاندلسی کے قاضی ابومحمد مصعب بن عمران القرطبی کے بارے میں ابن الفرضی نے فرمایا: ''و کان لا یقلّد مذهبًا و یقضي ما رآه صوابًا و کان خیرًا فاضلاً .''

وہ کسی مذہب کی تقلید نہیں کرتے تھے، جسے صحیح سمجھتے اس کے مطابق فیصلہ کرتے اور آپ نیک فضیلت والے تھے۔ (تاریخ علماء الاندلس ج ۱ ص ۱۸۹، دوسرا نسخہ ج ۲ ص ۱۳۳، المکتبۃ الشاملہ)

نیز دیکھئے تاریخ قضاۃ الاندلس (ج ۱ ص ۴۷، ۱۴۲) اور المغرب فی حلی المغرب لابن سعید المغربی (۳۲/۱)

۱۴) ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید الطبری السُنی رحمہ اللہ (متوفی ۳۱۰ھ) کے بارے میں حافظ ذہبی نے فرمایا: '' و کان مجتهدًا لا یقلّد أحدًا ''

اور وہ مجتہد تھے، کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ (العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۴۶۰)

ابن خلکان المورخ نے کہا: '' و کان من الأئمة المجتهدین ، لم یقلّد أحدًا ''

وہ ائمۂ مجتہدین میں سے تھے، آپ نے کسی کی تقلید نہیں کی۔ (وفیات الاعیان ۴/ ۱۹۱ ت ۵۷۰)

۱۵) صدوق حسن الحدیث قاضی ابوبکر احمد بن کامل بن خلف بن شجرہ البغدادی رحمہ اللہ

(متوفی ۳۵۰ھ) کے بارے میں حافظ ذہبی نے فرمایا:

"كان يختار لنفسه ولا يقلّد أحدًا" وہ اپنے آپ کے لئے (راجح کو) اختیار کر لیتے اور کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ (سیر اعلام النبلاء ۱۵/۵۴۵، تاریخ الاسلام ۲۵/۴۳۵)

۱۶) ابوبکر محمد بن داود بن علی الظاہری رحمہ اللہ (متوفی ۲۹۷ھ) کے بارے میں حافظ ذہبی نے فرمایا: "و كان يجتهد ولا يقلّد أحدًا."

اور وہ اجتہاد کرتے تھے، کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ (سیر اعلام النبلاء ۱۳/۱۰۹)

۱۷) ابوثور ابراہیم بن خالد الکلبی البغدادی الفقیہ رحمہ اللہ (متوفی ۲۴۰ھ) کے بارے میں حافظ ذہبی نے فرمایا: "وبرع في العلم ولم يقلّد أحدًا"

اور وہ علم میں ماہر ہوگئے اور کسی کی تقلید نہیں کی۔ (العبر فی خبر من غبر ۱/۳۳۹)

۱۸) شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ الشامی رحمہ اللہ (متوفی ۷۲۸ھ) سے پوچھا گیا:

"هل البخاري ومسلم و أبو داود والترمذي والنسائي و ابن ماجه و أبو داود الطيالسي والدارمي والبزار والدارقطني والبيهقي و ابن خزيمة و أبو يعلى الموصلي: هل كان هؤلاء مجتهدين لم يقلّدوا أحدًا من الأئمة أم كانوا مقلدين؟" کیا بخاری، مسلم، ابوداود، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابوداود طیالسی، دارمی، بزار، دارقطنی، بیہقی، ابن خزیمہ اور ابویعلیٰ الموصلی مجتہدین میں سے تھے، جنھوں نے ائمہ میں سے کسی کی تقلید نہیں کی یا یہ مقلدین تھے؟

تو حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے جواب دیا:

"الحمد لله ربّ العالمين، أما البخاري و أبو داود فإمامان في الفقه من أهل الاجتهاد. و أما مسلم والترمذي والنسائي و ابن ماجه و ابن خزيمة و أبو يعلى والبزار ونحوهم فهم على مذهب أهل الحديث ليسوا مقلدين لواحد بعينه من العلماء ولا هم من الأئمة المجتهدين على الاطلاق ..."

سب حمد وثنا اللہ رب العالمین ہی کے لئے ہے۔ بخاری اور ابوداود تو فقہ میں اہلِ اجتہاد میں

سے دو امام (یعنی مجتہد مطلق) تھے اور مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن خزیمہ، ابو یعلیٰ، بزار اور اُن جیسے دوسرے (سب) اہلِ حدیث کے مذہب پر تھے، کسی ایک معین عالم کے مقلد نہیں تھے اور نہ وہ مجتہدین مطلق والے اماموں میں سے تھے۔ الخ

(مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲۰ ص ۳۹۔۴۰)

اس تحقیق اور گواہی سے چار باتیں معلوم ہوئیں:

۱: حافظ ابن تیمیہ کے نزدیک امام بخاری اور امام ابو داود مجتہد مطلق تھے لہٰذا اُن کو حنفی، شافعی، حنبلی یا مالکی کہنا یا قرار دینا غلط ہے۔

۲: امام مسلم، امام ترمذی اور امام نسائی وغیرہم سب اہلِ حدیث کے مذہب پر تھے اور کسی کے مقلد نہیں تھے لہٰذا انھیں شافعیہ وغیرہ کتبِ طبقات میں ذکر کرنا غلط ہے۔

۳: محدثینِ کرام میں سے کوئی بھی مقلد نہیں تھا۔

۴: مجتہدین کے دو طبقے ہیں:

اول: مجتہدین مطلق

دوم: عام مجتہد

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے اس عظیم الشان قول سے ثابت ہوا کہ امام محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ (متوفی ۲۵۶ھ) مقلد نہیں تھے بلکہ مجتہد تھے۔

حافظ ذہبی نے امام بخاری کے بارے میں فرمایا: ''و كان إمامًا حافظًا حجةً رأسًا فی الفقه والحديث مجتهدًا من أفراد العالم مع الدين والورع والتأله ''

اور آپ امام حافظ (روایتِ حدیث میں) حجت، فقہ و حدیث کے سردار، دین، پرہیزگاری اور الٰہیت کے ساتھ دُنیا کے یکتا انسانوں میں سے تھے۔

(الکاشف فی معرفۃ من لہ روایۃ فی الکتب الستۃ ج ۳ ص ۱۸ ات ۴۷۹۰)

اس طرح کی بے شمار گواہیوں کی تائید میں عرض ہے کہ فیض الباری کا مقدمہ لکھنے والے متعصب دیوبندی نے کہا: '' و اعلم أن البخاري مجتهد لا ريب فيه ''

اور جان لو کہ بخاری مجتہد ہیں، اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ (مقدمہ فیض الباری ج ۱ ص ۵۸)
سلیم اللہ خان دیوبندی (مہتمم جامعہ فاروقیہ دیوبندیہ کراچی) نے کہا:
''بخاری مجتہد مطلق ہیں۔'' (تقریظ یا مقدمہ فضل الباری ج ۱ ص ۳۶)
مجتہد کے بارے میں یہ اصول ہے کہ مجتہد تقلید نہیں کرتا۔
علامہ نووی شافعی نے کہا: کیونکہ بے شک مجتہد مجتہد کی تقلید نہیں کرتا۔
(شرح صحیح مسلم للنووی ج ۱ ص ۲۱۰ تحت ح ۲۱، دیکھئے فقرہ: ۵)

۱۹) امام ابوالحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم النیسابوری القشیری رحمہ اللہ (متوفی ۲۶۱ھ) کے بارے میں حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا: ''وہ اہلِ حدیث کے مذہب پر تھے، کسی ایک معین عالم کے مقلد نہیں تھے۔'' دیکھئے فقرہ نمبر ۱۸
امام مسلم نے فرمایا: ''**و قد شرحنا من مذهب الحديث و أهله ...**''
اور ہم نے حدیث اور اہلِ حدیث کے مذہب کی تشریح کی۔ الخ
(مقدمہ صحیح مسلم طبع دارالسلام ص ۶ ب)
تنبیہ: امام مسلم کا مقلد ہونا کسی ایک مستند امام سے بھی صراحتاً ثابت نہیں ہے۔

۲۰) امام ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ النیسابوری رحمہ اللہ (متوفی ۳۱۱ھ) کے بارے میں حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا: ''وہ اہلِ حدیث کے مذہب پر تھے، کسی ایک معین عالم کے مقلد نہیں تھے۔'' دیکھئے فقرہ نمبر ۱۸ (اور تحقیقی مقالات ج ۲ ص ۵۶۳)
عبدالوہاب بن علی بن عبدالکافی السبکی (متوفی ۷۷۱ھ) نے کہا: ''**قلت: المحمدون الأربعة محمد بن نصر و محمد بن جرير و ابن خزيمة و ابن المنذر من أصحابنا و قد بلغوا درجة الاجتهاد المطلق، و لم يخرجهم ذلك عن كونهم من أصحاب الشافعي المخرجين على أصوله المتمذهبين بمذهبه لوفاق اجتهادهم اجتهاده، بل قد ادعى من هو بعد من أصحابنا الخلص كالشيخ أبي علي وغيره أنهم وافق رأيهم رأي الإمام الأعظم فتتبعوه**

ونسبوا إليه ، لا أنهم مقلدون ... ''میں نے کہا: محمد بن نصر (المروزی) محمد بن جریر (بن یزید الطبری) محمد بن (اسحاق بن) خزیمہ اور محمد (بن ابراہیم) بن المنذر چاروں ہمارے اصحاب میں ایسے تھے کہ اجتہادِ مطلق کے درجہ پر پہنچے اور اس بات نے انھیں اصحابِ شافعی سے نہیں نکالا، اُن کے اصول پر تخریج کرنے والے اور اُن کے مذہب کو اختیار کرنے والے کیونکہ اُن کا اجتہاد اُن (امام شافعی) کے موافق ہو گیا تھا بلکہ اُن کے بعد ہمارے مخلص اصحاب مثلاً ابو علی وغیرہ نے دعویٰ کیا کہ اُن کی رائے امام اعظم (امام شافعی) کی رائے کے موافق ہو گئی لہٰذا انھوں نے اس کی اتباع کی اور ان کے ساتھ منسوب ہوئے، نہ یہ کہ وہ مقلدین ہیں۔ الخ (طبقات الشافعیہ الکبریٰ ج ۲ ص ۸۷ ترجمہ ابن المنذر)

المتمذهبين بمذهبه والی بات تو سبکی نے اپنے نمبر بڑھانے کے لئے کی لیکن اُن کے اعتراف سے صاف ظاہر ہے کہ اُن کے نزدیک محمد بن نصر المروزی، محمد بن جریر الطبری، محمد بن اسحاق بن خزیمہ، محمد بن ابراہیم بن المنذر اور ابو علی (دیکھئے فقرہ: ۹۷) سب کے سب تقلید نہ کرنے والے (اور اہلِ حدیث) تھے۔

فائدہ: جس طرح حنفی حضرات اپنے نمبر بڑھانے کے لئے یا بعض علماء امام ابو حنیفہ کو امامِ اعظم کہتے ہیں، اسی طرح شافعی حضرات بھی امام شافعی کو امام اعظم کہتے ہیں۔ مثلاً:

تاج الدین عبدالوہاب بن تقی الدین السبکی نے کہا: ''**محمد بن الشافعي : إمامنا ، الإمام الأعظم المطلبي أبي عبدالله محمد بن إدريس ...**''

(طبقات الشافعیہ الکبریٰ ج ۱ ص ۲۲۵، دوسرا نسخہ ج ۱ ص ۳۰۳)

احمد بن محمد بن سلامہ القلیوبی (متوفی ۱۰۶۹ھ) نے کہا: ''**قوله (الشافعي) : هو الإمام الأعظم**'' (حاشیۃ القلیوبی علیٰ شرح جلال الدین المحلی علیٰ منہاج الطالبین ج ۱ ص ۱۰، الشاملۃ)

قسطلانی (شافعی) نے امام مالک کو ''**الإمام الأعظم**'' کہا۔

(ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۳۰۷ ح ۳۳۰۰، ج ۱۰ ص ۱۰۷ ح ۶۹۶۲)

قسطلانی نے امام احمد بن حنبل کے بارے میں کہا: ''**الإمام الأعظم**''

(ارشادالساری ج ۵ ص ۳۵ ح ۵۱۰۵)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے مسلمانوں کے خلیفہ (امام) کو ''الإمام الأعظم'' کہا۔

(فتح الباری ۱۱۲/۳ ح ۱۳۸۷)

اب یہ مقلدین فیصلہ کریں (!!) کہ اُن میں حقیقی ''الإمام الأعظم'' کون ہے؟!

ابواسحاق الشیرازی نے بعض لوگوں کے بارے میں کہا:

'' والصحیح الذي ذهب إلیه المحققون ما ذهب إلیه أصحابنا و هو أنهم صاروا إلٰی مذهب الشافعي لا تقلیدًا له، بل وجدوا طرقه فی الإجتهاد و القیاس أسد الطرق '' اور صحیح وہ ہے جو ہمارے محقق اصحاب کا مذہب ہے کہ وہ تقلید کی وجہ سے مذہبِ شافعی کے قائل نہیں ہوئے بلکہ انھوں نے دیکھا کہ اجتہاد اور قیاس میں اُن کا طریقہ سب سے مضبوط ہے۔ (المجموع شرح المہذب ج ۱ ص ۴۳)

اس کے بعد نووی نے کہا: '' و ذکر أبو علي السِّنجي بکسر السین المهملة نحو هذا فقال : اتبعنا الشافعي دون غیره لأنا و جدنا قوله أرجح الأقوال و أعدلها ، لا أنا قلدناه '' إلخ ابوعلی السنجی نے اسی طرح کی بات کہی: ہم نے اوروں کو چھوڑ کر شافعی کی اتباع اس وجہ سے کی کہ ہم نے اُن کا قول سب سے راجح اور صحیح ترین پایا، نہ اس وجہ سے اتباع کی کہ ہم اُن کے مقلد ہیں۔ الخ (المجموع ۴۳/۱)

ثابت ہوا کہ علماء کے ناموں کے ساتھ شافعی، حنفی اور مالکی وغیرہ کے دُم چھلوں کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ مقلدین تھے بلکہ صحیح یہ ہے کہ وہ مقلد نہیں تھے اور ان کا اجتہاد مذکورہ نسبت والے امام کے اجتہاد سے موافق ہو گیا تھا۔ نیز دیکھئے فقرہ: ۹۵ (ص ۵۴)

۲۱) قاضی ابوبکر محمد بن عمر بن اسماعیل الداودی (متوفی ۴۲۹ھ) نے ثقہ عند الجمہور امام ابوحفص عمر بن احمد بن عثمان المعروف ابن شاہین البغدادی (متوفی ۳۸۵ھ) کے بارے میں کہا: '' و کان أیضًا لا یعرف من الفقه لا قلیلاً و لا کثیرًا و کان إذا ذکر له مذاهب الفقهاء کالشافعي و غیره ، یقول : أنا محمدي المذهب ''

وہ (تقلیدی) فقہ نہیں جانتے تھے، نہ تھوڑی اور نہ زیادہ (یعنی وہ اس تقلیدی فقہ کو کچھ حیثیت نہیں دیتے تھے۔) آپ کے سامنے جب فقہاء مثلاً شافعی وغیرہ کے مذہب کا ذکر کیا جاتا تو فرماتے: میں محمدی المذہب ہوں۔ (تاریخ بغداد ج ۱۱ص ۲۶۷ ت ۶۰۲۸ وسندہ صحیح)

۲۲) سنن ابی داود کے مصنف امام ابو داود سجستانی سلیمان بن اشعث رحمہ اللہ (متوفی ۲۷۵ھ) کو حافظ ابن تیمیہ نے مقلدین کے زمرے سے نکال کر مجتہد مطلق قرار دیا۔
دیکھئے فقرہ: ۱۸

۲۳) سنن ترمذی کے مصنف امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسی بن سورہ الترمذی رحمہ اللہ (متوفی ۲۷۹ھ) کے بارے میں حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا:
''اہلِ حدیث کے مذہب پر تھے، کسی ایک معین عالم کے مقلد نہیں تھے۔'' دیکھئے فقرہ: ۱۸

۲۴) سنن نسائی کے مصنف امام احمد بن شعیب النسائی رحمہ اللہ (متوفی ۳۰۳ھ) کے بارے میں حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا:
''اہل حدیث کے مذہب پر تھے، کسی ایک معین عالم کے مقلد نہیں تھے۔'' دیکھئے فقرہ: ۱۸

۲۵) سنن ابن ماجہ کے مصنف امام محمد بن یزید ابن ماجہ القزوینی رحمہ اللہ (متوفی ۲۷۳ھ) کے بارے میں حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا:
''اہلِ حدیث کے مذہب پر تھے، کسی ایک معین عالم کے مقلد نہیں تھے۔'' دیکھئے فقرہ: ۱۸

۲۶) امام ابو یعلیٰ احمد بن علی بن المثنیٰ الموصلی رحمہ اللہ (متوفی ۳۰۷ھ) کے بارے میں حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا: ''اہلِ حدیث کے مذہب پر تھے، کسی ایک معین عالم کے مقلد نہیں تھے۔'' دیکھئے فقرہ: ۱۸

۲۷) ابو بکر احمد بن عمرو بن عبدالخالق البزار البصری (صدوق حسن الحدیث) رحمہ اللہ (متوفی ۲۹۲ھ) کے بارے میں حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا:
''اہلِ حدیث کے مذہب پر تھے، کسی ایک معین عالم کے مقلد نہیں تھے۔'' دیکھئے فقرہ: ۱۸

۲۸) حافظ ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم الاندلسی القرطبی (متوفی ۴۵۶ھ) نے تقلید

کے بارے میں فرمایا: '' و التقلید حرام ... والعامي والعالم في ذلك سواء و علیٰ کل أحد حظه الذي یقدر علیه من الاجتهاد . ''

اور تقلید حرام ہے... اس میں عامی اور عالم (دونوں) برابر ہیں اور ہر ایک پر اپنی استطاعت کے مطابق اجتہاد ضروری ہے۔ (النبذة الکافیہ فی احکام اصول الدین ص ۷۰۔۷۱)

نیز دیکھئے الاحکام لابن حزم اور المحلّٰی فی شرح المجلّٰی بالحجج والآثار۔

حافظ ابن حزم نے اپنے عقیدے والی کتاب میں کہا:

کسی شخص کے لئے تقلید کرنا حلال نہیں ہے، چاہے زندہ (کی تقلید) ہو یا مردہ (کی تقلید)

(کتاب الدرة فیما یجب اعتقادہ ص ۴۲۷، نیز دیکھئے دین میں تقلید کا مسئلہ ص ۳۹)

حافظ ابن حزم نے دعا کرتے ہوئے فرمایا: '' وأن یعصمنا من بدعة التقلید المحدث بعد القرون الثلاثة المحمودة . آمین ''

اور (اللہ) ہمیں قابلِ تعریف قرونِ ثلاثہ کے بعد پیدا شدہ تقلید (یعنی مذاہبِ اربعہ کی تقلید کی بدعت) سے بچائے۔ آمین (الرسالۃ الباہرہ ج ۱ ص ۵، المکتبۃ الشاملۃ)

۲۹) حافظ ابن عبدالبر اندلسی رحمہ اللہ (متوفی ۴۶۳ھ) نے اپنی مشہور کتاب میں باب باندھا ہے: '' باب فساد التقلید و الفرق بین التقلید و الاتباع ''

تقلید کے فساد کا باب اور تقلید اور اتباع میں فرق۔ (جامع بیان العلم وفضلہ ج ۲ ص ۲۱۸)

حافظ ابن عبدالبر کا مقلد ہونا قطعاً ثابت نہیں ہے بلکہ حافظ ذہبی نے فرمایا:

''فإنه ممن بلغ رتبة الأئمة المجتهدین '' پس بے شک وہ ائمۂ مجتہدین کے مرتبے تک پہنچنے والوں میں سے تھے۔ (سیر اعلام النبلاء ۱۸/ ۱۵۷)

اور یہ عام لوگوں کو بھی معلوم ہے کہ مجتہد مقلد نہیں ہوتا۔ نیز دیکھئے فقرہ: ۵

حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے بذاتِ خود فرمایا: '' لا فرق بین مقلّد و بهیمة ''

مقلد اور جانور میں کوئی فرق نہیں ہے۔ (جامع بیان العلم وفضلہ ج ۲ ص ۲۲۸)

تنبیہ: حافظ ابن عبدالبر اور خطیب بغدادی وغیرہما نے بعض عبارات میں عامی کے لئے

(زندہ) عالم کی تقلید کو جائز قرار دیا ہے جس کا مطلب صرف یہ ہے کہ جاہل آدمی عالم سے مسئلہ پوچھ کر اس پر عمل کرے۔ ہم بھی یہ کہتے ہیں کہ جاہل آدمی پر یہ ضروری ہے کہ وہ کتاب وسنت کے صحیح العقیدہ عالم سے مسئلہ پوچھ کر اُس پر عمل کرے لیکن اسے تقلید کہنا غلط ہے۔ اصولِ فقہ کا مشہور مسئلہ ہے کہ عامی کا مفتی (عالم) کی طرف رجوع تقلید نہیں ہے۔
دیکھئے مسلم الثبوت (ص ۲۸۹) اور دین میں تقلید کا مسئلہ (ص ۸۔۱۱)

۳۰) امیر المومنین خلیفہ ابو یوسف یعقوب بن یوسف بن عبدالمؤمن بن علی القیسی الکومی المراکشی الظاہری المغربی رحمہ اللہ (متوفی ۵۹۵ھ) نے اپنی سلطنت میں احکامِ شریعت نافذ کئے، جہاد کا جھنڈا بلند کیا، عدل وانصاف کے ساتھ حدود کا نفاذ کیا اور میزانِ عدل قائم کی۔
اُن کے بارے میں ابن خلکان مورخ نے لکھا ہے: " و كان ملكًا جوادًا متمسكًا بالشرع المطهر يأمر بالمعروف و ينهى عن المنكر كما ينبغي من غير محاباة و يصلّي بالناس الصلوات الخمس و يلبس الصوف و يقف للمرأة و للضعيف و يأخذلهم الحق و أوصى أن يدفن علىٰ قارعة الطريق ليترحّم عليه من يمر به " وہ سخی بادشاہ تھے، شریعتِ مطہرہ پر عمل کرنے والے، بغیر کسی خوف اور جانبداری کے نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے منع کرتے تھے جیسا کہ مناسب ہے، لوگوں کو پانچ نمازیں پڑھاتے، اُونی لباس پہنتے، عورت ہو یا کمزور اُن کے لئے رُک کر اُن کا حق دلاتے تھے، آپ نے یہ وصیت فرمائی کہ مجھے راستے کے درمیان یعنی قریب دفن کیا جائے تا کہ وہاں سے گزرنے والے میرے لئے رحمت کی دعا کریں۔ (وفیات الاعیان ج ۷ ص ۱۰)

اس مجاہد اور صحیح العقیدہ خلیفہ رحمہ اللہ کے بارے میں ابن خلکان نے مزید لکھا:
" و أمر برفض فروع الفقه و أنّ العلماء لا يفتون إلا بالكتاب العزيز والسنة النبوية و لا يقلّدون أحدًا من المجتهدين المتقدمين ، بل تكون أحكامهم بما يؤدي إليه اجتهاد هم من استنباطهم القضايا من الكتاب والحديث والإجماع والقياس . " اور انھوں نے فروعاتِ فقہ (مالکی فقہ کی کتابیں)

چھوڑ دینے کا حکم دیا اور فرمایا: علماء صرف قرآن مجید اور سنتِ نبویہ (حدیث) کے مطابق ہی فتوے دیں اور مجتہدین متقدمین میں سے کسی کی تقلید نہ کریں بلکہ اپنے اجتہاد و استنباط کے مطابق قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس سے فیصلے کریں۔

(تاریخ ابن خلکان: وفیات الاعیان ج ۷ ص ۱۱)

بعینہ یہی منہج، مسلک اور دعوت اہلِ حدیث (اہلِ سنت) کی ہے۔ والحمدللہ

اہلِ حدیث کو کذب و افتراء کے ساتھ انگریزی دور کی پیداوار کہنے والے ذرا آنکھیں کھول کر چھٹی صدی کے اس تقلید نہ کرنے والے خلیفہ کے حالات پڑھیں تا کہ انھیں کچھ نظر آئے۔

اس مجاہد خلیفہ کے بارے میں حافظ ذہبی نے لکھا ہے کہ انھوں نے مقلد کے بارے میں کہا: قرآن اور سنن ابی داود (حدیث کی کتاب) پر عمل کرو یا پھر یہ تلوار حاضر ہے۔

(سیر اعلام النبلاء ۲۱/۳۱۴ ملخصاً)

حافظ ذہبی نے مزید فرمایا:

''و عظم صيت العباد والصالحين في زمانه و كذلك أهل الحديث وارتفعت منزلتهم عنده فكان يسألهم الدعاء وانقطع في أيامه علم الفروع و خاف منه الفقهاء و أمر بإحراق كتب المذهب بعد أن يجرّد ما فيها من الحديث فأحرق منها جملة في سائر بلاده كالمدوّنة و كتاب ابن يونس و نوا در ابن أبي زيد والتهذيب للبرادعي والواضحة لابن حبيب .

قال محيي الدين عبدالواحد بن علي المراكشي فى كتاب المعجب له : ولقد كنت بفاس فشهدتُ يؤتى بالأحمال منها فتوضع و يطلق فيها النار. ''اور اُن کے زمانے میں عبادت گزاروں اور صالحین کی شان بلند ہوگئی اور اسی طرح اہلِ حدیث کا مقام اُن کے ہاں بلند ہوا اور وہ اُن سے دعا کرواتے تھے، اُن کے زمانے میں علمِ فروع ختم ہو گیا (یعنی تقلیدی فقہ کا اختتام ہوا) اور (نام نہاد تقلیدی) فقہاء اُن سے ڈرنے لگے، انھوں نے احادیث کو علیحدہ کرنے کے بعد (تقلیدی) مذہب کی کتابوں کو

جلانے کا حکم دیا لہٰذا پورے ملک میں مدوّنہ، کتاب ابن یونس (المالکی)، نوادر ابن ابی زید، تہذیب البرادعی اور ابن حبیب کی الواضحہ جیسی کتابیں جلا دی گئیں۔

محیی الدین عبدالواحد بن علی المراکشی نے اپنی کتاب المعجب (ص ۳۵۴) میں کہا: مَیں فاس (ایک شہر) میں تھا جب میں نے دیکھا، کتابوں کے بھار لائے جاتے پھر رکھ کر جلا دیئے جاتے تھے۔ (تاریخ الاسلام للذہبی ج ۴۲ ص ۲۱۶)

اے اللہ! اس مجاہد خلیفہ اور امیر المومنین کو جنت میں اعلیٰ مقام نصیب فرما اور ہمارے گناہ بخش کر اپنے فضل و کرم سے ایسے صحیح العقیدہ مجاہدین و مومنین کی مصاحبت عطا فرما۔ آمین

۳۱) جلال الدین سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ) نے کہا:

''ثم حدث بعدهم من اعتصم بهداهم و سلك سبيلهم في ذلك نحو:

يحيى بن سعيد القطان و عبدالرحمٰن بن مهدى و بشر بن المفضل و خالد ابن الحارث و عبدالرزاق و وكيع و يحيى بن آدم و حميد بن عبدالرحمٰن الرواسي والوليد بن مسلم والحميدي والشافعي و ابن المبارك و حفص ابن غياث و يحيى بن زكريا بن أبي زائدة و أبي داود الطيالسي و أبي الوليد الطيالسي و محمد بن أبي عدي و محمد بن جعفر و يحيى بن يحيى النيسابوري و يزيد بن زريع و إسماعيل بن علية و عبدالوارث بن سعيد وابنه عبدالصمد و وهب بن جرير و أزهر بن سعد و عفان بن مسلم و بشر ابن عمر و أبي عاصم النبيل والمعتمر بن سليمان والنضر بن شميل و مسلم بن إبراهيم والحجاج بن منهال وأبي عامر العقدي وعبدالوهاب الثقفي والفريابي و وهب بن خالد و عبدالله بن نمير و غيرهم ما من هو لاء أحد قلّد إمامًا كان قبله.''

پھر اُن کے بعد وہ لوگ آئے جو اُن کے راستے پر چلے اور ہدایت کو مضبوطی سے پکڑا۔ مثلاً:

یحییٰ بن سعید القطان، عبدالرحمٰن بن مہدی، بشر بن المفضل، خالد بن الحارث، عبدالرزاق

(بن ہمام الصنعانی)، وکیع (بن الجراح)، یحییٰ بن آدم، حمید بن عبدالرحمٰن الرواسی، ولید بن مسلم، (عبداللہ بن الزبیر) الحمیدی، (محمد بن ادریس) الشافعی، (عبداللہ) بن المبارک، حفص بن غیاث، یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ، ابوداود الطیالسی، ابوالولید الطیالسی، محمد بن ابی عدی، محمد بن جعفر، یحییٰ بن یحییٰ النیسابوری، یزید بن زریع، اسماعیل بن علیہ، عبدالوارث بن سعید، عبدالصمد بن عبدالوارث بن سعید، وہب بن جریر، ازہر بن سعد، عفان بن مسلم، بشر بن عمر، ابوعاصم النبیل، معتمر بن سلیمان، نضر بن شمیل، مسلم بن ابراہیم، حجاج بن منہال، ابوعامر العقدی، عبدالوہاب الثقفی، فریابی، وہیب (✓) بن خالد، عبداللہ بن نمیر اور دوسرے، ان میں سے کسی ایک نے بھی اپنے سے پہلے امام کی تقلید نہیں کی۔

(الرد علیٰ من اخلد الی الارض وجہل أن الاجتہاد فی کل عصر فرض ص ۱۳۶۔۱۳۷)

معلوم ہوا کہ امام احمد، امام علی بن المدینی اور امام یحییٰ بن معین وغیرہم کے استاذ ''ثقة متقن حافظ إمام قدوة'' امام ابوسعید یحییٰ بن سعید بن فروخ القطان البصری رحمہ اللہ (متوفی ۱۹۸ھ) مقلد نہیں تھے۔

فائدہ: یحییٰ بن سعید القطان نے امام سلیمان بن طرخان التیمی رحمہ اللہ (تابعی) کے بارے میں فرمایا: وہ ہمارے نزدیک اہل حدیث میں سے ہیں۔ (دیکھئے مسند علی بن الجعد: ۱۳۵۴، وسندہ صحیح، الجرح والتعدیل ۱۲۵/۴، وسندہ صحیح، میری کتاب علمی مقالات ج ۱ ص ۱۶۲)

۳۲) ثقہ ثبت حافظ عارف بالرجال والحدیث امام ابوسعید عبدالرحمٰن بن مہدی البصری رحمہ اللہ (متوفی ۱۹۸ھ) بقولِ سیوطی مقلد نہیں تھے۔ دیکھئے فقرہ نمبر ۳۱

۳۳) ثقہ ثبت عابد امام ابواسماعیل بشر بن المفضل بن لاحق الرقاشی البصری رحمہ اللہ (متوفی ۱۸۶ھ یا ۱۸۷ھ) بقولِ سیوطی مقلد نہیں تھے۔ دیکھئے فقرہ: ۳۱

۳۴) ثقہ ثبت امام ابوعثمان خالد بن الحارث بن عبید بن مسلم الہجیمی البصری رحمہ اللہ (متوفی ۱۸۶ھ) بقولِ سیوطی مقلد نہیں تھے۔ دیکھئے فقرہ: ۳۱

۳۵) ثقہ وصدوق عند الجمہور امام عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی الیمنی رحمہ اللہ (متوفی

۲۱۱ھ) بقولِ سیوطی تقلید نہیں کرتے تھے۔ دیکھئے فقرہ:۳۱

۳٦) ثقہ حافظ عابد امام ابوسفیان وکیع بن الجراح بن ملیح الرواسی الکوفی رحمہ اللہ (متوفی ۱۹۷ھ) بقولِ سیوطی تقلید کرنے والے نہیں تھے۔ دیکھئے فقرہ:۳۱

۳۷) ثقہ حافظ فاضل ابوزکریا یحییٰ بن آدم بن سلیمان الکوفی رحمہ اللہ (متوفی ۲۰۳ھ) کے بارے میں سیوطی نے کہا کہ انھوں نے اپنے سے پہلے کسی ایک امام کی بھی تقلید نہیں کی۔ دیکھئے فقرہ:۳۱

۳۸) ثقہ امام ابوعوف حمید بن عبدالرحمٰن بن حمید الرواسی الکوفی رحمہ اللہ (متوفی ۱۸۹ھ) بقولِ سیوطی تقلید نہیں کرتے تھے۔ دیکھئے فقرہ:۳۱

۳۹) ثقہ وصدوق اور مدلس امام ابوالعباس ولید بن مسلم القرشی الدمشقی رحمہ اللہ (متوفی ۱۹۴ھ) بقولِ سیوطی تقلید نہیں کرتے تھے۔ دیکھئے فقرہ نمبر۳۱

۴۰) امام بخاری کے استاذ ثقہ حافظ فقیہ امام ابوبکر عبداللہ بن زبیر بن عیسیٰ الحمیدی المکی رحمہ اللہ (متوفی ۲۱۹ھ) بقولِ سیوطی تقلید نہیں کرتے تھے۔ دیکھئے فقرہ:۳۱

۴۱) ثقہ ثبت فقیہ عالم جواد مجاہد امام عبداللہ بن المبارک المروزی رحمہ اللہ (متوفی ۱۸۱ھ) بقولِ سیوطی تقلید نہیں کرتے تھے۔ دیکھئے فقرہ:۳۱

۴۲) ثقہ وصدوق فقیہ ابوعمر حفص بن غیاث بن طلق بن معاویہ الکوفی القاضی رحمہ اللہ (متوفی ۱۹۵ھ) بقولِ سیوطی تقلید نہیں کرتے تھے۔ دیکھئے فقرہ:۳۱

تنبیہ: حفص بن غیاث رحمہ اللہ نے فرمایا: ''کنت أجلس إلٰی أبي حنیفة فأسمعه یسأل عن مسألة فی الیوم الواحد فیفتي فیها بخمسة أقاویل ، فلما رأیت ذلك ترکته و أقبلت علی الحدیث ''میں ابوحنیفہ کے پاس بیٹھتا تھا تو ایک دن میں ہی ایک مسئلے کے بارے میں اسے پانچ مختلف فتوے دیتے ہوئے سنتا، جب میں نے یہ دیکھا تو اُسے چھوڑ دیا (ترک کر دیا) اور حدیث کی طرف مکمل طور پر متوجہ ہو گیا۔

(تاریخ بغداد ج ۱۳ص ۴۲۵ وسندہ صحیح)

ابراہیم بن سعید الجوہری رحمہ اللہ سے اس روایت کے راوی ابوبکر احمد بن جعفر بن محمد بن سلم ثقہ تھے۔ دیکھئے التنکیل بمافی تأنیب الکوثری من الاباطیل (۱۰۳/۱ ت ۱۳)

عبداللہ بن احمد بن حنبل (السنہ: ۳۱۶) اور احمد بن یحییٰ بن عثمان (کتاب المعرفۃ والتاریخ ۷۸۹/۲) دونوں نے اُن کی متابعت کر رکھی ہے یعنی انھوں نے اسی روایت کو امام ابراہیم بن سعید الجوہری رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے۔

معلوم ہوا کہ امام حفص بن غیاث الکوفی نے اہل الرائے کا مذہب چھوڑ کر اہلِ حدیث کا مذہب اختیار کر لیا تھا۔ رحمہ اللہ

۴۳) ثقہ متقن امام ابوسعید یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ الہمدانی الکوفی رحمہ اللہ (متوفی ۱۸۴ھ) بقولِ سیوطی تقلید نہیں کرتے تھے۔ دیکھئے فقرہ: ۳۱

۴۴) ثقہ وصدوق حافظ ابوداود سلیمان بن داود بن الجارود الطیالسی البصری رحمہ اللہ (متوفی ۲۰۴ھ) بقولِ سیوطی تقلید نہیں کرتے تھے۔ دیکھئے فقرہ: ۳۱

۴۵) ثقہ ثبت امام ابوالولید ہشام بن عبدالملک الباہلی الطیالسی البصری رحمہ اللہ (متوفی ۲۲۷ھ) بقولِ سیوطی تقلید نہیں کرتے تھے۔ دیکھئے فقرہ: ۳۱

۴۶) ثقہ امام ابوعمرو محمد بن ابراہیم بن ابی عدی البصری رحمہ اللہ (متوفی ۱۹۴ھ) بقولِ سیوطی تقلید نہیں کرتے تھے۔ دیکھئے فقرہ: ۳۱

۴۷) ثقہ وصدوق وثقہ الجمہور امام محمد بن جعفر الہذلی البصری المعروف: غندر رحمہ اللہ (متوفی ۱۹۴ھ) بقولِ سیوطی تقلید نہیں کرتے تھے۔ دیکھئے فقرہ: ۳۱

۴۸) ثقہ ثبت امام ابوزکریا یحییٰ بن یحییٰ بن بکر بن عبدالرحمٰن التمیمی النیسابوری رحمہ اللہ (متوفی ۲۲۶ھ) بقولِ سیوطی تقلید نہیں کرتے تھے۔ دیکھئے فقرہ: ۳۱

۴۹) ثقہ ثبت امام ابومعاویہ یزید بن زریع البصری رحمہ اللہ (متوفی ۱۸۲ھ) بقولِ سیوطی مقلد نہیں تھے۔ دیکھئے فقرہ: ۳۱

۵۰) ثقہ حافظ امام ابوبشر اسماعیل بن ابراہیم بن مقسم الاسدی البصری رحمہ اللہ المعروف:

ابن علیہ (متوفی ۱۹۳ھ) بقولِ سیوطی کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ دیکھئے فقرہ:۳۱

۵۱) ثقہ ثبت سنی امام ابوعبیدہ عبدالوارث بن سعید بن ذکوان العنبری التنوری البصری رحمہ اللہ (متوفی ۱۸۰ھ) بقولِ سیوطی مقلد نہیں تھے۔ دیکھئے فقرہ:۴۱

۵۲) ثقہ وصدوق امام ابوسہل عبدالصمد بن عبدالوارث بن سعید البصری رحمہ اللہ (متوفی ۲۰۷ھ) بقولِ سیوطی تقلید نہیں کرتے تھے۔ دیکھئے فقرہ:۳۱

۵۳) ثقہ امام ابوالعباس وہب بن جریر بن حازم بن زید البصری الازدی رحمہ اللہ (متوفی ۲۰۶ھ) بقولِ سیوطی کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ دیکھئے فقرہ:۳۱

۵٤) ثقہ امام ابوبکر ازہر بن سعید السمان الباہلی البصری رحمہ اللہ (متوفی ۲۰۳ھ) بقولِ سیوطی مقلد نہیں تھے۔ دیکھئے فقرہ:۳۱

۵۵) ثقہ ثبت امام ابوعثمان عفان بن مسلم بن عبداللہ الباہلی الصفار البصری رحمہ اللہ (متوفی ۲۱۹ھ) بقولِ سیوطی کسی کے مقلد نہیں تھے۔ دیکھئے فقرہ:۳۱

۵٦) ثقہ امام ابومحمد بشر بن عمر بن الحکم الزہرانی الازدی البصری رحمہ اللہ متوفی (۲۰۹ھ) بقولِ سیوطی کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ دیکھئے فقرہ:۳۱

۵۷) ثقہ ثبت امام ابوعاصم ضحاک بن مخلد بن ضحاک بن مسلم الشیبانی النبیل البصری رحمہ اللہ (متوفی ۲۱۲ھ) بقولِ سیوطی کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ دیکھئے فقرہ:۳۱

۵۸) ثقہ امام ابومحمد معتمر بن سلیمان بن طرخان التیمی البصری رحمہ اللہ (متوفی ۱۸۷ھ) بقولِ سیوطی تقلید نہیں کرتے تھے۔ دیکھئے فقرہ:۳۱

۵۹) ثقہ ثبت امام ابوالحسن نضر بن شمیل المازنی البصری النحوی رحمہ اللہ (متوفی ۲۰۴ھ) بقولِ سیوطی تقلید نہیں کرتے تھے۔ دیکھئے فقرہ:۳۱

٦۰) ثقہ امام ابوعمرو مسلم بن ابراہیم الازدی الفراہیدی البصری رحمہ اللہ (متوفی ۲۲۲ھ) بقولِ سیوطی کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ دیکھئے فقرہ:۳۱

٦۱) ثقہ فاضل امام ابومحمد حجاج بن منہال الانماطی السلمی البصری رحمہ اللہ (متوفی

۲۱۷ھ) بقولِ سیوطی تقلید نہیں کرتے تھے۔ دیکھئے فقرہ:۳۱

٦٢) ثقہ امام ابو عامر عبدالملک بن عمرو القیسی العقدی رحمہ اللہ (متوفی ۲۰۵ھ) بقولِ سیوطی کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ دیکھئے فقرہ:۳۱

٦٣) ثقہ وصدوق امام ابو محمد عبدالوہاب بن عبدالمجید بن الصلت الثقفی البصری رحمہ اللہ (متوفی ۱۹۴ھ) بقولِ سیوطی کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ دیکھئے فقرہ:۳۱

٦٤) ثقہ وصدوق امام محمد بن یوسف بن واقد الضبی الفریابی رحمہ اللہ (متوفی ۲۱۲ھ) بقولِ سیوطی تقلید نہیں کرتے تھے۔ دیکھئے فقرہ:۳۱

امام فریابی نے اپنے اور اپنے ساتھیوں کے بارے میں فرمایا:

اور ہم اہلِ حدیث کی ایک جماعت تھے۔ (الجرح والتعدیل ۶۰/۱ وسندہ صحیح، علمی مقالات ج ۱ ص ۱۶۴)

٦٥) ثقہ وصدوق امام ابو بکر وہیب بن خالد بن عجلان الباہلی البصری رحمہ اللہ (متوفی ۱۶۵ھ) بقولِ سیوطی کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ دیکھئے فقرہ:۳۱

تنبیہ: اصل میں وہب بن خالد لکھا ہوا ہے جو کہ کاتب یا ناسخ کی غلطی معلوم ہوتی ہے، اور اگر یہ غلطی نہ ہو تو اس طبقے میں ابو خالد وہب بن خالد الحمیری الحمصی ثقہ تھے۔
دیکھئے تقریب التہذیب: ۷۴۷۴

٦٦) اہلِ سنت کے ثقہ امام ابو ہشام عبداللہ بن نمیر الکوفی الہمدانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۹۹ھ) بقولِ سیوطی کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ دیکھئے فقرہ:۳۱

٦٧) جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی (متوفی ۹۱۱ھ) نے مزید فرمایا:

''ثم تلاهم على مثل ذلك أحمد بن حنبل و إسحاق بن راهويه و أبو ثور و أبو عبيد و أبو خيثمة و أبو أيوب الهاشمي و أبو إسحاق الفزاري و مخلد ابن الحسين و محمد بن يحيى الذهلي و أبو بكر وعثمان ابنا أبي شيبة و سعيد بن منصور و قتيبة و مسدد و الفضل بن دكين و محمد بن المثنى وبندار ومحمد بن عبدالله بن نمير و محمد بن العلاء و الحسن بن محمد

الزعفراني و سليمان بن حرب و عارم وغيرهم ليس منهم أحد قلّد رجلاً، وقد شاهدوا من قبلهم و رأوهم فلو رأوا أنفسهم في سعة من أن يقلدوا دينهم أحدًا منهم لقلّدوا . ''پھر اُن کے بعد احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، ابوثور، ابوعبید، ابوخیثمہ، ابوایوب الہاشمی، ابواسحاق الفزاری، مخلد بن الحسین، محمد بن یحییٰ الذہلی، ابوبکر بن ابی شیبہ، عثمان بن ابی شیبہ، سعید بن منصور، قتیبہ، مسدد، فضل بن دکین، محمد بن المثنیٰ، بندار، محمد بن عبداللہ بن نمیر، محمد بن العلاء، حسن بن محمد الزعفرانی، سلیمان بن حرب، عارم اور اُن جیسے دوسرے آئے، اُن میں سے کسی ایک نے بھی کسی آدمی کی تقلید نہیں کی، انھوں نے پہلے لوگوں کو دیکھا اور اُن کا مشاہدہ کیا تھا لہٰذا وہ اگر اپنے دین میں کسی کی تقلید کی وسعت (جواز) پاتے تو اُن (پہلوں) میں سے کسی کی تقلید کرتے۔! (الرد علیٰ من اخلد الی الارض ص ۱۴۷)

سیوطی کی اس تصریح سے معلوم ہوا کہ ثقہ امام ابومحمد اسحاق بن ابراہیم بن مخلد الحنظلی المروزی المعروف: ابن راہویہ رحمہ اللہ (متوفی ۲۳۸ھ) مقلد نہیں تھے۔

اُن (امام اسحاق بن راہویہ) کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے:
''مجتهد قرين أحمد بن حنبل'' وہ مجتہد ہیں، احمد بن حنبل کے ہم نشین ساتھی (یا جوڑ) ہیں۔ (تقریب التہذیب: ۳۳۲)

۶۸) ثقہ فاضل امام ابوعبید القاسم بن سلام البغدادی رحمہ اللہ (متوفی ۲۲۴ھ) بقولِ سیوطی تقلید نہیں کرتے تھے۔ دیکھئے فقرہ: ۶۷

۶۹) ثقہ ثبت امام ابوخیثمہ زہیر بن حرب بن شداد النسائی البغدادی رحمہ اللہ (متوفی ۲۳۴ھ) بقولِ سیوطی کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ دیکھئے فقرہ: ۶۷

۷۰) ثقہ جلیل القدر امام ابوایوب سلیمان بن داود بن داود بن علی الہاشمی الفقیہ البغدادی رحمہ اللہ (متوفی ۲۱۹ھ) بقولِ سیوطی کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ دیکھئے فقرہ: ۶۷

۷۱) ثقہ حافظ امام ابواسحاق ابراہیم بن محمد بن الحارث الفزاری رحمہ اللہ (متوفی ۱۸۹ھ) بقولِ سیوطی کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ دیکھئے فقرہ: ۶۷

۷۲) ثقہ فاضل امام ابو محمد مخلد بن الحسین المہلبی البصری رحمہ اللہ (متوفی ۱۹۱ھ) بقولِ سیوطی تقلید نہیں کرتے تھے۔ دیکھئے فقرہ: ٦٧

۷۳) ثقہ حافظ امام محمد بن یحییٰ بن عبداللہ بن خالد الذہلی النیسابوری رحمہ اللہ (متوفی ۲٦٨ھ) بقولِ سیوطی کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ دیکھئے فقرہ: ٦٧

۷۴) ثقہ حافظ امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ ابراہیم بن عثمان الواسطی الکوفی رحمہ اللہ (متوفی ۲۳۵ھ) بقولِ سیوطی کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ دیکھئے فقرہ: ٦٧

۷۵) ثقہ حافظ امام ابوالحسن عثمان بن ابی شیبہ العبسی الکوفی رحمہ اللہ (متوفی ۲۳۹ھ) بقولِ سیوطی کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ دیکھئے فقرہ: ٦٧

۷٦) ثقہ مصنف امام ابوعثمان سعید بن منصور بن شعبہ الخراسانی المکی رحمہ اللہ (متوفی ۲۲۷ھ) بقولِ سیوطی کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ دیکھئے فقرہ: ٦٧

۷۷) ثقہ ثبت سُنی امام ابورجاء قتیبہ بن سعید بن جمیل الثقفی البغلانی رحمہ اللہ (متوفی ۲۴۰ھ) بقولِ سیوطی کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ دیکھئے فقرہ: ٦٧

امام قتیبہ بن سعید نے فرمایا: ''**إذا رأيتَ الرجل يحب أهل الحديث مثل يحيى ابن سعيد القطان و عبدالرحمٰن بن مهدي و أحمد بن حنبل و إسحاق بن راهويه و ذكر قومًا آخرين فإنه على السنة و من خالف هذا فاعلم أنه مبتدع .** ''جب تم کسی کو دیکھو کہ اہلِ حدیث سے محبت کرتا ہے، مثلاً یحییٰ بن سعید القطان، عبدالرحمٰن بن مہدی، احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ سے اور انھوں نے دوسرے لوگوں کا ذکر کیا، تو یہ شخص سنت پر (یعنی سنی) ہے اور جو اس کے مخالف ہے تو جان لو کہ وہ بدعتی ہے۔

(شرف اصحاب الحدیث للخطیب: ۱۴۳، وسندہ صحیح)

امام یحییٰ القطان، امام عبدالرحمٰن بن مہدی، امام احمد اور امام اسحاق بن راہویہ یہ سب کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ دیکھئے فقرہ: ۳۱، ۳۲، ۵، ٦٧ (علی الترتیب)

۷۸) ثقہ حافظ امام ابوالحسن مسدد بن مسرہد بن مسربل بن مستورد الاسدی البصری رحمہ اللہ

(متوفی ۲۲۸ھ) بقولِ سیوطی کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ دیکھئے فقرہ: ٦٧

۷۹) ثقہ ثبت امام ابونعیم الفضل بن دکین: عمرو بن حماد التیمی الملائی الکوفی رحمہ اللہ (متوفی ۲۱۷ھ) بقولِ سیوطی کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ دیکھئے فقرہ: ٦٧

۸۰) ثقہ ثبت امام ابوموسیٰ محمد بن المثنیٰ بن عبید البصری العنزی رحمہ اللہ (متوفی ۲۵۲ھ) بقولِ سیوطی کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ دیکھئے فقرہ: ٦٧

۸۱) ثقہ وصدوق امام ابوبکر محمد بن بشار بن عثمان العبدی البصری: بندار رحمہ اللہ (متوفی ۲۵۲ھ) بقولِ سیوطی کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ دیکھئے فقرہ: ٦٧

۸۲) ثقہ حافظ فاضل امام ابوعبدالرحمٰن محمد بن عبداللہ بن نمیر الہمدانی الکوفی رحمہ (متوفی ۲۳۴ھ) بقولِ سیوطی کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ دیکھئے فقرہ: ٦٧

۸۳) ثقہ حافظ امام ابوکریب محمد بن العلاء بن کریب الہمدانی الکوفی رحمہ اللہ (متوفی ۲۴۷ھ) بقولِ سیوطی کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ دیکھئے فقرہ: ٦٧

۸٤) ثقہ امام ابوعلی الحسن بن محمد بن الصباح الزعفرانی البغدادی صاحب الشافعی رحمہ اللہ (متوفی ۲٦۰ھ) بقولِ سیوطی کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ دیکھئے فقرہ: ٦٧

۸۵) ثقہ امام حافظ سلیمان بن حرب الازدی البصری الواشحی رحمہ اللہ (متوفی ۲۲۴ھ) بقولِ سیوطی کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ دیکھئے فقرہ: ٦٧

۸٦) ثقہ وصدوق امام ابوالنعمان محمد بن الفضل السدوسی البصری: عارم رحمہ اللہ (متوفی ۲۲۴ھ) بقولِ سیوطی کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ دیکھئے فقرہ: ٦٧

فائدہ: امام ابوالنعمان کے بارے میں حافظ ذہبی نے فرمایا:

''تغیر قبل موته فما حدث'' وہ وفات سے قبل تغیر (اختلاط) کا شکار ہوئے لیکن انھوں نے (اس حالت میں) کوئی حدیث بیان نہیں کی۔ (الکاشف ج۳ ص۷۹ ت۵۱۹۷)

معلوم ہوا کہ امام ابوالنعمان کی روایات پر اختلاط کا اعتراض غلط اور مردود ہے۔

۸۷) جلال الدین سیوطی نے (غالباً حافظ ابن حزم اندلسی سے نقل کرتے ہوئے) فرمایا:

”و لم أجد أحدًا ممن يوصف بالعلم قديمًا و حديثًا يستجيز التقليد و لا يأمربه و كذلك ابن وهب و ابن الماجشون والمغيرة بن أبي حازم و مطرف و ابن كنانة لم يقلّدوا شيخهم مالكًا في كل ما قال :بل خالفوه في مواضع و اختاروا غير قوله .“ ”میں نے قدیم وجدید زمانے میں کسی عالم کوتقلید کو جائز قرار دیتے یا اس کا حکم دیتے ہوئے نہیں پایا، اسی طرح ابن وہب، ابن الماجشون، مغیرہ بن ابی حازم (☆) مطرف اور (عثمان بن عیسیٰ) ابن کنانہ نے اپنے استاذ (امام) مالک کی ہر بات میں تقلید نہیں کی بلکہ انھوں نے کئی مقامات پر اُن کی مخالفت کی اور اُن کے قول کو چھوڑ کر دوسرے اقوال اختیار کئے۔ (الرد علیٰ من اخلد الی الارض ص ۱۳۷)

معلوم ہوا کہ (صدوق امام) ابو مروان عبدالملک بن عبدالعزیز بن عبداللہ بن ابی سلمہ الماجشون القرشی التیمی المدنی رحمہ اللہ (متوفی ۲۱۳ھ) سیوطی کے نزدیک تقلید نہیں کرتے تھے۔

☆ تنبیہ: اصل میں مغیرہ بن ابی حازم ہے جبکہ صحیح مغیرہ وابن ابی حازم ہے، جیسا کہ جوامع السیرہ لابن حزم (۱/۳۲۶، الشاملہ) سے ظاہر ہے۔ مغیرہ سے مراد ابن عبدالرحمٰن المخزومی اور ابن ابی حازم سے مراد عبدالعزیز ہیں۔

۸۸) صدوق فقیہ مغیرہ بن عبدالرحمٰن بن الحارث بن عبداللہ بن عیاش المخزومی المدنی رحمہ اللہ (متوفی ۱۸۸ھ) بقولِ سیوطی تقلید نہیں کرتے تھے۔ دیکھئے فقرہ: ۸۷

۸۹) صدوق فقیہ عبدالعزیز بن ابی حازم المدنی رحمہ اللہ (متوفی ۱۸۴ھ) بقولِ سیوطی تقلید نہیں کرتے تھے۔ دیکھئے فقرہ: ۸۷

۹۰) ثقہ امام ابو مصعب مطرف بن عبداللہ بن مطرف الیساری المدنی ابن اخت مالک رحمہما اللہ (متوفی ۲۲۰ھ) بقولِ سیوطی تقلید نہیں کرتے تھے۔ دیکھئے فقرہ: ۸۷

۹۱) حافظ ابن حزم اندلسی نے فرمایا:

”ثم أصحاب الشافعي و كانوا مجتهدين غير مقلّدين كأبي يعقوب

البويطي و إسماعيل بن يحيى المزني . ''

پھر شافعی (رحمہ اللہ) کے شاگرد مجتہدین غیر مقلدین تھے، جیسے ابو یعقوب البویطی اور اسماعیل بن یحییٰ المزنی (جوامع السیرۃ ج ۱ ص ۳۳۳، المکتبۃ الشاملۃ)

معلوم ہوا کہ ابن حزم کے نزدیک ابو یعقوب یوسف بن یحییٰ المصری البویطی صاحب الامام الشافعی رحمہ اللہ (ثقہ امام سید الفقہاء، متوفی ۲۳۱ھ) غیر مقلد تھے۔

۹۲) ثقہ امام فقیہ ابو ابراہیم اسماعیل بن یحییٰ بن اسماعیل المزنی المصری رحمہ اللہ (متوفی ۲۶۴ھ) بقولِ ابن حزم غیر مقلد تھے۔ دیکھئے فقرہ: ۹۱

نیز دیکھئے فقرہ: ۴

ابو علی احمد بن علی بن الحسن بن شعیب بن زیاد المدائنی: **حسن الحدیث و ثقہ الجمہور** (متوفی ۳۲۷ھ) نے اپنے استاذ امام مزنی رحمہ اللہ سے نقل کیا:

جو شخص تقلید کا فیصلہ کرتا ہے تو اُسے کہا جاتا ہے: کیا تمھارے اس فیصلے کی تمھارے پاس کوئی دلیل ہے؟ اگر وہ جواب دے: جی ہاں، تو اس نے تقلید کو باطل کر دیا کیونکہ یہ فیصلہ تو دلیل کی بنیاد پر ہوا ہے نہ کہ تقلید کی بنیاد پر اور اگر وہ کہے: نہیں، تو اُس سے کہا جاتا ہے: تو نے کس لئے خون بہا دیئے، شرمگاہوں کو حلال کر دیا اور اموال ضائع کر دیئے؟ اللہ نے تجھ پر یہ سب حرام قرار دیا تھا لیکن تو نے بغیر دلیل کے حلال کر دیا... الخ (الفقیہ والمتفقہ ۲/ ۶۹۔۷۰ وسندہ حسن)

اس طویل کلام میں امام مزنی نے بڑے احسن اور عام فہم طریقے سے تقلید کو باطل قرار دیا۔ رحمہ اللہ

۹۳) خطیبِ مالقہ علامہ ابو محمد عبدالعظیم بن عبداللہ بن ابی الحجاج ابن الشیخ البلوی رحمہ اللہ (متوفی ۶۶۶ھ) کے بارے میں حافظ ذہبی اور خلیل بن ایبک الصفدی دونوں نے کہا:

'' **ولہ اختیارات لا یقلّد فیھا أحدًا** '' اور ان کے خاص مسائل تھے، وہ ان میں کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ (تاریخ الاسلام ج ۴۹ ص ۲۲۶، الوافی بالوفیات ج ۱۹ ص ۱۲)

۹۴) سیوطی نے حافظ ابن حزم سے نقل کیا:

''و من آخر ما أدركنا علىٰ ذلك شيخنا أبو عمر الطلمنكي فما كان يقلّد أحدًا و ذهب إلىٰ قول الشافعي في بعض المسائل و الآن محمد بن عوف لا يقلّد أحدًا و قال بقول الشافعي في بعض المسائل .'' ''اور آخر میں ہم نے جنھیں پایا ہے، ہمارے استاذ ابو عمر الطلمنکی کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے اور بعض مسائل میں انھوں نے شافعی کے قول پر فتویٰ دیا اور اب محمد بن عوف (؟) کسی کی تقلید نہیں کرتے اور بعض مسائل میں انھوں نے شافعی کے قول پر فتویٰ دیا ہے۔ (الردعلیٰ من اخلد الی الارض ص ۱۳۸)

ثابت ہوا کہ ثقہ امام حافظ ابو عمر احمد بن محمد بن عبداللہ المعافری الاندلسی الطلمنکی رحمہ اللہ (متوفی ۴۲۹ھ) حافظ ابن حزم کے نزدیک کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے۔

امام طلمنکی کے بارے میں حافظ ذہبی نے فرمایا:

''الإمام المحقق المحدّث الحافظ الأثري ...''

امام محقق محدّث حافظ اثری (سیر اعلام النبلاء ۱۷/۵۶۷)

نیز دیکھئے فقرہ: ۷

۹۵) کئی حنفی وغیر حنفی فقہاء نے ابوبکر القفال، ابوعلی اور قاضی حسین سے نقل کیا کہ انھوں نے فرمایا: ''لسنا مقلّدين للشافعي بل وافق رأينا رأيه .'' ''ہم شافعی کے مقلدین نہیں ہیں بلکہ ہماری رائے اُن کی رائے کے موافق ہوگئی ہے۔ (دیکھئے النافع الکبیر لمن یطالع الجامع الصغیر لعبدالحی اللکنوی ص ۷، تقریرات الرافعی ج ۱ ص ۱۱، التقریر والتحبیر ج ۳ ص ۴۵۳)

معلوم ہوا کہ (ان علماء کے نزدیک) علامہ ابوبکر عبداللہ بن احمد بن عبداللہ القفال المروزی الخراسانی الشافعی رحمہ اللہ (متوفی ۴۱۷ھ) مقلدین میں سے نہیں تھے۔

۹۶) سابقہ حوالے سے ثابت ہے کہ قاضی ابوعلی حسین المروزی الشافعی رحمہ اللہ (متوفی ۴۶۲ھ) مقلدین میں سے نہیں تھے۔ دیکھئے فقرہ: ۹۵

۹۷) ابوعلی الحسن (الحسین) بن محمد بن شعیب السنجی المروزی الشافعی رحمہ اللہ (متوفی ۴۳۲ھ) مقلدین میں سے نہیں تھے۔ دیکھئے فقرہ: ۹۵

معلوم ہوا کہ جن علماء کو شافعی کہا جاتا ہے، وہ اپنے اعلان اور اپنی گواہی کے مطابق مقلدین میں سے نہیں تھے۔ نیز دیکھئے طبقات الشافعیہ الکبریٰ للسبکی (ج ۲ ص ۸۷ ترجمہ محمد بن ابراہیم بن المنذر النیسابوری) اور فقرہ:۱۱

۹۸) شیخ الاسلام حافظ تقی الدین ابوالعباس احمد بن عبدالحلیم الحرانی عرف ابن تیمیہ رحمہ اللہ (متوفی ۷۲۸ھ) نے فرمایا: '' إنما أتناول ما أتناول منها علٰى معرفتي بمذهب أحمد ، لا علٰى تقليدي له '' میں تو احمد کے مذہب سے وہی لیتا ہوں جس کی معرفت رکھتا ہوں، میں اُن کی تقلید نہیں کرتا۔ (اعلام الموقعین لابن القیم ج ۲ ص ۲۴۱۔۲۴۲)

حافظ ابن تیمیہ نے فرمایا: اور اگر کوئی کہنے والا یہ کہے کہ عوام پر فلاں یا فلاں کی تقلید واجب ہے، تو یہ قول کسی مسلمان کا نہیں ہے۔ (مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲۲ ص ۲۴۹)

اور فرمایا: کسی ایک مسلمان پر بھی علماء میں سے کسی ایک متعین عالم کی ہر بات میں تقلید واجب نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی شخص متعین کے مذہب کا التزام کسی ایک مسلمان پر واجب نہیں ہے کہ ہر چیز میں اسی کی پیروی شروع کر دے۔

(مجموع فتاویٰ ج ۲۰ ص ۲۰۹، نیز دیکھئے دین میں تقلید کا مسئلہ ص ۴۰)

حافظ ابن تیمیہ کے بارے میں اُن کے شاگرد حافظ ذہبی نے فرمایا:

'' المجتهد المفسر '' إلخ مجتہد مفسر (تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۱۴۹۶ ت ۱۱۷۵)

۹۹) حافظ ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ (متوفی ۷۵۱ھ) نے تقلید کے رد پر ''اعلام الموقعین عن رب العالمین'' کے نام سے زبردست کتاب لکھی اور فرمایا: '' و إنما حدثت هذه البدعة في القرن الرابع المذموم علٰى لسان رسول الله ﷺ . ''

اور (تقلید کی) یہ بدعت چوتھی صدی میں پیدا ہوئی ہے جس (صدی) کی مذمت رسول اللہ ﷺ نے اپنی (مقدس) زبان سے بیان فرمائی ہے۔

(اعلام الموقعین ج ۲ ص ۲۰۸، دین میں تقلید کا مسئلہ ص ۳۲)

اہلِ حدیث کے نزدیک سلف صالحین کے متفقہ فہم کی روشنی میں قرآن، حدیث اور

اجماع پر عمل ہونا چاہئے اور تقلید جائز نہیں ہے۔ چونکہ حافظ ابن القیم بھی اسی مسلک کے قائل وفاعل تھے لہٰذا ظفر احمد تھانوی دیوبندی نے اپنے خاص دیوبندی انداز میں کہا:

''لأنا رأينا أن ابن القيم الذي هو الأب لنوع هذه الفرقة '' کیونکہ ہم نے دیکھا کہ اس فرقے (یعنی اہلِ حدیث) کی قسم کے باپ ابن القیم ہیں۔

(اعلاء السنن ج ۲۰ ص ۸، عنوان: الدین القیم، ترجمہ از ناقل)

نیز دیکھئے فقرہ نمبر ۱، سے پہلے تمہید۔

۱۰۰) حافظ ابوعبداللہ شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان الذہبی رحمہ اللہ (متوفی ۷۴۸ھ) نے کئی مقامات پر کھل کر تقلید کی مخالفت کی اور فرمایا:

''**و كل إمام يؤخذ من قوله و يترك إلا إمام المتقين الصادق المصدوق الأمين المعصوم صلوات الله و سلامه عليه ، فيا لله العجب من عالم يقلد [دينه] إمامًا بعينه في [كل] ما قال مع علمه بما يرد على مذهب إمامه من النصوص النبويه فلاقوة إلا بالله .**'' اور ہر امام کا قول لیا بھی جاتا ہے اور ترک بھی کیا جاتا ہے، سوائے امام المتقین الصادق المصدوق الامین المعصوم (محمد ﷺ) کے، آپ پر اللہ کی بارگاہ سے صلوٰۃ وسلام ہو، پس اللہ کی قسم! تعجب ہے اس عالم پر جو اپنے دین میں کسی متعین امام کی تقلید کرتا ہے، اس کے ہر قول میں، اس علم کے باوجود کہ احادیثِ صحیحہ اس کے امام کے مذہب کو رد کر دیتی ہیں۔ **ولا قوة إلا بالله**

(تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۶، ترجمہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ)

حافظ ذہبی کا آخر میں (لاحول) ولا قوۃ الا باللہ لکھنا اس کی دلیل ہے کہ اُن کے نزدیک تقلید ایک شیطانی کام ہے لہٰذا اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اس شیطانی کام سے ہمیشہ بچائے۔ آمین [نیز دیکھئے فقرہ:۱۱]

ہم نے اپنے دعوے اور لفظِ تقلید کی شرط کے مطابق ایک سو (۱۰۰) علمائے اُمت کے ایسے حوالے پیش کر دیئے ہیں جو صراحت کے ساتھ تقلید نہیں کرتے تھے یا تقلید کے مخالف

تھے۔ ہمارے علم کے مطابق کسی ایک ثقہ وصدوق صحیح العقیدہ مستند امام سے مروجہ تقلید کا وجوب یا اس پر عمل ثابت نہیں اور دنیا کا کوئی شخص بھی اس تحقیق کے خلاف کسی مستند امام سے تقلید کے وجوب یا اس پر عمل کا ایک حوالہ پیش نہیں کرسکتا۔

ولو کان بعضھم لبعض ظھیرًا . والحمد للّٰہ

تنبیہ: ایک سوحوالوں والی اس تحقیق کا یہ مطلب قطعاً نہیں ہے کہ جن علماء کا اس مضمون میں تذکرہ یا نام نہیں وہ تقلید کرتے تھے بلکہ تقلید کی ممانعت پر تو خیر القرون کا اجماع ہے۔

(دیکھئے الرد علیٰ من اخلد الی الارض ص ۱۳۱۔۱۳۲، اور دین میں تقلید کا مسئلہ ص ۳۴۔۳۵)

ان کے علاوہ بہت سے اور علماء بھی تھے جن سے تقلید کے لفظ کی صراحت کے ساتھ اس (تقلید) کی ممانعت اور رد ثابت ہے۔ مثلاً:

۱: جلال الدین سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ) نے تقلید کے رد پر ایک عظیم الشان کتاب:

''الرد علی من أخلد إلی الأرض وجھل أن الاجتھاد في کل عصر فرض''

لکھی اور اس میں ''باب فساد التقلید'' باندھا اور حافظ ابن حزم سے بطورِ تائید نقل کیا:

''التقلید حرام'' تقلید حرام ہے۔ (ص ۱۳۱)

سیوطی نے دوسری کتاب میں کہا: یہ کہنا واجب (فرض) ہے کہ ہر وہ شخص جو رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی دوسرے امام سے منسوب ہو جائے، اس انتساب پر وہ دوستی رکھے اور دشمنی رکھے تو یہ شخص بدعتی ہے، اہل سنت والجماعۃ سے خارج ہے، چاہے (انتساب) اصول میں ہو یا فروع میں۔ (الکنز المدفون والفلک المشحون ص ۱۴۹، دین میں تقلید کا مسئلہ ص ۴۰۔۴۱)

۲: زیلعی حنفی (!) نے کہا: ''فالمقلد ذھل والمقلد جھل'' ''پس مقلد غلطی کرتا ہے اور مقلد جہالت کا ارتکاب کرتا ہے۔ (نصب الرایہ ج ۱ ص ۲۱۹)

۳: عینی حنفی (!) نے کہا: ''فالمقلد ذھل والمقلد جھل و آفۃ کل شيءٍ من التقلید'' ''پس مقلد غلطی کرتا ہے اور مقلد جہالت کا ارتکاب کرتا ہے اور ہر چیز کی مصیبت تقلید کی وجہ سے ہے۔ (البنایہ شرح الہدایہ ج ۱ ص ۳۱۷)

۴: طحاوی حنفی (!) سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا: '' وهل يقلّد إلا عصبي أو غبي ''
تقلید تو صرف وہی کرتا ہے جو متعصب یا بے وقوف ہوتا ہے۔ (لسان المیزان ج ۱ ص ۲۸۰)

۵: ابو حفص ابن الملقن (متوفی ۸۰۴ھ) نے کہا: '' و غالب ذلك إنما يقع (من) التقليد و نحن (براء منه) بحمد الله و منه. '' اور عام طور پر ایسی باتیں تقلید کی وجہ سے واقع ہو جاتی ہیں اور ہم اس (تقلید) سے بری ہیں، اللہ کی تعریف اور اس کے احسان کے ساتھ۔ (البدر المنیر فی تخریج الاحادیث والآثار الواقعۃ فی الشرح الکبیر ج ۱ ص ۲۹۳)

۶: ابو زید قاضی عبید اللہ الدبوسی (حنفی!) نے فرمایا:
تقلید کا ماحصل (خلاصہ) یہ ہے کہ مقلد اپنے آپ کو جانوروں چوپایوں کے ساتھ ملا دیتا ہے... اگر مقلد نے اپنے آپ کو جانور اس لئے بنالیا ہے کہ وہ عقل وشعور سے پیدل ہے تو اس کا (دماغی) علاج کرانا چاہئے۔

(تقویم الادلہ فی اصول الفقہ ص ۳۹۰، ماہنامہ الحدیث حضرو: ۲۲ ص ۱۶)

۷: الشیخ العالم الکبیر محمد فاخر بن محمد یحییٰ بن محمد امین العباسی السّلفی الٰہ آبادی رحمہ اللہ (متوفی ۱۱۶۴ھ) تقلید نہیں کرتے تھے بلکہ کتاب وسنت کے دلائل پر عمل کرتے اور خود اجتہاد کرتے تھے۔ (دیکھئے نزہۃ الخواطر ج ۶ ص ۳۵۰ ت ۶۳۶)

انھوں (فاخر الٰہ آبادی رحمہ اللہ) نے فرمایا: جمہور کے نزدیک کسی خاص مذہب کی تقلید کرنا جائز نہیں ہے بلکہ اجتہاد واجب ہے... تقلید کی بدعت چوتھی صدی ہجری میں پیدا ہوئی ہے۔'' (رسالہ نجاتیہ ص ۴۱۔۴۲، دین میں تقلید کا مسئلہ ص ۴۱)

عالم تو کتاب وسنت واجماع اور آثار سلف صالحین سے اجتہاد کرے گا جبکہ جاہل کا اجتہاد یہ ہے کہ وہ صحیح العقیدہ عالم سے کتاب وسنت کے مسائل پوچھ کر اُن پر عمل کرے اور یہ تقلید نہیں ہے۔

۸: ابو بکر یا ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن عبد اللہ العروف: ابن خواز منداذ البصری المالکی (متوفی چوتھی صدی ہجری کا آخر) نے فرمایا: '' التقليد معناه في الشرع الرجوع إلى

قول لا حجة لقائله عليه و ذلك ممنوع منه فی الشریعة و الإتباع ما ثبت علیہ حجة ''شریعت میں تقلید کا معنی یہ ہے کہ ایسے قائل کے قول کی طرف رجوع کرنا جس پر کوئی دلیل نہیں ہے اور ایسا کرنا شریعت میں ممنوع ہے، اور اتباع اسے کہتے ہیں جو دلیل سے ثابت ہو۔ (جامع بیان العلم وفضلہ ج ۲ ص ۲۳۱)

تنبیہ: اس قول کو حافظ ابن عبدالبر نے نقل کیا اور کوئی رد نہیں کیا لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ ابن خویز منداد کے شاذ اقوال میں سے نہیں ہے۔ نیز دیکھئے لسان المیزان (ج ۵ ص ۲۹۲)

۹: معاصرین میں سے یمن کے مشہور شیخ مقبل بن ہادی الوادعی رحمہ اللہ نے فرمایا: تقلید حرام ہے، کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ کے دین میں (کسی کی) تقلید کرے۔ (تحفۃ المجیب علیٰ اسئلۃ الحاضر والغریب ص ۲۰۵، دین میں تقلید کا مسئلہ ص ۴۳)

۱۰: سعودی عرب کے چیف جسٹس شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ نے فرمایا: میں بحمد اللہ متعصب نہیں ہوں لیکن میں کتاب و سنت کے مطابق فیصلے کرتا ہوں، میرے فتووں کی بنیاد قال اللہ اور قال الرسول پر ہے، حنابلہ یا دوسروں کی تقلید پر نہیں ہے۔

(الاقناع ص ۹۲، دین میں تقلید کا مسئلہ ص ۴۳)

۱۱: ابن الجوزی کی عدمِ تقلید کے لئے دیکھئے اُن کی کتاب: المشکل من حدیث الصحیحین (ج ۱ ص ۸۳۳) اور ماہنامہ الحدیث حضرو: ۳۷

بریلویوں کے پیر سلطان باہو نے کہا:

''کلید سراسر جمعیت ہے اور تقلید بے جمعیتی اور پریشانی بلکہ اہلِ تقلید جاہل اور حیوان سے بھی بدتر ہوتے ہیں۔'' (توفیق الہدایت ص ۲۰ طبع پروگریسو بکس لاہور)

سلطان باہو نے مزید کہا: ''اہلِ توحید صاحبِ ہدایت، عنایت اور تحقیق ہوتے ہیں۔ اہلِ تقلید صاحبِ دنیا اہلِ شکایت اور مشرک ہوتے ہیں۔'' (توفیق الہدایت ص ۶۷)

ایک سو حوالوں میں ذکر کردہ علماء اور بعد کے مذکورین کے مقابلے میں دیوبندی اور بریلوی فرقوں کے علماء یہ کہتے ہیں کہ تقلید واجب ہے اور گذشتہ ادوار کے علماء مقلدین تھے۔!!!

ان آلِ تقلید کے چار حوالے اور آخر میں اُن کا ردپیشِ خدمت ہے:

۱۔ محمد قاسم نانوتوی دیوبندی نے کہا: ''دوسرے یہ کہ میں مقلد امام ابوحنیفہ کا ہوں، اس لئے میرے مقابلہ میں آپ جو قول بھی بطور معارضہ پیش کریں وہ امام ہی کا ہونا چاہئے۔ یہ بات مجھ پر حجت نہوگی کہ شامی نے یہ لکھا ہے اور صاحب درمختار نے یہ فرمایا ہے، میں اُن کا مقلد نہیں ہوں۔'' (سوانح قاسمی ج ۲ ص ۲۲)

۲۔ محمود حسن دیوبندی نے ایک مسئلے کے بارے میں کہا:

حق وانصاف یہ ہے کہ اس مسئلے میں شافعی کو ترجیح حاصل ہے اور ہم مقلد ہیں ہم پر ہمارے امام ابوحنیفہ کی تقلید واجب ہے۔ واللہ اعلم (تقریر ترمذی ص ۳۶، دین میں تقلید کا مسئلہ ص ۲۴)

۳۔ احمد رضا خان بریلوی نے ایک رسالہ لکھا: ''**أجلى الأعلام أن الفتوىٰ مطلقًا علىٰ قول الإمام**'' یعنی فتویٰ مطلقاً امام ابوحنیفہ کے قول پر ہی ہوگا۔!

تقلید کے بارے میں جھوٹ بولتے ہوئے اور دھوکا دیتے ہوئے احمد رضا خان بریلوی نے کہا: ''خاص مسئلہ تقلید میں ان کے مذہب پر گیارہ سو برس کے ائمۂ دین وعلمائے کاملین و اولیائے عارفین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین معاذ اللہ سب مشرکین قرار پاتے ہیں...''

(فتاویٰ رضویہ ج ۱۱ ص ۳۸۷)

۴۔ احمد یار نعیمی بریلوی نے کہا: ''کہ ہمارے دلائل یہ روایات نہیں۔ ہماری اصل دلیل تو امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے۔'' (جاء الحق ج ۲ ص ۹۱ قنوت نازلہ دوسری فصل)

عرض ہے کہ گیارہ سو برس میں کسی ایک ثقہ وصحیح العقیدہ عالم سے آپ لوگوں کی مروّجہ تقلید کے وجوب یا جواز کا قولاً یا فعلاً کوئی ثبوت نہیں ہے۔ میری طرف سے تمام آلِ دیوبند اور آلِ بریلی کو چیلنج ہے کہ اس تحقیقی مضمون میں ذکر شدہ سو (۱۰۰) مستند حوالوں کے مقابلے میں صرف دس (۱۰) حوالے پیش کر دیں جن میں یہ لکھا ہوا ہو کہ مسلمانوں پر چاہے (علماء ہوں یا عوام) ائمہ اربعہ (امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد) میں سے صرف ایک کی تقلید واجب ہے اور باقی تینوں کی حرام ہے، اور مقلد کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ

اپنے امام کا قول چھوڑ کر قرآن اور حدیث پر عمل کرے۔ اگر ہے تو حوالہ پیش کریں!
اور اگر ایسا کوئی ثبوت نہیں، اور ہر گز نہیں بلکہ میرے ذکر کردہ حوالوں نے اس خود ساختہ تقلیدی بُت کو ریزے ریزے کر کے ختم کر دیا ہے لہٰذا گیارہ سو سال کے علماء کا نام لے کر جھوٹا رعب نہ جمائیں۔ خیر القرون کے تمام سلف صالحین کا اجماع اور بعد کے جمہور سلف صالحین کا تقلید کی مخالفت اور رد کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ مسئلہ سلف صالحین کے بالکل خلاف ہے۔ اگر مروجہ تقلید کو واجب کہا جائے تو کتاب و سنت اور اجماع کی مخالفت کے ساتھ ساتھ چودہ سو سال کے سلف صالحین کی مخالفت اور رد لازم آتا ہے جو کہ اصلاً باطل ہے۔ وما علینا إلا البلاغ

آخر میں تقلید نہ کرنے والے علماء کے نام حروفِ تہجی کی ترتیب سے پیشِ خدمت ہیں:

تنبیہ: نام کے سامنے مضمون کا فقرہ نمبر لکھا ہوا ہے۔

ابراہیم بن خالد الکلبی (۱۷) — ابراہیم بن محمد بن الحارث (۷۱)
ابن ابی شیبہ (۷۴) — ابن القیم (۹۹)
ابن الملقن (۱۰۰/۵) — ابن المنذر (۱۱)
ابن باز (۱۰۰/۱۰) — ابن تیمیہ (۹۸)
ابن جریر طبری (۱۴) — ابن حزم (۲۸)
ابن خزیمہ (۲۰) — ابن خواز منداد (۱۰۰/۸)
ابن شاہین (۲۱) — ابن عبد البر (۲۹)
ابن علیہ (۵۰) — ابن ماجہ (۲۵)
ابو النعمان (۸۶) — ابو الولید طیالسی (۴۵)
ابو ایوب الہاشمی (۷۰) — ابو بکر بن ابی شیبہ (۷۴)
ابو ثور الکلبی (۱۷) — ابو حنیفہ (۶)
ابو خیثمہ (۶۹) — ابو داود سجستانی (۲۲)

[۲۵/ مارچ ۲۰۱۰ء]

چند فوائد:

۱: سیوطی نے مقلدین کو اہلِ سنت والجماعۃ سے باہر قرار دیا ہے۔

(دیکھئے الکنز المدفون والفلک المشحون ص ۱۴۹، اور میری کتاب تحقیقی مقالات ج ۲ ص ۵۵۰)

۲: حکم بن عتیبہ (دیکھئے مقالات ۵۶۳/۲)

۳: ابو مسلم اللیثی (دیکھئے سوالات الحافظ السلفی لخمیس الحوزی ص ۱۱۸)

ماہنامہ الحدیث کا سفر

الحمد لله رب العالمین والصلوٰة والسلام علیٰ رسوله الأمین. أما بعد:

تمام حمد وثنا اللہ رب العالمین کے لئے ہے جس کے فضل وکرم سے ماہنامہ الحدیث حضرو کی تیسری جلد کا آخری شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس عظیم سفر کا آغاز جون ۲۰۰۴ء بمطابق ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ میں ہوا۔

راقم الحروف نے کلمۃ الحدیث میں لکھا تھا کہ ''...درج ذیل اصول اور مقاصد کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھا جائے گا۔ إن شاء اللّٰه العزیز

① قرآن وحدیث اور اجماع کی برتری
② سلف صالحین کے متفقہ فہم کا پرچار
③ صحابہ، تابعین، تبع تابعین، محدثین اور تمام ائمۂ کرام سے محبت
④ صحیح وحسن روایات سے استدلال اور ضعیف ومردود روایات سے کلی اجتناب
⑤ اتباعِ کتاب وسنت کی طرف والہانہ دعوت
⑥ علمی، تحقیقی ومعلوماتی مضامین اور انتہائی شائستہ زبان
⑦ مخالفینِ کتاب وسنت اور اہلِ باطل پر علم ومتانت کے ساتھ بہترین وبادلائل رد
⑧ اصولِ حدیث اور اسماء الرجال کو مدِنظر رکھتے ہوئے اشاعت الحدیث
⑨ دینِ اسلام اور مسلک اہل الحدیث کا دفاع
⑩ قرآن وحدیث کے ذریعے اتحادِ امت کی طرف دعوت'' (ماہنامہ الحدیث حضرو:۱ص۵)

الحمدللہ ان اصول ومقاصد پر ہم نے پورا اُترنے کی کوشش کی ہے۔ علمی وتحقیقی حلقوں میں ماہنامہ الحدیث کو زبردست پذیرائی حاصل ہوئی اور اہلِ علم نے تحریری وزبانی حمایت کر کے ہمارے عزم وارادے کو اور مضبوط کردیا۔

ماہنامہ الحدیث کے بارے میں پروفیسر مولانا ابوحمزہ سعید مجتبیٰ سعیدی صاحب لکھتے ہیں:

''یہ مجلہ واقعی ''بقامت کہتر وبقیمت بہتر'' کا مصداق ہے۔آپ کے مقالات، فقہ الحدیث اور توضیح الاحکام خصوصاً اہمیت کے حامل ہیں۔ باقی مضامین کی اہمیت وافادیت سے بھی انکار نہیں۔'' (خط مورخہ ۱۷/ جون ۲۰۰۶ء)

اکتیس مہینوں کے اس سفر میں مختصر صحیح نماز نبوی، نزولِ مسیح حق ہے، جنت کا راستہ، نور المصابیح فی صلوٰۃ التراویح، نماز میں بحالتِ قیام ہاتھ باندھنے کا حکم، دین میں تقلید کا مسئلہ، شعار اصحاب الحدیث، یمن کا سفر، اتباعِ کتاب وسنت، اتباع اور تقلید میں فرق، صحیح بخاری پر منکرینِ حدیث کے حملے، امام احمد بن حنبل کا مقام محدثینِ کرام کی نظر میں اور اہلِ حدیث ایک صفاتی نام اور اجماع جیسی عظیم الشان کتابیں شائع کی گئیں۔ احسن الحدیث (تفسیر قرآنِ مجید) فقہ الحدیث (اضواء المصابیح تخریج وشرح مشکوٰۃ المصابیح) توضیح الاحکام (سوال وجواب اور تخریج الاحادیث)، محبت ہی محبت اور غیر ثابت قصے جیسے علمی وتحقیقی سلسلے مسلسل جاری رہے۔ صحیح فضائل اعمال اور تحقیقی ومفید مضامین کے ذریعے سے علمی خزانہ لوگوں تک پہنچایا گیا۔

رسالہ الحدیث اصل میں اشاعۃ الحدیث، نصرۃ الحدیث اور دعوۃ الحدیث کا رسالہ ہے جو علمی جہاد میں تمام اہلِ باطل اور فرقِ ضالہ پر غالب ہے۔ قرآن وحدیث سے محبت کرنے والوں اور پارٹی بازیاں چھوڑ کر علمبر دارانِ وحدتِ اہلِ حق کے دلوں کی ٹھنڈک اور آنکھوں کا تارا ہے۔

میں آخر میں اپنے ساتھیوں اور بھائیوں: حافظ ندیم ظہیر، ڈاکٹر ابو جابر عبداللہ دامانوی، ابوالاسجد محمد صدیق رضا، حافظ ابو العباس شیر محمد، ابو ثاقب محمد صفدر حضروی، ابراہیم بن بشیر الحسینوی، نصیر احمد کاشف اور فضل اکبر کاشمیری، واجب الاحترام مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ، استاذ محترم مولانا حافظ عبدالحمید ازہر حفظہ اللہ اور تمام علماء وفضلاء اور بھائیوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے عظیم علمی وتحقیقی تعاون فرمایا۔ جزاہم اللہ خیراً

(۱۲/ اکتوبر ۲۰۰۶ء، ۱۸/ رمضان ۱۴۲۷ھ)

یہ تو چلتی ہے تجھے اُونچا اُڑانے کے لئے

عبدالحق بشیر دیوبندی بن سرفراز خان صفدر کڑمنگی دیوبندی کے بیٹے سرفراز حسن خان حمزہ احسانی نے دیوبندی پارٹی ''اتحاد'' کی نئی باڈی کے بارے میں لکھا ہے:

''نئی باڈی کی اس تیز رفتاری اور جہد مسلسل کے پیچھے غالباً حضرت مولانا علامہ ڈاکٹر خالد محمود مدظلہ کی توجہ کارفرما ہے جس کو مولنا منیر احمد منور مدظلہ نے یوں بیان فرمایا کہ ''ایک موقع پر ہم اور دیگر حضرات اکٹھے تھے، علامہ صاحب نے ایک سوال کیا کہ یہ بتائیے کہ پاکستان میں سب سے زیادہ غیر مقلدیت کے خلاف کام کہاں ہوا؟ ہم نے علامہ صاحب سے کہا کہ آپ ہی جواب دیجئے! تو فرمایا ''گوجرانوالہ میں!'' (امام اہل السنۃ رحمہ اللہ نے سب سے زیادہ کام کیا۔) پھر علامہ صاحب نے دوسرا سوال کیا کہ ''پاکستان میں غیر مقلدیت سب سے زیادہ مضبوط کہاں ہے؟'' ہم نے کہا ''یہ بھی آپ ہی بتائیے!'' تو فرمایا ''گوجرانوالہ میں!'' (گوجرانوالہ کے مشہور غیر مقلد نے اپنی وفات کے وقت کہا تھا کہ جب میں آیا تھا تو گوجرانوالہ میں اہلحدیثوں کی دو مساجد تھیں اور اب 52 مساجد ہیں۔) پھر علامہ صاحب نے سوال کیا کہ ''اسکی کیا وجہ ہے کہ کام بھی سب سے زیادہ گوجرانوالہ میں ہوا اور غیر مقلدیت مضبوط بھی گوجرانوالہ میں ہی ہے؟'' ہم نے کہا ''یہ عقدہ بھی آپ ہی حل فرما دیجئے!'' تو فرمایا کہ ''گوجرانوالہ میں جو کام ہوا ہے وہ علمی سطح پر ہوا ہے، جبکہ غیر مقلدیت عوامی سطح پر مضبوط ہے اور تیزی سے پھیل رہی ہے، لہٰذا اب ضرورت ہے اس بات کی عوامی سطح پر بھرپور طریقہ سے منظم کام کیا جائے، تاکہ اس کا سدباب ہو سکے۔'' تو مولانا منیر صاحب نے فرمایا کہ ''اسی کی خاطر ہم نے اس انداز میں کام شروع کیا ہے اور الحمدللہ اس کے فوائد سامنے آرہے ہیں۔'' (دیوبندیوں کا مجلہ المصطفیٰ سرفراز خان صفدر نمبر ص ۲۷۳)

مذکورہ بیان میں اہلِ حدیث (اہلِ سنت) کے لئے ''غیر مقلدیت'' اور ''غیر مقلد'' کے الفاظ تو دیوبندیوں کی بکواس ہے لیکن درج بالا عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ آلِ دیوبند نے اہلِ حدیث (اہلِ سنت) کی جتنی مخالفت کی ہے، اس کے باوجود اہلِ حدیث دعوت مسلسل دن رات پھیلتی جا رہی ہے۔ والحمدللہ (۱۳/ نومبر ۲۰۰۹ء)

ابن عقیل اور تقلید

ابن الجوزی کے استاذ اور (یونانی) علم الکلام کے ماہر ابوالوفاء علی بن عقیل بن محمد بن عقیل البغدادی الحنبلی (متوفی ۵۱۳ھ) نے کہا: ''ما دخلت البدع علی الأدیان إلا من طریق سلکه عوامّ الأدیان ، فهلکوا. // والواجب علیٰ من خبره أن یعدل عن سلوکه ، لیسلم مما وقع فیه من اغترّ به فسلکه . وذلك الطریق هو تعظیم الرجال و ترك الأدلة ، وهو التقلید. فأوّل من سلکه الشیطان . ''
مذاہب میں بدعات صرف اُسی راستے سے آئیں، جن پر اُس مذہب کے عوام چلے۔ پھر وہ ہلاک ہو گئے۔ جس کو اس کی خبر ہے، اُس پر یہ واجب ہے کہ وہ اس راستے سے ہٹ کر چلے تاکہ وہ اس دھوکے سے بچ جائے جس میں اس راستے پر چلنے والے مبتلا ہوئے۔ یہ وہ راستہ ہے جس میں لوگوں کی تعظیم (ہوتی) ہے اور دلیلوں کو ترک کر دیا جاتا ہے اور یہی تقلید ہے۔ پس اس راستے پر سب سے پہلے چلنے والا شیطان ہے۔

(کتاب الفنون، القسم الثانی ص۶۰۲ فصل:۵۶۰)

اس سے معلوم ہوا کہ ابن عقیل حنبلی ہونے کے باوجود کسی تقلید کے قائل و فاعل نہیں تھے لہٰذا کسی عالم کے ساتھ حنبلی، شافعی، حنفی یا مالکی کے لاحقے وسابقے ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ آلِ تقلید میں سے (یعنی مقلد) تھا۔!

ابن عقیل نے کتاب الفنون میں کہا: ''الأصلح لاعتقاد العوام ظواهر الآي، لأنهم یأنسون بالإثبات ، فمتی محونا ذلك من قلوبهم زالت الحشمة . ''
عوام کے لئے بہتر ہے کہ آیات کے ظاہر پر عقیدہ رکھیں، کیونکہ وہ اثبات سے مانوس ہوتے ہیں، پس جب ہم اُن کے دلوں سے اسے ختم کریں گے تو (اللہ کا) خوف (اُن کے دلوں سے) ختم ہو جائے گا۔ (سیر اعلام النبلاء ج۱۹ ص۴۴۸، وللذہبی علیہ تبصرۃ جیدۃ)

نماز کے مسائل

نماز کی حفاظت

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ﴾
یقیناً ایمان والے کامیاب ہو گئے جو اپنی نماز میں خشوع (عاجزی) اختیار کرتے ہیں۔

(المومنون:۱، ۲)

خشوع کا مطلب ہے: عاجزی، انکساری، خوف، نگاہ نیچی کرنا۔ دیکھئے القاموس الوحید (ص ۴۴۱)
دوسری جگہ ارشاد ہے: ''اور جو لوگ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔'' (المومنون:۹)
دینِ اسلام کے پانچ ستونوں میں سے دوسرا بنیادی ستون نماز ہے۔ صحیح مسلم میں آیا ہے کہ ایک آدمی نے (سیدنا) عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہ) سے پوچھا: کیا آپ جہاد نہیں کرتے؟ تو انھوں نے جواب دیا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: اسلام کی بنیاد پانچ (ارکان) پر ہے: لا إله إلا الله (اور محمد رسول الله) کی گواہی دینا، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، رمضان کے روزے اور بیت اللہ کا حج۔ (۱۶، ترقیم دارالسلام:۱۱۴)
لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو حکم دیا: ﴿يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ۭ﴾ اے میرے بیٹے! نماز قائم کر اور نیکی کا حکم دے اور بُرائی سے منع کر اور جو مصیبت تجھے پہنچے اس پر صبر کر۔ (لقمٰن:۱۷)
ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''نمازوں کی حفاظت کرو اور درمیانی نماز (عصر) کی حفاظت کرو اور اللہ کے لئے عاجزی و انکساری سے قیام کرتے ہوئے کھڑے ہو جاؤ۔'' (البقرہ:۲۳۸)
سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: کون سا عمل سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: ((الصلوة في أول وقتها.)) اول وقت پر نماز پڑھنا۔ (صحیح ابن خزیمہ:۳۲۷ وسندہ صحیح، صحیح ابن حبان، الموارد:۲۸۰ وصححہ الحاکم والذہبی ۱/۱۸۸، ۱۸۹)
ہمیں چاہئے کہ ہم پانچوں نمازوں کی حفاظت کا اہتمام کریں اور ہمیشہ اول وقت پر سنت کے مطابق یہ نمازیں پڑھیں تاکہ ہمارا رب ہم سے راضی ہو جائے۔

اذان اور اقامت کے مسائل

۱: اذان کا عام مشہور طریقہ درج ذیل ہے:

اَللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ ، أَشْهَدُ أَن لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ، أَشْهَدُ أَن لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ، حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ ، حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ . اللہ سب سے بڑا ہے اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے اللہ سب سے بڑا ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، نماز کی طرف آؤ، نماز کی طرف آؤ، فلاح کی طرف آؤ، فلاح کی طرف آؤ، اللہ سب سے بڑا ہے اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔

(سنن ابی داود: ۴۹۹ وسندہ حسن، وصححہ الترمذی: ۱۸۹، وابن خزیمہ: ۳۷۱، وابن حبان [الاحسان]: ۱۶۷۷)

۲: مذکورہ بالا اذان کے بعد نماز کی اقامت (تکبیر) کے الفاظ درج ذیل ہیں:

اَللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ ، أَشْهَدُ أَن لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ، حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ ، قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ ، قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ .

(سنن ابی داود: ۴۹۹ وسندہ حسن، وصححہ الترمذی: ۱۸۹، وابن خزیمہ: ۳۷۱، وابن حبان [الاحسان]: ۱۶۷۷)

قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ کا ترجمہ: یقیناً نماز کھڑی ہوگئی۔

۳: اذان کا دوسرا طریقہ جو کہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے: اَللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ ، أَشْهَدُ أَن لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ، أَشْهَدُ أَن لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ، أَشْهَدُ أَن لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ،

أَشْهَدُ أَن لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ، حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ ،حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ . (سنن ابی داود:۵۰۲ وسندہ صحیح)

اذانِ مذکورہ کے بعد اقامت کا طریقہ درج ذیل ہے:

اَللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ ، أَشْهَدُ أَن لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ، أَشْهَدُ أَن لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ، حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ ، حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ ، قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ .

(سنن ابی داود:۵۰۲ وسندہ صحیح)

۴: فقرہ نمبر ۱ میں بیان کردہ طریقۂ اذان کے ساتھ فقرہ نمبر ۳ والی اقامت پڑھنے کا کوئی ثبوت کسی صحیح حدیث میں نہیں ہے۔

تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب: انوار السنن فی تحقیق آثار السنن .

۵: صبح صادق کے طلوع ہونے کے بعد فجر کی پہلی اذان میں حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ کے بعد درج ذیل الفاظ کہنے رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں:

اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ ، اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ [نماز نیند سے بہتر ہے، نماز نیند سے بہتر ہے۔] (صحیح ابن خزیمہ:۳۸۵ وسنده حسن و حسنه النووي في خلاصة الأحكام ۲۸۶/۱ ح۸۱۰، عثمان بن السائب الجمحي المكي و أبوه صدوقان و ثقهما بن حبان و ابن خزيمة)

دورِ حاضر اور شر القرون کے بعض لوگوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ''تثویب کے یہ الفاظ مذکورہ رات کی اذان (!) میں ہیں، صبح کی اذان میں نہیں'' جب کہ صحیح ابن خزیمہ کی اس حسن لذاتہ حدیث سے ان لوگوں کے دعوے کی جڑ کٹ جاتی ہے۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سنت یہ ہے کہ مؤذن جب فجر کی اذان میں حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ کہے تو اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ، اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ دو دفعہ کہے الخ (سنن

الدارقطنی ۱/۲۴۳ ح ۹۳۳ وسندہ صحیح وقال البیہقی ۱/۴۲۳: ''وھو اسناد صحیح'' ورواہ ابن خزیمہ فی صحیحہ: ۳۸۶ مختصراً)

۶: جب مؤذن اذان کہے تو اُس کا (آہستہ آواز میں) جواب دینا مسنون ہے۔

جس طرح موذن کہے آپ بھی اسی طرح کہیں سوائے حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ اور حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ کے، ان دو جگہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ پڑھیں۔ دیکھئے صحیح مسلم (۳۸۵)

تکبیر (اقامت، دوسری اذان) کا جواب دینا صراحتاً ثابت نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص اذان پر قیاس کر کے اس کا جواب دیتا ہے تو اسی طرح جواب دے جس طرح وہ اذان کا جواب دیتا ہے۔ یاد رہے کہ اقامت کے جواب میں ''أقامها الله و أدامها'' کے الفاظ پڑھنا ثابت نہیں ہے۔ دیکھئے سنن ابی داود (بتحقیقی: ۵۲۸، وسندہ ضعیف)

۷: اذان کے بعد درودِ ابراہیمی پڑھیں اور درج ذیل دعا مانگیں:

اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ، آتِ مُحَمَّدَانِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَانِ الَّذِيْ وَعَدْتَّهُ. اس مکمل دعوت اور قائم نماز کے رب! محمد (ﷺ) کو وسیلہ (جنت کا سب سے بہتر محل) اور فضیلت عطا فرما، تُو نے اُن کے ساتھ جس مقامِ محمود کا وعدہ کر رکھا ہے، عطا فرما۔ (صحیح بخاری: ۶۱۴)

۸: اگر اذان ہو چکی ہو تو دوبارہ اذان دینا ضروری نہیں ہے۔

ایک دفعہ (کسی عذر کی وجہ سے) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر میں نماز پڑھی تو آپ نے نہ اذان کا حکم دیا اور نہ اقامت کا۔ دیکھئے صحیح مسلم (۵۳۴، دارالسلام: ۱۱۹۱)

یعنی بغیر اذان اور اقامت کے نماز پڑھائی۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سفر میں (عام نمازوں میں) صرف اقامت کہتے تھے۔

دیکھئے الموطأ (۱/۷۳ ح ۱۵۵، وسندہ صحیح، الاتحاف الباسم: ۱۹۸)

اگر فتنے اور شدید اختلاف کا اندیشہ نہ ہو تو دوبارہ اذان بھی جائز ہے۔

نماز کے مسائل

۱) نماز میں تعدیلِ ارکان یعنی انتہائی سکون اور اطمینان کے ساتھ نماز کے تمام ارکان مثلاً رکوع، رکوع سے قیام، سجدہ اور سجدے سے اُٹھ کر بیٹھنا: فرض ہے۔
دیکھئے صحیح بخاری (۷۹۳) صحیح مسلم (۳۹۷) اور ہدیۃ المسلمین (ح ۳۹)
سیدنا حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ رکوع وسجود ٹھیک طریقے سے نہیں کر رہا تھا تو انھوں نے فرمایا: تُو نے نماز نہیں پڑھی اور اگر تو (اس حالت میں) مر جاتا تو اُس فطرت (دینِ اسلام) پر نہ مرتا جس پر اللہ تعالیٰ نے (سیدنا) محمد ﷺ کو مامور کیا تھا۔
دیکھئے صحیح بخاری (ج ۱ ص ۱۰۹ ح ۷۹۱)

۲) نماز باجماعت ہو رہی ہو تو صف کے پیچھے اکیلے نماز پڑھنے والے آدمی کی نماز نہیں ہوتی۔ (دیکھئے سنن ابن ماجہ: ۱۰۰۳، وسندہ صحیح، سنن ابی داود: ۶۸۲ وسندہ صحیح، ہدیۃ المسلمین: ۳۸)
اگر کوئی شخص امام ومقتدی جب دو ہوں، پر قیاس کر کے اگلی صف سے ایک آدمی کھینچ کر ملا لے تو جائز ہے تاہم صف کے بالکل آخری کونے سے آخری آدمی کو کھینچے تا کہ قطعِ صف سے بچ جائے۔ دیکھئے ہدیۃ المسلمین (۳۸)
امام عطاء بن ابی رباح المکی رحمہ اللہ (مشہور ثقہ تابعی) نے فرمایا: اگر صف میں داخل نہ ہو سکے تو ایک آدمی کا ہاتھ پکڑ کر (کھینچ کر) اپنے ساتھ کھڑا کر دے اور اکیلے نماز نہ پڑھے۔
(مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۲۲۲ ح ۶۱۴۵ وسندہ صحیح)

۳) فرض نماز کے بعد دونوں ہاتھ اُٹھا کر امام اور مقتدیوں کا اجتماعی دعا مانگنا ثابت نہیں ہے۔ دیکھئے ہدیۃ المسلمین (۲۲)
دعا میں چہرے پر ہاتھ پھیرنا جائز ہے۔ امام ابو نعیم وہب بن کیسان (تابعی رحمہ اللہ) نے فرمایا: میں نے ابن عمر اور ابن زبیر (رضی اللہ عنہما) کو دیکھا، وہ دونوں اپنی ہتھیلیاں اپنے چہروں پر پھیرتے تھے۔ (الادب المفرد: ۶۰۹ وسندہ حسن لذاتہ)

اس روایت کو شیخ البانی رحمہ اللہ کا ضعیف قرار دینا جمہور محدثین کی توثیق کے خلاف ہونے کی وجہ سے غلط اور مردود ہے۔

۴) جمعہ کے دن غسل کرنا افضل اور مستحب ہے۔

دیکھئے مختصر الاحکام للطوسی (۳/۱۰ ح ۳۴۴/ ۴۶۷ وسندہ حسن) اور موطأ امام مالک (روایۃ ابن القاسم بتحقیقی: ۲۰۴، الاتحاف الباسم ص ۲۹۶)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جمعہ کے دن غسل کرنا سنت میں سے ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۲/ ۹۶ ح ۵۰۲۰ وسندہ صحیح، البزار کما فی کشف الاستار: ۶۲۷)

۵) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَقَدْ أَدْرَكَهَا وَلْيُضِفْ إِلَيْهَا أُخْرَى)). جس نے جمعہ کے دن (جمعہ کی نماز کی) ایک رکعت پالی تو اس نے نماز پالی اور وہ اس کے ساتھ دوسری رکعت ملا لے۔ (سنن الدارقطنی ۲/ ۱۳ ح ۱۵۹۲، وسندہ حسن)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص جمعہ کے دن ایک رکعت بھی نہ پائے تو وہ چار رکعتیں پڑھے گا۔

اخبار اصبہان لابی نعیم الاصبہانی (۲/ ۲۰۰) کی جس روایت میں آیا ہے کہ جمعہ نہ پانے والا (بھی) دو رکعتیں پڑھے گا۔ یہ روایت محمد بن نوح بن محمد الشیبانی السمسار کے مجہول الحال ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

مشہور ثقہ تابعی امام عامر الشعبی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''ومن أدرك ركعة فقد أدرك الجمعة فليصل ركعة أخرى ومن لم يدرك الركوع فليصل أربعًا''

جس نے ایک رکعت پالی تو اُس نے جمعہ پالیا لہٰذا اُسے اس کے ساتھ دوسری رکعت ملا لینی چاہئے اور جس نے رکعت نہیں پائی تو اُسے چار رکعتیں پڑھنی چاہئیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۲/ ۱۲۹ ح ۵۳۳۶ وسندہ صحیح)

حماد بن ابی سلیمان اور حکم بن عتیبہ (دو علماء) نے کہا کہ (امام کے سلام سے پہلے پہنچنے والا جمعہ کی) دو رکعتیں پڑھے گا۔ (دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ ۲/ ۱۳۱ ح ۵۳۵۵ وسندہ صحیح)

ان کے مقابلے میں امام شعبی کا قول ہی راجح اور صحیح ہے۔

٦) صحابیٔ صغیر سیدنا طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
ہر مسلمان پر جماعت کے ساتھ جمعہ حق واجب ہے سوائے چار کے: زرخرید غلام، عورت، نابالغ بچہ یا مریض۔ (سنن ابی داود: ١٠٦٧، وسندہ صحیح)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سفر میں جمعہ نہیں پڑھتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ٢/١٠٤ ح ٥٠٩٦ وسندہ حسن) سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''لا جمعة علی المسافر''
مسافر پر جمعہ (فرض) نہیں ہے۔ (الاوسط لابن المنذر ٤/١٩، وسندہ حسن)

٧) جمعہ کے خطبے کے دوران میں جو شخص مسجد آئے تو دو رکعتیں پڑھ کر بیٹھے۔
دیکھئے صحیح بخاری (٩٣٠) اور صحیح مسلم (٨٧٥)

٨) نمازِ تسبیح کے بارے میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے عباس! اے چچا جان! کیا میں آپ کو کچھ عطا نہ کروں؟ کیا آپ کو کچھ عنایت نہ کروں؟ کیا میں آپ کو کوئی تحفہ پیش نہ کروں؟ کیا میں آپ کو (درج ذیل عمل کی وجہ سے) دس اچھی خصلتوں والا نہ بنادوں؟ کہ جب آپ یہ عمل کریں تو اللہ ذوالجلال آپ کے پہلے اور پچھلے، پرانے اور نئے، انجانے میں اور جان بوجھ کر کیے گئے تمام چھوٹے بڑے، چھپے ہوئے اور ظاہر گناہ معاف فرمادے؟ (اور وہ عمل یہ ہے) کہ آپ چار رکعات نفل اس طرح ادا کریں کہ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ اور کوئی ایک دوسری سورۃ پڑھیں، جب آپ اس قراءت سے فارغ ہو جائیں تو قیام کی حالت میں ہی یہ کلمات پندرہ بار پڑھیں: ((سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ))

پھر آپ رکوع میں جائیں (اور رکوع کی تسبیحات سے فارغ ہو کر) رکوع میں ہی انھی کلمات کو دس بار دہرائیں، پھر آپ رکوع سے اُٹھ جائیں اور (سمع اللہ لمن حمدہ وغیرہ سے فارغ ہو کر) دس بار یہی کلمات پڑھیں، پھر سجدہ میں جائیں (اور سجدہ کی تسبیحات اور دعائیں پڑھنے کے بعد) ان کلمات کو دس بار پڑھیں، پھر سجدہ سے سر اٹھائیں (اور اس

جلسہ میں جو دعائیں ہوں پڑھ کر) دس بار انھی کلمات کو دہرائیں اور پھر (دوسرے) سجدے میں چلے جائیں (پہلے سجدے کی طرح) دس بار پھر یہی تسبیح پڑھیں، پھر سجدہ سے سر اٹھائیں (اور جلسۂ استراحت میں کچھ اور پڑھے بغیر) دس بار اس تسبیح کو دہرائیں، ایک رکعت میں کل پچھتر (۷۵) تسبیحات ہوئیں اسی طرح ان چاروں رکعات میں یہ عمل دہرائیں، اگر آپ طاقت رکھتے ہوں تو یہ نمازِ تسبیح روزانہ ایک بار پڑھیں اور اگر آپ ایسا نہ کر سکتے ہوں تو ہر جمعہ میں ایک بار پڑھیں، یہ بھی نہ کر سکتے ہوں تو ہر مہینہ میں ایک بار پڑھیں، یہ بھی نہ کر سکیں تو سال میں ایک بار، اگر آپ سال میں بھی ایک بار (یہ نماز ادا) نہ کر سکتے ہوں تو زندگی میں ایک بار ضرور پڑھیں'' (سنن ابی داود ۱/۱۹۱، ح ۱۲۹۷)

اس حدیث کی سند حسن ہے، اسے ابوبکر الآجری، ابوالحسن المقدسی اور ابوداود وغیرہم نے صحیح کہا ہے۔ (دیکھئے الترغیب والترہیب ۱/۴۶۸)

امام عبداللہ بن المبارک المروزی رحمہ اللہ بھی نمازِ تسبیح کے قائل تھے۔

(دیکھئے سنن الترمذی: ۴۸۱ وسندہ صحیح، المستدرک ۱/۳۲۰ ح ۱۱۹۷)

تفصیل کے لئے راقم الحروف کی کتاب ''نیل المقصود فی التعلیق علیٰ سنن ابی داود'' دیکھیں۔

یہ نماز جماعت کے ساتھ ثابت نہیں ہے لہٰذا صلوٰۃ التسبیح انفرادی ہی پڑھنی چاہئے۔

۹) مسافتِ قصر ۹ عربی میل (۱۱ پاکستانی میل) یعنی تقریباً ۲۲ کلومیٹر ہے۔

(دیکھئے ہدیۃ المسلمین: ۳۱)

۱۰) اگر بیس دن سے کم قیام ہو تو قصر کریں اور اگر بیس دن قیام کا ارادہ ہو تو پوری نماز پڑھیں۔ دیکھئے ہدیۃ المسلمین (۳۲) یاد رہے کہ سفر میں پوری نماز پڑھنا بھی ثابت ہے۔

۱۱) اگر شرعی عذر ہو مثلاً سفر، بارش اور بیماری وغیرہ تو دو نمازیں جمع کر کے (مثلاً ظہر اور عصر ۴+۴ [یا سفر میں ۲+۲] اور مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع کر کے) پڑھنا جائز ہے۔

دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو: ۵۲، اور ہدیۃ المسلمین (۳۳)

چند اختلافی مسائل اور بعض الناس کے مغالطات کے جوابات

الحمد لله ربّ العالمین والصّلوٰة والسّلام علٰی رسوله الأمین ، أما بعد:

جہری نمازوں میں آمین بالجہر ،عورت اور مرد کا طریقۂ نماز، نماز جمعہ سے پہلے چار رکعتیں، رکوع سے پہلے اور بعد رفع یدین اور فاتحہ خلف الامام کے بارے میں بعض الناس کے مغالطات با حوالہ مع تصویر اور اُن کے مسکت و مدلل جوابات پیشِ خدمت ہیں:

جہری نمازوں میں آمین بالجہر

الجواب حامداً ومصلیاً

① نمازِ جہری میں امام اور مقتدی دونوں آمین آہستہ آواز سے کہیں، آمین ایک دعا ہے جس کے معنی ہیں "اے اللہ قبول فرما" بخاری شریف میں حضرت عطاءؒ سے منقول ہے: الأمین دعائٌ یعنی آمین دعاء ہے۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۰۷، ...)

۱) صحیح بخاری میں اسی حوالے کے فوراً بعد لکھا ہوا ہے کہ ''أمّن ابن الزبیر و من وراء ہ حتی إنّ للمسجد للجّۃً . ''ابن الزبیر (رضی اللہ عنہ) اور اُن کے پیچھے (نماز پڑھنے والے) لوگوں نے آمین کہی، حتیٰ کہ مسجد میں آوازیں بلند ہوئیں۔ (ج ۱ ص ۱۰۷)

اس حدیث سے پانچ مسئلے ثابت ہوئے:

۱: امام عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ کے نزدیک آمین ایسی دعا ہے جو اونچی آواز سے کرنی چاہئے۔

۲: صحابۂ کرام آمین بالجہر کہتے تھے۔

۳:   تابعین کرام آمین بالجہر کہتے تھے۔

۴:   ان کا کوئی مخالف معلوم نہیں لہٰذا آمین بالجہر کے بارے میں صحابہ و تابعین کا اجماع ہے۔

۵:   سورۃ الاعراف کی آیت نمبر ۵۵ سے خفیہ آمین کا مسئلہ نکالنا غلط ہے۔

اور دعاء میں اصل حکم یہ ہے کہ دعاء آہستہ کی جائے جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے۔ اُدعُوا ربکم تضرُّعاً و خفیۃً (اعراف: ۵۵)
ترجمہ:۔ پکارو اپنے رب کو گڑگڑا کر اور پوشیدہ۔ ص۲

۲) ہر دعا ہمیشہ خفیہ اور پوشیدہ نہیں کہی جاتی بلکہ جو دعا خفیہ ثابت ہے وہ خفیہ کہنی چاہئے اور جو جہراً ثابت ہے وہ جہراً کہنی چاہئے۔

اگر کوئی کہتا ہے کہ ہر دعا لازمی اور ہمیشہ طور پر خفیہ ہی کہنی چاہئے تو پھر یہ سوال ہے کہ دیوبندی تبلیغی حضرات رائے ونڈ میں اپنے سالانہ اجتماع کے آخر میں لاؤڈ سپیکر پر اونچی دعائیں کیوں کرتے ہیں؟

تنبیہ: امام ابوحنیفہ سے باسند صحیح یہ قطعاً ثابت نہیں کہ انھوں نے اس آیت سے آمین بالسر کے بارے میں استدلال کیا تھا۔

انتہائی غالی دیوبندیوں کے عزیز الفتاویٰ میں لکھا ہوا ہے:

''اور آمین بالجہر یا سر دونوں حدیث سے ثابت ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے آیت ادعوا ربکم تضرعًا و خفیة سے حدیث اخفاء کو ترجیح دی ہے۔'' الخ

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند، عزیز الفتاویٰ ج ا ص ۲۴۳)

امام ابوحنیفہ پر تو انھوں نے جھوٹ بولا ہے تاہم عرض ہے کہ جب تمھارے نزدیک آمین بالجہر حدیث سے ثابت ہے تو پھر اس کی مخالفت کیوں کرتے ہو اور اسے آمین بالشر کیوں کہتے ہو؟

> حضرت موسیٰ علیہ السلام دعاء فرماتے تھے اور حضرت ہارون علیہ السلام
> اس پر آمین کہتے جاتے، قرآن نے موسیٰ کی دعاء اور ہارون کا آمین کہنا
> دونوں کو دعا ہی قرار دیکر فرمایا:
> قد اُجیبت دعوتکما (یونس: ۸۹)
> ترجمہ: "قبول کرلی گئی ہے تم دونوں کی دعاء" ع۳

۳) یہ کسی آیت یا صحیح حدیث سے صراحتاً ثابت نہیں ہے کہ صرف سیدنا موسیٰ علیہ السلام ہی دعا کرتے اور آمین نہیں کہتے تھے، اور سیدنا ہارون علیہ السلام صرف آمین کہتے اور دعا نہیں کرتے تھے لہٰذا آیتِ مذکورہ سے بعض الناس کا استدلال باطل ہے۔

> اس سے یہ ثابت ہوا کہ آمین دعاء ہی ہے، اور آیاتِ قرآنیہ سے ثابت
> ہوتا ہے کہ دعاء آہستہ مانگنی ہی اصل و افضل ہے، اس اعتبار سے آمین
> کو بھی آہستہ کہنا اصل و افضل ہے ع۴

٤) اگر جہری نمازوں میں خفیہ آمین کہنا افضل ہوتا تو رسول اللہ ﷺ، آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور اُن کے متبعین تابعین عظام رحمہم اللہ اجمعین کبھی جہری نمازوں میں آمین بالجہر نہ کہتے جبکہ دلائلِ صحیحہ سے آمین بالجہر ہی ثابت ہے۔ مثلاً:

ا: سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "**أنه صلّى خلف رسول الله ﷺ فجهر بآمين**" إلخ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی، پس آپ نے آمین بالجہر کہی الخ (سنن ابی داود ۱۴۲/۱ ح ۹۳۳ وسندہ حسن)

اس مفہوم کی روایت کے بارے میں حافظ ابن حجر نے فرمایا: اور اس کی سند صحیح ہے۔ (التلخیص الحبیر ۲۳۶/۱)

۲: سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور اُن کے مقتدیوں کا آمین بالجہر کہنا بحوالہ صحیح بخاری گزر چکا ہے۔ دیکھئے جواب نمبر ا، لہٰذا اس مسئلے پر صحابہ و تابعین کا اجماع ہے۔

۳: امام عکرمہ (تابعی) رحمہ اللہ نے فرمایا: میں نے لوگوں کو اس حال میں پایا کہ جب امام ﴿غیر المغضوب علیھم و لاالضالین﴾ کہتا تو لوگوں کے آمین کہنے سے مساجد میں آمین کا شور ہوتا تھا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۴۲۵ وسندہ حسن)

۴: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((ما حسدتکم الیھود علی شیٔ ما حسدتکم علی السلام و التأمین.)) یہود نے تمھارے ساتھ کسی چیز پر اتنا حسد نہیں کیا جتنا سلام اور آمین پر حسد کیا۔ (سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۲۷۸ ح ۸۵۶ وسندہ صحیح)

اسے حافظ عبدالعظیم المنذری اور بوصیری دونوں نے صحیح قرار دیا ہے۔

دیکھئے الترغیب والترہیب (۱/۳۲۸) اور زوائد سنن ابن ماجہ (۸۵۶)

یہ ظاہر ہے کہ جس طرح ایک دوسرے کو اونچی آواز سے سلام کہا جاتا ہے، اسی طرح آمین بھی اونچی آواز سے ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہودی ان دونوں یعنی آمین اور سلام سے حسد کرتے تھے۔

۵: ایک روایت میں آیا ہے کہ یہودی تین چیزوں سے حسد کرتے ہیں:

سلام کا جواب دینا، صفیں قائم کرنا اور مسلمانوں کا فرض نماز میں امام کے پیچھے آمین کہنا۔

(الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۳۲۸۔ ۳۲۹ وحسنہ، مجمع الزوائد ۲/۱۱۳، وقال: واسنادہ حسن)

اسے منذری اور ہیثمی دونوں نے حسن کہا ہے۔

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب: القول المتین فی الجہر بالتأمین

آہستہ آمین کہنے کی احادیث

(۱) عن ابی ھریرۃ قال: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعلمنا یقول: لاتبادروا الامام اذا کبر فکبروا واذا قال ولا الضالین فقولوا آمین واذا رکع فارکعوا (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۷۶)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں سکھاتے تھے اور فرماتے تھے کہ امام پر سبقت نہ کرو، جب وہ اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو، جب وہ ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو

اور جب وہ رکوع کرے تو تم رکوع کرو۔ ع۵

۵) دوسری حدیث میں آیا ہے کہ ((إذا أمن الإمام فأمنوا .)) إلخ
جب امام آمین کہے تو تم آمین کہو۔ الخ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۷۷ ح ۴۱۰ عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ)
ان دونوں حدیثوں کو ملا کر معلوم ہوا کہ امام کے و لا الضالین کہنے کے بعد آمین کہنے کے ساتھ آمین کہنا چاہئے۔

امام بخاری نے اس حدیث سے امام کا آمین بالجہر کہنا مراد لیا ہے۔
دیکھئے صحیح بخاری (قبل ح ۷۸۰)

اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اس حدیث کے راوی امام ابن شہاب الزہری رحمہ اللہ (تابعی) نے فرمایا: ''کان رسول اللہ ﷺ إذا قال و لا الضالین جھر بآمین .'' رسول اللہ ﷺ جب و لا الضالین کہتے تو آمین بالجہر کہتے تھے۔
(حدیث السراج ج ۲ ص ۱۰۱ ح ۲۱۶ وسندہ صحیح الی الزہری)

اس حدیث میں مقتدیوں کے آمین کہنے کو، امام کے ولا الضالین کہنے پر معلق کیا، نہ کہ امام کے آمین کہنے پر۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام آہستہ آمین کہے گا جسے مقتدی نہ سنیں گے، البتہ ولا الضالین کی آواز جہری قرأت کی وجہ سے سب سن لیں گے، لہٰذا امام کے ولا الضالین کہنے پر مقتدیوں کو بھی آمین کہنا چاہیے۔ ع۶

۶) یہ قطعاً ثابت نہیں کہ امام ابو حنیفہ نے حدیثِ مذکور سے مقتدیوں کا آمین بالسر کہنا ثابت کیا تھا، جب کہ إذا أمن الإمام سے امام بخاری اور امام ابن خزیمہ وغیرہما نے امام کا آمین بالجہر کہنا ثابت کیا ہے۔ (مثلاً دیکھئے صحیح ابن خزیمہ ج ۱ ص ۲۸۶ ح ۵۷۰)

اور یہ ظاہر ہے کہ فقہائے محدثین اپنی بیان کردہ احادیث کا تفقہ سب سے زیادہ جانتے ہیں۔

٥۔ وعن وائل بن حجر رضي الله عنه قال صلّی بنا رسول الله صلی الله علیه وسلم
فلما قرء غير المغضوب ولا الضالين قال آمين واخفیٰ بها
صوته (مسند احمد ج٤ ص ٣١٦)
ترجمہ:۔ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں
نماز پڑھائی پس جب غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھا تو آمین کہا
اور آمین کی آواز کو پست کیا۔ ع ۷

۷) یہ روایت شاذ اور معلول ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے لہٰذا سفیان ثوری رحمہ اللہ وغیرہ کی بیان کردہ صحیح ومحفوظ روایت کے مقابلے میں اس سے استدلال جائز نہیں ہے۔
نیموی حنفی نے اس سند کے صحیح ہونے کا دعویٰ کرنے کے ساتھ کہا:
''و في متنه اضطراب'' اور اس کے متن میں اضطراب ہے۔ (آثار السنن: ۳۸۴)
اور یہ بات عام طالب علموں کو بھی معلوم ہے کہ اضطراب والی روایت ضعیف ہوتی ہے۔

مستدرک حاکم میں اس حدیث کے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔
حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاه۔ جیسا کہ اعلاء السنن میں ہے
عن علقمة بن وائل عن أبيه: أنه صلى مع رسول الله صلى الله عليه وسلم
فلما بلغ غير المغضوب عليهم ولا الضالين قال: آمين واخفى بها
صوته" رواه احمد وابو داود الطيالسي وابو يعلى الموصلي في مسانيدهم
والدار قطني في سننه، والحاكم في المستدرك، واخرجه في كتاب القراءة
ولفظه: وخفض بها صوته وقال: حديث صحيح الاسناد
ولم يخرجاه (اعلاء السنن ج ٢ ص ٢٥١)
اس کو امام احمدؒ اور ابو داؤد طیالسی اور ابو یعلیٰ موصلی نے اپنی اپنی
مسانید میں اور دار قطنی نے اپنی سنن میں اور حاکم نے مستدرک میں روایت
کیا ہے، اور کتاب القراءۃ میں اس کی تخریج کی ہے، اور یہ
یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ ع ۸

۸) حاکم نے اگر اسے صحیح الاسناد کہا تو امام بخاری اور امام ابوزرعہ الرازی وغیرہما نے شعبہ کی حدیث کو خطا قرار دیا۔

دیکھئے العلل الکبیر للترمذی (ج۱ ص ۲۱۷) اور سنن دارقطنی (ج۱ ص ۳۳۴)

بلکہ امام بیہقی نے فرمایا: حفاظ (یعنی حفاظِ حدیث) بخاری وغیرہ کا اجماع ہے کہ شعبہ کو اس حدیث میں غلطی لگی ہے۔ (معرفۃ السنن والآثار قلمی ج۱ ص ۲۱۰، اب یہ کتاب چھپ چکی ہے۔ والحمدللہ)

ظاہر ہے کہ حفاظِ حدیث کے اجماع کے مقابلے میں حاکم کی تصحیح پیش کرنا غلط ہے۔

نیز آثارِ صحابہؓ سے بھی آہستہ آمین کہنے کی تائید ہوتی ہے

(۱) امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اربعٌ یُخفیھنّ الامامُ التعوّذُ، وبسم اللہ الرحمٰن الرحیم وآمین واللّٰھمّ ربّنا ولک الحمدُ (ابن جریر) (کنز العمال ج ۸ ص ۱۳۰)

ترجمہ: چار چیزوں کو امام آہستہ کہے گا (۱) تعوذ (۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (۳) آمین (۴) اللّٰھم ربنا ولک الحمد ۔۔۔ ع ۹

۹) اس روایت کے بارے میں نیموی نے لکھا ہے: ’’و إسناده ضعيف‘‘

اور اس کی سند ضعیف ہے۔ (آثار السنن، حدیث نمبر ۳۸۵)

اس کا ایک راوی ابوسعد البقال جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف تھا۔ اسے امام یحییٰ بن معین، امام نسائی، امام عمرو بن علی الفلاس، امام ابن عدی، حافظ ذہبی اور حافظ ابن حجر وغیرہم نے ضعیف قرار دیا بلکہ حافظ ابن حبان نے فرمایا: ’’كثير الوهم فاحش الخطأ‘‘ (کتاب المجروحین ج۱ ص ۳۱۷)

سرفراز خان صفدر دیوبندی کرمنگی گکھڑوی نے لکھا ہے کہ ’’اصول حدیث میں اس امر کی صراحت ہے کہ کثیر الغلط، کثیر الوہم ہونا جرح مفسّر ہے۔ اور ایسے راوی کی حدیث مردود روایتوں میں شامل ہے...‘‘ (احسن الکلام ج۲ ص ۹۵، دوسرا نسخہ ج۲ ص ۸۵)

یاد رہے کہ ابوسعد البقال پر جمہور محدثین نے جرح کی ہے اور سرفراز خان صفدر نے

لکھا ہے: ''بایں ہمہ ہم نے توثیق وتضعیف میں جمہور ائمہ جرح وتعدیل اور اکثر ائمہ حدیث کا ساتھ اور دامن نہیں چھوڑا۔'' (احسن الکلام ج ۱ ص ۶۱، دوسرا نسخہ ج ۱ ص ۴۰)

عرض ہے کہ یہاں بھی جمہور محدثین کا دامن توثیق وتضعیف میں نہ چھوڑیں۔!

(۱۲) حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما بھی آمین آہستہ ہی کہتے تھے۔
عن ابی وائل قال کان علیؓ وعبداللہ لا یجہران ببسم اللہ الرحمن الرحیم
ولا بالتعوذ ولا بالتامین۔ (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۰۸)
ترجمہ: حضرت ابو وائل سے مروی ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ
بسم اللہ الرحمن الرحیم و اعوذ باللہ اور آمین کو بلند آواز سے نہیں کہتے تھے۔ (۱۲)

۱۰) مجمع الزوائد میں اس روایت کے بعد لکھا ہوا ہے: ''و فیه أبو سعد البقال وهو ثقة مدلس'' اور اس میں ابو سعد البقال ہے اور وہ ثقہ مدلس ہے۔ (ج ۲ ص ۱۰۸)

عرض ہے کہ جسے جمہور محدثین ضعیف و مجروح قرار دیں، وہ ثقہ کس طرح ہو سکتا ہے؟

اور خود حافظ ہیثمی نے دوسری جگہ لکھا ہے: ''و فیه سعید بن أبي المرزبان و هو ضعیف مدلس'' اور اس میں سعید بن ابی المرزبان ہے اور وہ ضعیف مدلس ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۴۴)

صحیح لفظ سعید بن المرزبان ہے جو کاتب یا ناسخ کی غلطی سے بن ابی المرزبان چھپ گیا ہے۔ اس روایت کی باقی سند بھی نامعلوم ہے اور تصریحِ سماع کا بھی کوئی ثبوت نہیں ہے۔

(۱۳) مشہور تابعی حضرت ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں:
اربعٌ یخفیهن الامام بسم اللہ الرحمن الرحیم، والاستعاذة
وآمین، واذا قال سمع اللہ لمن حمدہ قال ربنا لک الحمد۔
(مصنف عبدالرزاق ج ۲ ص ۸۷)
ترجمہ: چار چیزیں ہیں جنہیں امام آہستہ کہے گا، ''بسم اللہ الرحمن الرحیم''
تعوذ، آمین اور جب سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو ربنا ولک الحمد کو۔ (۱۳)

۱۱) اس روایت کی سند ضعیف ہے۔ وجہ ضعف یہ ہے کہ اس کے راوی امام عبدالرزاق

مدلس تھے۔ دیکھئے کتاب الضعفاء للعقیلی (ج ۳ ص ۱۱۰۔۱۱۱)

سرفراز خان صفدر نے لکھا ہے: ''مدلّس راوی عَنْ سے روایت کرے تو وہ حجت نہیں اِلّا یہ کہ وہ تحدیث کرے یا اس کا کوئی ثقہ متابع ہو مگر یہ یاد رہے کہ صحیحین میں تدلیس مضر نہیں۔ وہ دوسرے طرق سے سماع پر محمول ہے۔'' الخ (خزائن السنن ج ۱ ص ۱)

ایسی روایت کیوں پیش کرتے ہیں جو حجت نہیں ہے؟!!

امام ترمذی نے آمین بالجہر والی حدیث کو حسن قرار دے کر فرمایا:

''**و به يقول غير واحد من أهل العلم من أصحاب النبي ﷺ والتابعين و من بعدهم :يرون أن يرفع الرجل صوته بالتأمين ولا يخفيها و به يقول الشافعي و أحمد و إسحاق .**'' نبی ﷺ کے اہلِ علم صحابہ میں سے کئی صحابہ، تابعین اور بعد والے اس بات کے قائل ہیں کہ مرد کو آمین کی آواز بلند کرنی چاہئے اور خفیہ آمین نہیں کہنی چاہئے اور شافعی، احمد (بن حنبل) اسحاق (بن راہویہ) اسی کے قائل ہیں۔

(جامع ترمذی طبع دارالسلام ص ۶۹ حدیث نمبر ۲۴۸ باب ماجاء فی التأمین)

سبحان اللہ! صحابہ کرام، تابعین عظام، بعد میں آنے والے تبع تابعین اور امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق بن راہویہ وغیرہم آمین بالجہر کے قائل ہیں لیکن دیوبندی حضرات ان صحابہ، تابعین اور اماموں کے بالکل خلاف اُلٹا چل کر آمین بالجہر سے منع کر رہے ہیں۔!!

عورت اور مرد کا طریقۂ نماز

(۲) حالی نماز کے اندر مرد اور عورت کے رکوع وسجدہ میں فرق ہے
اصل بات یہ ہے کہ عورت کو نماز میں اپنے جسم اور اعضاء کو زیادہ سے
زیادہ چھپانے کا حکم ہے، اور جن جن مقامات پر بھی مرد اور عورت کی
نماز میں فرق بیان کیا گیا ہے، اس کی اصل وجہ یہی ہے کہ عورت
پردے کی چیز ہے، اس کی نماز میں ہر طرح سے پردے کی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے [illegible]

۱۲) یہ سارے فروق نہ قرآن مجید سے ثابت ہے اور نہ حدیث سے، نہ اجماع سے ثابت ہیں اور نہ اجتہادِ امام ابوحنیفہ سے، لہٰذا انھیں یہاں لکھنے کا کیا فائدہ ہے؟

چند فرق مندرجہ ذیل ہیں:
(۱) مرد رکوع میں اتنا جھکے کہ سر، پیٹھ اور سرین برابر ہو جائیں، اور عورت اس سے کم جھکے یعنی صرف اس قدر کہ ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ جائیں، پیٹھ سیدھی نہ کرے (۲) مرد گھٹنے پر انگلیاں کھلی رکھے اور ہاتھ پر زور دیتے ہوئے مضبوطی کے ساتھ گھٹنوں کو پکڑلے، اور عورت اپنی انگلیاں ملا کر گھٹنوں پر رکھ دے اور ہاتھ پر زور نہ دے اور پاؤں قدرے جھکے ہوئے رکھے مردوں کی طرح خوب سیدھے نہ کرے (۳) مرد اپنے بازوؤں کو پہلو سے الگ رکھ اور کھول کر رکوع کرے، اور عورت اپنے بازوؤں کو پہلو سے خوب ملائے اور دونوں پاؤں کے ٹخنے ملا دیوے، اور جتنا ہو سکے سُکڑ کر رکوع کرے۔
(۴) مرد سجدہ کی حالت میں پیٹ کو رانوں سے اور بازوؤں کو بغل سے ملا ہوا رکھے، اور کہنیاں اور کلائی زمین پر بچھا کر سجدہ کرے، (۵) نیز مرد سجدہ میں دونوں پاؤں کھڑے رکھ کر انگلیاں قبلہ رُخ رکھے، اور عورت پاؤں کھڑا نہ کرے بلکہ دونوں پاؤں داہنی طرف نکال دے اور خوب سمٹ کر سجدہ کرے اور دونوں ہاتھ کی انگلیاں ملا کر قبلہ رخ رکھے ...

۱۳) یہ سارے فرق ادلۂ اربعہ میں سے کسی دلیل سے ثابت نہیں لہٰذا دیو بندی حضرات بذاتِ خود امام بننے کی کوشش نہ کریں بلکہ ان فروق کا صحیح ثبوت امام ابوحنیفہ سے پیش کر دیں اور اگر نہ کر سکیں تو پھر شریعت سازی نہ کریں۔

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اصولی انداز میں ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ
المرأۃُ عورۃٌ (الترغیب والترھیب ج۱ ص ۱۲۱ بحوالہ رجالہ الصحیح)
ترجمہ: "عورت چھپانے اور پردہ کی چیز ہے" ...

۱٤) یہ روایت (المرأۃ عورۃ) الترغیب والترہیب میں دو صحابیوں سے مروی ہے:

۱: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ (ج ۱ ص ۲۲۶ ح ۵۰۷ بحوالہ الطبرانی فی الاوسط)

المعجم الاوسط للطبرانی (ج ۳ ص ۲۲۴ ح ۲۹۱۱) بحوالہ قتادہ عن سالم عن ابیہ رضی اللہ عنہ۔

اس روایت میں قتادہ راوی مدلس ہیں۔ (طبقات المدلسین لابن حجر بتحقیقی: ۳/۹۲، طبقہ ثالثہ)

ماسٹر امین اوکاڑوی دیوبندی نے کہا: ''اور قتادہ مدلس ہے۔''

(ترجمہ وحواشی: جزء رفع الیدین ص ۲۸۹ ح ۲۹ تا ۳۱ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

جواب نمبر ۱۱ میں گزر چکا ہے کہ مدلس کی عن والی روایت حجت نہیں یعنی ضعیف ہوتی ہے۔

۲: سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (ج ۱ ص ۲۲۷ ح ۵۰۹ بحوالہ ترمذی، ابن خزیمہ اور ابن حبان)

سنن الترمذی (ح ۱۱۷۳) صحیح ابن خزیمہ (ح ۱۶۸۵۔ ۱۶۸۷) صحیح ابن حبان (الاحسان: ۵۵۷۰) اور المعجم الاوسط للطبرانی (ج ۹ ص ۴۳ ح ۸۰۹۲)

ان تمام کتابوں کی اس روایت کی ہر سند میں قتادہ مدلس ہیں اور سماع کی تصریح موجود نہیں لہٰذا یہ سند بھی ضعیف ہے۔ دیکھئے سنن الترمذی بتحقیقی (ص ۱۴۹ ح ۱۱۷۳)

اس ضعیف حدیث سے آلِ دیوبند کا استدلال بھی غلط ہے۔

اسی اصول کی بنا پر احادیث و روایات میں عورتوں کی نماز پڑھنے کا طریقہ بعض چیزوں میں مردوں کے مقابلے میں مختلف بیان کیا گیا ہے

(۲) حضرت یزید بن ابی حبیبؒ سے روایت ہے:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلَی امْرَأَتَیْنِ تُصَلِّیَانِ فَقَالَ: إِذَا سَجَدْتُمَا فَضُمَّا بَعْضَ اللَّحْمِ إِلَی الْأَرْضِ فَإِنَّ الْمَرْأَۃَ لَیْسَتْ فِی ذٰلِکَ کَالرَّجُلِ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۲۲۳)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو عورتوں کے پاس سے گزرے جو نماز پڑھ رہی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فرمایا کہ جب تم سجدہ کرو تو اپنے جسم کے بعض حصوں کو زمین سے چمٹا دو، اس لئے کہ اس سلسلہ میں عورت کا حکم مرد کی طرح نہیں ہے ۔۔۔ ع ۱۵

۱۵) یہ روایت مرسل یعنی منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: '' و حديث مالك عن عمرة مرسل و أهل الحديث و نحن لا نثبت

مرسلاً ۔ ''اور مالک کی عمرہ (بنت عبدالرحمٰن) سے حدیث مرسل ہے اور اہلِ حدیث اور ہم مرسل کو ثابت نہیں سمجھتے۔ (کتاب الام ج ۳ ص ۷۵ باب الجائحۃ فی الثمرۃ)

ابن الصلاح الشہرزوری الشافعی نے لکھا ہے: '' و ماذکرناہ من سقوط الاحتجاج بالمرسل والحکم بضعفه هو المذهب الذي استقر عليه آراء جماهير حفاظ الحديث و نقاد الأثر و قد تداولوه في تصانيفهم و في صدر صحيح مسلم :المرسل في أصل قولنا و قول أهل العلم بالأخبار ليس بحجة . ''

اور ہم نے مرسل کے درجۂ حجت سے ساقط ہونے اور ضعیف ہونے کا جو ذکر کیا ہے، یہی وہ مذہب ہے جس پر جمہور حفاظِ حدیث اور ناقدین کرام کی آراء قائم ہوئی ہیں اور انھوں نے پے در پے اپنی کتابوں میں لکھا ہے اور صحیح مسلم کے شروع میں لکھا ہوا ہے کہ ہمارے اصل قول اور حدیث کا علم رکھنے والے علماء کے نزدیک مرسل حجت نہیں ہے۔

(مقدمہ ابن الصلاح ص ۱۳۰۔۱۳۱، مع التقیید والایضاح للعراقی ص ۷۴۔۷۵)

حافظ عبدالرحیم بن الحسین العراقی (متوفی ۸۰۶ھ) نے مرسل کے بارے میں فرمایا:

'' و ردّه جماهر النقاد للجهل بالساقط فی الإسناد ''

اور جمہور ناقدین نے اسے رد کر دیا ہے، سند میں ساقط شدہ کے نامعلوم ہونے کی وجہ سے۔

(الفیۃ العراقی ص ۲۸، مع فتح الباقی ص ۱۴۳)

تنبیہ: امام مالک اور امام ابوحنیفہ سے مرسل کا حجت ہونا صحیح سند کے ساتھ قطعاً ثابت نہیں ہے۔ امام ابوعیسیٰ الترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا: '' والحديث إذا كان مرسلاً فإنه لا يصح عند أكثر أهل الحديث قد ضعفه غير واحد منهم '' اور حدیث اگر مرسل ہو تو اکثر اہلِ حدیث (محدثین) کے نزدیک وہ صحیح نہیں ہے، کئی نے اُسے ضعیف کہا ہے۔

(کتاب العلل الصغیر مع تحفۃ الاحوذی ج ۴ ص ۳۹۷)

سعید بن المسیب (ثقہ تابعی) کی سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کے بارے میں امام یحییٰ بن سعید القطان نے فرمایا: '' ذاك شبه الريح '' وہ ہوا کی طرح (یعنی ضعیف

ومردود) ہے۔ (کتاب المراسیل لابن ابی حاتم ص ۴ فقرہ:۳ وسندہ صحیح)

امام یحییٰ بن سعید القطان کے استاذ امام شعبہ بن الحجاج البصری رحمہ اللہ ابراہیم نخعی کی سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے (مرسل) روایت کو ضعیف کہتے تھے۔ (کتاب المراسیل ص ۶ وسندہ صحیح)

لہٰذا یہ پروپیگنڈا کرنا کہ ''مرسل ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے'' بالکل غلط ہے۔

ابوجعفر الطحاوی نے امام ابوحنیفہ اور قاضی ابو یوسف دونوں کا ذکر کر کے لکھا ہے:

''و كان من الحجة لهم في ذلك ان هذا الحديث منقطع .. ''

اور ان کی دلیل یہ تھی کہ یہ حدیث منقطع (یعنی مرسل) ہے۔

(شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۱۶۴، باب الرجل یسلم فی دار الحرب وعندہ اکثر من اربع نسوۃ)

معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ اور قاضی ابو یوسف دونوں مرسل کو حجت نہیں سمجھتے تھے۔

فائدہ: خود دیوبندی حضرات بہت سی مرسل روایتیں نہیں مانتے مثلاً نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنے والی روایت (مرسل طاؤس رحمہ اللہ) حالانکہ طاؤس تک سند حسن لذاتہ ہے۔

(دیکھئے کتاب المراسیل لابی داود: ۳۴)

امام زہری کی آمین بالجہر والی مرسل روایت۔

دیکھئے فقرہ نمبر ۵

یہ حدیث اگرچہ مراسیلِ ابی داؤد میں سے ہے لیکن اس کے مرسل ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ بہت سے اہل علم کے نزدیک تو مرسل حدیث قابلِ عمل ہوتی ہے اور جن حضرات کے نزدیک قابلِ عمل نہیں ہوتی ان کے نزدیک بھی یہ حدیث حجت ہے، کیونکہ اس حدیث کو امام بیہقیؒ نے دو موصول طریقوں سے بھی روایت کیا ہے اور مرسل حدیث کو اگر دوسری موصول اور مرسل سندوں سے قوت حاصل ہو جائے تو پھر وہ بھی قابلِ عمل ہو جاتی ہے [۱۶]

۱۶) ضعیف + ضعیف مل کر ضعیف ہی رہتی ہے۔

امام بیہقیؒ نے فرمایا:

ھو احسن من موصولین فی ھذا الباب (اعلاء السنن ج ۲ ص ۲۶) [۱۷]

۱۷) امام بیہقی کا مرسل کو دو موصول روایتوں سے بہتر (احسن) کہنا اس کی دلیل ہے کہ وہ دونوں موصول روایتیں سخت مردود اور باطل ہیں۔

واضح رہے کہ مردوں کو سجدے کی حالت میں اپنے ہاتھ زمین پر بچھا کر رکھنے کی حدیث میں ممانعت آئی ہے، چنانچہ مسلم شریف کی حدیث میں ہے:

وینھی ان یفترش الرجل ذراعیہ افتراش السبع (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۹۵)

ترجمہ: اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (سجدے کی حالت میں) مرد کو اپنے ہاتھ زمین پر درندے کی طرح بچھانے سے منع فرمایا ہے۔

اس حدیث میں ممانعت بیان کرتے ہوئے صاف طور پر "الرجل" (مرد) کی قید موجود ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد کی قید لگا کر یہ بات واضح فرمادی کہ یہ ممانعت مردوں کے ساتھ خاص ہے۔ ع ۱۸

۱۸) شریعتِ اسلامیہ میں جو حکم مَردوں کے لئے ہے، اُس میں عورتیں بھی شامل ہیں اِلا یہ کہ تخصیص کی کوئی صریح دلیل ہو۔

اگر دیو بندی حضرات کسی حدیث سے یہ ثابت کر دیں کہ عورت نماز میں کتوں کی طرح زمین پر ہاتھ بچھا کر نماز پڑھے تو ٹھیک ہے اور اگر ثابت نہ کر سکیں تو یہ حدیث عورتوں کو بھی اس حرکت سے منع کی دلیل رہے گی۔

نبی ﷺ نے فرمایا: ((**اعتدلوا فی السجود و لا یبسط أحدکم ذراعیه انبساط الکلب .**)) سجدوں میں اعتدال کرو اور تم میں سے کوئی بھی کتے کی طرح ہاتھ نہ بچھائے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۱۳ ح ۸۲۲)

اس حدیث میں مردوں کی تخصیص نہیں بلکہ مَردوں، عورتوں، بوڑھوں اور بچوں سب کے لئے یہی حکم ہے کہ سجدے میں زمین پر ہاتھ نہ بچھائیں اور امام بخاری نے بھی مطلق باب باندھا ہے: ''**باب : لا یفترش ذراعیه فی السجود**'' باب: سجدوں میں بازو نہیں بچھانے چاہئیں۔ (ج ۱ ص ۱۱۳)

(۱۹) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا جلست المرأۃ فی الصلاۃ وضعت
فخذها علی فخذها الاخری فاذا سجدت الصقت بطنها فی فخذیها کاستر
ما یکون لها وان اللہ تعالی ینظر الیها ویقول یا ملائکتی اشهدکم
انی قد غفرت لها (کنز العمال ج ۷ ص ۲۲۳ و السنن الکبری للبیہقی ج ۲ ص ۲۲۳)
ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز کے دوران جب عورت بیٹھے
تو دونوں پاؤں ایک طرف نکال کر اپنی ایک ران کو دوسری ران پر رکھے
اور جب سجدہ میں جائے تو اپنے پیٹ کو اپنی دونوں رانوں سے ملالے
اس طرح کہ اس کے لئے زیادہ سے زیادہ پردہ ہو جائے اور بلاشبہ
اللہ تعالیٰ اس کی طرف (رحمت کی نظر سے) دیکھتے ہیں اور فرشتوں سے فرماتے
ہیں کہ اے فرشتو! تم گواہ رہو میں نے اس عورت کی بخشش کر دی۔ ۱۹

۱۹) یہ روایت سخت ضعیف و مردود ہے۔ ابو مطیع البلخی پر جرح تو بیہقی کے اسی حوالے میں موجود ہے۔ (دیکھئے السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۲۲۳)

اس روایت میں ابو مطیع سے اس روایت کا راوی محمد بن القاسم البلخی ہے، جس کا ذکر حلال نہیں ہے۔ دیکھئے لسان المیزان (ج ۵ ص ۳۴۷)

محمد بن القاسم البلخی کا شاگرد عبید بن محمد السرخسی بھی نامعلوم ہے۔

امام بیہقیؒ نے اس روایت کے بارے میں فرمایا ہے کہ "لا یحتج بامثالہ"
جس کی وجہ سے بعض لوگوں کو اس روایت پر اعتراض ہے، لیکن اولاً تو اس کے
دوسرے شواہد ہونے کی وجہ سے حدیث معتبر ہے، جیسا کہ اعلاء السنن میں ہے:
قلت: ولہ شواہد قد مرت (اعلاء السنن ج ۳ ص ۳۳) ۲۰

۲۰) اس کے تمام شواہد ضعیف و مردود ہیں لہٰذا ظفر احمد تھانوی دیوبندی کی کتاب: اعلاء السنن کا نام لے کر رعب جمانے کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ اصل دلیل پیش کریں۔

اعلاء السنن کے بارے میں مشہور عربی محقق شیخ عداب محمود الحمش نے فرمایا:

''و في هذا الكتاب بلايا و طامات مخجلة'' اس کتاب میں مصیبتیں اور رُسوا کن

تباہیاں ہیں۔ (رواۃ الحدیث الذین سکت علیہم ائمۃ الجرح والتعدیل ص ۲۷، حاشیہ)

دوسری غور طلب بات یہ ہے کہ امام بیہقیؒ نے یہ بات کس بنیاد پر فرمائی ہے کیونکہ جرح مفسر ہونا چاہیئے! تو اس کی وجہ اس روایت کی سند میں ابو مطیع حکم بن عبداللہ راوی کا ہونا ہے جس پر متعدد محدثین نے مرجئہ ہونے کا الزام عائد کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ جنت اور دوزخ کے پیدا ہونے کے بعد فناء ہونے کے قائل تھے مگر یہ الزام بے بنیاد ہے خود ان کے اپنے کلام سے ان دونوں الزامات کی واضح طور پر نفی ہوتی ہے

ابو مطیع حکم بن عبداللہ کی کئی محدثین نے توثیق کی ہے مثلاً امام

۲۱) جرح اور تعدیل میں (تعارض کی صورت میں) ہمیشہ جمہور محدثین کو ترجیح ہوتی ہے اور ابو مطیع کو جمہور محدثین نے مجروح قرار دیا ہے لہٰذا بات ختم!

امام یحییٰ بن معین نے اُسے ضعیف کہا۔ (کلام ابن معین فی الرجال، روایۃ ابی خالد الدقاق یزید بن الہیثم بن طہمان: ۳۵۹، لسان المیزان ج ۲ ص ۳۳۴)

ابن سعد نے کہا: ''و کان مرجئًا ... وھو ضعیف عندھم فی الحدیث و کان مکفوفًا'' اور وہ مرجی تھا... اور وہ اُن کے نزدیک حدیث میں ضعیف تھا اور نابینا تھا۔

(طبقات ابن سعد ۳۷۴/۷)

معلوم ہوا کہ حدیث کی روایت میں ابو مطیع ضعیف تھا۔ حافظ ذہبی نے بالجزم بتایا کہ اس نے ایک حدیث گھڑی تھی۔ (لسان المیزان ۳۳۶/۲)

جمہور کی جرح کے مقابلے میں بعض کی توثیق کی کیا حیثیت ہے؟

تنبیہ: الفقہ الاکبر نامی کتاب ابو مطیع سے باسند صحیح ثابت نہیں لہٰذا اس کے حوالے پیش کر کے ابو مطیع کا دفاع کرنا فضول ہے۔

دوسرے یہ کہ روایتِ مذکورہ میں ابو مطیع کے علاوہ دو اور راوی ہیں جن میں سے ایک کا ذکر حلال نہیں اور دوسرا مجہول تھا۔ دیکھئے جواب نمبر ۱۹، ان کی توثیق کہاں سے لائیں گے؟!

اور یہ وہ عظیم الشان فقیہ
و محدث ہیں جو امام ابو حنیفہؒ کی عقائد کے موضوع پر جامع کتاب فقہ اکبر کے راوی
ہیں اس میں وہ اپنی زبان سے جنت و دوزخ اور مرجئہ کے بارے میں فرماتے ہیں
ولا نقول أن حسناتنا مقبولة وسيأتنا مغفورة كقول المرجئة
ولكن نقول المسئلة مبينة مفصلة (شرح الفقه الاكبر ص۲۱)
ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:
والجنة والنار مخلوقتان اليوم لا تفنيان ابدا (ايضا ص۹۹،۹۸) ص۲۲

۲۲) یہ دونوں حوالے ابو مطیع سے ثابت نہیں ہیں اور ان کے مقابلے میں اہلِ سنت کے جلیل القدر امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا: ''لا ينبغي أن يروي عنه ، حكوا عنه أنه كان يقول : الجنة و النار خلقتا فستفنيان و هذا كلام جهم لا يروى عنه شيئ . ''اس سے روایت بیان نہیں کرنی چاہئے، اس سے حکایت بیان کی گئی ہے کہ وہ کہتا تھا: جنت اور جہنم دونوں مخلوق ہیں لہٰذا دونوں (آخر) فنا ہو جائیں گی اور یہ جہم (ایک بہت بڑے گمراہ) کا کلام ہے، اس سے کوئی چیز روایت نہیں کرنی چاہئے۔

(کتاب العلل ومعرفۃ الرجال ج۳ ص۲۹۹۔۳۰۰ رقم ۵۳۳۱)

چار اماموں میں سے ایک امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی اس گواہی کے مقابلے میں کسی امام سے اس بات کا انکار ثابت نہیں لہٰذا من گھڑت کتابوں کی عبارات پیش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

(۵) امام عبد الرزاق حضرت ابن جریج سے اور وہ حضرت عطاءؒ سے روایت کرتے ہیں:
قَالَ تجتمعُ المرأةُ إذا ركعتْ ترفعُ يديها إلى بطنها وتجتمعُ
ما استطاعت فإذا سجدتْ فلتضمَّ يديها إليها وتضمّ بطنها وصدرها
إلى فخذيها وتجتمع ما استطاعت (مصنف عبد الرزاق ج۳ ص۱۳۷)
ترجمہ:- حضرت عطاءؒ نے فرمایا کہ عورت نماز میں، سمٹ کر رہے گی جب رکوع کرے
اپنے ہاتھوں کو اپنے پیٹ کی طرف اٹھائے گی اور جتنا سمٹ سکتی ہو سمٹ جائے گی
پھر جب سجدہ کرے گی تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے جسم کے ساتھ ملائے گی اور اپنے

> پھوٹے کو اور اپنے سینے کو اپنی رانوں کے ساتھ ملائے گی اور جتنا ہو سکے سمٹ جائے گی۔ ع ۲۳

۲۳) مصنف عبدالرزاق (۳/ ۱۳۷ ح ۵۰۶۹) والی روایت کی سند میں عبدالرزاق مدلس ہیں۔ (دیکھئے جواب نمبر ۱۱) اور یہ روایت عن سے ہے لہٰذا ضعیف ہے۔

اس کے مقابلے میں دو اقوال پیشِ خدمت ہیں:

امام ابوحنیفہ کے استاد حماد بن ابی سلیمان نے فرمایا: عورت کی جیسے مرضی ہو (نماز میں) بیٹھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۷۱ ح ۲۷۹۰ وسندہ صحیح)

حماد کے استاد ابراہیم نخعی نے فرمایا: ''**تقعد المرأة فی الصلوة کما یقعد الرجل**'' عورت نماز میں اس طرح بیٹھے جیسے مرد بیٹھتا ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۷۰ ح ۲۷۸۸ وسندہ صحیح)

> اس روایت سے معلوم ہوا کہ عورت مردوں کے برعکس قیام، رکوع اور سجدے اور قعدہ کی حالت میں خوب اچھی طرح اکٹھی ہو گی اور اپنے آپ کو سُکیڑ کر رکھے گی۔ فقہائے کرام نے اس اصول کی روشنی میں عورت کے رکوع، سجدے اور قعدے کی پوری کیفیت بیان فرما دی ہے۔ ع ۲۴

۲۴) مصنف عبدالرزاق والی یہ روایت ضعیف ہے جیسا کہ جواب نمبر ۲۳ میں ثابت کر دیا گیا ہے۔

> واضح رہے کہ مصنف عبدالرزاق امام بخاریؒ کے استاد الاستاد ہیں اور امام بخاریؒ کی تصریح کے مطابق اس مصنف کی تمام حدیثیں صحیح ہیں۔ ع ۲۵

۲۵) امام بخاری رحمہ اللہ سے یہ تصریح کہیں بھی ثابت نہیں کہ مصنف عبدالرزاق کی تمام حدیثیں صحیح ہیں۔ لہٰذا بعض الناس نے عبارتِ مذکورہ میں امام بخاری پر جھوٹ بولا ہے۔

سرفراز خان صفدر دیوبندی نے عبدالعزیز دہلوی سے طبقہ ثالثہ (جس میں بقول سرفراز: مصنف عبدالرزاق بھی شامل ہے) کے بارے میں نقل کیا:

''اس طبقہ کی اکثر احادیث پر فقہاء کرامؒ کے نزدیک عمل نہیں ہوا بلکہ ان کے خلاف اجماع منعقد ہوا ہے۔'' (تنقیدِ متین بر تفسیر نعیم الدین ص ۸۸)

سلیمان ندوی نامی ایک شخص نے مصنف عبدالرزاق کے بارے میں لکھا:

''اور چونکہ کتاب مذکور میں صحیح حدیثوں کے ساتھ ساتھ موضوع حدیثیں تک موجود ہیں...''

(تنقیدِ متین ص ۸۹ بحوالہ سیرت النبی جلد ۳ ص ۷۷۶)

(۸) امام عبدالرزاق حضرت معمر کے حوالے سے روایت کرتے ہیں:

عن الحسن وقتادۃ قالا اذا سجدت المرأۃ فانھا تنضم ما استطاعت ولا تجافی لکیلا ترفع عجیزتھا (مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۱۳۷)

ترجمہ: حضرت حسن بصری اور حضرت قتادہ نے فرمایا کہ جب عورت سجدہ کرے گی تو ممکنہ حد تک جسم ملا کر رکھے گی اور اپنے اعضاء کو کھلا اور جدا جدا نہیں رکھے گی تاکہ اس کے سُرین اوپر نہ اٹھ رہ جائیں۔ ع ۲۶

۲۶) اس روایت کی سند بھی عبدالرزاق مدلس کے عن کی وجہ سے ضعیف ہے۔

دیکھئے جواب نمبر ۱۱

آخر میں عرض ہے کہ مشہور تابعی اور صدوق عند الجمہور امام مکحول الشامی رحمہ اللہ نے فرمایا: ام الدرداء (ہجیمہ تابعیہ رحمہا اللہ) نماز میں مردوں کی طرح بیٹھتی تھیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۷۰ ح ۲۷۸۵ وسندہ حسن)

نیز دیکھئے میرا تحقیقی مضمون: مرد و عورت کی نماز میں فرق اور آلِ تقلید (شائع شدہ ماہنامہ الحدیث حضرو: ۱۳ ص ۱۹۔۳۱، اور تحقیقی، اصلاحی اور علمی مقالات ج ۱ ص ۲۲۳۔۲۴۱)

نماز جمعہ سے پہلے چار رکعتیں

(۳) نماز جمعہ سے پہلے چار رکعتیں پڑھنا سنتِ مؤکدہ ہے اور یہ متعدد احادیث سے ثابت ہے جن میں سے بعض درج ذیل ہیں۔

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی قبل الجمعۃ اربعاً و بعدھا
اربعاً (ترمذی شریف ج ۱ ص ۲۳۰)
ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ سے پہلے چار رکعت اور جمعہ کے بعد چار رکعت
پڑھتے تھے ۲۷

۲۷) یہ روایت سنن ترمذی (ترمذی شریف ج ۱ ص ۲۳۰) پر بالکل نہیں ملی لہٰذا مکمل روایت مع متن وترجمہ پیش کریں۔

تنبیہ: سنن ترمذی (باب فی الصلوٰۃ قبل الجمعۃ و بعدھا ح ۵۲۳) کے تحت امام ترمذی نے بغیر کسی سند کے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوفاً نقل کیا ہے کہ وہ جمعہ سے پہلے چار اور جمعہ کے بعد چار پڑھتے تھے۔

یہ موقوف روایت بے سند ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
مَن اغتسلَ ثم اتی الجمعۃ فصلّٰی ما قُدِّرَ له ثم انصتَ حتّٰی یفرغَ
من خطبته ثم یصلّی معهٗ غُفِرَ له ما بینهٗ و بین الجمعۃ الاُخریٰ وفضلُ
ثلاثۃ ایّام (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۸۳)
ترجمہ: جس نے غسل کیا پھر جمعہ کے لئے حاضر ہوا پھر اس نے جو مقدر ہوئی نماز پڑھی ۲۸

۲۸) روایت مذکورہ میں ''جو مقدر ہوئی نماز پڑھی'' کے الفاظ سے ثابت ہے کہ نماز جمعہ سے پہلے یعنی خطبۂ جمعہ سے پہلے کوئی خاص تعدادِ رکعات مقرر نہیں ہے لہٰذا جتنی رکعتیں مرضی ہوں نوافل پڑھ لیں۔

پھر خاموش رہا یہاں تک کہ امام اپنے خطبہ سے فارغ ہو گیا پھر امام کے ساتھ جمعہ کی
نماز پڑھی تو اس شخص کے دوسرے جمعہ تک اور تین دن مزید کے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔
(۳) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:
کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یرکع قبل الجمعۃ اربعاً لا یفصل فی شیٔ

منتفق علیہ (ابن ماجہ ص ۷۹)

ترجمہ:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ سے پہلے چار رکعتیں پڑھتے تھے ان کے درمیان میں (یعنی دو دو رکعت پر) سلام نہیں پھیرتے تھے۔ ع ۲۹

۲۹) روایتِ مذکورہ میں حجاج بن ارطاۃ اور عطیہ العوفی دونوں جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں لیکن ان کے علاوہ ایک اشتہاری مجرم مبشر بن عبید بھی موجود ہے، جس کے بارے میں امام احمد بن حنبل نے فرمایا: ''مبشر بن عبید لیس بشيْ یضع الحدیث'' مبشر بن عبید کچھ چیز نہیں ہے، وہ حدیث گھڑتا تھا۔

(کتاب العلل ومعرفۃ الرجال ج ۲ ص ۳۸۰ رقم ۲۶۹۶)

امام ابوزرعہ الرازی نے فرمایا: ''ھو عندي ممن یکذب ''میرے نزدیک وہ ان لوگوں میں سے تھا جو جھوٹ بولتے ہیں۔ (کتاب الضعفاء لابی زرعۃ الرازی ۳۲۲/۲)

امام احمد بن حنبل نے فرمایا: ''أحادیثه أحادیث موضوعة کذب ''اس کی حدیثیں موضوع جھوٹی ہیں۔ (کتاب العلل ومعرفۃ الرجال ج ۲ ص ۳۶۹ فقرہ: ۲۶۳۹)

کذاب راوی کی موضوع روایت پیش کر کے لوگوں کو دھوکا دینا حرام ہے اور پھر یہ کہنا کہ ''لہذا ان کی حدیث معتبر ہے'' بہت بڑا جھوٹ ہے۔

اس حدیث کے دو راوی (حجاج بن ارطاۃ اور عطیۃ العوفی) کے بارے میں بعض محدثین نے کلام کیا ہے لیکن بعض محدثین نے توثیق بھی کی ہے لہٰذا ان کی حدیث معتبر ہے۔ ع ۳۰

۳۰) یہ روایت مبشر بن عبید کذاب کی وجہ سے موضوع ہے۔

اور اگر سند ضعیف بھی ہو تب بھی جمعہ سے پہلے چار رکعت کا ثبوت صرف اس ایک حدیث پر موقوف نہیں ہے۔ جیسا کہ اعلاء السنن میں ہے
قلت: رواہ ابن ماجہ باختصار الاربع بعدھا، رواہ الطبرانی فی الکبیر
وفیه الحجاج بن أرطاۃ وعطیۃ العوفی، وکلاھما فیه کلام، (مجمع الزوائد ۱۹۵/۲)

قلت و کلام الهیثمی مشعر بأن لیس فی سند الطبرانی أحد غیرهما متکلم فیه
والحجاج صدوق روى له مسلم مقرونا، وعطیة مشاه یحیی بن معین فقال: فیه صالح، وفی التهذیب (۷: ۲۲۵) فی ترجمة عطیة: قال أبو زرعة: لین، وقال ابن سعد: کان ثقة إن شاء الله تعالى، وضعفه آخرون، فالحدیث بسند الطبرانی حسن
(اعلاء السنن ج ۷ ص ۱۴) محمد اسلم

۳۱) المعجم الکبیر للطبرانی (ج ۱۲ص ۱۲۹ ح ۱۲۶۷۴) میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک روایت ہے: ''کان رسول اللہ ﷺ یرکع قبل الجمعة أربعًا و بعدها أربعا لا یفصل بینهن . '' حافظ ہیثمی نے اسے مجمع الزوائد میں بحوالہ الطبرانی فی الکبیر نقل کرکے حجاج بن ارطاۃ اور عطیہ العوفی کے بارے میں کہا:

'' و کلاهما فیه کلام '' اور ان دونوں میں کلام ہے۔ (ج ۲ص ۱۹۵)

حالانکہ المعجم الکبیر للطبرانی کی سند میں مبشر بن عبید کذاب راوی موجود ہے، جس پر جرح کرنا حافظ ہیثمی کو یہاں یاد نہیں رہا۔ اب ظفر احمد تھانوی دیوبندی نے ہیثمی کے اس سہو کی بنیاد پر یہ ظن وگمان شروع کردیا کہ طبرانی کی سند میں دوسرا کوئی مجروح راوی نہیں ہے لہٰذا طبرانی کی سند حسن ہے۔ دیکھئے اعلاء السنن (۱۴/۷) سبحان اللہ!

ذرا عینک لگا کر دیکھیں تو آپ کو طبرانی کی سند میں صاف طور پر مبشر بن عبید کذاب (اشتہاری مجرم) نظر آئے گا، جس کی بیان کردہ روایتیں موضوع ہیں۔ کذاب راوی کی موضوع روایتیں پیش کرنے سے کچھ تو شرم کریں!

(۷) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے:
کان یصلی قبل الجمعة أربعًا (مصنف ابن ابی شیبة ج ۲ ص ۱۱۵)
ترجمہ: ''وہ جمعہ سے پہلے چار رکعت پڑھا کرتے تھے'' محمد اسلم

۳۲) یہ روایت دو وجہ سے ضعیف یعنی مردود ہے:

۱: جمہور محدثین کے نزدیک خصیف ضعیف راوی ہے۔

۲: ابوعبیدہ نے اپنے والد سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کچھ بھی نہیں سنا تھا۔

خود امام ابوعبیدہ رحمہ اللہ نے فرمایا: ''ما أذكر منه شيئاً'' مجھے اُن (اپنے والد) سے کوئی چیز یاد نہیں ہے۔ (کتاب المراسیل لابن ابی حاتم ص ۲۵۶ فقرہ: ۹۵۲ وسندہ صحیح)

ن۵: منصور تابعی حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا:
کانوا یصلون قبلھا اربعاً (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۱۵)
ترجمہ: ''صحابہ رضی اللہ عنہم جمعہ کی نماز سے پہلے چار رکعتیں پڑھتے تھے۔'' ع ۴۳

۴۳) ابراہیم نخعی کی طرف منسوب یہ قول دو وجہ سے ضعیف ہے:

۱: سلیمان الاعمش مدلس راوی ہیں۔ دیکھئے شرح صحیح مسلم للنووی (ج ۱ ص ۷۲ ح ۱۰۹، دوسرا نسخہ ج ۲ ص ۱۱۹) اور یہ روایت عن سے ہے۔

امام عبدالرحمٰن بن مہدی نے اعمش عن ابراہیم والی ایک روایت کے بارے میں فرمایا: یہ اعمش کی ضعیف حدیثوں میں سے ہے۔

(کتاب العلل للامام احمد ج ۲ ص ۴۱۳ فقرہ ۲۸۴۵ وسندہ صحیح)

نیز دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو: ۶۶ ص ۷۔۱۲

۲: حفص بن غیاث مدلس ہیں اور یہ روایت عن سے ہے۔ حفص بن غیاث کی تدلیس کے لئے دیکھئے طبقات ابن سعد (ج ۶ ص ۳۹۰)

رکوع سے پہلے اور بعد رفع یدین

۶: نماز میں صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین سنت ہے اور باقی مواقع (یعنی رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد) میں رفع یدین سنت نہیں ہے بلکہ ترکِ رفع یدین سنت ہے۔ رفع یدین کا تکبیر تحریمہ کے علاوہ باقی مقامات میں ترک کرنا کئی احادیث سے ثابت ہے جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۱۔۔۔ حدیث جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ

عن تمیم بن طرفۃ عن جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ قال خرج علینا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال مالی اراکم رافعی ایدیکم کانہا
اذناب خیل شمس اسکنوا فی الصلوٰۃ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۸۱،
نسائی ج ۱ ص ۱۷۶)

ترجمہ:۔ حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے
پاس گھر سے باہر تشریف لائے تو فرمایا کیا بات ہے تمہیں ہاتھوں کو اٹھاتے ہوئے
دیکھ رہا ہوں گویا وہ بدکے ہوئے گھوڑوں کی دُمیں ہیں، نماز میں
سکون اختیار کرو۔ ۳۴

۳۴) اس حدیث میں صراحت کے ساتھ رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد والے رفع یدین کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

۱: اس بات پر تیسری صدی ہجری تک (صحیح العقیدہ) مسلمانوں کا اجماع ہے کہ اس حدیث کا قیام والے رفع یدین سے کوئی تعلق نہیں بلکہ صرف تشہد والے اشارۂ سلام سے تعلق ہے۔ دیکھئے جزء رفع الیدین (ص ۱۰۱) اور التلخیص الحبیر (ج ۱ ص ۲۲۱)

۲: اس روایت کی ایک سند میں آیا ہے کہ "وھم قعود" اور وہ (صحابہ کرام) بیٹھے ہوئے تھے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۹۳ وسندہ صحیح)

اور یہ ظاہر ہے کہ رفع یدین بیٹھی ہوئی حالت میں نہیں بلکہ حالتِ قیام میں ہوتا ہے۔

۳: محمود حسن دیوبندی نے کہا: "باقی اذناب خیل کی روایت سے جواب دینا بروئے انصاف درست نہیں کیونکہ وہ سلام کے بارہ میں ہے...."

(الورد الشذی علی جامع الترمذی ص ۶۳، تقاریر شیخ الہند ص ۶۵، اور میری کتاب: نور العینین ص ۲۹۸)

۴: محمد تقی عثمانی دیوبندی نے کہا: "لیکن انصاف کی بات یہ ہے کہ اس حدیث سے حنفیہ کا استدلال مشتبہ اور کمزور ہے..." الخ (درس ترمذی ج ۲ ص ۳۶)

معلوم ہوا کہ اس حدیث کو رفع یدین کے خلاف پیش کرنے والے بے انصاف اور

جاہل ہیں۔

> واضح رہے کہ اس حدیث کی صحت میں کوئی کلام نہیں ہے، اور یہ حدیث نماز کے اندر تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین کی ممانعت کے بارے میں ہے نہ کہ سلام کے وقت اشارہ کرنے کی ممانعت کے بارے میں جیسا کہ بعض حضرات کا خیال ہے، سلام کے وقت رفع یدین کے بارے ساتھ والی دوسری روایت ہے۔
>
> ۱۲۔ حدیث براء بن عازب رضی اللہ عنہ۔
>
> عن البراء رضی اللہ عنہ أنّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان إذا افتتح الصلاۃ رفع یدیہ إلی قریب من أذنیہ ثم لا یعودُ وفی روایۃ مرّۃ واحدۃً وفی روایۃ ثم لم یرفعھما حتّی انصرفَ وفی روایۃ ثم لا یرفعھما حتّی یفرغَ۔
>
> (ابو داؤد ج ۱ ص ۱۱۸، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۴۱۴)
>
> ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو کانوں کے قریب تک ہاتھ اٹھاتے اس کے بعد نہیں اٹھاتے تھے۔ ۳۵

۳۵) اس روایت کی سند میں یزید بن ابی زیاد جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف راوی ہے۔حافظ ابن حجر نے کہا: " و الجمهور علی تضعیف حدیثه " (ہدی الساری ص ۴۵۹)
بوصیری نے کہا: " و ضعفه الجمهور " اور جمہور نے اسے ضعیف کہا ہے۔

(زوائد سنن ابن ماجہ: ۲۱۱۶)

دوسری سند میں محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ جمہور کے نزدیک ضعیف راوی ہے۔
انور شاہ کاشمیری دیوبندی نے کہا: "فهو ضعیف عندي کما ذهب إلیه الجمهور ."
پس وہ میرے نزدیک ضعیف ہے، جیسا کہ جمہور کا مذہب ہے۔ (فیض الباری ج ۳ ص ۱۶۸)
ضعیف روایتیں کیوں پیش کر رہے ہیں؟

> یہ حدیث ترک رفع یدین پر نصِ صریح ہے، بعض حضرات نے "ثم لا یعود" کی زیادتی کو یزید بن ابی زیاد کے اختلاط و تلقین کا نتیجہ قرار دیا ہے مگر یہ رائے بوجوہ غلط ہے۔
>
> اول: دارقطنی کی روایت میں "ثم لا یعود" کے بجائے "فی اول تکبیرۃ" کا لفظ ہے، اور

جن روایتوں میں ثم لا یعود کا لفظ نہیں ان کا مفہوم بھی صرف یہی ہے کہ صرف پہلی تکبیر
میں رفع یدین کیا۔
دوم:۔ اس میں وہ واقعہ بھی ذکر کیا گیا ہے جس موقع پر حضرت ابن مسعود
رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی تھی اور یہ ان کے کمالِ ضبط کی علامت ہے۔
سوم:۔ یزید سے اس روایت کو یزید کے اکابر اصحاب نقل کر رہے ہیں۔
مثلاً سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، اسماعیل بن زکریا، شعبہ، اسرائیل بن ابی اسحاق
وغیرہ حضرات، کوئی وجہ نہیں کہ ان اکابر کی ایک پوری جماعت کی روایت کے بعد
بھی اس لفظ کو غیر محفوظ کہا جائے۔ بحث ۳۶

۳۶) یہ سارا فلسفیانہ کلام جمہور کی جرح کے مقابلے میں مردود ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث چونکہ متعدد طرق سے مروی ہے اس لئے
وہ محدثین کے اصول پر صحیح ہے۔ عا ۳۷

۳۷) اس کی ساری سندیں (متعدد طرق) سب کی سب ضعیف ہیں لہٰذا یہ روایت محدثین کے اصول پر صحیح نہیں بلکہ ضعیف و مردود ہے۔

(۲)۔ حدیث عبداللہ بن مسعودؓ
عن علقمة قال قال عبداللہ بن مسعودؓ الا اصلی بکم صلوٰة رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم فصلّٰی فلم یرفع یدیہ الا فی اول مرة (ترمذی ج ۱ ص ۱۶۱
ابوداؤد ج ۱ ص ۱۱۸، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۶۷)
ترجمہ:۔ علقمہ سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا میں تمہیں
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز نہ پڑھاؤں؟ پس نماز پڑھی تو اس میں صرف
پہلی مرتبہ ہی (یعنی تکبیر تحریمہ کے وقت) اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا۔
امام ترمذیؒ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں
حدیث ابن مسعود حدیث حسن (حوالہ مذکورہ)
"عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث، حدیث حسن ہے۔"
علامہ ابن حزم ظاہریؒ نے المحلی ج ۴ ص ۸۸ میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ عـ ۳۸

۳۸) اسے ابن حزم صحیح کہیں یا ترمذی حسن کہیں، اس کی سند امام سفیان ثوری مدلس کے عن کی وجہ سے ضعیف ہے۔ عینی حنفی نے کہا: اور سفیان (ثوری) مدلسین میں سے تھے اور مدلس کی عن والی روایت حجت نہیں ہوتی اِلا یہ کہ اُس کی تصریحِ سماع دوسری سند سے ثابت ہو جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۱۱۲، نورالعینین طبع جدید ص ۱۳۶)

نیز دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو: ۶۷ ص ۱۱۔۳۲

اعلان: اگر کسی شخص کو سفیان ثوری کی اس روایت میں سماع کی تصریح مل جائے تو فوراً ہمیں اطلاع بھیجے۔ شکریہ!

حدیث ابن عباسؓ

عن ابن عباسؓ قال: تُرفع الایدی فی سبع مواطن: اذا قام الی الصلاۃ واذا رأی البیت، وعلی الصفا، والمروۃ، وفی عرفات، وفی جمع وعند الجمار

(مصنف ابن ابی شیبہ ج۲ ص ۴۱۷)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا رفع یدین سات جگہوں میں کیا جاتا ہے۔ جب نماز کے لئے کھڑا ہو۔ جب بیت اللہ کو دیکھے، صفا و مروہ پر، عرفات میں، مزدلفہ میں اور رمی جمار کے وقت۔ ۳۹

۳۹) مصنف ابن ابی شیبہ (۹۶/۴ ح ۱۵۷۴۳) کی اس روایت کے راوی عطاء بن السائب کا حافظہ آخری عمر میں خراب ہو گیا تھا یعنی وہ اختلاط کا شکار ہو گئے تھے۔

دیکھئے تاریخ یحییٰ بن معین (روایۃ عباس الدوری: ۱۵۷۷)

ابوحاتم الرازی نے فرمایا: ''**وماروی عنہ ابن فضیل ففیہ غلط و اضطراب ...**''

اور (محمد) بن فضیل نے ان سے جو روایت کیا ہے، اس میں غلط اور اضطراب ہے۔

(کتاب الجرح والتعدیل ج ۶ ص ۳۳۴)

یہ روایت بھی عطاء بن السائب سے محمد بن فضیل کی سند سے ہے لہٰذا غلط ہے۔

غلط روایتیں پیش کرنے کا کیا فائدہ؟!

اس کے مقابلے میں صحیح روایت یہ ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ رکوع سے پہلے

اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۳۵ ح ۲۴۳۱ وسندہ حسن)

تنبیہ: کسی ایک صحابی سے بھی ترکِ رفع یدین ثابت نہیں ہے لہٰذا آثارِ صحابہ کا نام لے کر لوگوں کو دھوکا دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

یہ حدیث اگرچہ موقوف ہے لیکن حکماً مرفوع ہے [illegible] کہ مرفوعاً بھی ثابت ہے
نیز آثار صحابہ سے بھی ترکِ رفع یدین کی تائید ہوتی ہے
۱۱... حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما رفع یدین نہیں کرتے تھے
حدیث ابن مسعودؓ
عن علقمة عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قال صلیت خلف النبی صلی اللہ علیہ وسلم
وابی بکر وعمر فلم یرفعوا ایدیھم الا عند افتتاح الصلاۃ (السنن الکبری
للبیہقی ج ۲ ص ۷۹)
ترجمہ: عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اور حضرت ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے نماز پڑھی ہے وہ تکبیر تحریمہ کے سوا
رفع یدین نہیں کرتے تھیں۔ ع ۴۰ ھ

۴۰) اس کا راوی محمد بن جابر بن سیار الیمامی جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف تھا۔
ہیثمی نے کہا: ''وھو ضعیف عند الجمھور '' اور وہ جمہور کے نزدیک ضعیف ہے۔
(مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۹۱)

سنن دار قطنی اور سنن بیہقی میں جہاں اس کی یہ روایت لکھی ہوئی ہے، وہاں ضعیف بھی لکھا ہوا ہے۔

یہ حدیث محمد بن جابر یمامی کی روایت سے ہے جو صدوق تھے مگر نابینا ہو گئے
تھے اس لئے ان کی حدیث میں اختلاط ہو گیا تھا بعض محدثین نے محمد بن جابر کی
وجہ سے اس روایت کو کمزور کہا ہے لیکن دار قطنی میں ۱۱۱ میں ہے کہ اسحاق بن
ابو اسرائیل اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں
وبہ نأخذ فی الصلاۃ کلھا
ترجمہ: ہم پوری نماز میں ہمارا عمل اسی پر ہے" ع ۴۱ ھ

٤١) قرآن مجید کے بارے میں توقف کرنے والے صدوق اور محدثین کرام کے نزدیک قلیل العقل راوی اسحاق بن ابی اسرائیل نے اگر اپنے عمل کی بنیاد جمہور کے نزدیک ضعیف راوی کی روایت پر رکھ دی ہے تو کیا اس سے روایت صحیح ہو جائے گی؟ ہرگز نہیں بلکہ یہ روایت مردود ہی ہے۔

اس کے مقابلے میں صحیح سند سے ثابت ہے کہ سیدنا ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۷۳ وسندہ صحیح)

اس تصریح سے واضح ہوتا ہے کہ یہ روایت محمد بن جابر کے اختلاط سے پہلے
زمانہ کی ہے اس لئے اس کے صحیح ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے (ماخوذ: اختلاف امت اور
صراط مستقیم حصہ ۲ ص ۲۵۹)
اعلاء السنن ج ۳ ص ۶۸ میں ہے:
أخرجه البیہقی، وإسناده جید کذا فی الجوہر النقی ۱/ ۱۳۸) ٤٢

٤٢) ایک غالی حنفی ابن الترکمانی کا جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف راوی کی روایت کو ''إسناده جید'' کہنا مردود ہے۔

روایت اختلاط سے پہلے کی ہو یا بعد کی، محمد بن جابر جمہور کے نزدیک ضعیف تھا لہٰذا اُس کی روایت ضعیف ہے۔ اور قصہ ختم!!

(۲)..... عاصم بن کلیب عن ابیہ: أن علیاً کان یرفع یدیہ إذا افتتح
الصلاۃ ثم لا یعود (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۶۷)
ترجمہ: عاصم بن کلیب اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ
صرف نماز شروع کرتے وقت رفع یدین کرتے تھے پھر نہیں کرتے تھے ٤٣

٤٣) سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب یہ اثر ''ضعیف لا یصح عنه''یعنی ضعیف ہے، آپ سے صحیح سند سے ثابت نہیں۔ دیکھئے البدر المنیر لابن الملقن (ج ۳ ص ۴۹۹)

امام عثمان بن سعید الدارمی نے اسے کمزور کہا۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۸۰۔۸۱)

ان کے مقابلے میں کسی قابلِ اعتماد محدث نے اسے صحیح نہیں کہا لہٰذا اس غیر ثابت اثر سے استدلال غلط ہے۔

۴۴۔۔۔۔ عن مجاهد قال: ما رأيت ابن عمر يرفع يديه إلا في أول ما يفتتح (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۳۷)

ترجمہ:۔ امام مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو ابتدائے نماز کے سوا رفعِ یدین کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ ع ۴۴

۴۴) یہ روایت دو وجہ سے مردود ہے:

۱: امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: ابوبکر (بن عیاش) کی حصین سے روایت اُس کا وہم ہے، اس روایت کی کوئی اصل نہیں ہے۔ (جزء رفع الیدین: ۱۶، نصب الرایہ ج ۱ ص ۳۹۲)

۲: امام احمد بن حنبل نے فرمایا: ''وھو باطل'' اور وہ باطل ہے۔

(مسائل احمد، روایۃ ابن ہانی ج ۱ ص ۵۰)

ان دو اماموں کے مقابلے میں کسی قابلِ اعتماد امام نے اس اثر کو صحیح نہیں کہا۔

تفصیل کے لئے میری کتاب نور العینین دیکھیں، فی الحال رفع یدین کی تین عظیم الشان دلیلیں پیشِ خدمت ہیں:

اول: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری دور میں، ہمیں عشاء کی نماز پڑھائی الخ (صحیح بخاری: ۱۱۶، صحیح مسلم: ۲۵۳۷)

معلوم ہوا کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کی آخری زندگی میں آپ کے پیچھے نماز پڑھی ہے اور سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ نماز میں رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۰۲ ح ۷۳۶، صحیح مسلم: ۳۹۰)

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ بذاتِ خود بھی رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔ (صحیح بخاری: ۷۳۹ وسندہ صحیح، شرح السنۃ للبغوی ج ۳ ص ۲۱ ح ۵۶۰ وقال: ''ھذا حدیث صحیح'')

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے سالم بن عبداللہ بن عمر رحمہ اللہ بھی رکوع سے پہلے اور رکوع کے

بعد رفع یدین کرتے تھے۔ (حدیث السراج ج ۲ ص ۳۴۔۳۵ ح ۱۱۵، وسندہ صحیح)

معلوم ہوا کہ صحابہ وتابعین کے دور میں رفع یدین پر مسلسل عمل رہا ہے جو اس کے غیر منسوخ ہونے اور بقاء علی الدوام کی دلیل ہے۔

دوم: سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آخری نمازیں پڑھی تھیں جیسا کہ صحیح بخاری وصحیح مسلم وغیرہما سے ثابت ہے۔

سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۷۳ وسندہ صحیح)

اگر رفع یدین آخری عمر میں متروک یا منسوخ ہوتا تو سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کبھی رفع یدین نہ کرتے۔

سوم: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی نماز کے بارے میں فرماتے تھے کہ "**إن كانت هذه لصلاته حتى فارق الدنيا**" آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی یہی نماز تھی حتیٰ کہ آپ دنیا سے چلے گئے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۱۰ ح ۸۰۳)

اور یہ ثابت ہے کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔ (جزء رفع الیدین بتحقیقی: ۲۲ وسندہ صحیح)

لہٰذا ثابت ہوگیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات تک رفع یدین کرتے تھے۔ والحمدللہ

فاتحہ خلف الامام

⑤ نماز کے اندر مقتدی امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہ پڑھے بلکہ خاموش رہے
کیونکہ قرآنِ مجید کے آداب میں سے ایک ادب یہ ہے کہ جب قرآن کی تلاوت کی جا رہی
ہو تو اس وقت قرآن کریم کو خاموشی سے سنا جائے۔ ۴۵

۴۵) اگر تخصیص کی واضح دلیل نہ ہو تو جب قرآن پڑھا جائے، اُس وقت قرآن پڑھنا جائز ہے جیسا کہ اشرف علی تھانوی دیوبندی نے کہا: "میرے نزدیک:

اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا   جب قرآن مجید پڑھا جائے تو کان لگا کر سنو۔
تبلیغ پر محمول ہے اس جگہ قراءت فی الصلوۃ مراد نہیں۔ سیاق سے یہی معلوم ہوتا ہے تو اب ایک مجمع میں بہت آدمی مل کر قرآن پڑھیں تو کوئی حرج نہیں۔“

(الکلام الحسن ج ۲ ص ۲۱۲، ملفوظات ”حکیم الامت“ ج ۲۶ ص ۳۳۵)

”مقتدی قرأت نہ کرے“
قرآن سے ثبوت:
سورۃ اعراف میں ارشادِ ربانی ہے:
وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (اعراف: ۲۰۴)
ترجمہ: اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے غور سے سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ [۴۶]

۴۶) یہ آیت (کافروں کو) تبلیغ پر محمول ہے جیسا کہ تھانوی نے کہا ہے لہٰذا فاتحہ خلف الامام کے مسئلے میں اس سے استدلال غلط ہے۔ دیکھئے جواب نمبر ۴۵

جمہور مفسرین کے نزدیک یہ آیت نماز اور بعض کے نزدیک خطبہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ جب امام قرآن کریم کی قرأت کر رہا ہو تو اس وقت مقتدیوں کا وظیفہ صرف یہ ہے کہ نہایت توجہ کے ساتھ اس کی طرف کان لگائے رہیں اور خود خاموش رہیں۔ امام کا وظیفہ قرأت کرنا اور مقتدیوں کا وظیفہ خاموشی کے ساتھ توجہ کرنا ہے اور ان کو استماع اور انصات کے علاوہ قرأت کی مطلقاً گنجائش نہیں ہے۔ اسی طرح جمعہ کے خطبہ کے وقت بھی بات چیت کرنا جائز نہیں ہے بلکہ صرف خطبہ ہی سننا ہے۔ [۴۷]

۴۷) جمعہ کے خطبہ کے دوران دو رکعتیں پڑھنا صحیح حدیث سے ثابت ہے۔
دیکھئے صحیح بخاری (۹۳۱) اور صحیح مسلم (۸۷۵)

سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن آئے اور امام خطبہ دے رہا تھا تو انھوں نے دو رکعتیں پڑھیں الخ (مسند الحمیدی بتحقیقی: ۷۴۱ وسندہ حسن لذاتہ، نسخہ دیوبندیہ ج ۲ ص ۳۲۶، سنن الترمذی: ۵۱۱ وقال: ”حدیث حسن صحیح“)

امام حسن بصری رحمہ اللہ آتے اور امام خطبہ دے رہا ہوتا تو دو رکعتیں پڑھتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۱۴۸ ح ۵۲۹۳ وسندہ صحیح، دیکھئے میری کتاب: نصر الباری ص ۲۰۴)

جب حالتِ خطبہ میں دو رکعتیں نماز پڑھنا جائز ہے تو حالتِ قراءت میں سورۂ فاتحہ پڑھنا بھی جائز ہے۔

تفسیر کبیر میں امام رازیؒ لکھتے ہیں:
قال ابن عباس قرأ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الصلاۃ المکتوبۃ
وقرأ اصحابہ وراءہ رافعین اصواتہم فخلطوا علیہ فنزلت
ھذہ الآیۃ (تفسیر کبیر ج ۱۵ ص ۱۰۹)
ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرضی نماز میں قراءت کی اور آپ کے پیچھے آپ کے اصحاب نے بھی بلند آواز سے قراءت کی جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت میں گڑبڑ پیدا ہوئی پس یہ آیت نازل ہوئی۔ ۴۸

۴۸) تفسیر رازی میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب اثر بے سند ہونے کی وجہ سے ثابت نہیں ہے۔

تفسیر روح المعانی میں ہے:
فقد اخرج عبد بن حمید وابن ابی حاتم والبیہقی فی سننہ عن مجاہد
انہ قرأ رجل من الانصار خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الصلاۃ
فنزلت واذا قرئ القرآن الخ (روح المعانی ج ۵ ص ۱۵۰)
ترجمہ: عبد بن حمیدؒ اور ابن ابی حاتمؒ اور بیہقیؒ نے اپنی سنن میں مجاہدؒ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ انصار میں سے ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے قراءت کی تو یہ آیت واذا قرئ القرآن الخ نازل ہوئی۔ ۴۹

۴۹) تفسیر روح المعانی بے سند حوالوں والی کتاب ہے، تفسیر عبد بن حمید تو مفقود ہے اور تفسیر ابن ابی حاتم (ج ۵ ص ۱۶۴۶ ح ۸۷۳۱) میں امام مجاہد تابعی کی طرف منسوب اثر تین وجہ سے مردود ہے: ۱: ابو خالد الاحمر مدلس تھے اور سند معنعن ہے۔

۲: ابن جریج مدلس تھے اور سند عن سے ہے۔

۳: اگر یہ سند مجاہد تک صحیح بھی ہوتی تو مرسل یعنی منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف تھی۔

السنن الکبریٰ للبیہقی (ج ۲ ص ۱۵۵) والی روایت عبداللہ بن ابی نجیح مدلس کے عن اور ارسال دونوں وجہ سے ضعیف ہے۔

تفسیر ابن کثیر میں حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:
عن ابی عیاض عن ابی هریرة قال: کانوا یتکلمون فی الصلاة فلما
نزلت هذه الآیة "واذا قرئ القرآن" الخ، والآیة الاخری اُمروا بالانصات
(تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۶۰)
ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نماز میں
باتیں کرتے تھے پس جب یہ آیت "واذا قرئ القرآن" الخ اور دوسری آیت نازل ہوئی تو
ان کو چپ رہنے کا حکم دیا گیا۔ ع ن ۵۰

۵۰) ابو عیاض والی روایت میں ابراہیم بن مسلم الہجری راوی ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۶۰ مع تحقیق عبدالرزاق المہدی)

ابراہیم بن مسلم الہجری جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف راوی تھا اور حافظ ابن حجر نے کہا: "لین الحدیث رفع موقوفات" وہ ضعیف ہے، اُس نے موقوف روایتوں کو مرفوع بیان کر دیا تھا۔ (تقریب التہذیب: ۲۵۲)

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:
عن [illegible] عن الزهری قال: نزلت هذه الآیة فی فتی من الانصار
کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کلما قرأ شیئا قرأه فنزلت "واذا قرئ القرآن" الخ
(بحوالہ مذکورہ)
ترجمہ: امام زہریؒ سے مروی ہے کہ یہ آیت ایک انصاری نوجوان کے بارے میں
نازل ہوئی جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم قراءت کرتے تھے تو وہ بھی قراءت کرتا تھا پس یہ آیت نازل
ہوئی "واذا قرئ القرآن" الخ۔ ع ن ۵۱

۵۱) اشعث والی روایت میں اشعث غیر متعین ہے اور حفص بن غیاث مدلس تھے، اور یہ روایت عن سے ہے لہٰذا ضعیف ہے۔

چُن چُن کر ضعیف ومردود روایتیں پیش کرنے کا کیا فائدہ؟ صرف ایک صحیح حدیث پیش کر دیں اور قصہ ختم!

احادیث سے ثبوت :
۱۱ ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
انما جُعِلَ الامامُ لیؤتمّ بہ فاذا کبّر فکبّروا واذا قرأ فانصتوا
واذا قال غیر المغضوب علیہم ولا الضالین فقولوا آمین (ابن ماجہ ص۶۱
سنن نسائی ج ۱ ص ۱۴۶)
ترجمہ: امام اس لئے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی
تکبیر کہو اور جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہو اور جب وہ غیر المغضوب علیہم
ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو ۔ ۵۲

۵۲) و اذا قرأ فانصتوا والی حدیث حنفی اصول (مخالفتِ راوی) کی وجہ سے منسوخ ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت مروی ہے، جیسا کہ یہاں بھی پیش کیا گیا ہے اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے جہری نمازوں میں بھی سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ اسے امام سے پہلے ختم کر....الخ

(جزء القراءۃ للبخاری بتحقیقی: ۱۵۳، وسندہ صحیح، آثار السنن: ۳۵۸ وقال: واسنادہ حسن)

راوی کا فتویٰ جب اپنی روایت کے خلاف ہو تو وہ روایت حنفیوں کے نزدیک منسوخ ہوتی ہے۔ دیکھئے شرح معانی الآثار (ج ۱ ص ۲۳، باب سؤر الکلب) عمدۃ القاری (ج ۳ ص ۴۱) اور میری کتاب نصر الباری (ص ۲۸۳)

۱۲ ۔ حدیث جابر رضی اللہ عنہ
عن جابرؓ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مَن کانَ لہ امام
فقراءۃُ الامام لہٗ قراءۃ (ابن ماجہ ص۶۱ مسند احمد)

ترجمہ:۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا
جس کے لئے امام ہو پس امام کی قرأت اس کی قرأت ہے۔ ع۵۳

۵۳) یہ روایت مرسل ہو یا متصل، اپنی تمام سندوں کے ساتھ ضعیف ہی ہے۔
دیکھئے نصر الباری (ص ۷۲۔۷۴) اور التلخیص الحبیر (ج۱ ص۲۳۲ ح۳۴۵)

یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے، بعض نے اس کو حضرت عبداللہ بن شداد سے
مرسلاً روایت کیا ہے اور بعض نے سند متصل کے ساتھ لہٰذا اس حدیث کے ارسال و
اتصال میں اختلاف ہے اور جب طرق صحیح سے اس کا مسند و متصل ہونا ثابت ہے
تو اتصال کو ترجیح ہوگی چنانچہ مسند احمد، احمد بن منیع، مسند عبد بن حمید وغیرہ میں
اس کے مسند و متصل طرق بروایتِ ثقات موجود ہیں۔
دوم:۔ جہاں یہ حدیث مرسل منقول ہے وہاں بھی ثقات نے مرسلاً روایت کیا ہے
سوم:۔ اگر اکثر حفاظ کی روایت کے مطابق اس کو مرسل بھی فرض کیا جائے
تب بھی ظاہر قرآن و سنت اس کا مؤید ہے لہٰذا محدثین کے قاعدہ کے مطابق
ایسی مرسل حدیث سے استدلال جائز ہے۔ ع۵۴

۵۴) مرسل چونکہ ضعیف ہوتی ہے۔ دیکھئے جواب نمبر ۱۵، لہٰذا مرسل سے استدلال جائز نہیں ہے۔

۵۵۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے ایک طویل حدیث
میں فرمایا:
ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبنا فبین لنا سنتنا وعلمنا صلاتنا فقال:
اذا صلیتم فاقیموا صفوفکم ثم لیؤمکم احدکم فاذا کبر فکبروا وفی حدیث جریر عن
سلیمان عن قتادة من الزیادة، واذا قرأ فانصتوا" واذا قال غیر المغضوب علیہم
ولا الضالین فقولوا آمین یجبکم اللہ الخ (صحیح مسلم ج۱ ص۱۷۴، نسائی ج۱ ص۱۴۶
ابن ماجہ ص۶۱)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا اور سنت کے مطابق زندگی بسر کرنے کی تلقین فرمائی اور نماز کا طریقہ بتلایا اور یہ فرمایا کہ نماز پڑھنے سے قبل اپنی صفوں کو درست کر لو پھر تم میں سے ایک تمہارا امام بنے جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قراءت کرے تو تم خاموش رہو اور جب وہ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو اللہ تعالیٰ تمہاری دعا کو قبول کریں گے۔ ع۵۵

۵۵) یہ حدیث منسوخ ہے۔ دیکھئے جواب نمبر ۵۲

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ واذا قرأ فانصتوا کی زیادت محفوظ نہیں ہے لیکن یہ بات درست نہیں ہے اس لئے کہ سلیمان تیمیؒ بلا اختلاف ثقہ اور ثبت، متقن اور حافظ تھے اور تمام محدثین کا اس امر میں اتفاق ہے کہ ثقہ کی زیادۃ قابل قبول ہے

(۵) اثر حضرت عبداللہ بن عمرؓ: امام مالکؒ نافعؒ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں:

اَنَّ عبداللہ بن عمرؓ کان اذا سئل هل يقرأ احد خلف الامام قال اذا صلّى احدكم خلف الامام فحسبه قراءةُ الامام واذا صلى وحده فليقرأ قال: وكان عبدالله بن عمر لا يقرأ خلف الامام (موطا امام مالکؒ ص۶۹)

ترجمہ: کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے جب یہ سوال کیا جاتا تھا کہ کیا امام کے پیچھے کوئی نمازی قراءت کر سکتا ہے؟ تو وہ اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی آدمی امام کی اقتداء کر چکا تو اس کو امام کی قراءت ہی کافی ہے اور جب کوئی اکیلا نماز پڑھے تو اس کو قراءت کرنی چاہیئے۔ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے قراءت نہیں کیا کرتے تھے۔ ع۵۶

۵۶) اس اثر میں سورۂ فاتحہ کا ذکر نہیں اور دوسرے دلائل سے ثابت ہے کہ یہ ماعدا الفاتحہ (سورۂ فاتحہ کے علاوہ دوسری قراءت) پر محمول ہے، جس کی دو دلیلیں فی الحال پیشِ خدمت ہیں:

۱: امام نافع رحمہ اللہ نے فرمایا: جب آپ (ابن عمر رضی اللہ عنہ) امام کے ساتھ ہوتے (تو) سورۂ فاتحہ پڑھتے الخ (صحیح ابن خزیمہ ج۱ ص۲۸۷ ح۵۷۲ وسندہ حسن واخطأ من قال: ''اسنادہ ضعیف'')

دیکھئے میری کتاب الکواکب الدریہ فی وجوب الفاتحہ خلف الامام فی الجہریہ (ص ۱۳۴)

۲: جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فاتحہ خلف الامام کے قائل و فاعل تھے۔ مثلاً:

(۱) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں (پڑھو)... اگرچہ میں پڑھ رہا ہوں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ نسخہ محمد عوامہ ج ۳ ص ۲۶۷ ح ۳۷۶۹ وسندہ حسن)

(۲) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا۔

دیکھئے جواب نمبر ۵۲

(۳) سیدنا عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کے بارے میں سرفراز خان کڑمنگی دیوبندی نے کہا:

''یہ بالکل صحیح بات ہے کہ حضرت عبادہؓ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کے قائل تھے اور ان کی یہی تحقیق اور یہی مسلک و مذہب تھا مگر فہم صحابی اور موقوف صحابی حجت نہیں ہے خصوصاً قرآن کریم، صحیح احادیث اور جمہور صحابہ کرامؓ کے مقابلہ میں لیکن...''

(احسن الکلام ج ۲ ص ۱۴۲، دوسرا نسخہ ج ۲ ص ۱۵۶)

عرض ہے کہ راویٔ حدیث صحابی کا یہ فہم نہ قرآن کے خلاف ہے، نہ احادیث صحیحہ کے خلاف ہے اور نہ جمہور صحابۂ کرام کے خلاف ہے۔ والحمد للہ

(۴) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھ۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۷۵ ح ۳۷۷۳، وقال البیہقی فی کتاب القراءۃ: ۲۳۶ ''وهذا إسناد صحيح لا غبار عليه'')

تفصیل کے لئے الکواکب الدریہ اور نصر الباری کا مطالعہ کریں۔

امام بخاریؒ کا بیان یہ ہے کہ اصح الاسانید یہ ہے مالکؒ عن نافعؒ عن ابن عمرؓ، اس سے زیادہ قوی سند فن حدیث میں ملنی تقریباً محال ہے۔
(۵)۔ اثر حضرت زید بن ثابتؓ
عن عطاء بن يسار أنه أخبره أنه سأل زيد بن ثابت عن القراءة مع الامام فقال لا قراءة مع الامام في شيء (صحيح مسلم ج۱ ص۲۱۵)

ترجمہ: عطاء بن یسارؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے
امام کے ساتھ قراءۃ کے متعلق سوال کیا تو زید بن ثابتؓ نے جواب دیا کہ امام کے ساتھ
کسی نماز میں قرأت نہیں ہے ۵۷ فقط واللہ اعلم

۵۷) سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اثر کا مطلب یہ ہے کہ امام کے ساتھ مقتدی کو جہراً قراءت نہیں کرنی چاہئے لہٰذا دل میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کے یہ اثر خلاف نہیں ہے۔

آلِ دیوبند کے مغالطات اور غلط استدلالات کے جوابات ختم ہوئے۔

اہلِ حدیث (اہلِ سنت) کئی دلائل کی وجہ سے فاتحہ خلف الامام پڑھتے ہیں مثلاً:

۱: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور قرآن سے جو میسر ہو پڑھو۔ (سورۃ المزمل: ۲۰)

اس آیت میں مقتدی کو قراءت کا حکم دیا گیا ہے۔

دیکھئے قاسم بن قطلوبغا حنفی کی کتاب: خلاصۃ الافکار شرح مختصر المنار (ص ۱۹۷)

اس استدلال کے بعد قطلوبغا کے بیٹے نے دو آیتوں میں تعارض ثابت کرنے کی کوشش کی ہے جو کہ باطل ہے۔

۲: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اُس کی نماز نہیں ہوتی۔

(صحیح بخاری: ۷۵۶)

اس حدیث کی تشریح میں علامہ خطابی رحمہ اللہ (متوفی ۳۸۸ھ) نے لکھا ہے:

اس حدیث کا عموم ہر اس نماز کو شامل ہے جو کوئی ایک شخص اکیلے پڑھتا ہے یا امام کے پیچھے ہوتا ہے، اس کا امام قراءت بالسر کر رہا ہوتا ہے یا قراءت بالجہر کر رہا ہوتا ہے۔

(اعلام الحدیث ج ا ص ۵۰۰، الکواکب الدریہ ص ۳۴)

۳: سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: پس ایسا نہ کرو اِلا یہ کہ تم میں سے ہر آدمی سورۂ فاتحہ اپنے دل میں (یعنی سراً) خاموشی سے پڑھے۔

(صحیح ابن حبان: ۴۵۸۔۴۵۹، جزء القراءۃ للبخاری: ۲۵۵ وسندہ صحیح)

اس حدیث کے راوی عبیداللہ بن عمرو جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ تھے۔

۴: صحابۂ کرام کے چند فتاویٰ جواب نمبر ۵۶ میں گزر چکے ہیں۔

۵: حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا: امام کے پیچھے ہر نماز میں سورۂ فاتحہ اپنے دل میں (سراً) پڑھ۔ (کتاب القراءۃ للبیہقی: ۲۴۲، السنن الکبریٰ لہ ۲/۱۷۱، وسندہ صحیح)

تابعین کے دیگر آثار کے لئے دیکھئے الکواکب الدریہ ص ۲۷۔ ۲۸

۶: امام اوزاعی رحمہ اللہ نے جہری نمازوں میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا۔
(کتاب القراءۃ للبیہقی: ۲۴۷ وسندہ صحیح)

امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنے آخری قول میں فرمایا: کسی آدمی کی نماز جائز نہیں ہے جب تک وہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھ لے۔ چاہے وہ امام ہو یا مقتدی، امام جہری قراءت کر رہا ہو یا سری، مقتدی پر یہ لازم ہے کہ سری اور جہری دونوں نمازوں میں سورۂ فاتحہ پڑھے۔ (معرفۃ السنن والآثار للبیہقی ج ۲ ص ۵۸ ح ۹۲۸ وسندہ صحیح)

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں لکھا ہوا ہے:

''شافعیؒ وجوب قراءۃ خلف الامام کے قائل ہیں۔'' (عزیز الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۳۲)

امام بخاری، امام اسحاق بن راہویہ اور امام ابن خزیمہ وغیرہم سب وجوب الفاتحہ خلف الامام کے قائل تھے اور علامہ ابن عبدالبر نے کہا: اور یقیناً علماء کا اجماع ہے کہ جو شخص امام کے پیچھے پڑھتا ہے اس کی نماز کامل ہے، اس پر کوئی اعادہ نہیں ہے۔ (الاستذکار ج ۲ ص ۱۹۳)

عبدالحی لکھنوی تقلیدی نے لکھا ہے: کسی مرفوع صحیح حدیث میں فاتحہ خلف الامام کی ممانعت وارد نہیں ہے... الخ (التعلیق الممجد ص ۱۰۱ حاشیہ نمبر ۱)

گاؤں میں نمازِ جمعہ پڑھنے والے دیوبندیوں کے لئے اشرفعلی تھانوی دیوبندی نے کہا: ''ایسے موقعہ پر فاتحہ خلف الامام پڑھ لینا چاہیئے تاکہ امام شافعیؒ کے مذہب کے بناء پر نماز ہو جائے'' (تجلیاتِ رحمانی تصنیف قاری سعید الرحمٰن دیوبندی بہبودوی ص ۲۳۳)

جب جمعہ کی جہری نماز میں سورۂ فاتحہ خلف الامام جائز ہے تو پھر دوسری نمازوں میں

کیوں منع ہے؟! اور اہلِ حدیث کے خلاف پروپیگنڈا کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟

قارئین کرام!

اہلِ حدیث (اہلِ سنت) کا آلِ دیوبند سے اصل اختلاف فروعی مسائل میں نہیں بلکہ ایمان اور عقیدے میں اصل اختلاف ہے۔

تفصیل کے لئے دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو (عدد ۲۳ ص ۴۲۔ ۴۷) اور میری کتاب: تحقیقی مقالات (ج ۲ ص ۴۲۳۔ ۴۵۲)

اے اللہ! ہمیں اور تمام مسلمانوں کو گمراہ عقائد اور دین کے گستاخوں سے محفوظ رکھ اور ہمارا خاتمہ قرآن، حدیث، اجماع اور فہم سلف صالحین پر کر۔ آمین (۷/ مارچ ۲۰۱۰ء)

تنبیہ: اس مضمون کو آلِ دیوبند کی ''خدمت'' میں روانہ کر دیا گیا تھا مگر ابھی تک ان کی طرف سے کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔ (۹/ مئی ۲۰۱۰ء)

ترکِ رفع یدین کی سب روایات ضعیف و مردود ہیں

اس مضمون میں وہ ضعیف، مردود، موضوع اور بے اصل روایات مع رد اور تارکین کے شبہات کے جوابات پیشِ خدمت ہیں، جنھیں بعض لوگ ترکِ رفع یدین یا منسوخیتِ رفع یدین وغیرہ کے لئے پیش کرتے رہتے ہیں:

۱) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایت:

علقمہ سے روایت ہے کہ (سیدنا) عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: کیا میں تمھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز نہ پڑھاؤں؟ پھر انھوں نے نماز پڑھی اور دونوں ہاتھ نہیں اُٹھائے سوائے پہلی دفعہ کے۔ (سنن ترمذی وقال: ''حدیث حسن'' المحلی لابن حزم وقال: ''إن ھذا الخبر صحیح'' سنن ابی داود)

دیکھئے میری کتاب: نور العینین فی مسئلہ رفع الیدین (ص ۱۲۹، ۱۳۰)

اس روایت کی سند دو وجہ سے ضعیف ہے:

اول: امام شافعی وغیرہ جمہور محدثین نے اسے غیر ثابت وضعیف وغیرہ قرار دیا ہے۔

دیکھئے کتاب الام (۷/۲۰۱) علل الحدیث لابن ابی حاتم (ح ۲۵۸) سنن الترمذی (۲۵۶) اور التمہید لابن عبدالبر (۳/۲۲۰) وغیرہ

دوم: اس کے راوی امام سفیان ثوری رحمہ اللہ ثقہ ہونے کے ساتھ مدلس بھی تھے۔

دیکھئے کتاب الجرح والتعدیل (ج ۴ ص ۲۲۵) اور کتب المدلسین

یہ روایت عن سے ہے اور کسی سند میں سماع کی تصریح نہیں ہے۔

اُصولِ حدیث کا مشہور مسئلہ ہے کہ مدلس راوی کی عن والی روایت ضعیف ہوتی ہے۔

دیکھئے کتاب الرسالہ للامام الشافعی (ص ۳۸۰) اور مقدمہ ابن الصلاح (ص ۹۹)

اگر کوئی کہے کہ حافظ ابن حجر نے سفیان ثوری کو طبقۂ ثانیہ (مدلسین کے دوسرے طبقے) میں ذکر کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے: صحیح یہ ہے کہ امام سفیان ثوری طبقۂ ثالثہ (مدلسین کے

تیسرے طبقے) کے مدلس تھے۔اس کے ثبوت کے لئے گیارہ حوالے پیشِ خدمت ہیں:

۱: حاکم نیشاپوری نے حافظ ابن حجر سے پہلے انھیں (امام سفیان ثوری کو) الجنس الثالث یعنی طبقۂ ثالثہ میں ذکر کیا ہے۔دیکھئے معرفۃ علوم الحدیث (ص ۱۰۶)

۲: عینی حنفی نے کہا: اور سفیان مدلسین میں سے تھے اور مدلس کی عن والی روایت حجت نہیں ہوتی اِلا یہ کہ اُس کی تصریحِ سماع دوسری سند سے ثابت ہو جائے۔دیکھئے عمدۃ القاری (۱۱۲/۳)

معلوم ہوا کہ عینی حنفی کے نزدیک سفیان ثوری طبقۂ ثالثہ میں سے تھے۔

۳: ابن الترکمانی حنفی نے ایک روایت پر جرح کرتے ہوئے کہا: ثوری مدلس ہیں اور انھوں نے عن سے روایت بیان کی ہے۔ (الجوہر النقی ۲۶۲/۸)

ابن الترکمانی کے نزدیک سفیان ثوری کی عن والی روایت (علتِ قادحہ سے) معلول ہے۔

۴: کرمانی نے کہا: سفیان مدلسین میں سے تھے اور مدلس کی عن والی روایت حجت نہیں ہوتی اِلا یہ کہ دوسری سند سے سماع کی تصریح ثابت ہو جائے۔

دیکھئے کرمانی کی شرح صحیح البخاری (۶۲/۳)

۵: قسطلانی نے کہا: سفیان مدلس ہیں اور مدلس کی عن والی روایت حجت نہیں ہوتی اِلا یہ کہ دوسری سند سے سماع کی تصریح ثابت ہو جائے۔دیکھئے ارشاد الساری (۲۸۶/۱)

۶: صلاح الدین العلائی نے کہا: سفیان ثوری مجہول لوگوں سے تدلیس کرتے تھے۔

دیکھئے جامع التحصیل فی احکام المراسیل (ص ۹۹)

۷: حافظ ذہبی نے کہا: وہ (سفیان ثوری) ضعیف راویوں سے تدلیس کرتے تھے۔الخ

دیکھئے میزان الاعتدال (۱۶۹/۲)

جو مدلس راوی غیر ثقہ راویوں سے تدلیس کرے تو اس کی صرف وہی روایت مقبول ہوتی ہے جس میں سماع کی تصریح کرے۔دیکھئے النکت للزرکشی (ص ۱۸۴) اور شرح الفیۃ العراقی: التبصرہ والتذکرہ (۱۸۳/۱، ۱۸۴)

۸: سرفراز خان صفدر دیوبندی نے ایک روایت پر سفیان ثوری کی تدلیس کی وجہ سے جرح

کی ہے۔ دیکھئے خزائن السنن (۲/۷۷)

۹: ماسٹر امین اوکاڑوی دیوبندی نے ایک روایت پر سفیان ثوری کی تدلیس کی وجہ سے جرح کی۔ دیکھئے مجموعہ رسائل (طبع قدیم ۳/۳۳۱) اور تجلیاتِ صفدر (۵/۴۷۰)

۱۰: محمد شریف کوٹلوی بریلوی نے سفیان ثوری کی ایک روایت پر جرح کرتے ہوئے کہا: ''اور سفیان کی روایت میں تدلیس کا شبہ ہے۔'' (فقہ الفقیہ ص ۱۳۴)

۱۱: محمد عباس رضوی بریلوی نے لکھا ہے: ''یعنی سفیان مدلس ہے اور یہ روایت انہوں نے عاصم بن کلیب سے عن کے ساتھ کی ہے اور اصول محدثین کے تحت مدلس کا عنعنہ غیر مقبول ہے جیسا کہ آگے انشاء اللہ بیان ہوگا۔'' (مناظرے ہی مناظرے ص ۲۴۹)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ امام سفیان ثوری رحمہ اللہ (طبقۂ ثالثہ کے) مدلس تھے لہٰذا غیر صحیحین میں اُن کی عن والی روایت ضعیف ہوتی ہے، اِلا یہ کہ سماع کی تصریح ثابت ہو یا معتبر متابعت مل جائے۔ یاد رہے کہ روایتِ مذکورہ میں سفیان ثوری کی متابعت باسند صحیح متصل ثابت نہیں ہے۔ نیز دیکھئے میرا مضمون: امام سفیان ثوری کی تدلیس اور طبقۂ ثانیہ؟

تنبیہ: سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک روایت میں آیا ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، ابو بکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) کے ساتھ نماز پڑھی ہے، وہ شروع نماز میں تکبیر تحریمہ کے سوا ہاتھ نہیں اُٹھاتے تھے۔ (سنن الدارقطنی ۱/۲۹۵ وقال: تفرد بہ محمد بن جابر وکان ضعیفا)

اس روایت کا راوی محمد بن جابر الیمامی جمہور کے نزدیک ضعیف ہے۔

دیکھئے مجمع الزوائد (۵/۱۹۱)

اور امام دارقطنی نے بھی اس راوی کو ضعیف کہا ہے لہٰذا یہ روایت مردود ہے۔

سیدنا ابن مسعود (رضی اللہ عنہ) کی طرف منسوب ایک اور روایت (جامع المسانید ۱/۳۵۵) کئی وجہ سے باطل و مردود ہے:

۱: ابو محمد عبداللہ بن محمد بن یعقوب الحارثی البخاری کذاب ہے۔

دیکھئے میزان الاعتدال (۲/۴۹۶) اور لسان المیزان (۳/۳۴۸، ۳۴۹)

اس کا استاذ رجاء بن عبداللہ النہشلی مجہول ہے اور باقی سند بھی مردود ہے۔
دیکھئے نور العینین (ص ۴۲۔۴۳)
سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ترکِ رفع یدین موقوفاً بھی ثابت نہیں ہے۔

۲) سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایت:

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ شروع نماز میں کانوں کی لووں تک رفع یدین کرتے تھے، پھر آپ دوبارہ (رفع یدین) نہیں کرتے تھے۔

(شرح معانی الآثار للطحاوی وسنن ابی داود وغیرہما)

اس روایت کا بنیادی راوی یزید بن ابی زیاد القرشی الہاشمی الکوفی ہے، جو کہ جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف تھا۔ حافظ ابن حجر العسقلانی نے کہا:

''والجمهور علٰی تضعیف حدیثه ...''

اور جمہور اُس کی حدیث کو ضعیف کہتے ہیں... (ہدی الساری ص ۴۵۹)

بوصیری نے کہا: ''وضعفه الجمهور'' اور جمہور نے اسے ضعیف کہا ہے۔

(زوائد ابن ماجہ: ۲۱۱۶)

اس روایت کی دوسری سند میں محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ ہے، جو کہ جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف تھا۔ انور شاہ کشمیری دیوبندی نے کہا:

پس وہ میرے نزدیک ضعیف ہے جیسا کہ جمہور کا مذہب ہے۔ (فیض الباری ۳/۱۶۸)

بوصیری نے کہا: ''ضعفه الجمهور'' اسے جمہور نے ضعیف کہا ہے۔ (زوائد ابن ماجہ: ۸۵۴)

ترکِ رفع یدین والی ایک روایت: ''أبو حنیفة عن الشعبي قال : سمعت البراء بن عازب'' کی سند سے مروی ہے۔ (دیکھئے مسند ابی حنیفہ لابی نعیم الاصبہانی ص ۱۵۶)

اس روایت کے سارے راوی: ابوالقاسم بن بالویہ النیسابوری، بکر بن محمد بن عبداللہ الحبال الرازی، علی، علی بن محمد بن روح بن ابی الحرش المصیصی، محمد بن روح اور روح بن ابی الحرش سب مجہول ہیں لہٰذا یہ سند مردود ہے۔ (نیز دیکھئے ارشیف ملتقی اهل الحدیث عدد: ۴ ج ۱ ص ۹۲۶)

۳) عباد بن الزبیر (؟) کی طرف منسوب روایت:

عباد بن الزبیر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع فرماتے تھے تو ابتداءِ نماز میں رفع یدین کرتے تھے پھر نماز میں کہیں بھی رفع یدین نہیں کرتے تھے حتیٰ کہ آپ نماز سے فارغ ہو جاتے۔ (خلافیات للبیہقی بحوالہ نصب الرایہ ج ۱ ص ۴۰۴)

یہ روایت کئی وجہ سے مردود ہے:

۱: محمد بن اسحاق (راوی) نامعلوم ہے۔

۲: حفص بن غیاث مدلس تھے۔ دیکھئے طبقات ابن سعد (ج ۶ ص ۳۹۰)
انھیں طبقۂ اولیٰ میں ذکر کرنا غلط ہے اور صحیح یہ ہے کہ وہ طبقۂ ثالثہ کے مدلس تھے۔
یہ روایت عن سے ہے لہٰذا ضعیف ہے۔

۳: عباد بن الزبیر نامعلوم ہے اور اس سے عباد بن عبداللہ بن الزبیر مراد لینا بے دلیل ہے۔

۴: اگر بفرضِ محال عباد سے مراد ابن عبداللہ بن الزبیر ہوتے اور بفرضِ محال اُن تک سند صحیح ہوتی تو بھی یہ روایت منقطع و مرسل ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

فائدہ: سیدنا عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ سے، نبی ﷺ کی وفات کے بعد رفع یدین کرنا ثابت ہے۔ دیکھئے السنن الکبریٰ للبیہقی (۲/۷۳ وسندہ صحیح ورجالہ ثقات)

۴) **سیدنا عبداللہ بن عباس اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب روایتیں:**

ان دونوں صحابیوں سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: رفع یدین سات مقامات پر کیا جائے: نماز کے شروع میں، بیت اللہ کی زیارت کے وقت، صفا و مروہ پر، عرفات اور مزدلفہ میں وقوف کے وقت اور جمرات کو کنکریاں مارتے وقت۔ (شرح معانی الآثار و کشف الاستار)

اس کی سند میں محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔

دیکھئے حدیث نمبر: ۲

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک اور روایت المعجم الکبیر للطبرانی (۱۱/۴۵۲) میں

ہے جو عطاء بن السائب راوی کے اختلاط کی وجہ سے ضعیف ہے۔
دیکھئے الکواکب النیرات (ص ٦١) اور مجمع الزوائد (٣/ ٢٩٧)
اور یہ ثابت نہیں ہے کہ یہ روایت انھوں نے اختلاط سے پہلے بیان کی تھی لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔
المعجم الکبیر للطبرانی (١١/ ٣٨٥) کی ایک روایت میں ''لا ترفع الأیدي إلا في سبع مواطن ...'' کے الفاظ آئے ہیں۔ یہ روایت بھی محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ (ضعیف عند الجمہور) کی وجہ سے ضعیف ہے۔
سیدنا ابن عباس کی طرف منسوب ایک بے سند اور موضوع روایت بدائع الصنائع للکاسانی (١/ ٢٠٧) میں ہے کہ عشرہ مبشرہ رفع یدین نہیں کرتے تھے مگر صرف شروع نماز میں۔
یہ بھی مردود روایت ہے۔
بعض لوگ تفسیر ابن عباس نامی کتاب سے ایک روایت پیش کرتے ہیں کہ ''اور نماز میں اپنے ہاتھ نہیں اُٹھاتے۔'' (تنویر المقباس ص ٢١٢)
اس کتاب کی سند میں محمد بن مروان السدی کذاب، محمد بن السائب الکلبی کذاب اور ابوصالح باذام ضعیف ہیں۔ دیکھئے نور العینین (ص ٢٣٨۔٢٤٦)
لہٰذا یہ ساری تفسیر موضوع اور من گھڑت ہے۔
تنبیہ: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ آپ رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔ دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ (ج ١ ص ٢٣٥ وسندہ حسن)
سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ترکِ رفع یدین قطعاً ثابت نہیں ہے۔
سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ بھی رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔
(صحیح بخاری: ٧٣٩، وسندہ صحیح)
سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ترکِ رفع یدین ثابت نہیں ہے۔
مجاہد سے روایت ہے کہ میں نے ابن عمر کے پیچھے نماز پڑھی، پس آپ نماز میں صرف

پہلی تکبیر کے وقت رفع یدین کرتے تھے، اس کے بعد نماز میں کسی جگہ رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، شرح معانی الآثار للطحاوی)

یہ روایت ابوبکر بن عیاش (صدوق حسن الحدیث یخطئ) کے وہم کی وجہ سے ضعیف ہے۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا: یہ باطل ہے۔ (مسائل احمد، روایۃ ابن ہانی ج ۱ ص ۵۰)

امام ابن معین نے فرمایا: ابوبکر (بن عیاش) کی حصین سے روایت اس کا وہم ہے، اس روایت کی کوئی اصل نہیں ہے۔ (جزء رفع الیدین: ۱۶، نصب الرایہ ۱/۳۹۲)

محدثین کی اس جرح کے مقابلے میں کسی مستند محدث یا امام (من المتقدمین) سے روایتِ مذکورہ کو صحیح قرار دینا ثابت نہیں ہے۔

عبدالعزیز بن حکیم سے روایت ہے کہ میں نے دیکھا: ابن عمر اپنے ہاتھوں کو کانوں کے مقابل تک تکبیرِ اولیٰ کے وقت اُٹھاتے اور اس کے سوا کسی موقعہ میں ہاتھ نہ اُٹھاتے تھے۔

(موطأ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی)

یہ روایت دو وجہ سے مردود ہے:

۱: ابن فرقد جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف و مجروح ہے اور اس کی توثیق مردود ہے۔

۲: محمد بن ابان بن صالح جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف و مجروح راوی ہے۔

۵) سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایت:

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے شروع میں رفع یدین کرتے تھے، پھر دوبارہ نہیں کرتے تھے۔ (العلل للامام الدارقطنی ج ۴ ص ۱۰۷)

یہ روایت العلل الوارده للدارقطنی میں بے سند ہے، عبدالرحیم بن سلیمان تک کوئی سند مذکور نہیں ہے اور بے سند روایت مردود ہوتی ہے۔

سرفراز خان صفدر دیوبندی نے کہا: ''اور امام بخاریؒ نے اپنے استدلال میں ان کے اثر کی کوئی سند نقل نہیں کی اور بے سند بات حجت نہیں ہوسکتی۔''

(احسن الکلام ج ۱ ص ۳۲۷، دوسرا نسخہ ص ۴۰۳)

٦) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایت:

زید بن اسلم سے مروی ہے کہ عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہ) نے کہا: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ میں شروع نماز اور رکوع کے وقت رفع یدین کرتے تھے پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے کی طرف ہجرت کی تو آپ نے نماز میں رکوع والا رفع یدین ترک کر دیا اور ابتدا والے رفع یدین پر ثابت قدم رہے۔ (اخبار الفقہاء والمحدثین ص ۲۱۴ ت ۳۷۸)

یہ روایت کئی وجہ سے موضوع اور باطل ہے؟

اول: اس کے راوی عثمان بن محمد بن خشیش القیروانی کے بارے میں حافظ ذہبی نے کہا:

''کان کذابًا'' وہ کذاب (بہت جھوٹا) تھا۔ (المغنی فی الضعفاء ج ۲ ص ۵۰ ت ۴۰۵۹)

دوم: اخبار الفقہاء نامی کتاب کے آخر میں لکھا ہوا ہے کہ کتاب مکمل ہوگئی...اور یہ (تکمیل) شعبان ۴۸۳ھ میں ہوئی ہے۔ (ص ۲۹۳)

اخبار الفقہاء کے مصنف محمد بن حارث القیروانی ۳۶۱ھ میں فوت ہوئے تھے لہٰذا معلوم ہوا کہ کتاب کا ناسخ مجہول ہے جو مصنف کی وفات کے ۱۲۲ سال بعد گزرا ہے۔ مجہول کی روایت مردود ہوتی ہے۔

سوم: عثمان بن سوادہ کی حفص بن میسرہ سے ملاقات یا معاصرت ثابت نہیں ہے۔

تفصیل کے لئے دیکھئے نور العینین (ص ۲۰۵۔۲۱۱)

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک بے سند روایت نصب الرایہ (۱/۴۰۴) میں بحوالہ خلافیات للبیہقی مذکور ہے۔ اس کی مکمل متصل سند نامعلوم ہے اور حاکم نیشاپوری نے فرمایا:

یہ روایت باطل موضوع ہے۔ (دیکھئے نصب الرایہ ج ۱ ص ۴۰۴)

۷) ایک بے سند روایت:

ملا کاسانی وغیرہ بعض حنفی فقہاء نے بغیر کسی سند کے ایک روایت بیان کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعض صحابہ کو رکوع سے پہلے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: کیا وجہ ہے کہ میں تمھیں دیکھتا ہوں، تم نے اس طرح ہاتھ اُٹھائے ہوئے ہیں

جیسے سرکش گھوڑوں کی دُمیں ہوتی ہیں؟ نماز میں سکون کرو۔ (دیکھئے بدائع الصنائع ۱/۲۰۷)

یہ روایت بے سند ہونے کی وجہ سے موضوع و مردود ہے۔

۸) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک روایت:

کثیر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ میں نے انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) کو فرماتے ہوئے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: بیٹا جب تو نماز کے لئے آئے تو قبلہ رُخ ہوجا، رفع یدین کر اور تکبیر تحریمہ کہہ اور قراءت کر جہاں سے کرنا چاہئے پھر جب تو رکوع میں جائے تو دونوں ہتھیلیاں گھٹنوں پر رکھ... الخ (الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی ج۶ ص۲۰۸۶)

اس روایت کا راوی کثیر بن عبداللہ ابو ہاشم الابلی سخت ضعیف و متروک تھا۔ امام بخاری نے فرمایا: ”منكر الحديث عن أنس“ وہ انس سے منکر حدیثیں بیان کرتا تھا۔

(الکامل لابن عدی ص ۲۰۸۵، کتاب الضعفاء للبخاری: ۳۱۶)

امام نسائی نے کہا: متروك الحديث (الکامل لابن عدی ص ۲۰۸۵، الضعفاء والمتروکون للنسائی: ۵۰۶)

حاکم نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے اس کی بیان کردہ روایات کو موضوع قرار دیا ہے۔

دیکھئے تہذیب التہذیب (۸/۴۱۸، دوسرا نسخہ ص ۴۷۴)

دوسرے یہ کہ اس موضوع روایت میں ترکِ رفع یدین کی صراحت نہیں بلکہ عدمِ ذکر ہے اور عدمِ ذکر ہر جگہ نفی ذکر کی دلیل نہیں ہوتا۔ دیکھئے الجوہر النقی (۴/۳۱۷)

بعض الناس المدونہ الکبریٰ (۱/۶۹) حدیث ابی مالک الاشعری رضی اللہ عنہ (مسند احمد ۵/۳۴۳) اور حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ (سنن ابی داود، التمہید ج۹ ص ۲۱۵) وغیرہ پیش کرتے ہیں، جن میں ترکِ رفع یدین کا نام و نشان نہیں ہوتا لہٰذا غیر متعلقہ اور عدمِ ذکر والی روایات پیش کرنا غلط ہے۔

۹) تحریفات:

بعض لوگ مسند حمیدی اور مسند ابی عوانہ سے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر کے دو حدیثیں پیش کرتے ہیں اور ترکِ رفع یدین ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں

حالانکہ ان دونوں کتابوں کے پرانے قلمی نسخوں میں یہ حدیثیں ترکِ رفع یدین کے ساتھ نہیں بلکہ اثبات رفع یدین کے ساتھ لکھی ہوئی ہیں۔لہٰذا بعض الناس کی ان تحریفات سے باخبر رہیں اور تفصیل کے لئے دیکھیں نور العینین (ص ۶۸۔۸۱)

۱۰) ضعیف آثار اور بعض فوائد:

بعض لوگ مرفوع احادیث کے مقابلے میں ضعیف و غیر ثابت آثار پیش کرتے ہیں مثلاً:

۱: سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب اثر منقطع ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

ابراہیم نخعی کی پیدائش سے پہلے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے تھے۔

۲: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب اثر ابراہیم نخعی (ثقہ مدلس) کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے، جو شخص اسے صحیح سمجھتا ہے وہ اثر مذکور میں ابراہیم نخعی کے سماع کی تصریح پیش کرے۔

۳: خلفائے راشدین کی طرف منسوب اثر محمد بن جابر (ضعیف) کی وجہ سے ضعیف ہے۔

دیکھئے یہی مضمون حدیث نمبر ا

بدائع الصنائع للکاسانی (ج ا ص ۲۰۷ عن علقمہ الخ) والا اثر بے سند ہونے کی وجہ سے موضوع ہے۔

۴: سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب اثر باتفاقِ محدثین ضعیف و غیر ثابت ہے۔

کسی محدث نے اسے صحیح نہیں کہا۔اس پر محدثین کا اتفاق ہے اور اجماع شرعی حجت ہے۔

۵: بعض لوگ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی کی طرف منسوب الموطأ اور الآثار سے بعض آثار پیش کرتے ہیں، جن کی سندیں صحیح نہیں اور خود ابن فرقد بھی جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف و مجروح ہے۔یہ کتابیں بھی اس سے باسند صحیح ثابت نہیں ہیں۔

۶: بعض لوگ سجدوں میں رفع یدین والی روایات پیش کرتے ہیں حالانکہ سجدوں میں رفع یدین کسی ایک روایت سے بھی ثابت نہیں اور صحیح بخاری میں لکھا ہوا ہے:

اور آپ سجدہ کرتے اور سجدے سے اُٹھتے وقت رفع یدین نہیں کرتے تھے۔(ح ۷۳۸)

تفصیل کے لئے دیکھئے نور العینین (ص ۱۸۹۔۱۹۴)

۷: بعض لوگ سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث (صحیح مسلم سے) پیش کرتے ہیں حالانکہ اس حدیث کا تعلق رکوع والے رفع یدین سے نہیں بلکہ تشہد میں سلام کے وقت ہاتھوں سے اشارہ کرنے سے ہے۔ دیکھئے درس ترمذی (۳۶/۲) الورد الشذی (ص ۶۳) اور التلخیص الحبیر (۲۲۱/۱)

۸: بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ صحابۂ کرام بغلوں میں بُت لے کر آتے تھے تو اس وجہ سے رفع یدین کیا جاتا تھا۔

یہ بالکل جھوٹ اور من گھڑت بات ہے جس کا کوئی ثبوت حدیث کی کسی کتاب میں نہیں ہے۔

۹: بعض الناس یہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہلے رفع یدین کرتے تھے اور بعد میں اسے متروک یا منسوخ قرار دیا تھا۔

مگر اس کی کوئی سند یا دلیل حدیث کی کسی کتاب میں نہیں ہے۔

۱۰: بعض لوگ جمہور محدثین کے نزدیک مجروح راویوں کی توثیق پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں، حالانکہ جمہور کی جرح کے مقابلے میں توثیق مردود ہے اِلا یہ کہ خاص اور عام کا مسئلہ ہو تو پھر خاص مقدم ہوتا ہے۔

سرفراز خان صفدر دیوبندی نے لکھا ہے: ''بایں ہمہ ہم نے توثیق و تضعیف میں جمہور آئمہ جرح و تعدیل اور اکثر آئمہ حدیث کا ساتھ اور دامن نہیں چھوڑا۔ مشہور ہے کہ

ع زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو۔ '' (احسن الکلام ج ۱ ص ۴۰)

۱۱: بعض لوگ شیعوں کی کتاب: ''مسند زید'' اور خارجیوں کی کتاب: ''مسند الربیع بن حبیب'' کے حوالے پیش کرتے ہیں، حالانکہ یہ دونوں غیر ثابت اور باطل کتابیں ہیں۔

غیر ثابت کتابوں کا حوالہ پیش کرنا مردود ہوتا ہے۔

اثبات رفع یدین قبل از رکوع و بعد از رکوع کے دلائل کے لئے صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہما کا مطالعہ کریں۔ و ما علینا إلا البلاغ (۱۱/ جولائی ۲۰۰۹ء)

ترکِ رفع یدین کی حدیث اور محدثین کرام کی جرح

[یہ مضمون فیصل خان بریلوی کی کتاب: ''رفع یدین کے موضوع پر...محققانہ تجزیہ'' کے جواب میں لکھا گیا ہے۔]

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب، امام سفیان ثوری رحمہ اللہ (مدلس) کی معنعن (ترکِ رفع یدین والی) روایت کو جمہور محدثین نے ضعیف ومعلول قرار دیا ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب: نور العینین فی مسئلۃ رفع الیدین (طبع جدید ص ۱۳۰۔۱۳۴)

بعض لوگوں نے آج کل کے دور میں ان تضعیفی اقوال میں تشکیک پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، لہٰذا ان مشککین کے شکوک وشبہات کے جوابات درج ذیل ہیں:

۱) امام عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ نے کہا: ابن مسعود (رضی اللہ عنہ) کی (طرف منسوب یہ) حدیث ثابت نہیں ہے۔ (سنن ترمذی: ۲۵۶) نیز دیکھئے نور العینین (ص ۱۳۰)

بعض الناس نے اس جرح کو سفیان ثوری والی حدیث سے ہٹانے کی کوشش کی ہے، حالانکہ محدثین کرام نے اسے سفیان ثوری کی حدیث سے متعلق ہی قرار دیا ہے۔
دیکھئے نور العینین (ص ۱۳۰)

ایک شخص نے یہ مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے کہ امام ابن المبارک سے اس جرح کا راوی سفیان بن عبدالملک، اُن کا قدیم شاگرد ہے اور خود متاخر شاگرد سوید بن نصر کی روایت میں ابن المبارک نے یہ حدیث بیان کی تھی لہٰذا یہ جرح قدیم اور مرجوح ہے۔

عرض ہے کہ (صحیحین کے علاوہ) عام غیر مشترط بالصحۃ کتابوں میں مجرد روایت کرنا کسی حدیث کی تصحیح نہیں ہوتا۔ مثلاً:

ا: مسند احمد (۲۵۳/۴) میں ایک روایت ہے: ''من باع الخمر فليشقص الخنازير'' اس کے راوی عمر بن بیان کے بارے میں امام احمد بن حنبل سے پوچھا گیا تو انھوں نے

فرمایا: ’’لا أعرفه ‘‘میں اُسے نہیں جانتا۔ (کتاب العلل ومعرفۃ الرجال ۲/۷رقم ۱۳۶۶)

۲: مسند احمد (۱/۶) میں دوید عن أبي سهل عن سليمان بن رومان إلخ ایک روایت ہے، جس کے بارے میں امام احمد نے فرمایا: ’’هذا حديث منكر ‘‘ یہ منکر حدیث ہے۔ (المنتخب من العلل للخلال ص۴۴ ح ۵)

۳: سالم عن ثوبان کی روایت میں آیا ہے کہ ’’ استقيموا لقريش ما استقاموا لكم ‘‘

(مسند احمد ۵/۲۷۷)

اس کے بارے میں امام احمد نے فرمایا: ’’ ليس بصحيح ، سالم بن أبي الجعد لم يلق ثوبان ‘‘ صحیح نہیں ہے، سالم بن ابی الجعد نے ثوبان سے ملاقات نہیں کی۔

(السنۃ للخلال: ۸۲ وسندہ حسن، المنتخب من العلل للخلال ص۱۶۲ ح ۸۲)

اس طرح کی دوسری مثالوں کے لئے دیکھئے حافظ ابن القیم کی کتاب: الفروسیہ .

لہٰذا امام ابن المبارک کا سوید بن نصر کی روایت میں اس حدیث کو بیان کرنا اس حدیث کی تصحیح نہیں ہے اور نہ کسی خیالی موہوم رجوع کی دلیل ہے۔

زیلعی حنفی نے ابن القطان (الفاسی) کی کتاب الوہم والایہام سے نقل کیا ہے کہ ’’ ذكر الترمذي عن ابن المبارك أنه قال: حديث وكيع لا يصح ... ‘‘إلخ ترمذی نے ابن المبارک سے نقل کیا کہ انھوں نے کہا: وکیع کی حدیث صحیح نہیں ہے...

(نصب الرایہ ج ا ص ۳۹۵)

اس سے معلوم ہوا کہ ابن المبارک کی جرح اُسی روایت پر ہے، جسے امام وکیع نے سفیان ثوری سے بیان کیا تھا لہٰذا بعض الناس کا اس جرح کو طحاوی والی روایت پر فٹ کر دینا غلط ہے۔

اگر کوئی کہے کہ مغلطائی حنفی، ابن دقیق العید مالکی شافعی، عینی حنفی، ابن الترکمانی حنفی اور ابن القطان الفاسی المغربی وغیرہم نے امام ابن المبارک کی اس جرح کے جوابات دیئے ہیں۔ تو عرض ہے کہ یہ سارے جوابات مردود اور باطل ہیں۔

۲) امام شافعی رحمہ اللہ نے ترک رفع الیدین کی احادیث کو رد کر دیا کہ یہ ثابت نہیں ہیں۔
دیکھئے کتاب الام (۷/۲۰۱) اور نور العینین (ص ۱۳۱)

اگر کوئی کہے کہ یہ مبہم الفاظ کی جرح ہے، جس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

تو عرض ہے کہ یہ بعض الناس کے نزدیک مبہم ہو کر رد ہو گی، ہمارے نزدیک دو وجہ سے یہ جرح مقبول ہے:

اول: یہ اصولِ حدیث کے مطابق ہے، کیونکہ مدلس کی معنعن (عن والی) روایت ضعیف ہوتی ہے۔

دوم: یہ جمہور محدثین کے مطابق ہے۔

اگر کوئی کہے کہ ابن الترکمانی نے حدیث مذکور کے بارے میں طحاوی کی تصحیح نقل کی ہے تو عرض ہے کہ طحاوی نے (بقولِ ابن الترکمانی) الرد علی الکرابیسی (نامی کتاب) میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب موقوف روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔ (دیکھئے الجوہر النقی ج ۲ ص ۷۹)

لہٰذا سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب اس روایت کے بارے میں اُن کی تصحیح ثابت نہیں ہے۔ یاد رہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی روایت کو طحاوی کا صحیح کہنا جمہور محدثین کے خلاف ہونے کی وجہ سے غلط ہے۔

ایک شخص (فیصل خان بریلوی) نے لکھا ہے:

''کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بعد والا قول بھی یہی ہے کہ ان دونوں حضرات سے (حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) ترک رفع یدین ثابت ہے۔''

(رفع یدین کے موضوع پر..... محققانہ تجزیہ ص ۱۰۷)

عرض ہے کہ یہ اس شخص کا کالا جھوٹ ہے۔

فائدہ: محمد بن عبدالباقی الزرقانی نے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب حدیث کے بارے میں موطأ امام مالک کی شرح میں کہا: ''وردہ الشافعي بأنه لم يثبت''
اور شافعی نے اسے رد کر دیا کہ بے شک یہ ثابت نہیں ہے۔ (ج ۱ ص ۱۵۸)

جولوگ چار اماموں کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ چار مذہب برحق ہیں۔اُن کی خدمت میں عرض ہے کہ جس حدیث کوامام شافعی اورامام احمد (دواماموں) نے ضعیف وغیرہ قرار دے کر رد کر دیا ہواور باقی دواماموں میں سے کسی ایک سے بھی اس حدیث کوصحیح کہنا ثابت نہ ہوتو آپ لوگ کس طرح اس روایت کوپیش کرتے ہیں؟

اگر ہمت ہے تو امام ابوحنیفہ سے ترکِ رفع یدین والی اس حدیث کا صحیح ہونا باسند صحیح ثابت کر دیں۔!!

۳) امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے سفیان ثوری کی روایتِ مذکورہ پر کلام کیا ہے۔
دیکھئے مسائل احمد (روایت عبداللہ بن احمد ۱/۲۴۰ فقرہ: ۳۲۶) اور نور العینین (ص ۱۳۱)

اگر کوئی کہے امام احمد نے راویوں پر کوئی کلام نہیں کیا تو عرض ہے کہ انھوں نے روایت پر کلام کر کے اسے رد کر دیا اور رفع یدین کے عمل کو اختیار کیا ہے۔امام ابوداود نے فرمایا:
میں نے (امام) احمد کو دیکھا ہے۔وہ رکوع سے پہلے اور بعد میں شروع نماز کی طرح کانوں تک رفع یدین کرتے تھے اور بعض اوقات شروع نماز والے رفع یدین سے ذرا نیچے (یعنی کندھوں تک)

احمد سے کہا گیا: ایک شخص رفع یدین کے بارے میں نبی ﷺ کی یہ احادیث سنتا ہے اور پھر بھی رفع یدین نہیں کرتا تو کیا اس کی نماز پوری ہو جاتی ہے؟ آپ نے فرمایا: پوری نماز ہونے کا تو مجھے علم نہیں ہے، ہاں وہ فی نفسہ ناقص نماز والا ہے۔

(مسائل ابی داود ص ۳۴، نور العینین ص ۱۷۹، ۱۸۰)

اگر امام احمد ترکِ رفع یدین والی روایت کو ضعیف و مردود نہ سمجھتے تو ترکِ رفع یدین والی نماز کو ناقص کبھی نہ کہتے۔

دوسرے یہ کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے علم میں ترکِ رفع الیدین والی نماز کا پورا ہونا نہیں تھا، گویا آپ ایسی نماز کو مشکوک اور خلافِ سنت سمجھتے تھے۔

اگر کوئی کہے کہ (متاخرین میں سے) قاضی شوکانی نے کہا ہے: مسند احمد کی ہر حدیث

مقبول ہے۔ (نیل الاوطار ۲۰/۱)

تو عرض ہے کہ قاضی شوکانی کی یہ بات باطل ہے اور یہ حنفیہ وآلِ تقلید کو بھی تسلیم نہیں ہے۔

مسند احمد (۳۲۲/۵، ۳۱۶) کی ایک حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ صبح کی نماز کے بعد نبی ﷺ نے اپنے مقتدیوں سے فرمایا: سورۂ فاتحہ کے علاوہ کچھ نہ پڑھو کیونکہ جو شخص سورۂ فاتحہ نہیں پڑھتا اُس کی نماز نہیں ہوتی۔ دیکھئے الکواکب الدریہ (ص ۵۸)

یہ روایت وہی ہے جو فاتحہ خلف الامام میں حنفیہ اور آلِ تقلید کے تمام ''دلائل'' وشبہات کو ختم کر دیتی ہے اور اس روایت سے تقلیدیوں کو بہت چڑ ہے لہٰذا کبھی محمد بن اسحاق بن یسار پر جرح کرتے ہیں اور کبھی مکحول کی تدلیس کا رجسٹر کھول بیٹھتے ہیں۔

ہم پوچھتے ہیں کہ اگر مسند احمد کی ہر حدیث مقبول ہے تو یہ حدیث کیوں غیر مقبول ہے؟

اگر کوئی کہے کہ نور العینین میں امام احمد کے سلسلے میں جزء رفع الیدین کا حوالہ پیش کرنا علمی زیادتی اور تحریف ہے تو عرض ہے کہ یہ معترض بذاتِ خود محرّف اور علمی زیادتی کا مرتکب ہے۔

اگر کوئی کہے کہ ''امام احمد کو اس حدیث کے جارحین میں شمار کرنا غلط اور مردود ہے۔''

تو عرض ہے کہ کیوں؟ کیا وہ ترکِ رفع یدین والی اس روایت کو صحیح کہتے تھے؟ سبحان اللہ!

۴) روایتِ مذکورہ کے بارے میں امام ابوحاتم الرازی نے فرمایا: یہ خطا (غلط) ہے...الخ

(علل الحدیث ۹۶/۱ ح ۲۵۸، نور العینین ص ۱۳۱)

اگر کوئی کہے کہ ابوحاتم متشدد ومتعنت تھے اور جرح چند وجوہات کی بنا پر صحیح نہیں ہے۔!

تو عرض ہے کہ یہ جرح کئی لحاظ سے صحیح ہے مثلاً:

اول: جمہور محدثین کے مطابق ہے لہٰذا تشدد کا یہاں سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

دوم: سفیان ثوری مدلس تھے اور اس روایت کی کسی سند میں اُن کے سماع کی تصریح موجود نہیں ہے۔

اگر کوئی کہے کہ ابوحاتم الرازی نے سیدنا ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ کی اثبات رفع یدین

والی روایت پر جرح کی ہے تو یہ جرح کیوں قبول نہیں ہے؟

عرض ہے کہ سیدنا ابو حمید رضی اللہ عنہ کی روایت کو جمہور محدثین نے صحیح قرار دیا ہے اور اصولِ حدیث کی رُو سے بھی صحیح ہے لہٰذا اس پر اگر ابو حاتم رحمہ اللہ نے کوئی جرح کی ہے تو جمہور کے خلاف ہونے کی وجہ سے قابلِ قبول نہیں ہے۔ رہی سفیان ثوری والی معنعن روایت تو اُس پر جرح اصولِ حدیث اور جمہور محدثین کی موافقت کی وجہ سے مقبول ہے۔

اگر کوئی کہے کہ ابو حاتم الرازی نے سفیان کی تدلیس کا اعتراض نہیں اُٹھایا تو عرض ہے کہ انھوں نے روایتِ مذکورہ کو خطا قرار دیا ہے اور روایت پر محدثین کی جرح نقل کرنے میں یہی حوالہ کافی وشافی ہے۔

۵) امام دارقطنی نے ترکِ رفع یدین والی روایت مذکورہ کو غیر محفوظ قرار دیا۔

(کتاب العلل ۱۷۳/۵، نور العینین ص ۱۳۱)

اگر کوئی کہے کہ امام دارقطنی نے اس حدیث کے بارے میں ''و إسناده صحیح'' إلخ کہا ہے۔ (دیکھئے کتاب العلل ۱۷۲/۵)

تو عرض ہے کہ امام دارقطنی نے عبداللہ بن ادریس عن عاصم بن کلیب والی روایت کو ''و إسناده صحیح'' کہا ہے۔ (دیکھئے کتاب العلل ج ۵ ص ۱۷۲) اور اس روایت میں دوبارہ رفع یدین نہ کرنے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

انھوں نے اس کے بعد ثوری والی روایت کو ''لیست بمحفوظة'' یعنی غیر محفوظ (ضعیف) قرار دیا ہے۔ (ایضاً ص ۱۷۲، ۱۷۳)

لہٰذا یہ کہنا کہ امام دارقطنی ترکِ رفع یدین والی حدیث کو صحیح کہتے تھے، غلط ہے۔

اگر کوئی کہے کہ احناف کا دعویٰ ''ثم لا یعود'' کے بغیر بھی ثابت اور محفوظ ہے تو عرض ہے کہ ان الفاظ یا اس مفہوم کی نفی کے بغیر یہ دعویٰ سرے سے ہی ختم ہے لہٰذا نہ ثابت ہے اور نہ محفوظ ہے۔

٦) امام ابن حبان نے ترکِ رفع یدین والی روایتِ مذکورہ کو ضعیف اور باطل قرار دیا۔

دیکھئے نور العینین (ص ۱۳۱)

اس کے جواب میں بعض الناس نے تین اعتراض کئے ہیں:

اول: جرح مبہم ہے۔

عرض ہے کہ یہ جرح اصولِ حدیث اور جمہور محدثین کے مطابق ہے لہٰذا مقبول ہے۔

دوم: حافظ ابن حجر اور حافظ ابن حبان کے درمیان سند موجود نہیں ہے۔

عرض ہے کہ یہ کتاب سے روایت ہے اور کتاب سے روایت اصولِ حدیث کی رُو سے جائز ہے۔

سوم: حافظ ابن حبان سے کتاب الصلوٰۃ منقول نہیں ہے۔

عرض ہے کہ حافظ ابن حبان کی کتاب الصلوٰۃ (صفة الصلوة ، وصف الصلوة بالسنة) کا ذکر درج ذیل کتابوں میں موجود ہے:

البدر المنير لابن الملقن (۲۸۳/۱، ۴۷۲/۲، ۴۹۴/۳ وغیرہ)

طرح التثريب في شرح التقريب لأبي زرعة ابن العراقي (۱۰۲/۱)

تهذيب السنن لابن القيم (۳۶۸/۱ ح ۷۱۹)

اتحاف المهرة لابن حجر العسقلاني (۲۳۵/۱ ح ۸۳، وغیرہ)

التلخيص الحبير (۲۱۶/۱، ۲۱۷ ح ۳۲۳، ۳۲۴)

معجم البلدان لياقوت الحموي (۴۱۸/۱)

مغني المحتاج إلى معرفة معاني ألفاظ المنهاج للخطيب الشربيني (۲۶۱/۱، بحوالہ المكتبة الشاملة) وغیرہ

بلکہ حافظ ابن حبان نے اپنی صحیح ابن حبان میں اپنی کتاب: صفة الصلوة کا علیحدہ ذکر کیا ہے۔ دیکھئے الاحسان (ج ۵ ص ۱۸۴ ح ۱۸۶۷، دوسرا نسخہ ح ۱۸۶۴)

ان حوالوں کے باوجود کسی لاعلم شخص کا یہ قول: ''میری تحقیق میں حافظ ابن حبان رحمہ اللہ سے کتاب صلوٰۃ منقول نہیں ہے۔'' کیا حیثیت رکھتا ہے؟!

۷) امام ابوداود نے سفیان ثوری کی ترکِ رفع یدین والی حدیث کے بارے میں فرمایا:
یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ (سنن ابی داود: ۷۴۸ ملخصاً، نور العینین ص ۱۳۱، ۱۳۲)

بعض دیوبندیوں اور بریلویوں نے اس جرح کے ثبوت میں شک وشبہ ڈالنے کی کوشش کی تھی، جس کا مسکت جواب نور العینین میں دے دیا گیا ہے۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ''امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''التنقیح کتاب التحقیق فی احادیث تعلیق'' پر امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ کی اس جرح کے الفاظ نقل نہیں کئے ...'' (دیکھئے محققانہ تجزیہ ص ۲۱)
تو عرض ہے کہ حافظ ذہبی کا التنقیح (۱/۸/۲۱) میں یہ جرح نقل نہ کرنا اس کی دلیل نہیں کہ امام ابوداود سے یہ الفاظ ثابت ہی نہیں ہیں۔

یاد رہے کہ حافظ ابن عبدالہادی نے امام ابوداود کی اس جرح کو اپنی کتاب التنقیح (ج ۱ ص ۲۷۸) میں نقل کر رکھا ہے اور عدمِ ذکر پر اثبات مقدم ہوتا ہے۔

اگر کوئی شخص مغلطائی کے حوالے سے یہ کہے کہ ابوداود کی اس جرح کو ابن العبد (قدیم شاگرد) نے نقل کیا ہے۔

تو عرض ہے کہ مغلطائی کا ثقہ ہونا معلوم نہیں ہے، بلکہ جلیل القدر حفاظِ حدیث نے اس پر جرح کی ہے۔ دیکھئے نور العینین (طبع جدید ص ۸۷)

دوسرے یہ کہ اس جرح کو حافظ ابن عبدالبر نے کتاب التمہید میں نقل کیا ہے، اور المکتبۃ الشاملہ کے مطابق انھوں نے امام ابوداود کی مرویات کو درج ذیل راویوں سے بیان کیا ہے:

۱: محمد بن بکر التمار (ابن داسہ) عام روایات اسی راوی سے ہیں، گویا کہ ابن عبدالبر نے سنن ابی داود انھی سے روایت کی ہے۔ واللہ اعلم

۲: ابن الاعرابی

۳: اسماعیل بن محمد الصفار

بعض اقوال مقطوعہ کے دوسرے راوی بھی ہیں، جن کا ہماری اس تحقیق سے کوئی تعلق

نہیں ہے۔ مجھے ابن العبد (راوی) کی ایک روایت بھی التمہید میں نہیں ملی، جسے انھوں نے ابوداود سے بیان کیا ہو۔

معلوم ہوا کہ حافظ ابن عبدالبر نے امام ابوداود سے جو جرح نقل کی ہے، وہ ابن العبد کی سند سے نہیں ہے لہٰذا بعض الناس کا یہ کہنا کہ امام ابوداود نے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث پر جرح سے رجوع کر لیا تھا، باطل اور مردود ہے۔

اگر ایک روایت یا قول بعض نسخوں میں موجود نہ ہو اور بعض یا ایک نسخے میں موجود ہو تو پھر یہ تحقیق کی جاتی ہے کہ یہ نسخہ قابلِ اعتماد ہے یا نہیں؟ اگر قابلِ اعتماد ہونا ثابت ہو جائے تو پھر ثقہ کی زیادت کے اصول سے اس روایت یا قول کو موجود تسلیم کیا جاتا ہے۔ امام ابوداود کی جرح کو ابن الجوزی، ابن عبدالبر، ابن عبدالہادی اور ابن حجر العسقلانی وغیرہم متعدد علماء نے نقل کیا ہے لہٰذا اس جرح کے ثبوت میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔

۸) حافظ ابن حجر نے سفیان ثوری والی حدیثِ ترک رفع الیدین کے بارے میں لکھا ہے کہ ''وقال أحمد بن حنبل و شیخه یحي بن آدم : هو ضعیف'' احمد بن حنبل اور ان کے استاذ یحییٰ بن آدم نے کہا: وہ (حدیث) ضعیف ہے۔ (التلخیص الحبیر ۱/۲۲۲ ح ۳۲۸)

اگر کوئی کہے کہ جرح کے الفاظ نقل کریں، تو عرض ہے کہ ہم نے الفاظ نقل کر دیئے ہیں۔ نیز دیکھئے البدر المنیر (۳/۴۹۲)

۹) مشہور ثقہ وصدوق حسن الحدیث یخطئی محدث البزار نے حدیثِ ترک پر جرح کی۔ دیکھئے التمہید (۹/۲۲۰، ۲۲۱) اور نور العینین (ص ۱۳۳)

یہ ضروری نہیں ہے کہ جس وجہ سے محدث بزار نے جرح کی تھی، ہم بھی اس وجہ سے سو فیصد متفق ہوں، لیکن یہ بات تو ثابت ہے کہ انھوں نے روایتِ مذکورہ پر جرح کی ہے لہٰذا وہ اس روایت کے جارحین میں سے ہیں۔

بعض الناس نے میرے بارے میں یہ جھوٹ بولا ہے کہ میں محدث بزار کی توثیق کا قائل نہیں ہوں۔ یقیناً انھیں ایک دن اس جھوٹ کا حساب دینا پڑے گا۔ ان شاء اللہ

۱۰) ترکِ رفع یدین کی ضعیف ومردود روایات ''ثم لا یعود'' وغیرہ یا اس مفہوم کے الفاظ سے مروی ہیں، جنھیں محمد بن وضاح نے ضعیف کہا۔ (دیکھئے التمہید ۹/۲۲۱، نور العینین ص ۱۳۲)

اگر کوئی کہے کہ محمد بن وضاح نے صرف ''ثم لا یعود'' کے الفاظ والی روایات کو ضعیف کہا تھا، دوسری روایات کو نہیں تو عرض ہے کہ ابن وضاح سے کسی ایک ایسی روایت کی تصحیح یا تحسین نقل کر دیں جس سے ترکِ رفع یدین ثابت ہوتا ہو۔!

اگر نہ کر سکیں تو عرض ہے کہ الفاظ جو بھی ہوں، اُن کے نزدیک ترکِ رفع یدین کی تمام روایات ضعیف ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ فلاں شخص مارا گیا، دوسرا کہے: فلاں شخص قتل ہو گیا۔

تو کیا الفاظ کی تبدیلی سے مفہوم میں فرق ہے؟ کچھ تو غور کریں!

۱۱) امام بخاری نے اعلان کیا کہ علماء کے نزدیک ترک رفع یدین کا علم نبی ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔ (جزء رفع الیدین: ۴۰)

اور مزید فرمایا: اور نبی ﷺ کے صحابہ میں سے کسی ایک سے بھی یہ ثابت نہیں کہ وہ رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ الخ (جزء رفع الیدین: ۷۶)

اسی طرح انھوں نے سفیان ثوری والی روایت پر کلام کیا اور ابن ادریس کی روایت کو محفوظ قرار دیا۔ دیکھئے جزء رفع الیدین (۳۲، ۳۳)

ایسی تصریحات وغیرہ کو مدِ نظر رکھتے ہوئے علامہ نووی شافعی وغیرہ نے کہا کہ بخاری نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے المجموع شرح المہذب (۳/۴۰۳)

اگر کوئی کہے کہ آپ نے امام بخاری کی جرح نقل نہیں کی لہٰذا امام بخاری کا نام جارحین میں نقل کرنا غلط اور باطل ہے۔!

تو مؤدبانہ عرض ہے کہ کیا امام بخاری کو ترک رفع یدین کی روایت کے مصححین میں شامل کرنا چاہئے (!) اور یہ بھی بتائیں کہ انھوں نے جزء رفع الیدین کیوں لکھی تھی؟!

۱۲) ابن القطان الفاسی نے روایتِ مذکور کی زیادت (دوبارہ نہ کرنے کو) خطا قرار دیا۔

(نصب الرایہ ۱/۳۹۵، نور العینین ص ۱۳۳)

''ثم لا یعود'' وغیرہ الفاظِ ترک کے بغیر (امام عبداللہ بن ادریس کی) مطلق حدیث اگر صحیح ہو تو اس سے حنفیہ اور آلِ تقلید کو کیا فائدہ پہنچتا ہے؟

معلوم ہوا کہ جارحین میں ابن القطان الفاسی کا نام صحیح ہے۔

۱۳) عبدالحق اشبیلی نے روایتِ مذکورہ کے بارے میں فرمایا: یہ صحیح نہیں ہے۔

(الاحکام الوسطیٰ ۱/۳۶۷، نور العینین ص ۱۳۳)

اگر کوئی کہے کہ یہ جرح مبہم ہے تو عرض ہے کہ یہ جرح دو وجہ سے بالکل صحیح ہے:

اول: روایتِ مذکورہ سفیان ثوری کے عن کی وجہ سے ضعیف ہے۔

دوم: یہ جرح جمہور محدثین کے مطابق ہے لہٰذا اسے جرح مبہم کہہ کر رد کر دینا غلط اور باطل ہے۔

۱٤) ترکِ رفع الیدین والی روایتِ مذکورہ کو حافظ ابن حجر کے استاذ ابن الملقن نے ضعیف کہا۔ (البدر المنیر ۳/۴۹۲، نور العینین ص ۱۳۳)

جمہور محدثین کے مطابق اس جرح کو بعض الناس کا جرح مبہم کہہ کر رد کر دینا غلط ہے۔

۱۵) حاکم نیشاپوری نے ''ثم لم یعد'' کے الفاظ کو غیر محفوظ (یعنی ضعیف) قرار دیا۔

(الخلافیات للبیہقی بحوالہ البدر المنیر ۳/۴۹۳، نیز دیکھئے مختصر الخلافیات للبیہقی تالیف ابن فرح الاشبیلی ج ۱ ص ۳۷۸، ۳۷۹)

بعض الناس نے جھوٹ بولتے ہوئے کہا: ''حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے دیگر علمائے کرام اور امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے تمام اعتراضات نقل کر کے اسکا تفصیلی رد لکھا ہے۔''

(دیکھئے محققانہ تجزیہ ص ۱۲۰)

حالانکہ حافظ ابن القیم نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے نماز میں رکوع سے پہلے اور بعد میں رفع یدین سے منع والی ساری احادیث باطل ہیں، ان میں سے کوئی بھی صحیح نہیں ہے مثلاً حدیث ابن مسعود... **فصلّی فلم یرفع یدیه إلا فی أول مرة ... إلخ**

(المنار المنیف ص ۱۳۷، فقرہ: ۳۰۹، ۳۱۰)

۱٦) علامہ نووی (شافعی) نے روایتِ مذکورہ کے بارے میں کہا:

اس حدیث کے ضعیف ہونے پر (ترمذی کے علاوہ تمام متقدمین کا) اتفاق ہے۔

دیکھئے خلاصۃ الاحکام (۳۵۴/۱ ح ۱۸۰ا، نور العینین ص ۱۳۳)

بعض الناس نے لکھا ہے کہ ''امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ دعویٰ اجماع صحیح نہیں جب کہ جمہور محدثین کرام اس حدیث کی تصحیح کے قائل ہیں۔''

عرض ہے کہ یہ بات بالکل جھوٹ ہے۔ متقدمین میں سے امام ترمذی کے علاوہ کسی ایک محدث سے روایتِ مذکورہ کی تصحیح صراحتاً ثابت نہیں ہے۔

۱۷) حافظ ابن القیم نے دارمی سے نقل کیا کہ انھوں نے روایتِ مذکورہ کو ضعیف قرار دیا۔

(تہذیب السنن ۴۴۹/۲، دوسرا نسخہ ۳٦۸/۱)

مجھے یہ حوالہ باسند صحیح نہیں ملا۔ (دیکھئے نور العینین ص ۱۳۳)

جو لوگ کتابوں سے بے سند حوالے پیش کرتے رہتے ہیں مثلاً کتبِ فقہ سے امام ابوحنیفہ کے حوالے تو اُن کی شرط پر درج بالا حوالہ پیش کرنا صحیح ہے۔

۱۸) حافظ ابن القیم اور نووی نے محدث بیہقی سے نقل کیا کہ انھوں نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا۔ (دیکھئے تہذیب السنن ۴۴۹/۲، اور شرح المہذب ۴۰۳/۳)

مجھے یہ حوالہ بھی باسند صحیح نہیں ملا۔ دیکھئے نور العینین (ص ۱۳۳)

ویسے اصل کتاب الخلافیات دیکھنے کے بعد ہی اس حوالے کو چیک کیا جا سکتا ہے لیکن افسوس ہے کہ یہ کتاب ابھی تک کامل حالت میں شائع نہیں ہوئی۔ نیز دیکھئے فقرہ نمبر ۱۷

۱۹) ثم لا یعود (وغیرہ) الفاظ کے ساتھ ترکِ رفع یدین کی جو حدیث مروی ہے، امام محمد بن نصر المروزی نے ان الفاظ کی تضعیف پر خاص توجہ دی۔

دیکھئے بیان الوہم والایہام (۳٦۵/۳، ۳٦٦)

اور ظاہر ہے کہ چارپائی پر جس طرف سے بھی لیٹا جائے، کمر درمیان میں ہی رہتی ہے۔ اگر کوئی کہے کہ امام محمد بن نصر المروزی کا نام جارحین میں صحیح نہیں ہے۔ تو عرض ہے کہ

کیوں؟ کیا وہ ترکِ رفع الیدین کی روایتِ مذکورہ کو صحیح کہتے تھے؟ حوالہ پیش کریں!!

۲۰) ابن قدامہ المقدسی نے ترکِ رفع یدین والی روایتِ مذکورہ کو ضعیف کہا۔

(المغنی ۱/۲۹۵ مسئلہ: ۶۹۰، نور العینین ص ۱۳۴)

ان کے علاوہ دوسرے حوالے بھی تلاش کئے جا سکتے ہیں مثلاً جو لوگ سکوت کو رضامندی کی دلیل سمجھتے ہیں، اُن کے نزدیک وہ علماء بھی اس روایت کے جارحین میں شامل ہیں جنھوں نے روایتِ مذکورہ پر جرح نقل کر کے سکوت کیا ہے۔ مثلاً صاحبِ مشکوٰۃ وغیرہ

ان جارحین میں سے اگر بعض کے نام خارج کر دیئے جائیں، تب بھی یہ جمہور محدثین وعلماء تھے جو روایتِ مذکورہ کو الفاظِ ترک کے ساتھ ضعیف وغیر محفوظ وغیرہ سمجھتے تھے۔

ان کے مقابلے میں صرف امام ترمذی کا حسن کہنا اور پانچویں صدی کے حافظ ابن حزم کا صحیح کہنا دو وجہ سے غلط ہے:

اول: جمہور کے خلاف ہے۔ دوم: اصولِ حدیث کے خلاف ہے۔

اصولِ حدیث کا یہ مسئلہ ہے کہ غیر صحیحین میں مدلس کی معنعن روایت ضعیف ہوتی ہے۔ بہت سے علماء نے امام ترمذی اور حافظ ابن حزم دونوں کو متساہل بھی کہا ہے۔

مثلاً دیکھئے ذکر من یعتمد قولہ فی الجرح والتعدیل للذہبی (ص ۱۵۹، یا ص ۲) المتکلمون فی الرجال للسخاوی (ص ۱۳۷) اور میری کتاب: توضیح الاحکام (۱/۲ ۵۷ ـ ۵۸۲)

متعدد بریلوی و دیوبندی ''علماء'' نے بھی امام ترمذی کو متساہل قرار دیا ہے اور حافظ ابن حزم سے تو انھیں خاص دشمنی ہے۔

تعجب ہے کہ اصولِ حدیث اور جمہور محدثین کے خلاف صرف ترمذی کی تحسین اور ابن حزم کی تصحیح کو یہاں قبول کیا جاتا ہے۔! کیا کوئی ہے جو انصاف کرے؟!

رفع الیدین قبل الرکوع و بعدہ کے مسئلے پر تفصیل کے لئے امام بخاری کی کتاب: جزء رفع الیدین اور میری کتاب نور العینین فی اثبات مسئلہ رفع الیدین کا مطالعہ کریں۔

ان شاء اللہ حق واضح ہو جائے گا۔ وما علینا إلا البلاغ (۱۷/ستمبر ۲۰۰۹ء)

تین رکعت وتر کا طریقہ

الحمدللّٰہ ربّ العالمین والصّلوٰۃ والسّلام علیٰ رسولہ الأمین، أما بعد:

تین رکعت وتر کے طریقے کے بارے میں ایک تمثیلی مکالمہ پیشِ خدمت ہے:

بریلوی: نبی ﷺ سے وتر کی کتنی رکعات ثابت ہیں؟

سُنی: رسول اللہ ﷺ سے ایک رکعت وتر بھی ثابت ہے، تین اور پانچ بھی۔ مثلاً:

سیدنا ابوایوب الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((الوتر حق، فمن شاء أوتر بخمس ومن شاء أوتر بثلاث ومن شاء أوتر بواحدة .)) وتر حق ہے، پس جس کی مرضی ہو پانچ وتر پڑھے، جو چاہے تین وتر پڑھے اور جو چاہے ایک وتر پڑھے۔

(سنن النسائی ج ۳ ص ۲۳۸ حدیث نمبر: ۱۷۱۲، وسندہ صحیح، سنن ابی داود ج ۱ ص ۲۰۸ ح ۱۴۲۲)

اس حدیث کو درج ذیل اماموں نے صحیح قرار دیا ہے:

۱: ابن حبان (صحیح ابن حبان، الاحسان: ۲۴۰۲، دوسرا نسخہ: ۲۴۱۰)

۲: حاکم (المستدرک ج ۱ ص ۳۰۲ ح ۱۱۲۸)

۳: ذہبی (تلخیص المستدرک ج ۱ ص ۳۰۲)

اس حدیث کے سارے راوی ثقہ (قابلِ اعتماد) ہیں لہٰذا بعض راویوں کا اسے موقوف بیان کرنا ذرا بھی مضر نہیں ہے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''**فیحتمل أن یکون یرویه من فتیاہ مرۃ و من روایته أخری**'' پس اس کا احتمال ہے کہ انھوں نے ایک دفعہ اسے بطورِ فتویٰ روایت کیا ہو اور دوسری دفعہ اپنی روایت سے بیان کر دیا ہو۔

(معرفۃ السنن والآثار ج ۲ ص ۳۱۷ تحت ح ۱۳۹۴)

جب مرفوع اور موقوف کا اختلاف ہو جائے تو کیا کرنا چاہئے؟ اس کے جواب میں عرض ہے

کہ عینی حنفی نے لکھا ہے:

"قلت :الحکم للرافع لأنه زاد والراوي قد يفتي بالشئ ثم يرويه مرة أخرى و يجعل الموقوف فتوى فلا يعارض المرفوع"

میں نے کہا: فیصلہ مرفوع بیان کرنے والے کے بارے میں ہے کیونکہ اُس نے اضافہ بیان کیا اور راوی بعض اوقات فتویٰ دیتا ہے پھر دوسری دفعہ اسے روایت (بیان) کر دیتا ہے اور موقوف کو فتویٰ بنایا جاتا ہے لہٰذا اس کے ساتھ مرفوع کا معارضہ نہیں کیا جاتا۔

(عمدۃ القاری ج ۳ ص ۸۶ تحت ح ۱۹۳، باب وضوء الرجل مع امرأتہ وفضل وضوء المرأۃ)

حدیثِ مذکور کے راوی سیدنا ابو ایوب الانصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"الوتر حق فمن أحب أن يوتر بخمس ركعات فليفعل و من أحب أن يوتر بثلاث فليفعل ومن أحب أن يوتر بواحدة فليفعل ." وتر حق ہے، پس جو شخص پانچ وتر پڑھنا چاہے تو پانچ پڑھے، جو شخص تین وتر پڑھنا چاہے تو تین پڑھے اور جو شخص ایک وتر پڑھنا چاہے تو وہ ایک وتر پڑھے۔ (سنن النسائی ج ۳ ص ۲۳۸۔۲۳۹ ح ۱۷۱۳، وسندہ صحیح)

ایک وتر کا طریقہ تو بہت آسان ہے: تشہد، درود اور دعا کے بعد سلام پھیر دیں۔

اگر کوئی شخص ایک رکعت وتر کا انکار کرے تو عرض ہے کہ ایک رکعت وتر رسول اللہ ﷺ کی صحیح اور متواتر احادیث سے ثابت ہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ، معاویہ رضی اللہ عنہ اور بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین و تابعین عظام رحمہم اللہ سے ثابت ہے اور بہت سے سلف صالحین کا اس پر عمل رہا ہے۔

تفصیل کے لئے دیکھئے شیخ ابو عمر عبدالعزیز نورستانی حفظہ اللہ کی عظیم الشان کتاب:

"الدلیل الواضح علیٰ ان الایتار برکعۃ واحدۃ شرعۃ الرسول الناصح ﷺ"

پانچ رکعت وتر کا طریقہ یہ ہے کہ پہلی رکعت سے لے کر پانچویں تک کسی رکعت میں تشہد کے لئے نہ بیٹھے اور پانچویں یعنی آخری رکعت میں تشہد، درود اور دعا پڑھ کر سلام پھیر دے۔ حدیث میں آیا ہے کہ "يوتر من ذلك بخمس ، لا يجلس في شئ إلا في

آخرھا ‘‘ آپ ان سے پانچ (رکعتوں) کے ساتھ وتر پڑھتے، آپ ان میں سے کسی میں بھی نہ بیٹھتے، اِلا یہ کہ آپ آخری رکعت میں بیٹھتے تھے۔ (صحیح مسلم ج۱ص۲۵۴ ح۷۳۷)

ایک اور روایت میں آیا ہے کہ ’’أن النبي ﷺ کان یوتر بخمس رکعات، لا یجلس إلا في آخر ھن ‘‘ بے شک نبی ﷺ پانچ رکعتیں وتر پڑھتے، آپ صرف آخری رکعت میں بیٹھتے تھے۔ (مسند احمد ج۶ص۲۰۵ وسندہ صحیح)

تین رکعت وتر کا طریقہ یہ ہے کہ دو رکعتیں پڑھ کر سلام پھیر دے اور پھر ایک رکعت پڑھ کر سلام پھیر دے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی بیان کردہ ایک روایت میں آیا ہے کہ ’’ثمّ یصلّي ثلاثًا ‘‘ پھر آپ (ﷺ) تین (رکعتیں) پڑھتے تھے۔

(صحیح بخاری ج۱ص۱۵۴ ح۱۱۴۷، صحیح مسلم ج۱ص۲۵۴ ح۷۳۸)

اس کی تشریح میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے کہ ’’یسلّم بین کلّ رکعتین و یوتر بواحدۃ ‘‘ آپ (ﷺ گیارہ رکعتیں پڑھتے) ہر دو رکعتوں کے درمیان سلام پھیر دیتے اور ایک وتر پڑھتے تھے۔ (صحیح مسلم ج۱ص۲۵۴ ح۷۳۶، ترقیم دار السلام:۱۷۱۸)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تین رکعات وتر میں دوسری رکعت پر تشہد پڑھ کر سلام پھیر دیں اور پھر ایک وتر علیحدہ پڑھیں۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ’’کان رسول اللہ ﷺ یفصل بین الشفع والوتر بتسلیم یسمعناہ ‘‘ رسول اللہ ﷺ وتر کی جفت اور طاق رکعتوں کے درمیان سلام سے جدائی ڈالتے تھے، آپ یہ سلام ہمیں سناتے تھے۔

(صحیح ابن حبان، الاحسان ج۶ص۱۹۱ ح۲۴۳۵، دوسرا نسخہ:۲۴۲۶)

اس روایت کی سند قوی (یعنی حسن وصحیح) ہے۔

اب اس حدیث کے راوی کا عمل پیشِ خدمت ہے:

بکر بن عبداللہ المزنی رحمہ اللہ (تابعی) سے روایت ہے کہ ’’أن ابن عمر صلّی

ركعتين ثم سلّم ثم قال: أدخلوا إلي ناقتي فلانة ، ثم قام فأوتر بركعة.''
بے شک ابن عمر (رضی اللہ عنہ) نے دو رکعتیں پڑھیں پھر سلام پھیرا، پھر کہا: میری فلانی اونٹنی لے آؤ۔ پھر آپ کھڑے ہوئے تو آپ نے ایک رکعت وتر پڑھا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۹۲ ح ۶۸۰۶ وسندہ صحیح)

اس جیسی ایک روایت کے بارے میں حافظ ابن حجر نے فرمایا:

'' بإسناد صحيح عن بكر بن عبدالله المزني ..''

بکر بن عبداللہ المزنی سے صحیح سند کے ساتھ... (فتح الباری ج ۲ ص ۴۸۲ تحت ح ۹۹۱)

امام نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہ) وتر کی دو رکعتوں اور ایک رکعت کے درمیان سلام پھیرتے تھے، حتیٰ کہ آپ اپنی بعض ضرورتوں کا حکم (بھی) دیتے تھے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۳۵ ح ۹۹۱)

تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب: ہدیۃ المسلمین (ص ۶۲ ۔ ۶۳ حدیث نمبر ۲۶)

بریلوی: جس حدیث میں پانچ رکعت کا ذکر ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ تین رکعت وتر، دو رکعت نفل۔

سنی: آپ کا یہ خود ساختہ مطلب صحیح حدیث کے خلاف ہے، کیونکہ حدیث میں آیا ہے:
بے شک نبی ﷺ پانچ رکعتیں وتر پڑھتے، آپ صرف آخری رکعت میں بیٹھتے تھے۔

(حوالہ سابقہ جواب میں گزر چکا ہے)

عروہ بن الزبیر رحمہ اللہ (تابعی) پانچ وتر پڑھتے، آپ ان میں سلام نہیں پھیرتے تھے۔

(دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۹۴ ح ۶۸۲۶ وسندہ صحیح)

بریلوی: امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ وتر کی تین رکعت پڑھی جائیں، دو رکعتیں پڑھنے کے بعد بیٹھ کر تشہد عبدہ ورسولہ تک پڑھا جائے، اس کے بعد کھڑے ہو کر تیسری رکعت پڑھ کر، تشہد پڑھ کے سلام پھیر دیا جائے۔

سنی: امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت سے یہ مذہب باسند صحیح یا حسن لذاتہ ثابت نہیں ہے۔

محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی اور ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم القاضی کے حوالے پیش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ یہ دونوں جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف و مجروح تھے۔
دیکھئے کتاب: تحقیقی، اصلاحی اور علمی مقالات (ج ۲ ص ۳۴۱ تا ۳۶۴، ج ۱ ص ۵۳۳ تا ۵۴۸)

☆ ابن فرقد کے بارے میں امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: ''لیس بشيءٍ'' وہ کچھ چیز نہیں ہے۔ (تاریخ ابن معین، روایۃ الدوری: ۱۷۷۰)

امام احمد بن حنبل نے فرمایا: ''لیس بشيءٍ و لا یکتب حدیثه'' وہ کچھ چیز نہیں ہے اور اس کی حدیث نہ لکھی جائے۔ (الکامل لابن عدی ج ۶ ص ۲۱۸۳ وسندہ صحیح)

امام عمرو بن علی الفلاس نے فرمایا: ضعیف ہے۔ (تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۸۱، وسندہ صحیح)

☆ یعقوب بن ابراہیم کے بارے میں یحییٰ بن معین نے فرمایا: ''لا یکتب حدیثه'' اس کی حدیث نہ لکھی جائے۔

(الکامل لابن عدی ج ۸ ص ۴۶۶ وسندہ صحیح، تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۲۵۸)

امام یزید بن ہارون نے فرمایا: اس سے روایت کرنا حلال نہیں ہے۔
(الضعفاء للعقیلی ج ۴ ص ۴۴۰ وسندہ صحیح، تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۲۵۸ وسندہ صحیح)

یاد رہے کہ قدوری، ہدایہ اور شامی وغیرہ کی کتابوں کے حوالے پیش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ یہ کتابیں امام ابو حنیفہ نے نہیں لکھیں اور نہ اُن تک مسائل کی صحیح متصل سند موجود ہے۔

بریلوی: امام ابو حنیفہ دلیل یہ دیتے ہیں کہ حدیث میں ہے: ہر دو رکعت کے بعد بیٹھ کر تشہد پڑھا جائے۔

اس حدیث کو روایت کرنے والی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''و کان یقول: في کل رکعتین التحیة'' رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ ہر دو رکعتوں میں تشہد ہے۔
(صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۹۴ ح ۴۹۸)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ہر دو رکعت کے بعد تشہد پڑھنا چاہئے: خواہ سنت کی نماز

ہو، نفل ہو، فرض ہو یا وتر۔

سُنی: امام ابوحنیفہ سے قطعاً یہ ثابت نہیں ہے کہ انھوں نے مسئلے کی دلیل کے لئے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ حدیث کو پیش کیا تھا بلکہ اُن سے یہ مسئلہ ہی ثابت نہیں ہے۔

جب دو دلیلیں صحیح ہوں، ایک میں خاص مسئلہ ہو اور دوسری میں عام استدلال ہو تو عام کے مقابلے میں خاص مقدم ہوتا ہے۔ دیکھئے علمی مقالات (ج ۲ ص ۲۵ تا ۴۱)

امام ابوحیان محمد بن یوسف الاندلسی رحمہ اللہ (متوفی ۷۴۵ھ) نے فرمایا:

''ولا شك أن الخاص مقدّم على العام'' اور اس میں کوئی شک نہیں کہ عام پر خاص مقدم ہے۔ (تفسیر: البحر المحیط ج ۳ ص ۱۶۸، سورۃ النساء: ۱۔۱۰)

جب خاص اور صریح حدیث موجود ہے کہ'' بے شک نبی ﷺ پانچ رکعتیں وتر پڑھتے، آپ صرف آخری رکعت میں بیٹھتے تھے۔'' (مسند احمد ۶/۲۰۵ وسندہ صحیح)

اس کے مقابلے میں عام دلیل پیش کرنا غلط ہے۔

بریلوی: عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث کہ'' آپ ﷺ وتروں کی آخری رکعت پر بیٹھتے تھے، پہلے نہیں بیٹھتے تھے۔'' اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ وتر کی تینوں رکعتیں پڑھنے کے بعد سلام پھیرتے تھے، دو رکعتیں پڑھنے کے بعد سلام نہیں پھیرتے تھے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

''كان رسول الله ﷺ يوتر بثلاث لا يسلّم إلا في آخرهن''

رسول اللہ ﷺ تین رکعت وتر پڑھتے تھے، صرف ان کے آخر میں سلام پھیرتے تھے۔

اس حدیث کو امام حاکم نے المستدرک میں روایت کیا ہے اور ساتھ یہ بھی کہا کہ یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرائط پر ہے۔

سُنی: یہ مطلب کس نے بیان کیا ہے؟

آپ لوگوں کا یہ دعویٰ ہے کہ آپ فقہ میں امام ابوحنیفہ کے مقلد ہیں لہٰذا اپنے اس دعوے کے مطابق یہ مطلب امام ابوحنیفہ سے باسند صحیح ثابت کریں اور اگر نہ کرسکیں تو پھر اس

خودساختہ مطلب کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ آپ کی پیش کردہ روایت اُصولِ حدیث کی رُو سے ضعیف ہے۔

اس روایت کے ایک بنیادی راوی قتادہ (بن دعامہ) ہیں۔

(دیکھئے المستدرک ج۱ص۳۰۴ح۱۱۴۰)

قتادہ رحمہ اللہ مدلس تھے۔خود حاکم نیشاپوری نے اسی کتاب المستدرک میں فرمایا:

"قتادة علٰی علو قدره یدلس"

قتادہ عالی قدر ہونے کے ساتھ تدلیس (بھی) کرتے تھے۔ (المستدرک ج۱ص۲۳۳ح۸۵۱)

اس کی تلخیص میں حافظ ذہبی نے فرمایا: "فإن قتادة یدلس"

پس بے شک قتادہ تدلیس کرتے تھے۔ (تلخیص المستدرک ج۱ص۲۳۳)

تفصیل کے لئے دیکھئے علمی مقالات (ج۱ص۲۶۰تا۲۶۲)

مدلس راوی کے بارے میں یہ اصول ہے کہ (صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے علاوہ دوسری کتابوں میں) اس کی عن والی روایت ضعیف ہوتی ہے، جیسا کہ احمد رضا خان بریلوی نے لکھا ہے: "اور عنعنۂ مدلس جمہور محدثین کے مذہب مختار ومعتمد میں مردود ونامستند ہے"

(فتاویٰ رضویہ ج۵ص۲۴۵، پرانا نسخہ ج۲ص۲۹۰)

مستدرک میں قتادہ والی روایتِ مذکورہ چونکہ عن سے ہے لہٰذا ضعیف ہے۔

فائدہ: مستدرک والی اس ضعیف روایت میں "لا یسلّم" والے الفاظ کئی وجہ سے غلط ہیں:

۱: بیہقی نے حاکم سے، مستدرک کی اسی روایت کو "لا یقعد إلا في آخر هن" "آپ نہیں بیٹھتے تھے مگر آخری رکعت میں، کے الفاظ سے روایت کیا ہے۔ (السنن الکبریٰ ج۳ص۲۸)

۲: ذہبی نے "لا یقعد إلا في آخر هن" کے الفاظ کے ساتھ اس روایت کو نقل کیا ہے۔ (تلخیص المستدرک ج۱ص۳۰۴، نیز دیکھئے المہذب فی اختصار السنن الکبیر ۲/۴ح ۳۴۲۶، دوسرا نسخہ ۹۶۱/۲ح۴۲۶۶)

۳: مستدرک کے دوسرے نسخے میں" لا یقعد " کے الفاظ ہیں، جیسا کہ بریلوی کی مذکورہ روایت کے نیچے لکھا ہوا ہے۔ دیکھئے المستدرک (ج ۱ ص ۳۰۴) نیز دیکھئے ص ۲۱۷

۴: حافظ ابن حجر العسقلانی نے اسی روایت کو حاکم سے" لا یقعد إلا في آخر ھن " کے الفاظ سے نقل کیا ہے۔ دیکھئے فتح الباری (ج ۲ ص ۴۸۱، کتاب الوتر باب ماجاء فی الوتر)

معلوم ہوا کہ یہ ضعیف حدیث بھی بریلویوں کی دلیل نہیں بلکہ اہل سنت (اہلِ حدیث) کی دلیل ہے کہ تین رکعتوں کے درمیان (مغرب کی طرح) نہیں بیٹھنا چاہئے۔

بریلوی: دوسری حدیث مسند امام احمد صفحہ ۱۵۶ جلد نمبر ۶

...عائشہ (رضی اللہ عنہا) فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعت وتر پڑھتے تھے، ان کے درمیان سلام کر کے فاصلہ نہیں کرتے تھے۔ **ثم أوتر بثلاث لا یفصل بینھن .**

اس حدیث سے بھی یہی ثابت ہوا کہ وتر کی دو رکعتوں کے بعد سلام نہیں پھیرنا چاہئے، باقی بیٹھ کر تشہد پڑھنا چاہئے۔

سُنّی: مسند احمد (ج ۶ ص ۱۵۵۔۱۵۶ ح ۲۵۲۲۳) کی یہ روایت دو وجہ سے ضعیف ہے:

۱: حسن بصری رحمہ اللہ ثقہ امام ہونے کے ساتھ مدلس بھی تھے اور یہ روایت عن سے ہے۔

حافظ ابن حجر العسقلانی نے لکھا ہے:" ... **وکان یرسل کثیرًا و یدلّس ..** "اور آپ کثرت سے مرسل روایتیں بیان کرتے اور تدلیس کرتے تھے۔ (تقریب التہذیب: ۱۲۲۷)

حافظ ذہبی نے بھی حسن بصری کو مدلس قرار دیا۔ (دیکھئے طبقات الشافعیۃ الکبریٰ للسبکی ج ۵ ص ۲۱۸)

بلکہ فرمایا:" **نعم، کان الحسن کثیر التدلیس ...** " جی ہاں! حسن بہت زیادہ تدلیس کرنے والے تھے۔ (میزان الاعتدال ج ۱ ص ۵۲۷ ت ۱۹۶۸، دوسرا نسخہ ج ۲ ص ۲۸۱)

۲: یزید بن یعفر کے بارے میں محدثین کا اختلاف ہے۔ حافظ ابن حبان نے اسے کتاب الثقات (۶۳۰/۷) میں ذکر کیا اور دارقطنی نے فرمایا:" **بصري معروف یعتبر به** " بصری معروف ہے، اس کی روایت بطورِ اعتبار (یعنی شواہد و متابعات میں) لی جاتی ہے۔

(سوالات البرقانی ص ۷۲، فقرہ: ۵۵۶)

امام دارقطنی جس راوی کے بارے میں ''يعتبر به '' کہتے تھے، یہ توثیق نہیں بلکہ ہلکی جرح ہوتی تھی۔ مثلاً انھوں نے عبدالرزاق بن عمر الدمشقی کے بارے میں کہا:

''هو ضعيف يعتبر به '' (سوالات البرقانی ص ۴۸، فقرہ: ۳۳۳)

یزید بن یعفر کے بارے میں حافظ ذہبی نے کہا: ''ليس بحجة '' وہ حجت نہیں ہے۔

(میزان الاعتدال ج ۴ ص ۴۴۲)

بریلوی: تیسری حدیث وہ ہے... جس کے الفاظ ہیں:

''لا يقعد بينهن إلا في آخر هن '' جس کا مطلب یہ بیان کیا گیا کہ صرف آخری رکعت پر بیٹھنا چاہئے، درمیان میں نہیں، حالانکہ یہ مطلب و معنی غلط ہے، کسی محدث اور عالم نے یہ معنی نہیں کیا...

سُنی: اس حدیث کا ترجمہ درج ذیل ہے:

لا (نہیں) يقعد (بیٹھتے تھے) بينهن (ان کے درمیان) إلا (مگر) في آخر هن (آخر میں)

اس ترجمے سے صاف ثابت ہوا کہ اس (ضعیف) حدیث کا بھی یہی مطلب ہے کہ وتر کی تین رکعتوں کے درمیان نہیں بیٹھنا چاہئے بلکہ آخر میں بیٹھنا چاہئے۔

امام بیہقی نے اس حدیث پر درج ذیل باب باندھا ہے:

''باب من أوتر بخمس أو ثلاث لا يجلس ولا يسلّم إلا فى الآخرة منهن ''

باب: جو پانچ یا تین وتر پڑھے، وہ نہ بیٹھے اور نہ سلام پھیرے مگر ان کی صرف آخری رکعت میں۔ (السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۲۷)

کیا امام بیہقی محدث اور عالم نہیں تھے؟

یہ مطلب و معنی کیوں غلط ہے، جبکہ امام بیہقی جیسے مشہور امام نے یہ مطلب و معنی بیان کیا ہے؟

امام بیہقی نے فرمایا کہ حاکم نیشاپوری نے کہا: ''حدثنا محمد بن صالح بن هانئ: ثنا الحسين بن الفضل البجلي: ثنا مسلم بن إبراهيم و سليمان بن حرب قالا:

ثنا جرير بن حازم عن قيس بن سعد عن عطاء أنه كان يوتر بثلاث لا يجلس فيهن ولا يتشهد إلا في آخر هن ''قیس بن سعد (ثقہ) سے روایت ہے کہ عطاء (بن ابی رباح رحمہ اللہ/ تابعی) تین وتر پڑھتے، آپ اُن میں نہ بیٹھتے اور صرف ان کے آخر میں ہی تشہد پڑھتے تھے۔ (السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۲۹)

اس روایت کی سند حسن لذاتہ ہے۔ نیز دیکھئے ص ۲۱۷

حاکم صدوق تھے اور یہ روایت المستدرک (۳۰۵/۱) میں بھی موجود ہے لیکن وہاں کتابت یا ناسخ کی غلطی سے الحسین بن الفضل البجلی کے بجائے الحسن بن الفضل چھپ گیا ہے۔ نیموی (تقلیدی) نے حسن بن الفضل پر جرح نقل کر دی ہے۔ (دیکھئے آثار السنن ص ۳۲۲ تحت ح ۶۲۵)

حالانکہ ہماری بیان کردہ سند میں حسن بن الفضل نہیں بلکہ الحسین بن الفضل البجلی راوی ہیں، جن کے حالات لسان المیزان (۳۷۵/۲ ت ۲۷۸۷) میں موجود ہیں اور حاکم و ذہبی دونوں نے ان کی بیان کردہ حدیث کو صحیح کہا ہے۔ دیکھئے المستدرک (۱۲۵/۳)

اُن کے بارے میں حافظ ذہبی نے کہا: '' العلامة المفسّر الإمام اللغوي المحدّث... عالم عصره '' (سیر اعلام النبلاء ۴۱۴/۱۳)

اور فرمایا: '' وكان آية في معاني القرآن ، صاحب فنون و تعبد ... ''وہ قرآن کے معانی میں نشانی (یعنی بہت ماہر) تھے، فنون اور عبادت والے تھے...

(العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۴۰۶ وفیات ۲۸۲ھ)

حاکم کے استاذ محمد بن صالح بن ہانی ثقہ تھے۔

(لسان المیزان ج ۵ ص ۲۳۹ ترجمہ محمد بن عبداللہ بن خلیفہ بن الجارود، المنتظم لابن الجوزی ۸۶/۱۴ ت ۲۵۳۱)

مسلم بن ابراہیم اور سلیمان بن حرب دونوں ثقہ تھے۔

دیکھئے تقریب التہذیب (۶۶۱۶، ۲۵۴۵)

جریر بن حازم صحیحین کے راوی اور جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق تھے، اُن پر جرح مردود ہے۔

تنبیہ: جریر بن حازم سے تدلیس کرنا ثابت نہیں ہے۔
دیکھئے الفتح المبین فی تحقیق طبقات المدلسین (ص ۲۱)

خلاصہ یہ کہ یہ سند حسن لذاتہ ہے۔

فائدہ: ایک روایت میں آیا ہے کہ طاؤس (ثقہ تابعی) رحمہ اللہ تین وتر پڑھتے تھے، آپ ان میں نہیں بیٹھتے تھے۔ (مصنف عبدالرزاق ۳/۲۷ ح ۴۶۶۹)

اس کی سند امام عبدالرزاق بن ہمام (مدلس) کے عن کی وجہ سے ضعیف ہے۔

جو لوگ حافظ ابن حجر کی کتاب: طبقات المدلسین کے طبقات پر اندھا دھند ایمان رکھتے ہیں تو اُن کی خدمت میں عرض ہے کہ عبدالرزاق کو حافظ ابن حجر نے طبقۂ ثانیہ میں ذکر کیا ہے۔ (دیکھئے طبقات المدلسین ۲/۵۸)

لہٰذا تمھارے اُصول سے یہ روایت صحیح ہے۔!

تابعی امام عطاء بن ابی رباح کے واضح عمل کے بعد بھی یہ کہنا کہ ''یہ مطلب و معنی غلط ہے'' کیا معنی رکھتا ہے؟

بریلوی: سارے علماء یہی فتویٰ دیتے ہیں کہ وتروں کی دو رکعتوں کے بعد بیٹھنا چاہئے۔

سُنی: امام عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ جو تین وتر کی صرف آخری رکعت میں بیٹھتے تھے اور اس کے درمیان نہیں بیٹھتے تھے، کیا عالم نہیں تھے؟

امام بیہقی کے بارے میں کیا خیال ہے؟ جنھوں نے فرمایا:

جو پانچ یا تین وتر پڑھے، وہ نہ بیٹھے اور نہ سلام پھیرے مگر ان کی صرف آخری رکعت میں۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ۳/۲۷)

کیا امام بیہقی بھی عالم نہیں تھے؟

کچھ تو غور کریں، اگر ہم عرض کریں تو شکایت ہوگی۔!

بریلوی: آپ کے امام خود بھی گمراہ ہیں، جس نے کتاب لکھی ہے وہ گمراہ ہے۔

سُنی: ہمارے امام تمام صحابۂ کرام، ثقہ و صدوق تابعین، ثقہ و صدوق تبع تابعین اور تمام

مستند وقابلِ اعتماد ائمۂ مسلمین ہیں، کیا اُن پر بھی یہ فتویٰ لگادو گے؟

اہلِ حدیث (اہلِ سنت) کے نزدیک قرآن مجید اور حدیث (یعنی رسول اللہ ﷺ کی صحیح اور مقبول حدیثیں) حجت ہیں۔

چونکہ امت کے اجماع کا حجت ہونا صحیح حدیث سے ثابت ہے لہٰذا صحیح و ثابت شدہ اجماع شرعی حجت ہے۔

قرآن وحدیث کا وہی مفہوم اور شرح حجت ہے جو سلف صالحین سے اختلاف کے بغیر ثابت ہے۔

جو مسئلہ ان تین دلیلوں (ادلۂ ثلاثہ) میں نہ ملے تو پھر اجتہاد جائز ہے۔

اجتہاد کے تحت آثارِ سلف صالحین اور قیاس وغیرہ سے استدلال جائز ہے، بشرطیکہ یہ کتاب وسنت اور اجماع کے خلاف نہ ہو۔

تمام صحابہ رضی اللہ عنہم، ثقہ وصدوق صحیح العقیدہ تابعین، تبع تابعین اور قابلِ اعتماد ائمۂ اہلِ سنت سے محبت کرنا فرض ہے۔

تقلید جائز نہیں ہے لہٰذا عالم کو چاہئے کہ دلیل دیکھ کر عمل کرے اور فتویٰ بھی دے۔ جاہل کو چاہئے کہ عالم سے (دلیل کے مطالبے کے ساتھ) مسئلہ پوچھ کر عمل کرے اور یادرہے کہ یہ تقلید نہیں ہے۔

کیا ایسے عقائد اور نظریات والا شخص بریلویوں کے نزدیک گمراہ ہوتا ہے؟

کیا آپ نے اپنے گریبان میں جھانک کر اپنا بھی جائزہ لیا ہے کہ کہیں آپ خود تو گمراہ نہیں؟!

گمراہ تو وہ ہے جو قرآن وحدیث اور اجماع نہیں مانتا، سلف صالحین کے متفقہ فہم کی مخالفت کرتا ہے اور شرک وبدعت کی ترویج میں دن رات مصروف ہے۔

خلاصۃ التحقیق: قارئین کرام!

اس ساری بحث وتحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ وتر ایک بھی صحیح ہے، تین بھی صحیح ہیں اور پانچ بھی، تین وتر کا طریقہ یہ ہے کہ دو پڑھ کر سلام پھیر دیں اور ایک وتر علیحدہ پڑھیں۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لا توتروا بثلاث تشبهوا بصلاة المغرب ولكن أوتروا بخمس ...))

تین وتر نہ پڑھو، مغرب کی نماز کے مشابہ لیکن پانچ وتر پڑھو... (المستدرک ج۱ ص۳۰۴ ح۱۱۳۷)

اس حدیث کو حاکم، ذہبی اور ابن حبان (الاحسان ۴/ ۱۷۱ ح ۲۴۲۰) وغیرہم نے صحیح قرار دیا ہے۔

حافظ ابن حجر العسقلانی نے روایتِ مذکورہ کو ''و إسناده علٰى شرط الشيخين'' قرار دے کر بعد میں فرمایا: ''والجمع بين هذا و بين ما تقدم من النهي عن التشبه بصلوة المغرب أن يحمل النهي عن صلوة الثلاث بتشهدين و قد فعله السلف أيضًا ...'' اور اس روایت اور نمازِ مغرب سے تشبہ (مشابہت) کی سابقہ روایت میں جمع یہ ہے کہ ممانعت کو تین (وتر) کی نماز دو تشہدوں پر محمول کیا جائے اور سلف نے بھی ایسا کیا ہے... (فتح الباری ج۲ ص۴۸۱)

حافظ ابن حجر کی اس تشریح وتفہیم سے معلوم ہوا کہ تین وتر اگر کوئی شخص ایک سلام سے پڑھے تو درمیان میں تشہد کے لئے نہ بیٹھے بلکہ صرف آخر میں ہی تشہد پڑھ کر سلام پھیر دے۔ امام عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ کے عمل سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

یہ ثابت ہے کہ پانچ رکعت وتر کے درمیان سلام نہیں پھیرنا چاہئے، کیونکہ آپ ﷺ پانچ وتر میں صرف آخری رکعت میں ہی بیٹھتے تھے، اس سے بھی حافظ ابن حجر کی تائید ہوتی ہے۔

تنبیہ: میری تحقیق میں کسی صحیح یا حسن لذاتہ حدیث میں رسول اللہ ﷺ سے ایک سلام کے ساتھ تین رکعت وتر ثابت نہیں ہیں لیکن بعض صحابہ وتابعین سے ایک سلام کے ساتھ ضرور ثابت ہیں لہٰذا بہتر یہ ہے کہ تین وتر دو سلام کے ساتھ پڑھے جائیں، اگر ایک سلام سے پڑھیں تو اس مضمون میں احادیثِ مذکورہ کی رُو سے دوسری رکعت میں تشہد کے لئے نہ بیٹھیں بلکہ صرف آخر میں تشہد، درود اور دعا پڑھ کر دونوں طرف سلام پھیر دیں۔

وما علينا إلا البلاغ (۲۳/ نومبر ۲۰۰۹ء)

خطبۂ جمعہ کے مسائل

الحمد لله ربّ العالمين والصّلوٰة والسّلام علىٰ رسوله الأمين ، أما بعد:

اس مختصر مضمون میں خطبۂ جمعہ کے بعض مسائل پیشِ خدمت ہیں:

١) رسول اللہ ﷺ منبر پر خطبۂ جمعہ ارشاد فرماتے تھے۔ دیکھئے صحیح ابن خزیمہ (١٤٠/١ ح ١٧٧٧، وسندہ حسن) صحیح بخاری (١٠٣٣) اور صحیح مسلم (٨٩٧، دارالسلام: ٢٠٨٢)

٢) آپ ﷺ کے منبر کے تین درجے یعنی تین زینے تھے۔

دیکھئے المستدرک للحاکم (١٥٣/٤۔١٥٤ ح ٧٢٥٦، وسندہ حسن) اور میری کتاب: فضائلِ درود وسلام (ص ٦٠۔٦٢)

٣) رسول اللہ ﷺ کے منبر اور قبلے (کی دیوار) کے درمیان بکری کے گزرنے جتنی جگہ تھی۔ دیکھئے صحیح مسلم (٥٠٩) صحیح بخاری (٤٩٧) اور سنن ابی داود (١٠٨٢، وسندہ صحیح)

٤) آپ ﷺ کا منبر لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ دیکھئے صحیح بخاری (٩١٧) اور صحیح مسلم (٥٤٤)

٥) رسول اللہ ﷺ منبر کے تیسرے زینے پر بیٹھتے تھے۔

(صحیح ابن خزیمہ ١٤٠/١ ح ١٧٧٧، وسندہ حسن، نیز دیکھئے فقرہ نمبر ١)

٦) کسی صحیح حدیث سے یہ ثابت نہیں ہے کہ خطیب منبر پر بیٹھ کر لوگوں کو السلام علیکم کہے۔ اس سلسلے میں سنن ابن ماجہ (١١٠٩) وغیرہ والی روایت عبداللہ بن لہیعہ کے ضعف (بوجۂ اختلاط) اور تدلیس (عن) کی وجہ سے ضعیف ہے۔ مصنف ابن ابی شیبہ اور مصنف عبدالرزاق وغیرہما میں اس کے ضعیف شواہد بھی ہیں، جن کے ساتھ مل کر یہ روایت ضعیف ہی ہے۔

اگر امام مسجد میں پہلے سے موجود ہو تو بغیر سلام کے منبر پر چڑھ جائے اور اذان کے بعد خطبہ شروع کر دے اور اگر باہر سے مسجد میں آئے تو مسجد میں داخل ہوتے وقت سلام کہہ دے۔

عمرو بن مہاجر سے روایت ہے کہ عمر بن عبدالعزیز (رحمہ اللہ) جب منبر پر چڑھ جاتے تو لوگوں کو سلام کہتے اور لوگ اُن کا جواب دیتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۱۱۴ ح ۵۱۹۷ وسندہ حسن)

۷) خطبۂ جمعہ میں عصا (لاٹھی) یا کمان پکڑنا رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔
دیکھئے سنن ابی داود (۱۰۹۶، وسندہ حسن وصححہ ابن خزیمۃ: ۱۴۵۲)

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ہاتھ میں عصا لے کر منبر پر خطبہ دیا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۱۱۵ ح ۵۲۰۷ وسندہ حسن)

یاد رہے کہ خطبۂ جمعہ میں عصا یا کمان پکڑنا ضروری نہیں لہٰذا ان کے بغیر بھی خطبہ جائز ہے۔
فائدہ: خطبے کے علاوہ بھی رسول اللہ ﷺ سے عصا پکڑنا ثابت ہے۔
دیکھئے مسند احمد (۶/۲۳ وسندہ حسن) وصححہ ابن حبان (۶۷۷۴) والحاکم (۲/۲۸۵، ۴/۴۲۵۔۴۲۶) ووافقہ الذہبی۔

۸) سیدنا سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں، ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں جب امام جمعہ کے دن منبر پر بیٹھتا تو پہلی اذان ہوتی تھی۔ الخ

(صحیح بخاری: ۹۱۶)

امام سلیمان بن طرخان التیمی رحمہ اللہ اہلِ حدیث (مدلس من الطبقۃ الثانیہ عند الحافظ ابن حجر، ومن الثالثۃ عندنا) نے امام ابن شہاب سے یہی حدیث درج ذیل الفاظ کے ساتھ بیان کی ہے:

" كان النداء على عهد رسول الله ﷺ و أبي بكر و عمر رضي الله عنهما عند المنبر " إلخ رسول اللہ ﷺ، ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں اذان منبر کے پاس ہوتی تھی۔ الخ (المعجم الکبیر للطبرانی ج ۷ ص ۱۴۶۔۱۴۷ ح ۶۶۴۶)

اس روایت کی سند امام سلیمان التیمی تک صحیح ہے لیکن یہ روایت تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔

دو قسم کے لوگوں کے نزدیک یہ روایت بالکل صحیح ہے:

ا: جو لوگ حافظ ابن حجر کی تقسیمِ طبقات پر اندھا دھند اعتماد کرتے ہیں۔

۲: جو لوگ ثقہ راویوں کے مدلس ہونے کے سرے سے منکر ہیں یعنی جماعت المسعودیین جو کہ جدید دور کے خوارج میں سے ایک خارجی فرقہ ہے۔

تنبیہ: مسجد کے دروازے کے پاس اذان دینے والی روایت (سنن ابی داود: ۱۰۸۸) محمد بن اسحاق بن یسار مدلس کے عن کی وجہ سے ضعیف اور سلیمان التیمی کی روایت کے خلاف ہونے کی وجہ سے منکر و مردود ہے۔

۹) ہر خطبۂ جمعہ میں سورۃ قٓ کی تلاوت رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔
دیکھئے صحیح مسلم (۸۷۳، ترقیم دارالسلام: ۲۰۱۴)

علامہ نووی نے کہا: ''و فیه استحباب قراءة قٓ أو بعضها في كلّ خطبة''
اور اس (حدیث) میں (اس کا) ثبوت ہے کہ سورۃ قٓ یا بعض سورۃ قٓ کی قراءت ہر خطبے میں مستحب ہے۔ (شرح صحیح مسلم للنووی ۶/۱۶۱ تحت ح ۸۷۳)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خطبۂ جمعہ میں سورۃ آل عمران کی قراءت پسند کرتے تھے۔
(مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۱۱۵ ح ۵۲۰۳ وسندہ حسن)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے دن خطبے میں سورۃ النحل کی تلاوت کی اور بعد میں لوگوں کو یہ مسئلہ سمجھایا کہ اگر کوئی سجدۂ تلاوت نہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔
(دیکھئے صحیح بخاری: ۱۰۷۷، یعنی سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہے۔)

معلوم ہوا کہ خطبۂ جمعہ میں سورۃ قٓ کا پڑھنا فرض، واجب یا ضروری نہیں بلکہ مسنون ہے۔

۱۰) رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو کر جمعہ کا خطبہ دیتے پھر آپ بیٹھ جاتے پھر کھڑے ہوتے (اور دوسرا خطبہ دیتے) تھے۔ الخ (صحیح بخاری: ۹۲۰، صحیح مسلم: ۸۶۱)

آپ ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ دیتے پھر بیٹھ جاتے پھر کھڑے ہو کر خطبہ دیتے، پس تمھیں جو بتائے کہ آپ بیٹھ کر خطبہ دیتے تھے تو اُس شخص نے جھوٹ کہا۔

(صحیح مسلم:۸۶۲، دارالسلام:۱۹۹۶)

معلوم ہوا کہ (بغیر شرعی عذر کے) جمعہ کے دن بیٹھ کر خطبہ یا تقریر ثابت نہیں ہے۔

۱۱) رسول اللہ ﷺ کی نماز درمیانی ہوتی تھی اور آپ کا خطبہ بھی درمیانہ ہوتا تھا۔ دیکھئے صحیح مسلم (۸۶۶)

ایک دفعہ سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے بہت مختصر اور فصیح و بلیغ خطبہ دیا پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ((**إن طول صلاة الرجل و قصر خطبته مئنة من فقهه فأ طيلوا الصلوة وأقصروا الخطبة و إن من البيان سحرًا .**))

بے شک آدمی کی لمبی نماز اور مختصر خطبہ اس کے فقیہ ہونے کی نشانی ہے لہٰذا نماز لمبی پڑھو اور خطبہ مختصر دو اور بے شک بعض بیان میں جادو ہوتا ہے۔ (صحیح مسلم:۸۶۹)

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

۱: جمعہ کی نماز عام نمازوں سے لمبی اور خطبہ عام خطبوں سے مختصر ہونا چاہئے۔

۲: جو لوگ جمعہ کے دن بہت لمبے خطبے اور بغیر شرعی عذر کے بیٹھ کر خطبہ دیتے ہیں وہ فقیہ نہیں ہیں۔

۱۲) رسول اللہ ﷺ سے درج ذیل خطبہ مطلقاً ثابت ہے:

((**إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَ نَسْتَعِينُهُ، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَ مَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ ، وَ أَشْهَدُ أَن لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَ [أَشْهَدُ] أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُوْلُهُ ، أَمَّا بَعْدُ :**))

(صحیح مسلم:۸۶۸، سنن النسائی ۶/۸۹۔۹۰ ح ۳۲۸۰ وسندہ صحیح والزیادۃ منہ)

((**فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ ، وَ خَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ (ﷺ) وَ شَرَّ الْأُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَ كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ**)) (صحیح مسلم:۸۶۷)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ہر وہ خطبہ جس میں تشہد نہ ہو، اُس ہاتھ کی طرح ہے جو جذام زدہ (یعنی عیب دار اور ناقص) ہے۔

(سنن ابی داود: ۴۸۴۱، وسندہ صحیح وصححہ الترمذی: ۱۱۰۶، وابن حبان: ۱۹۹۴، ۵۷۹)

تشہد سے مراد کلمۂ شہادت ہے۔ دیکھئے عون المعبود (۴۰۹/۴)

تنبیہ: سنن ابی داود (۲۱۱۸) سنن الترمذی (۱۱۰۵) سنن النسائی (۱۴۰۵) اور سنن ابن ماجہ (۱۸۹۲) میں خطبۃ الحاجہ کے نام سے خطبۂ نکاح مذکور ہے، جس میں تین آیات کی تلاوت کا بھی ذکر ہے: النساء (۱) آل عمران (۱۰۲) اور الاحزاب (۷۰۔۷۱)

اس خطبے کی دو سندیں ہیں:

۱: شعبہ وغیرہ عن أبي إسحاق عن أبي عبيدة عن عبدالله بن مسعود رضي الله عنه (یہ سند منقطع ہے۔)

۲: شعبہ کے علاوہ دیگر راوی: عن أبي إسحاق السبيعي عن أبي الأحوص عن عبدالله بن مسعود رضي الله عنه (اس کی سند ابو اسحاق مدلس کی تدلیس یعنی عن کی وجہ سے ضعیف ہے۔)

مسند احمد (۳۹۳/۱ ح ۳۷۲۱) میں شعبہ کی ابو اسحاق عن ابی الاحوص کی سند سے ایک مبتور (کٹی ہوئی، بغیر مکمل سند و متن کے) روایت ہے لیکن اس میں ابو الاحوص کے بعد کی سند مذکور نہیں لہٰذا یہ روایت منقطع ہے۔

امام بیہقی (۱۴۶/۷) نے صحیح سند کے ساتھ شعبہ سے روایت کیا: "عن أبي إسحاق عن أبي عبيدة قال : و أراه عن أبي الأحوص عن عبدالله عن النبي ﷺ"

معلوم ہوا کہ یہ سند "أراه" کی وجہ سے مشکوک یعنی ضعیف ہے۔

رسول اللہ ﷺ سے سورۃ النساء کی پہلی آیت اور سورۃ الحشر کی اٹھارھویں (۱۸) آیت خطبے میں پڑھنا ثابت ہے۔

۱۲) سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "كان للنبي ﷺ خطبتان يجلس بينهما، يقرأ القرآن و يذكّر الناس." "نبی ﷺ کے دو خطبے ہوتے تھے، آپ ان میں بیٹھتے، قرآن پڑھتے اور لوگوں کو نصیحت کرتے تھے۔" (صحیح مسلم: ۸۶۲، دارالسلام: ۱۹۹۵)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خطبۂ جمعہ کے دو اہم ترین مقاصد ہیں:

۱: قراءتِ قرآن

۲: لوگوں کو نصیحت یعنی خطبۂ جمعہ ذکر بھی ہے اور تذکیر بھی ہے۔

خطبۂ جمعہ نماز کی طرح ذکر نہیں کہ اس میں لوگوں کو نصیحت نہ ہو اور کسی قسم کی گفتگو نہ ہو بلکہ احادیثِ صحیحہ سے رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام کا عند الضرورت ایک دوسرے سے کلام اور باتیں کرنا ثابت ہے۔ مثلاً

۱: آپ ﷺ نے ایک صحابی سے فرمایا: ((أصلّيتَ يا فلان ؟ .)) اے فلاں! کیا تم نے (دو رکعتیں) نماز پڑھی ہے؟ انھوں نے جواب دیا: نہیں، آپ نے فرمایا: ((قم فاركع .)) اُٹھو اور نماز پڑھو۔ (صحیح بخاری: ۹۳۰، صحیح مسلم: ۸۷۵)

۲: ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ خطبۂ جمعہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک آدمی نے کھڑے ہو کر کہا: یا رسول اللہ! مویشی اور بکریاں ہلاک ہو گئیں، لہٰذا آپ اللہ سے دعا فرمائیں کہ بارش برسائے۔ الخ (صحیح بخاری: ۹۳۳، واللفظ لہ، صحیح مسلم: ۸۹۷)

۳: ایک دفعہ جمعہ کے دن نبی ﷺ خطبہ دے رہے تھے کہ لوگ کھڑے ہو گئے اور اونچی آواز سے کہا: یا نبی اللہ! بارش کا قحط ہو گیا، درخت سرخ ہو گئے اور مویشی ہلاک ہو گئے۔ الخ (صحیح بخاری: ۱۰۲۱، صحیح مسلم: ۹۳۲)

۴: ایک آدمی جمعہ کے دن لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا آ رہا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے اُسے فرمایا: ((اجلس فقد آذيت .)) بیٹھ جا، پس تو نے (لوگوں کو) تکلیف دی ہے۔

(سنن ابی داود: ۱۱۱۸، وسندہ صحیح وصححہ ابن خزیمہ [۱۸۱۱] وابن حبان [۵۷۲] والحاکم علیٰ شرط مسلم [۱/۲۸۸، ح ۱۰۶۱] ووافقہ الذہبی)

۵: ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کے دن (منبر پر) چڑھنے کے بعد فرمایا: ((اجلسوا)) بیٹھ جاؤ۔ ابن مسعود (رضی اللہ عنہ) نے یہ بات سُنی تو (اتباعِ سنت کے جذبے سے) مسجد کے دروازے پر ہی بیٹھ گئے، پھر جب رسول اللہ ﷺ نے انھیں دیکھا تو فرمایا:

((تعال یا عبدالله بن مسعود !)) اے عبداللہ بن مسعود! آجاؤ۔ الخ

(سنن ابی داود: ۱۰۹۱، وسندہ حسن، حدیث ابن جریج عن عطاء بن ابی رباح قوی وصححہ ابن خزیمہ: ۱۷۸۰، والحاکم علیٰ شرط الشیخین ۱/۲۸۳۔۲۸۴ ووافقہ الذہبی)

۶: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ خطبۂ جمعہ میں ایک آدمی (سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ) سے باتیں کی تھیں اور انھوں نے بھی جواب میں کلام کیا تھا۔ رضی اللہ عنہما

دیکھئے صحیح بخاری (۸۷۸) وصحیح مسلم (۸۴۵)

معلوم ہوا کہ خطبہ میں وعظ ونصیحت کے ساتھ خطیب اور سامعین کا شرعی عذر کے ساتھ باہم دینی اور ضروری باتیں کرنا بھی جائز ہے لہٰذا جو لوگ خطبہ کو نماز پر قیاس کرتے ہیں، اُن کا قیاس باطل ہے۔

درج بالا دو دلیلوں: یذکر الناس (لوگوں کو نصیحت) اور خطیب وسامعین کے کلام سے معلوم ہوا کہ مسنون خطبۂ جمعہ اور قراءتِ قرآن کے بعد قرآن وحدیث کا سامعین کی زبان میں ترجمہ اور تشریح بیان کرنا جائز ہے۔

چوتھی صدی ہجری کے حنفی فقیہ ابواللیث السمرقندی نے کہا:

''قال أبو حنيفة :.... أو خطب للجمعة بالفارسية ... جاز ''

ابوحنیفہ نے کہا: یا اگر فارسی میں خطبۂ جمعہ دے تو جائز ہے۔ (مختلف الروایۃ ج ۱ ص ۸۰۔۸۱ فقرہ ۴)

برہان الدین محمود بن احمد الحنفی نے کہا:

''ولو خطب بالفارسية جاز عند أبي حنيفة علىٰ كل حال . ''

اور اگر فارسی میں خطبہ دے تو ابوحنیفہ کے نزدیک ہر حال میں جائز ہے۔

(المحیط البرہانی ج ۲ ص ۴۵۰ فقرہ: ۲۱۶۶)

تنبیہ: اس قسم کے بے سند حوالے حنفیہ کے ہاں ''فقۂ حنفی'' میں حجت ہوتے ہیں لہٰذا ان حوالوں کو بطورِ الزامی دلیل پیش کیا گیا ہے۔

اس فتوے سے امام ابوحنیفہ کا رجوع کسی صحیح یا حسن سند سے ثابت نہیں اور نہ غیر عربی

میں خطبۂ جمعہ کی کراہت آپ سے یا سلف صالحین میں سے کسی ایک سے ثابت ہے۔اس سلسلے میں آلِ دیوبند و آلِ بریلی جو کچھ بیان کرتے ہیں، سب غلط اور باطل ہے۔

خلاصۃ التحقیق: جمعہ کے دن عربی زبان میں خطبۂ مسنونہ اور قراءتِ قرآن (مثلاً سورۃ قٓ) کے بعد سامعین کی زبان (مثلاً اردو، پشتو، پنجابی وغیرہ) میں وعظ ونصیحت جائز ہے اور مکروہ یا حرام قطعاً نہیں ہے۔

۱۴) خطبۂ جمعہ کے دوران میں اگر کوئی شخص باہر سے آئے تو اس کے لئے یہ حکم ہے کہ دو مختصر رکعتیں پڑھ کر بیٹھ جائے۔ دیکھئے صحیح بخاری (۱۱۶۶) اور صحیح مسلم (۸۷۵)

۱۵) حالتِ خطبہ میں لوگوں (سامعین) کا تشہد کی طرح بیٹھنا ثابت نہیں ہے۔

۱۶) جمعہ کے دن خطبۂ جمعہ سے پہلے مسجد پہنچ جانا چاہئے کیونکہ خطبہ شروع ہوتے ہی فرشتے اپنے رجسٹر لپیٹ کر ذکر یعنی خطبہ سننا شروع کر دیتے ہیں۔

دیکھئے صحیح بخاری (۸۸۱) وصحیح مسلم (۸۵۰)

۱۷) خطبہ میں (استسقاء کے علاوہ) دونوں ہاتھ اُٹھا کر دعا نہ کرے بلکہ صرف شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے۔ دیکھئے صحیح مسلم (۸۷۴)

۱۸) اگر شرعی ضرورت ہو تو خطبۂ جمعہ میں چندے اور صدقات کی اپیل کرنا جائز ہے۔

دیکھئے مسند الحمیدی بتحقیقی (۷۴۱ وسندہ حسن) اور سنن الترمذی (۵۱۱ وقال: ''حسن صحیح'' وصححہ ابن خزیمہ: ۱۷۹۹، ۱۸۳۰، ۲۴۸۱)

۱۹) خطبۂ جمعہ میں خطیب کا دونوں ہاتھوں سے دائیں بائیں اشارے کرنا اور (دھواں دھار انداز میں) ہوا میں ہاتھ لہرانا وغیرہ ثابت نہیں ہے۔

۲۰) خطبۂ جمعہ کی حالت میں خطیب (کی اجازت) کے ساتھ شرعی و مودبانہ سوال جواب کے علاوہ سامعین کے لئے ہر قسم کی گفتگو منع اور حرام ہے۔

ممانعت کے لئے دیکھئے صحیح بخاری (۹۳۴،۹۱۰) اور صحیح مسلم (۸۵۷،۸۵۱)

۲۱) خطبۂ جمعہ میں امام یعنی خطیب کی طرف رُخ کرنا چاہئے۔ جیسا کہ قاضی شریح، عامر

الشعبی اور نضر بن انس وغیرہم تابعین سے ثابت ہے۔ دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ (۲/۱۱۸ ح ۵۲۲۷ وسندہ صحیح، ح ۵۲۲۹ وسندہ صحیح، ح ۵۲۳۰ وسندہ صحیح) بلکہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ انھوں نے جمعہ کے دن منبر (یعنی خطیب) کی طرف رُخ کیا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۱۱۸ ح ۵۲۳۳ وسندہ صحیح، نیز دیکھئے الاوسط لابن المنذر ۴/۷۴۔۷۵)

۲۲) خطبۂ جمعہ کی حالت میں سامعین کا گوٹھ مار کر بیٹھنا ممنوع ہے۔

دیکھئے سنن ابی داود (۱۱۱۰، وسندہ حسن وحسنہ الترمذی: ۵۱۴)

۲۳) جمعہ کے دن اگر کوئی شخص مسجد میں داخل ہو (یعنی مسجد میں پاؤں رکھے) تو وہاں قریب کے لوگوں کو (آہستہ سے) سلام کہنا جائز ہے، جیسا کہ حکم بن عتیبہ اور حماد بن ابی سلیمان سے ثابت ہے اور وہ لوگ اس کا جواب دیں گے۔

(دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۱۲۰ ح ۵۲۶۰ وسندہ صحیح)

اور اس حالت میں سلام نہ کہنا اور جواب نہ دینا بھی جائز ہے جیسا کہ ابراہیم نخعی کے اثر سے معلوم ہوتا ہے۔

دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ (۲/۱۲۱ ح ۵۲۶۴ وسندہ صحیح، ح ۵۲۶۸ وسندہ صحیح) اور فقرہ: ۶

۲۴) ہر خطبے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا چاہئے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ منبر پر چڑھے تو اللہ کی حمد وثنا بیان کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا۔ الخ

(زوائد عبداللہ بن احمد علیٰ مسند الامام احمد ۱/۱۰۶ ح ۸۳۷ وسندہ صحیح)

نیز دیکھئے جلاء الافہام فی فضل الصلوٰۃ والسلام علیٰ محمد خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم (ص ۳۶۸۔ ۳۷۱، اور نسخہ محققہ بتحقیق الشیخ مشہور حسن ص ۴۳۸۔۴۴۲) اور کتاب الام للشافعی (۱/۲۰۰، مختصر المزنی ص ۲۷)

۲۵) محمد بن زید بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ جمعہ کے دن ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) منبر کی ایک طرف کھڑے ہو جاتے تو اپنے جوتوں کے تلوے اپنے بازوؤں پر رکھتے پھر منبر کی لکڑی (رُمانہ) پکڑ کر فرماتے: ''ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، الصادق المصدوق ﷺ نے فرمایا۔
پھر بعد میں فرماتے: عربوں کے لئے تباہی ہے اُس شر سے جو قریب ہے۔''
پھر جب مقصورہ کے دروازے کی طرف سے امام کے خروج کی آواز سنتے تو بیٹھ جاتے تھے۔ (المستدرک للحاکم ۱۰۸/۱ ح ۳۶۷ وصححہ علیٰ شرط الشیخین وقال الذہبی: ''فیہ انقطاع'' یعنی یہ روایت منقطع ہے۔ ۵۱۲/۳ ح ۶۱۷۳ وصححہ الحاکم ووافقہ الذہبی!!)
حافظ ذہبی کو دوسری موافقت میں تو نسیان ہوا لیکن اُن کے پہلے قول سے صاف ظاہر ہے کہ یہ روایت منقطع ہے کیونکہ محمد بن زید بن عبداللہ بن عمر کی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت نہیں ہے۔
اس ضعیف اثر کو سرفراز خان صفدر دیوبندی نے اس بات کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے کہ ''جمعہ کے خطبہ سے پہلے تقریر کا متعدد صحابۂ کرام سے ثبوت ہے۔'' (راہِ سنت ص ۳۰۱)
اس سلسلے میں سرفراز خان صفدر نے الاصابہ (ج ۱ ص ۱۸۴) کے ذریعے سے سیدنا تمیم الداری رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک بے سند قصہ بھی ذکر کیا ہے جو کہ بے سند ہونے کی وجہ سے غیر ثابت اور مردود ہے۔
سیدنا عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن امام کے خروج سے پہلے بیٹھ کر حدیثیں سناتے رہے۔ دیکھئے المستدرک (۲۸۸/۱ ح ۱۰۶۱، صحیح ابن خزیمہ ۱۵۶/۳ ح ۱۸۱۱، وسندہ صحیح) اور یہی مضمون فقرہ نمبر ۱۳، ذیلی نمبر ۴
سیدنا عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ کے اس واقعے سے دیوبندیوں و بریلویوں کی مروجہ اردو، پشتو اور پنجابی وغیرہ تقریروں کا ثبوت کشید کرنا غلط ہے۔ کیونکہ سیدنا عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ تو عربی زبان میں حدیثیں سناتے تھے، نہ کہ اردو یا پشتو، پنجابی میں تقریر کرتے تھے (!)
لہٰذا بریلوی کا دیوبندیوں پر دوسرا اعتراض: ''جمعہ کے دن خطبہ سے قبل تقریر کرنا بدعت ہے مگر تم بھی کرتے ہو۔'' جیسا کہ راہِ سنت میں مذکور ہے (دیکھئے ص ۳۰۱) بالکل صحیح اور بجا ہے۔

اس اعتراض کا جواب صرف اُس وقت ممکن ہے جب آلِ دیو بند اور آلِ بریلی دونوں مل کر یہ ثابت کر دیں کہ فلاں صحابی پہلے فارسی میں تقریر کرتے تھے اور بعد میں جمعہ کے دو خطبے صرف عربی میں پڑھتے تھے۔ اور اگر ایسا نہ کر سکیں تو پھر اُن کا عربی مسنون خطبۂ جمعہ اور قراءتِ قرآن کے بعد اُردو وغیرہ غیر عربی زبانوں میں لوگوں کو سمجھانے کے لئے کتاب و سنت کے ترجمہ وتشریح پر اعتراض باطل ہے۔

۲۶) خطبۂ جمعہ کے علاوہ دوسرا خطبہ (تقریر) بیٹھ کر بھی جائز ہے۔ (دیکھئے صحیح بخاری: ۹۲۱)

۲۷) اگر کوئی عذر ہو تو خطیب کسی دوسرے شخص کو نماز پڑھانے کے لئے آگے مصلے پر کھڑا کر سکتا ہے۔ دیکھئے مسائل الامام احمد واسحاق بن راہویہ (۲۲۹/۱ فقرہ: ۵۲۶)
لیکن بہتر یہی ہے کہ خطیب ہی نماز پڑھائے۔

۲۸) خطبہ میں دینِ اسلام اور مسلمانوں کے لئے دعا کرنی چاہئے۔

۲۹) جب خطیب خطبۂ جمعہ کے لئے عین خطبے کے وقت آئے تو منبر پر بیٹھ جائے، یعنی دو رکعتیں نہ پڑھے، جیسا کہ ابو الولید الباجی نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے صحیح واقعے سے ثابت کیا ہے: " فإذا خرج عمر و جلس على المنبر و أذن المؤذنون " إلخ
پھر جب عمر (رضی اللہ عنہ) تشریف لاتے اور منبر پر بیٹھ جاتے اور موذنین اذان دیتے۔ الخ
(المنتقی شرح الموطأ ج ۲ ص ۱۱۳)

۳۰) جمعہ کے دن (خطیب ہوں یا عام نمازی، سب کو) اچھا لباس پہننا چاہئے۔
دیکھئے سنن ابی داود (۳۴۳) اور مسند احمد (۸۱/۳ وسندہ حسن)

۳۱) سب سے بہتر لباس سفید لباس ہے۔
دیکھئے سنن ابی داود (۴۰۶۱ وسندہ حسن) وصححہ الترمذی (۹۹۴) و ابن حبان (۱۴۳۹۔ ۱۴۴۱) والحاکم علیٰ شرط مسلم (۳۵۴/۱) ووافقہ الذہبی
دوسرا لباس بھی جائز ہے، بشرطیکہ کسی شرعی دلیل کے خلاف نہ ہو۔ (دیکھئے سورۃ الاعراف: ۳۲)

۳۲) سیدنا عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو خطبہ دیا

اورآپ نے کالا عمامہ باندھا ہوا تھا۔ (صحیح مسلم:۱۳۵۹، دارالسلام:۳۳۱۱)

تنبیہ: سفید عمامہ بھی جائز ہے جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے سر پر سفید عمامہ باندھا تھا۔ دیکھئے المستدرک (ج ۴ ص ۵۴۰ ح ۸۶۲۳، اتحاف المہرۃ ۸/۵۹۰ ح ۱۰۰۱۵، وھو حدیث حسن لذاتہ) اور ص ۵۹۸

۳۳) ٹوپی پہننا بھی جائز ہے۔

دیکھئے التاریخ الکبیر للبخاری (۱/۴۲۸ عن ابی موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ موقوفاً علیہ وسندہ صحیح)

۳۴) رسول اللہ ﷺ نے منیٰ میں خطبہ دیا اور آپ پر دھاری دار سرخ چادر تھی۔

(مسند احمد ۳/۴۷۷ وسندہ صحیح، سنن ابی داود:۴۰۷۳)

۳۵) خطبۂ جمعہ منبر پر ہی ہونا چاہئے۔

دیکھئے فقرہ نمبر۱، اور مجموع شرح المہذب (۴/۵۲۷)

۳۶) منبر دائیں طرف ہونا چاہئے، جیسا کہ مسجد نبوی میں ہے۔

۳۷) دورانِ خطبہ نعرۂ تکبیر یا کسی قسم کے نعرے بلند کرنا ثابت نہیں ہے۔

۳۸) دورانِ خطبہ خطیب کا مقتدیوں سے بار بار سبحان اللہ پڑھانا ثابت نہیں ہے۔

۳۹) عوام کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ صرف صحیح العقیدہ علماء کے خطبے سنیں اور اہلِ بدعت کے ہر قسم کے خطبے سے دور رہیں، جیسا کہ حدیث:

''من وقر صاحب بدعة فقد أعان علىٰ هدم الإسلام''

جس نے بدعتی کی عزت کی تو اس نے اسلام کے گرانے میں مدد کی۔

(کتاب الشریعۃ للآجری ص ۹۶۲ ح ۲۰۴۰ وسندہ صحیح، علمی مقالات ج ۲ ص ۵۵۶)

اور عام دلائلِ شرعیہ سے ثابت ہے۔

۴۰) خطبہ کے آخر میں استغفار کرنا چاہئے، جیسا کہ **کفارۃ المجلس** والی حدیث کے عموم سے ثابت ہے۔ دیکھئے سنن ابی داود (۴۸۵۷ وسندہ صحیح، ۴۸۵۹ وسندہ حسن)

(۱۸/ مارچ ۲۰۱۰ء)

گاؤں میں نمازِ جمعہ کی تحقیق

[یہ مضمون بعض دیوبندی لوگوں کی تحریروں کے جواب میں لکھا گیا ہے۔]

الحمدللّٰه رب العالمين والصّلوٰة والسّلام علىٰ رسوله الأمين، أما بعد:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَيْعَ ﴾ [سورۃ الجمعہ:۹]

''اے ایمان والو! جب اذان ہو نماز کی دن جمعہ کے، تو دوڑو اللہ کی یاد کو، اور چھوڑ دو بیچنا۔''

(ترجمہ شاہ عبدالقادر دہلوی ص ۶۶۸)

احمد علی لاہوری دیوبندی نے اس آیت کا درج ذیل ترجمہ لکھا ہے:

''اے ایمان والو جب جُمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے تو ذکرِ الٰہی کی طرف لپکو اور خرید وفروخت چھوڑ دو'' (مترجم قرآنِ عزیز ص ۸۸۴، تفسیر محمود ج ۳ ص ۳۵۹)

عبدالحق حقانی نے اس کا ترجمہ کرتے ہوئے کہا:

''مسلمانوں! جب جمعہ کے روز نماز کے لئے اذان دیجائے تو اللہ کی یاد کے لئے جلدی چلو اور سودا چھوڑ دو'' (تفسیر حقانی ج ۷ ص ۱۲۵)

اشرفعلی تھانوی دیوبندی نے آیتِ مذکورہ کے ترجمے میں کہا:

''اے ایمان والو! جب جمعہ کے روز نماز کے لئے اذان کہی جایا کرے تو تم اللہ کی یاد کی طرف چل پڑا کرو اور خرید وفروخت چھوڑ دیا کرو'' (بیان القرآن ج ۲ جلد ۱۲ ص ۶)

شبیر احمد عثمانی دیوبندی نے لکھا ہے: ''اور دوڑنے سے مُراد پورے اہتمام اور مستعدی کے ساتھ جانا ہے۔ بھاگنا مراد نہیں۔'' (تفسیر عثمانی ص ۷۳۴)

آیتِ مذکورہ میں ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ﴾ سے مراد المؤمنین ہیں۔

مشہور مفسرِ قرآن امام ابوجعفر ابن جریر الطبری السنی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

''يقول تعالٰی ذکرہ للمؤمنین بہ من عبادہ .... ''الخ

اللہ تعالٰی اپنے مومنین بندوں سے فرماتا ہے...الخ ' (تفسیر طبری ج ۲۸ ص ۶۵)

علامہ قرطبی نے لکھا ہے: ''خاطب اللّٰہ المؤمنین بالجمعۃ دون الکافرین .. ''

اللہ نے جمعہ کے ساتھ مومنین سے خطاب فرمایا ہے، کافروں سے نہیں...

(تفسیر قرطبی ج ۱۸ ص ۱۰۰)

قاضی ابوبکر بن العربی المالکی نے فرمایا: '' ظاھر في أن المخاطب بالجمعۃ المؤمنون دون الکفار '' ظاہر یہ ہے کہ جمعہ کے ساتھ المؤمنون کو خطاب کیا گیا ہے، کفار کو نہیں۔ (احکام القرآن ج ۴ ص ۱۸۰۲)

حافظ ابن کثیر نے فرمایا: '' و قد أمر اللّٰہ المؤمنین بالاجتماع لعبادتہ یوم الجمعۃ '' اور اللہ نے جمعہ کے دن اپنی عبادت کے لئے المؤمنین کو حکم فرمایا ہے کہ وہ جمع ہو جائیں۔ (تفسیر ابن کثیر نسخہ محققہ ج ۱۳ ص ۵۵۹)

نیز دیکھئے تفسیر الخطیب الشربینی (ج ۴ ص ۳۰۵) اور تفسیر السعدی (ج ۷ ص ۳۸۲)

خطیب شربینی نے لکھا ہے: '' أي :أقروا بألسنتھم بالإیمان ''

یعنی وہ لوگ جنھوں نے اپنی زبانوں سے ایمان کا اقرار کیا ہے۔ (تفسیر شربینی ج ۴ ص ۳۰۵)

مفسرین کی ان تفسیروں سے ثابت ہوا کہ آیتِ مذکورہ میں المؤمنین (تمام مومنین) مراد ہیں۔ المؤمنین میں ال (الف لام) استغراقی ہے لہٰذا جن کی تخصیص دلیل سے ثابت ہے، اُن کے علاوہ تمام مومنین مراد ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیت سے فرضیتِ جمعہ پر استدلال کیا ہے۔

دیکھئے صحیح بخاری (کتاب الجمعہ باب فرض الجمعہ قبل ح ۸۷۶)

سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اس آیت کی تشریح میں فرماتے تھے: ''فامضوا إلی ذکر اللّٰہ''

پس اللہ کے ذکر کی طرف چلو۔ (تفسیر ابن جریر طبری ج ۲۸ ص ۶۵ وسندہ صحیح)

صحابی کی تشریح کے مقابلے میں عینی حنفی کا ''دوڑنا'' معنی کرنا غلط ہے۔

آیتِ مذکورہ میں سعی کا معنیٰ ''دوڑنا'' کرنا آثارِ صحابہ کے بھی خلاف ہے اور دیوبندی اکابر کے بھی خلاف ہے۔

﴿وَ ذَرُوا الْبَیْعَ﴾ کا جو مفہوم محمد قاسم نانوتوی دیوبندی نے بتایا ہے، غلط ہے لہٰذا اعلاء السنن (۸/۳۱) نامی دیوبندی کتاب کا حوالہ فضول ہے۔

اس آیت کو ذکر کر کے امام ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیسابوری رحمہ اللہ (متوفی ۳۱۸ھ) نے لکھا ہے: ''**فاتباع ظاهر كتاب الله عز وجل يجب ولا يجوز أن يستثنٰى من ظاهر الكتاب جماعة دون عدد جماعة بغير حجة ، و لو كان لله في عدد دون عدد مراد لبين ذلك في كتابه أو علٰى لسان نبيه ﷺ ، فلما عم و لم يخص كانت الجمعة علٰى كل جماعة في دار اقامة علٰى ظاهر الكتاب وليس لأحد مع عموم الكتاب أن يخرج قومًا من جملة بغير حجة يفزع إليها...**''

پھر کتاب اللہ کے ظاہر کی اتباع واجب ہے اور ظاہر کتاب سے بغیر دلیل کے کسی جماعت کو چھوڑ کر کسی جماعت کا استثناء جائز نہیں ہے اور اگر اللہ کی مراد کسی خاص عدد سے ہوتی تو اپنی کتاب یا اپنے نبی ﷺ کی زبان پر ضرور بیان کر دیتا، جب اُس نے (آیت کو) عام کر لیا اور تخصیص نہیں کی تو دارِ اقامت میں ظاہر کتاب کی رُو سے ہر جماعت پر جمعہ ضروری ہوا اور کسی کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ عمومِ کتاب میں سے کسی قوم کو بغیر کسی مضبوط دلیل کے نکال دے۔ الخ (الاوسط فی السنن والاجماع والاختلاف ج۴ ص۲۹، ۳۰)

تحقیقِ مذکور سے ثابت ہوا کہ آیتِ مذکورہ میں شہری مومنین کے ساتھ دیہاتی مومنین بھی شامل ہیں۔ جس طرح شہروں میں اذان (نداء) ہوتی ہے، اُسی طرح گاؤں میں بھی اذان ہوتی ہے لہٰذا جب گاؤں میں جمعہ کی اذان دی جائے تو نمازِ جمعہ پڑھنے کے لئے جانا ضروری ہے اور کسی آیت یا حدیث میں گاؤں میں نمازِ جمعہ کی اذان کہنے سے منع نہیں کیا گیا لہٰذا محمد تقی عثمانی دیوبندی کی کتاب درس ترمذی کا حوالہ فضول ہے۔

سعودی عرب کے چیف جسٹس شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: ''نماز جمعہ اور خطبہ کے قیام کے لئے کم از کم کتنے آدمیوں کا ہونا شرط ہے؟''

تو انھوں نے جواب دیا:

''اس مسئلہ میں اہل علم کا بہت اختلاف ہے۔ صحیح تر قول یہ ہے کہ تین آدمیوں کا ہونا کافی ہے۔ ایک امام اور اس کے علاوہ دو اور آدمی۔ جب کسی بستی میں تین ایسے آدمی موجود ہوں جو شرعاً مکلّف، آزاد اور اس بستی کے رہنے والے ہوں تو وہ جمعہ قائم کریں، ظہر نہ پڑھیں۔ کیونکہ نماز جمعہ کی مشروعیت اور فرضیت پر دلالت کرنے والے دلائل تین اور اس سے زیادہ جتنے بھی آدمی ہوں سب پر عام ہے۔'' (فتاویٰ ج ۱ ص ۷۳، ۷۴)

سعودی عرب کے مشہور مفتی شیخ محمد بن صالح ابن العثیمین رحمہ اللہ نے ایک حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا: ''**فیدل ذلك علٰی جواز اقامة الجمعة بالقری و أنه لا یشترط لاقامة الجمعة المصر الجامع کما قاله طائفة من العلماء . و ممن ذهب إلٰی جواز اقامة الجمعة فی القری: عمر بن عبدالعزیز و عطاء و مکحول و عکرمة والأوزاعي و مالك و اللیث بن سعد والشافعي و أحمد و إسحاق و کان ابن عمر یمر بالمیاه بین مکة والمدینة فیری أهلها یجمعون فلا یعیب علیهم ....**''

پس یہ اس پر دلیل ہے کہ گاؤں میں جمعہ قائم کرنا جائز ہے اور جمعہ قائم کرنے کے لئے مصر جامع کی شرط نہیں ہے جیسا کہ علماء کی ایک جماعت نے کہا ہے۔

عمر بن عبدالعزیز، عطاء، مکحول، عکرمہ، اوزاعی، مالک، لیث بن سعد، شافعی، احمد اور اسحاق گاؤں میں نماز جمعہ قائم کرنے کے جواز کے قائل تھے اور ابن عمر (رضی اللہ عنہ) مکہ اور مدینہ کے درمیان پانی والی جگہوں پر لوگوں کو جمعہ پڑھتے دیکھتے تو اُن پر انکار (یعنی اُن کا رد) نہیں کرتے تھے... (شیخ ابن عثیمین کی شرح صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۶۸، ۵۶۹)

امام مالک (بن انس رحمہ اللہ) نے فرمایا: مکہ اور مدینہ کے درمیان پانیوں کے پاس محمد

(ﷺ) کے صحابہ (رضی اللہ عنہم) جمعہ پڑھتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۰۲ ح ۵۲۰۷ وسندہ صحیح)

ابن ہمام حنفی کا ایک قول بیان کیا جاتا ہے: ''ان قوله تعالٰی (فاسعوا الی ذکر الله) لیس علٰی اطلاقه اتفاقًا بین الائمة اذلا یجوز اقامتها فی البوادی اجماعًا''

''بے شک اللہ تعالیٰ کا قول (فاسعوا الی ذکر الله) مطلق (یعنی عام) نہیں آئمہ کے درمیان متفقہ طور پر جبکہ دیہات میں جمعہ کا قائم کرنا اجماعاً جائز نہیں''

اس قول کے سلسلے میں تین باتیں پیشِ خدمت ہیں:

۱: ابن ہمام حنفی نے ائمہ کے اتفاق کا ثبوت پیش نہیں کیا۔

۲: البوادی کا اردو ترجمہ ''دیہات'' تو غلط ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے اور صحیح ترجمہ جنگل، صحرا ہے لیکن ابن ہمام نے جنگل صحرا میں جمعہ کے ناجائز ہونے پر اجماع کا ثبوت پیش نہیں کیا اور اس جعلی اجماع کے رد کے لئے مصنف ابن ابی شیبہ کا مذکورہ بالا ایک حوالہ ہی کافی ہے۔ کیا خیال ہے؟ اگر امیر المومنین اپنی فوج کے ساتھ جنگل یا صحرا میں نمازِ جمعہ پڑھ لیں تو حنفیوں کے نزدیک یہ نماز ہو جائے گی یا نہیں؟!

۳: بوادی کا ترجمہ دیہات غلط ہے۔ بوادی کا واحد بادیہ ہے جو کھلے جنگل کو کہتے ہیں۔ دیکھئے لغت کی کتاب القاموس الوحید (ص ۱۵۵)

ابو بکر الجصاص حنفی نے دعویٰ کیا ہے کہ بوادی اور مناہل الاعراب میں جمعہ جائز نہیں ہے۔

اس قول کے سلسلے میں چار باتیں پیش خدمت ہیں:

۱: بوادی دیہات کو نہیں بلکہ کھلے جنگل کو کہتے ہیں لہٰذا گاؤں میں جمعہ کے خلاف یہ قول پیش کرنا غلط ہے۔

۲: مناہل کا واحد منھل ہے جو پانی کے گھاٹ اور جنگل میں مسافروں کی منزل پڑاؤ کو کہتے ہیں۔ دیکھئے القاموس الوحید (ص ۱۷۱۸)

لہٰذا قولِ مذکور کا تعلق گاؤں سے نہیں ہے۔

۳: امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ صحابۂ کرام مکے اور مدینے کے درمیان پانی کی جگہوں

(گھاٹ) کے پاس نماز جمعہ پڑھتے تھے۔حوالہ سابقہ صفحے پر گزر چکا ہے۔
لہٰذا اجماع کا دعویٰ باطل ہوا۔

۴: اگر خلیفۃ المسلمین جنگل اور گھاٹ پر جمعہ پڑھے تو علماء کے ایک گروہ کے نزدیک جمعہ صحیح ہے لہٰذا اجماع کا دعویٰ باطل ہوا۔

دیہات میں خرید وفروخت

یہ ایک حقیقت ہے کہ گاؤں میں بھی خرید وفروخت ہوتی ہے۔ ہر گاؤں میں ایک آدھ دکان ضرور ہوتی ہے جہاں سے لوگ اپنی ضروریاتِ زندگی کی اشیاء خریدتے ہیں۔ زمینوں پر جو فصلیں اُگتی ہیں مثلاً گندم وغیرہ، اُن کی بھی خرید وفروخت ہوتی ہے لہٰذا ﴿وَ ذَرُوا الْبَيْعَ﴾ کے حکم میں دیہات بھی شامل ہیں۔

اگر کوئی کہے کہ دیہات میں ہر چیز نہیں ملتی تو عرض ہے کہ بعض شہروں میں بھی ہر چیز نہیں ملتی بلکہ اُن شہروں کے باشندے دوسرے شہروں میں جا کر مطلوبہ چیزیں خریدتے ہیں مثلاً حضرو شہر میں بہت عرصہ تک کارپٹ نہیں ملتا تھا تو لوگ اٹک شہر جاتے تاکہ کارپٹ خریدیں۔ بعض اوقات ایک چیز اٹک میں بھی نہیں ملتی تو لوگ وہ چیز خریدنے کے لئے راولپنڈی، اسلام آباد یا پشاور وغیرہ چلے جاتے ہیں۔

یاد رہے کہ آیتِ جمعہ سے دیہاتیوں کا استثناء کسی دلیل سے ثابت نہیں ہے۔

تنبیہ: اجماع بھی شرعی حجت ہے لہٰذا جس کی تخصیص اجماع سے ثابت ہے وہ ٹھیک ہے لیکن یاد رہے کہ آیتِ مذکورہ کے عموم سے دیہاتی کا خارج ہونا اجماع سے ثابت نہیں ہے۔

دوسری دلیل: سیدنا طارق بن شہاب صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((الجمعة حق واجب علی كل مسلم في جماعة إلا أربعة :عبد مملوك ، أو امرأة أو صبي أو مريض.))

ہر مسلم پر جماعت کے ساتھ جمعہ حق اور واجب ہے سوائے چار کے: زرخرید غلام، عورت،

بچہ یا مریض۔ (سنن ابی داود: ۱۰۶۷، اس کی سند طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ تک صحیح ہے۔)

روایتِ مذکورہ کے بارے میں امام ابوداود نے فرمایا: طارق بن شہاب (رضی اللہ عنہ) نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور آپ سے کچھ بھی نہیں سنا۔ (سنن ابی داود ص ۱۶۸)

علامہ نووی نے الخلاصہ میں کہا: اور (ابوداود کا) یہ قول حدیث کے صحیح ہونے پر جرح نہیں کرتا کیونکہ یہ صحابی کی مرسل ہے اور یہ حجت ہے اور (یہ) حدیث بخاری ومسلم کی شرط پر ہے۔ (نصب الرایہ ج ۲ ص ۱۹۹)

مزید عرض ہے کہ مرسل صحابی کے بارے میں حافظ ابن حجر العسقلانی نے فرمایا:

"وقد اتفق المحدثون علٰی أنه في حکم الموصول" اور محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ موصول کے حکم میں ہے۔ (ہدی الساری ص ۳۵۰، الحدیث الثالث من کتاب الطہارۃ)

نیز دیکھئے اختصار علوم الحدیث لابن کثیر (۱/ ۱۵۸، ۱۵۹) اور مقدمہ ابن الصلاح (ص ۷۵)

محمد عبید اللہ الاسعدی نے مرسل صحابی کے بارے میں لکھا ہے: "جمہور کے نزدیک مقبول و لائق احتجاج ہے" (علوم الحدیث ص ۱۳۷، اس کتاب پر حبیب الرحمٰن اعظمی دیوبندی کی تقریظ ہے۔)

خلاصہ یہ ہے کہ سیدنا طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث صحیح ہے۔ والحمدللہ

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ استثناء والے اشخاص کے علاوہ ہر شخص پر جمعہ واجب ہے اور اس میں دیہاتی کا استثناء کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

تیسری دلیل: سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((علٰی کل محتلم رواح الجمعة.)) الخ ہر بالغ پر جمعہ کے لئے جانا ضروری ہے۔ الخ

(سنن ابی داود: ۳۴۲ وسندہ صحیح وصححہ ابن خزیمہ: ۱۷۲۱، وابن حبان [الاحسان]: ۱۲۱۷)

اس روایت سے بھی ثابت ہے کہ ہر بالغ شہری اور دیہاتی پر جمعہ ضروری ہے۔

امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے فرمایا: "ففرض الجمعة واجب علٰی کل بالغ" اور ہر بالغ پر جمعہ فرض ہے۔ (صحیح ابن خزیمہ ج ۳ ص ۱۱۱ ح ۱۷۲۱)

محتلم سے ہر بالغ مراد ہے، چاہے وہ شہر میں رہتا ہو یا گاؤں میں اور جس کی تخصیص

دلیل سے ثابت ہو جائے مثلاً نابالغ غلام اور مسافر تو وہ اس کے عموم سے خارج ہے لیکن یاد رہے کہ دیہاتی کی تخصیص کسی دلیل سے ثابت نہیں ہے۔

چوتھی دلیل: رسول اللہ ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا: ((لینتهین أقوام عن ودعهم الجمعات أو لیختمن الله علٰی قلوبهم ثم لیکونن من الغافلین .))

لوگوں کو جمعے (جمعہ کی نمازیں) ترک کرنے سے رکنا چاہئے یا اللہ اُن کے دلوں پر مہر لگا دے گا پھر وہ غافلوں میں سے ہو جائیں گے۔ (صحیح مسلم: ۸۶۵، ترقیم دارالسلام: ۲۰۰۲)

پانچویں دلیل: سیدنا ابوالجعد الضمری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((من ترك ثلاث جمع تهاوناً بها طبع الله علٰی قلبه .))

جو شخص سستی کرتے ہوئے اور حقیر سمجھتے ہوئے تین جمعے ترک کر دے گا تو اللہ اُس کے دل پر مہر لگا دے گا۔ (سنن ابی داود: ۱۰۵۲، وسندہ حسن وحسنہ الترمذی: ۵۰۰ وصححہ ابن خزیمہ: ۱۸۵۷، وابن حبان [الموارد: ۵۵۳، ۵۵۴] والحاکم علیٰ شرط مسلم ۱/ ۲۸۰ ووافقہ الذہبی)

چھٹی دلیل: سیدنا جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ((من ترك الجمعة ثلاث مرار من غیر عذر طبع الله علٰی قلبه .)) جو شخص عذر کے بغیر تین دفعہ جمعہ ترک کر دے تو اللہ اس کے دل پر (نفاق کی) مہر لگا دیتا ہے۔

(مسند احمد ۳/ ۳۳۲ وسندہ حسن واللفظ لہ، ابن ماجہ: ۱۱۲۶، وصححہ ابن خزیمہ: ۱۸۵۶، والبوصیری فی زوائد ابن ماجہ)

ساتویں دلیل: سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جو شخص کسی ضرورت کے بغیر تین جمعے ترک کر دے تو اس کے دل پر مہر لگا دی جاتی ہے۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۳۰۰ وسندہ حسن، شرح مشکل الآثار للطحاوی ج ۸ ص ۲۱۰ ح ۳۱۸۴)

آٹھویں دلیل: سیدنا عقبہ بن عامر الجہنی رضی اللہ عنہ سے ایک روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اُمت کی ہلاکت اُن لوگوں کے ہاتھوں پر بیان فرمائی جو ((یدعون الجماعات والجمع)) نماز باجماعت اور جمعے پڑھنا چھوڑ دیں گے۔

(کتاب المعرفہ والتاریخ للامام یعقوب بن سفیان الفارسی ج ۲ ص ۵۰۷ وسندہ حسن، شعب الایمان للبیہقی

ج ۴ص ۴۲۱ ح ۴۹ ۲۷، نسخہ محققہ وقال المحقق: اسنادہ حسن)

نویں دلیل: سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن لوگوں کے بارے میں فرمایا جو جمعہ سے پیچھے رہتے تھے: ((لقد هممت أن آمر رجلاً يصلّي بالناس ثم أحرّق على رجال يتخلفون عن الجمعة بيوتهم .))

میں نے یہ ارادہ کیا کہ ایک آدمی کو نماز پڑھانے کا حکم دوں پھر اُن لوگوں کے گھروں کو جلا دوں جو جمعہ سے پیچھے رہتے ہیں۔ (صحیح مسلم: ۶۵۲، دارالسلام: ۱۴۸۵)

دسویں دلیل: سیدنا ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر مسلمان پر جماعت کے ساتھ جمعہ حق واجب ہے سوائے چار کے: زرخرید غلام، یا عورت، یا بچہ یا مریض۔ (المستدرک للحاکم ج ۱ ص ۲۸۸ ح ۱۰۶۲، وصححہ علیٰ شرط الشیخین وقال الذہبی: صحیح)

اس حدیث کو حافظ ابن حجر نے شاذ قرار دیا ہے لیکن اس کے سارے راوی ثقہ ہیں اور حاکم و ذہبی دونوں نے اسے صحیح کہا ہے۔ اصولِ حدیث کا یہ مسئلہ ہے کہ ثقہ راوی کی زیادت معتبر ہوتی ہے۔ سرفراز خان صفدر دیوبندی نے لکھا ہے:

''اور تمام محدثین کا اس امر میں اتفاق ہے۔ کہ ثقہ کی زیادت قابل قبول ہے۔''

(احسن الکلام طبع دوم ج ۱ ص ۱۹۳، باب دوم پہلی حدیث)

ان دس دلائل اور دیگر دلائل کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر مسلمان پر نمازِ جمعہ فرض ہے، سوائے اُن کے جن کی تخصیص یا استثناء دلیل کے ساتھ ثابت ہے۔ درج ذیل معذورین کی تخصیص دلائل کے ساتھ ثابت ہے:

۱: غلام
۲: عورت
۳: نابالغ بچہ
۴: بیمار
۵: مسافر

۶: شرعی عذر مثلاً بارش وغیرہ

۷: خوف

لیکن کسی ایک دلیل میں بھی دیہاتی کا استثناء یا تخصیص ثابت نہیں لہذا نتیجہ یہ نکلا کہ ہر شہری اور دیہاتی پر جمعہ فرض ہے، سوائے اُن کے جن کی تخصیص ثابت ہے۔

آثارِ سلف صالحین

ان دلائلِ مذکورہ کے بعد اب آثارِ سلف صالحین پیشِ خدمت ہیں:

۱) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''من ترك الجمعة ثلاث جمع متواليات فقد نبذ الإسلام وراء ظهره ''جس شخص نے لگا تار تین جمعے ترک کر دیئے تو اُس نے اسلام کو اپنی پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا۔

(مسند ابی یعلیٰ ج ۵ ص ۱۰۲ ح ۲۷۱۲ وسندہ صحیح وقال الہیثمی فی مجمع الزوائد ۲/۱۹۳: ''ورجاله رجال الصحيح'' وقال المنذری فی الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۵۱۱ ح ۱۰۸۲: ''رواه أبو يعلى موقوفًا بإسناد صحيح'')

۲) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ'' أنهم كتبوا إلى عمر يسألونه عن الجمعة فكتب : جمّعوا حيث كنتم ''انھوں نے (سیدنا) عمر (رضی اللہ عنہ) کی طرف لکھا، وہ جمعہ کے بارے میں پوچھ رہے تھے تو انھوں نے لکھ بھیجا: تم جہاں بھی ہو جمعہ پڑھو۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۰۲ ح ۵۰۶۸ وسندہ صحیح)

اس اثر سے معلوم ہوا کہ (بہت سے) لوگوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے جمعہ پڑھنے کا مسئلہ پوچھا تھا تو انھوں نے لوگوں کو حکم دیا: تم جہاں بھی ہو نمازِ جمعہ پڑھو۔

اس اثر پر امام ابن ابی شیبہ نے درج ذیل باب باندھا ہے:

''من كان يرى الجمعة في القرى وغيرها ''جو شخص گاؤں وغیرہ میں جمعہ کا قائل ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: تحقیق محمد عبدالسلام شاہین ج ۱ ص ۴۴۰)

یعنی محدثینِ کرام نے اس اثر سے یہ ثابت کیا ہے کہ گاؤں وغیرہ میں جمعہ پڑھنا

چاہئے۔ حافظ ابن حجر العسقلانی نے فرمایا: ''**وھذا یشمل المدن و القری**''
اور یہ شہروں اور گاؤں پر مشتمل ہے۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۳۸۰ تحت ح ۸۹۲)
یعنی اس فاروقی حکم سے مراد شہر بھی ہیں اور گاؤں بھی ہیں۔
یہ ظاہر ہے کہ لوگ شہروں میں بھی رہتے تھے اور دیہات وغیرہ میں بھی رہتے تھے اور اس اثر میں صرف سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا سوال نہیں بلکہ بہت سے لوگوں نے یہ مسئلہ پوچھا تھا۔
امام ابو بکر بن ابی شیبہ اور حافظ ابن حجر العسقلانی کی اس تشریح کے مقابلے میں عینی حنفی کی تاویل باطل ہے۔

۳) امام ایوب السختیانی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ مکے اور مدینے کے درمیان پانی والی جگہوں پر رہنے والے لوگوں کی طرف عمر بن عبدالعزیز (رحمہ اللہ/ خلیفہ) نے لکھ بھیجا تھا کہ نمازِ جمعہ پڑھو۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۱۶۹ ح ۵۱۸۱ وسندہ صحیح)
اس اثر کے بعد امام عبدالرزاق نے بغیر کسی سند کے لکھا ہے کہ عطاء نے فرمایا:
ہمیں یہ پتا چلا ہے کہ مصر جامع کے علاوہ جمعہ نہیں ہے۔ (ایضاً ص ۱۶۹)
اس کی سند منقطع اور بے سند ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

۴) امام زہری رحمہ اللہ (تابعی) سے امام معمر بن راشد نے ایسے گاؤں کے بارے میں پوچھا جو جامعہ نہ ہو (یعنی چھوٹا گاؤں ہو) جس میں لوگ جمعہ پڑھتے ہیں، کیا میں اُن کے ساتھ جمعہ پڑھوں اور قصر کروں؟ تو انھوں نے فرمایا: جی ہاں!
(مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۱۷۰ ح ۵۱۸۸ وسندہ صحیح)
اس اثر سے معلوم ہوا کہ امام زہری کے نزدیک چھوٹے گاؤں میں بھی جمعہ پڑھنا جائز ہے۔

۵) سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے بارے میں عبدالدائم جلالی دیوبندی نے لکھا ہے:
''اور آپ کا مکان بصرہ سے دو میل کے فاصلے پر زاویہ نامی گاؤں میں تھا۔''
(صحیح بخاری: مطبوعہ المکتبۃ العربیہ اقبال ٹاؤن لاہور ج ۱ ص ۵۰۹ قبل ح ۸۶۰)
سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے بارے میں صحیح بخاری میں لکھا ہوا ہے کہ ''**أحیاناً یجمع و أحیاناً لا**

یجمّع ''آپ بعض دفعہ جمعہ پڑھتے تھے اور بعض دفعہ جمعہ نہیں پڑھتے تھے۔ (قبل ح ۹۰۲)
جمعہ نہ پڑھتے تھے کی تشریح میں عبدالدائم جلالی نے لکھا ہے:
''(بلکہ بصرہ کی جامع مسجد میں آکر پڑھتے تھے)'' (صحیح بخاری مترجم ج ۱ص ۵۰۹)
حافظ ابن حجر نے اس اثر کی تشریح میں لکھا ہے:
''أي يصلي بمن معه الجمعة أو يشهد الجمعة بجامع البصرة''
یعنی آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ جمعہ پڑھ لیتے یا بصرے کی جامع مسجد میں جمعہ پڑھتے تھے۔ (فتح الباری ج ۲ص ۳۸۵ تحت ح ۹۰۲)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ زاویہ (نامی ایک گاؤں) میں عید کی نماز پڑھتے تھے۔
دیکھئے صحیح بخاری (قبل ح ۹۸۷ کتاب العیدین باب اذا فاتہ العید یصلی رکعتین)
جب عید کی نماز گاؤں میں جائز ہے تو جمعہ بدرجۂ اولیٰ جائز ہے۔
۶) امام مالک رحمہ اللہ نے بتایا کہ مکہ اور مدینہ کے درمیان پانی والی جگہوں کے پاس صحابہ (رضی اللہ عنہم اجمعین) جمعہ پڑھتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ص ۱۰۲، وسندہ صحیح إلی الامام مالک)
۷) امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں ''باب الجمعة في القرى والمدن'' باندھ کر یہ اشارہ کیا ہے کہ گاؤں اور شہروں میں جمعہ جائز ہے۔
مذکورہ باب کے لئے دیکھئے صحیح بخاری (مع فتح الباری ج ۲ص ۳۷۹)
۸) حافظ ابن حجر نے لکھا ہے:
''وعند عبدالرزاق بإسناد صحيح عن ابن عمر أنه كان يرى أهل المياه بين مكة و المدينة يجمعون فلايعيب عليهم ''اور صحیح سند کے ساتھ عبدالرزاق کی روایت ہے کہ ابن عمر (رضی اللہ عنہ) مکے اور مدینے کے درمیان پانی والی جگہوں پر رہنے والے لوگوں کو جمعہ پڑھتے دیکھتے تو اُن پر کوئی اعتراض نہیں کرتے تھے۔ (فتح الباری ج ۲ص ۳۸۰)

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب جس روایت میں آیا ہے کہ ''إذا كان عليهم أمير فليجمع'' جب اُن پر کوئی امیر ہو تو جمعہ پڑھائے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۱۷۸/۳)

اس کی سند مولیٰ لآل سعید بن العاص کے مجہول ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔
نیموی نے لکھا ہے: "قلت : إسناده مجهول" میں نے کہا: اس کی سند مجہول ہے۔
(آثار السنن ص ۲۵۳ تحت ۸۹۹)

۹) دو صحیح اور حسن لذاتہ حدیثوں پر امام ابوداود نے باب باندھا ہے:
"باب الجمعة في القرى" گاؤں میں جمعے کا باب (سنن ابی داود ص ۱۶۸، قبل ح ۱۰۶۸)
اور امام ابوداود نے گاؤں میں جمعہ نہ ہونے پر کوئی باب نہیں باندھا لہٰذا ثابت ہوا کہ امام ابوداود گاؤں میں نمازِ جمعہ کے جواز یا وجوب کے قائل تھے۔
خلیل احمد سہارنپوری دیوبندی نے اس باب کی تشریح میں لکھا ہے:
"أي حكم الجمعة في القرى فتجب على أهل القرى أن يجمعوا فيها..."
یعنی دیہات میں جمعہ کا حکم پس دیہاتیوں پر جمعہ پڑھنا واجب ہے... الخ
(بذل المجہود ج ۶ ص ۴۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

۱۰) عطاء بن ابی رباح (تابعی) رحمہ اللہ نے فرمایا: "إذا كانت قرية لازقة بعضها ببعض جمّعوا" اگر ایسا گاؤں ہو، جس کے گھر ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوں تو وہ جمعہ پڑھیں گے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ مطبوعہ: مکتبۃ الرشد الریاض ج ۲ ص ۵۳۸ ح ۵۱۰۸ وسندہ حسن، مصنف ابن ابی شیبہ: نسخہ محمد عوامہ ج ۴ ص ۴۸ ح ۵۱۱۰)

اس اثر کے راوی معقل بن عبید اللہ الجزری رحمہ اللہ جمہور کے نزدیک موثق ہونے کی وجہ سے حسن الحدیث تھے اور باقی سند صحیح ہے۔

اس اثر پر امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے "من كان يرى الجمعة في القرى وغيرها" کا باب باندھ کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ گاؤں میں جمعہ جائز یا واجب ہے۔

بعض اعتراضات کے جوابات

اب بعض الناس کے بعض اعتراضات اور شبہات کے جوابات پیشِ خدمت ہیں:

۱) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کے بعد پہلا

جمعہ" جواثاء قرية من قرى البحرين ، قال عثمان: قرية من قرى عبدالقيس "
بحرین کے گاؤں میں سے ایک گاؤں جواثا، عثمان (بن ابی شیبہ) کی روایت کے مطابق:
عبدالقیس (قبیلے) کے گاؤں میں سے ایک گاؤں میں/ پڑھا گیا۔ (سنن ابی داود: ۱۰۶۸)

اس حدیث کی سند صحیح ہے اور عثمان بن ابی شیبہ پر بعض الناس کی جرح مردود ہے۔
عثمان مذکور رحمہ اللہ صحیحین، سنن ابی داود، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ کے راوی تھے۔
صحیح بخاری میں اُن کی تقریباً اکسٹھ (۶۱) روایتیں موجود ہیں۔
دیکھئے مفتاح صحیح البخاری (ص ۱۱۶، ۱۱۷)

جمہور محدثین نے انھیں ثقہ وصدوق قرار دیا ہے اور ایسے راوی پر جرح مردود ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ اس روایت میں منفرد نہیں بلکہ محمد بن عبداللہ المخرمی نے بھی جواثا کو قریہ (گاؤں) کہا ہے۔ دیکھئے سنن ابی داود (مجلد واحد طبع دارالسلام ص ۱۶۲)
امام بیہقی کی کتاب السنن الکبریٰ میں عبداللہ بن المبارک عن ابراہیم بن طہمان کی روایت میں بھی " بجواثا قرية من قرى عبدالقيس " لکھا ہوا ہے۔ (دیکھئے ج ۳ ص ۱۷۶)

معلوم ہوا کہ عثمان بن ابی شیبہ رحمہ اللہ پر یہاں اعتراض سرے سے مردود ہے اور یہ بات عام طالب علموں کو بھی معلوم ہے کہ راویٔ حدیث کی روایت یا تشریح کے مقابلے میں معجم البکری ہو یا کوئی دوسرا مثلاً ابوالحسن اللخمی وغیرہ ہو، اس کی بات ہمیشہ مردود ہوتی ہے۔

عثمان بن ابی شیبہ کے بارے میں بعض الناس نے پرائمری ماسٹر محمد امین اوکاڑوی دیوبندی کی کتاب تجلیاتِ صفدر کے حوالے سے لکھا ہے کہ " جواثی کے بارے میں قریہ (گاؤں) کا لفظ سنن ابوداود میں عثمان بن ابی شیبہ کا ہے جو کہ خود ضعیف راوی ہیں (میزان الاعتدال بحوالہ تجلیات صفدر)"

عرض ہے کہ میزان الاعتدال میں عثمان مذکور کو ضعیف نہیں بلکہ " صح " لکھا ہوا ہے۔
(دیکھئے ج ۳ ص ۳۵ ت ۵۵۱۸)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ جس کے ساتھ " صـــح " کی علامت لکھیں تو وہ اُن کے نزدیک ثقہ ہوتا

ہے۔دیکھئے حافظ ابن حجر کی کتاب لسان المیزان (ج ۲ ص ۱۵۹، دوسرا نسخہ ج ۲ ص ۲۸۹)
حافظ ذہبی نے اپنی دوسری مشہور کتاب میں عثمان مذکور کے بارے میں لکھا ہے:
''لا ریب أنه کان حافظًا متقنًا ''الخ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ متقن (ثقہ) حافظ تھے۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۱۱ ص ۱۵۲)

تنبیہ: عثمان بن ابی شیبہ رحمہ اللہ سے قرآن مجید کا غلط طور پر پڑھنا باسند صحیح ثابت نہیں ہے اور اس سلسلے کی ساری روایات ضعیف و مردود ہیں۔

دوسرے یہ کہ دوسرے دو ثقہ راویوں نے بھی قریہ (گاؤں) کا لفظ روایت کیا ہے لہٰذا ثقہ راوی پر جرح سرے سے مردود ہے۔ والحمد للہ

جواثا شہر نہیں بلکہ گاؤں تھا اور یہ عین ممکن ہے کہ بعد میں شہر ہو گیا ہو۔ حافظ ابن حجر العسقلانی نے لکھا ہے: ''مع احتمال أن تکون فی الأول قریة ثم صارت مدینة'' اس احتمال کے ساتھ کہ یہ پہلے گاؤں ہو اور بعد میں شہر ہو گیا ہو۔

(فتح الباری ج ۲ ص ۳۸۱ تحت ح ۸۹۲)

حافظ ابن حجر کے مقابلے میں چودھویں صدی کے نیموی تقلیدی اور درس ترمذی (۲۶۸/۲) وغیرہما کے حوالے بے کار ہیں۔

عینی حنفی کے بارے میں عبدالحیٔ لکھنوی حنفی نے لکھا ہے: '' و لو لم یکن فیه رائحة التعصب المذهبی لکان أجود و أجود ''اور اگر اُن میں مذہبی تعصب کی بُو نہ ہوتی تو بہت بہتر ہوتا۔ (الفوائد البہیہ ص ۲۷۳ محمود بن احمد بن موسیٰ العینی)

۲) سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (سیدنا) اسعد بن زرارہ (رضی اللہ عنہ) نے سب سے پہلے ہمیں هَزْم النَّبِیت (کی بستی) میں مقام نقیع پر جمعہ پڑھایا جو کہ بنو بیاضہ کی زمین میں واقع ہے، اسے نقیع الخضمات بھی کہتے ہیں۔

(سنن ابی داود ترجمۃ الشیخ ابی انس محمد سرور گوہر قصوری حفظہ اللہ ج ۱ ص ۳۶۸، ۳۶۹ ح ۱۰۶۹، باختلاف یسیر)

اس وقت وہاں صحابہ کی تعداد چالیس (۴۰) تھی۔

دیکھئے سنن ابی داود مع عون المعبود (ج ۱ ص ۴۱۴)

اس روایت کی سند حسن لذاتہ ہے، امام المغازی محمد بن اسحاق بن یسار نے سماع کی تصریح کر دی ہے۔

دیکھئے صحیح ابن خزیمہ (ج ۳ ص ۱۱۳ ح ۱۷۲۴) اور صحیح ابن الجارود (المنتقیٰ: ۲۹۱)

اسے ابن خزیمہ اور ابن الجارود کے علاوہ حاکم اور ذہبی دونوں نے مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔

دیکھئے المستدرک والتلخیص (ج ۱ ص ۲۸۱)

امام بیہقی نے فرمایا: '' **وهذا حديث حسن الإسناد صحيح** '' اور یہ حدیث سند کے لحاظ سے حسن (اور) صحیح ہے۔ (السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۱۷۷)

ہزم النبیت مدینہ طیبہ کے نزدیک حرہ بنی بیاضہ کا ایک موضع تھا۔

دیکھئے المنہل العذب المورود شرح سنن ابی داود (ج ۶ ص ۲۱۸، ۲۱۹ واللفظ لہ) عون المعبود (ج ۱ ص ۴۱۴) اور بذل المجہود (ج ۶ ص ۵۳)

حرہ بنی بیاضہ کسے کہتے ہیں؟ اس کی تشریح میں عینی حنفی نے فرمایا:

'' **هی قرية علٰى ميل من المدينة** '' یہ مدینے سے ایک میل کے فاصلے پر ایک گاؤں تھا یا ہے۔ (شرح سنن ابی داود للعینی ج ۴ ص ۳۹۵)

نیز دیکھئے بذل المجہود (ج ۶ ص ۵۳ نقلہ عن العینی) اور عون المعبود (ج ۱ ص ۴۱۴)

اس حدیث پر درج ذیل محدثینِ کرام نے گاؤں میں جمعہ کے ابواب باندھے ہیں:

۱: امام ابوداود (قال: باب الجمعۃ فی القری)

۲: بیہقی (قال : باب العدد الذين إذا كانوا في قرية و جبت عليهم الجمعة)

محدث ابوسلیمان حمد بن محمد الخطابی (متوفی ۳۸۸ھ) نے فرمایا:

'' **و فی الحديث من الفقه أن الجمعة جواز ها فی القرى كجوازها فی المدن و الأمصار لأن حرة بني بياضة يقال قرية علٰى ميل من المدينة** ''

اور (اس) حدیث میں یہ فقہ ہے کہ جس طرح شہروں میں جمعہ جائز ہے، اُسی طرح دیہات

میں بھی جمعہ جائز ہے کیونکہ حرہ بنی بیاضہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ مدینے سے ایک میل کے فاصلے پر گاؤں ہے یا تھا۔ (معالم السنن ج ا ص ۲۱۱)

محدثین کی ان تصریحات کے مقابلے میں بہت بعد کی تفسیر روح المعانی وغیرہ کے حوالوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

بعض الناس نے لکھا ہے کہ ''صحابہ نے یہ جمعہ اپنے اجتہاد سے فرضیتِ جمعہ سے پہلے ہی پڑھ لیا تھا..... یہ جمعہ صحابہ کرامؓ نے اپنے اجتہاد سے پڑھا تھا اور اس وقت جمعہ کے احکام نازل بھی نہیں ہوئے تھے لہٰذا اس واقعہ سے کوئی استدلال نہیں کیا جا سکتا۔''

(ایک تقلیدی فتویٰ ص ۵، ۶)

عرض ہے کہ صحابہ کا یہ اجتہاد دیوبندی وتقلیدی ''فقہاء'' کے اجتہادات سے ہزار گنا بہتر ہے۔ دوسرے یہ کہ اُس وقت رسول اللہ ﷺ زندہ تھے لیکن آپ نے اُن پر کوئی رد نہ فرمایا۔ تیسرے یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا یہ جمعہ ہو گیا تھا یا نہیں؟ جواب دیں۔!

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اجتہادات رد کر کے اپنے تقلیدی دیوبندی اکابر کے اجتہادات منوانا کہاں کا انصاف ہے؟!

یہ کہنا کہ یہ ''حدیث مرفوع نہیں ہے بلکہ موقوف ہے'' دو وجہ سے مردود ہے:

اول: صحابۂ کرام کا یہ عمل اور موقوف روایت تمام حنفی فقہاء کے مقابلے میں راجح اور مضبوط ہے۔ کہاں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور کہاں حنفی فقہاء؟ سبحان اللہ!

دوم: دیوبندی اصولِ حدیث میں لکھا ہوا ہے کہ ''صحابی کا یہ بیان کہ صحابہ ایسا کہتے تھے یا کرتے تھے، یا فلاں کام میں حرج نہیں سمجھتے تھے۔

ا: اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی طرف نسبت کر کے ایسا کہا جائے تو صحیح یہ ہے کہ مرفوع قرار پائے گی جیسے....''

(علوم الحدیث تالیف محمد عبید اللہ الاسعدی، نظر ثانی وتقریظ حبیب الرحمٰن اعظمی دیوبندی ص ۴۴)

نیز دیکھئے محمد ارشاد القاسمی (دیوبندی) کی کتاب: ارشاد اصول الحدیث (ص ۵۰)

۳) اسی مضمون میں آثارِ سلف صالحین (اثر نمبر۲) کے تحت گزر چکا ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: لوگوں نے (سیدنا) عمر (رضی اللہ عنہ) کی طرف لکھا، وہ جمعہ کے بارے میں پوچھ رہے تھے تو انھوں نے لکھ بھیجا: تم جہاں بھی ہو جمعہ پڑھو۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۰۲ ح ۵۰۶۸ وسندہ صحیح، باب من کان یری الجمعۃ فی القری وغیرہا)

حافظ ابن حجر نے فرمایا: یہ شہروں اور گاؤں پر مشتمل ہے۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۳۸۰)

اس فاروقی حکم کے بارے میں محدثین کرام اور شارحینِ حدیث کے فہم کے مقابلے میں یہ لکھ دینا کہ ''تو دیہات کا لفظ کہیں ثابت نہیں ہے۔'' غلط اور مردود ہے۔

٤) حافظ ابن حزم اندلسی (متوفی ۴۵٦ھ) کے ایک قول کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو اس وقت کا مدینہ چھوٹے چھوٹے گاؤں پر مشتمل تھا۔

دیکھئے المحلی (ج ۵ ص ۵۴ مسئلہ نمبر ۵۲۳)

اس کی تائید سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث سے ہوتی ہے، جو ہمارے مضمون کے اسی باب کے نمبر۲ میں گزر چکی ہے۔

بعض الناس نے بغیر کسی صریح دلیل کے ابن حزم پر تنقید کی ہے اور اسے ''ابن حزم کی اندھی تقلید'' قرار دیا ہے۔ عرض ہے کہ عینی حنفی نے یہ قول نقل کر کے اسے تین وجہ سے ''غیر جید'' یعنی اچھا (صحیح) نہیں قرار دیا:

اول: علی رضی اللہ عنہ کا قول، جو کہ مدینہ کو سب سے زیادہ جانتے تھے:

'' لا جمعة ولا تشريق إلا في مصر جامع . ''

دوم: امام (خلیفہ) جہاں بھی ہو جمعہ جائز ہے۔

سوم: امام کو اختیار ہے، وہ جسے شہر قرار دے وہ شہر ہے۔ (شرح سنن ابی داود ج ۴ ص ۳۹۴)

عرض ہے کہ ان تینوں دلیلوں سے مدینہ طیبہ کی اُس دور کی بستیوں کی تردید نہیں ہوتی اور خود عینی نے حرہ بنی بیاضہ کو مدینے سے ایک میل کے فاصلے پر ایک گاؤں تسلیم کیا ہے۔

دیکھئے یہی باب (فقرہ نمبر۲) اور شرح سنن ابی داود للعینی (ج ۴ ص ۳۹۵)

لہٰذا بعد والے لوگوں کا بغیر کسی صریح اور صحیح دلیل کے ابن حزم پر رد غلط ہے۔ واللہ اعلم

۵) مشہور ثقہ تابعی امام زہری رحمہ اللہ کے ایک قول کا خلاصہ یہ ہے کہ چھوٹے گاؤں میں بھی جمعہ پڑھو۔ دیکھئے یہی مضمون آثارِ سلف صالحین (نمبر۴)

اس کے بارے میں بعض الناس نے لکھا ہے:

''امام زہریؒ تابعی ہیں اور امام ابوحنیفہؒ بھی تابعی ہیں اور امام ابوحنیفہ خود بھی مجتہد ہیں تو امام زہریؒ کا قول امام ابوحنیفہؒ پر حجت نہیں ہے'' (ایک قلمی مضمون ص ۸)

بعض الناس کا یہ کلام چار وجہ سے مردود ہے:

اول: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے باسند صحیح یہ ثابت نہیں ہے کہ گاؤں میں جمعہ نہیں ہوتا لہٰذا امام زہری اور امام ابوحنیفہ دونوں میں اس مسئلے پر کوئی مخالفت نہیں ہے۔

دوم: امام زہری رحمہ اللہ کا یہ فتویٰ کسی صحیح صریح دلیل کے خلاف نہیں ہے بلکہ ہمارے ذکر کردہ دلائل اور آثارِ سلف صالحین اُس کے مؤید ہیں۔

سوم: حنفیوں کا یہ دعویٰ ہے کہ امام محمد بن مسلم بن شہاب الزہری امام ابوحنیفہ کے استاذوں میں سے تھے۔ دیکھئے حدائق الحنفیہ (ص ۴۶)

چہارم: یہ قول امام ابوحنیفہ پر بطورِ حجت پیش نہیں کیا گیا بلکہ حنفیوں اور آلِ دیوبند پر بطورِ الزام پیش کیا گیا ہے کیونکہ یہ لوگ امام زہری رحمہ اللہ کو جلیل القدر تابعی اور اکابر اہلِ سنت میں سے مانتے ہیں لہٰذا امام ابوحنیفہ کے استاذ کے مقابلے میں تمام آلِ دیوبند اور حنفی فقہاء کے فتوے کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

تنبیہ: کیا امام ابوحنیفہ تابعی تھے یا نہیں تھے؟ اس کا ہمارے حالیہ موضوع سے کوئی تعلق نہیں ہے لہٰذا ہم یہاں فی الحال اس پر کوئی بحث نہیں کرتے۔ راجح یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ تابعی نہیں تھے اور اس کا اعتراف خود امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے بھی ثابت ہے۔

اس موضوع پر تحقیق کے لئے دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو (عدد ۷ اص ۱۸۔۲۲)

٦) بعض الناس نے ابوبکر الجصاص وغیرہ حنفی فقہاء کے حوالے سے لکھا ہے کہ

"بے شک انھوں نے (فقہاء) نے اجماع کیا ہے کہ جمعہ دیہاتوں اور چھوٹی بستیوں میں جائز نہیں ہے۔" (ایک قلمی مضمون ص ۲)

عرض ہے کہ قرآن مجید، احادیث صحیحہ اور آثارِ سلف صالحین کے مقابلے میں حنفی فقہاء کا اجماع کوئی حجت نہیں ہے۔

یاد رہے کہ اجماع وہ حجت ہے جس پر ساری اُمتِ مسلمہ کے تمام اہلِ حق علماء کا اتفاق ہو لہٰذا صرف حنفی فقہاء کا اجماع کوئی دلیل نہیں ہے۔

گاؤں میں جمعہ کے مخالفین کے شبہات اور اُن کے جوابات

آخر میں اُن لوگوں کے شبہات کا خلاصہ اور اُن شبہات کے جوابات پیشِ خدمت ہیں، جو لوگ گاؤں میں نمازِ جمعہ قائم کرنے کے مخالف ہیں:

۱: رسول اللہ ﷺ نے عرفات میں نمازِ جمعہ نہیں پڑھی بلکہ ظہر اور عصر کی دونوں نمازیں دو دو کر کے جمع کر کے پڑھیں۔

ظہر وعصر کی مذکورہ جمع بین الصلوٰتین (جمع تقدیم کے ساتھ) کے لئے دیکھئے صحیح مسلم (ح ۱۲۱۸، ترقیم دارالسلام: ۲۹۵۰ باب حجۃ النبی ﷺ)

دو دو رکعتوں کے لئے دیکھئے محمد زکریا کاندھلوی دیوبندی کی کتاب: حجۃ الوداع (ص ۸۲) اور شیخ البانی کی کتاب: مناسک الحج والعمرۃ (ص ۲۸ فقرہ: ۶۴)

یہ جمع بین الصلوٰتین کیوں ہے؟ اس کے بارے میں شبیر احمد عثمانی دیوبندی نے کہا:

"**وهذا الجمع كجمع المزدلفة جمع نسك عندنا**" اور یہ جمع ہمارے نزدیک حج کی جمع (**جمع نسك**) ہے جیسے کہ مزدلفہ میں (نماز) جمع کی جاتی ہے۔

(فتح الملہم ج ۳ ص ۲۸۶ مطبوعہ المکتبۃ الرشیدیہ کراچی)

اس حنفی قول سے ثابت ہو گیا کہ حج کے دن جمعہ نہ پڑھنا بلکہ ظہر وعصر کی دو نمازیں جمع کر کے بطورِ قصر پڑھنا حج کی خصوصیت میں سے ہے۔

دیوبندی اور حنفی فقہاء کے اس استدلال کے مقابلے میں بذل المجہود کے دیوبندی

حوالے کی کوئی حیثیت نہیں ہے بصورتِ دیگر ''مؤدبانہ'' درخواست ہے کہ امام ابوحنیفہ یا امام طحاوی سے باسند صحیح ثابت کریں کہ ''حج والی حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ گاؤں میں جمعہ جائز نہیں'' اور اگر ثابت نہ کرسکیں تو یہ استدلال غلط ہے۔

۲: کان الناس ینتابون الجمعة من منازلهم والعوالي إلخ (صحیح بخاری:۹۰۲)

اس حدیث کا ترجمہ کرتے ہوئے ظہور الباری اعظمی دیوبندی نے لکھا ہے:

''کہ لوگ جمعہ کی نماز پڑھنے اپنے گھروں سے اور عوالی مدینہ (تقریباً مدینہ سے چار میل دور) سے (مسجد نبوی میں) آیا کرتے تھے۔''

(صحیح بخاری مترجم مع حواشی محمد امین اوکاڑوی دیوبندی ج ۱ ص ۴۴۱ ح ۸۵۵)

اس حدیث کی تشریح میں علامہ قرطبی نے لکھا ہے:

'' **أي یجیئون ... وهذا رد علی الکوفي الذي لا یوجبها علی من کان خارج المصر** '' إلخ یعنی وہ آتے تھے....اور یہ اُس کوفی کا رد ہے جو شہر سے باہر جمعہ کو واجب قرار نہیں دیتا۔ الخ (المفہم لما اشکل من تلخیص کتاب مسلم ج ۲ ص ۴۸۲)

اس حدیث میں **الناس** سے مراد مدینہ کے لوگ اور عوالی کے لوگ ہیں جیسا کہ الفاظِ حدیث سے ظاہر ہے۔ نیز دیکھئے بذل المجہود (ج ۶ ص ۲۶)

کیا خیال ہے کہ مدینہ کے لوگوں پر بھی جمعہ فرض نہیں تھا، جو وہ باری باری آتے تھے؟ اگر اہلِ مدینہ پر جمعہ فرض تھا تو پھر اس حدیث سے عوالی (دیہات) میں جمعہ فرض نہ ہونے پر استدلال غلط ہے۔

خلیل احمد سہارنپوری دیوبندی نے لکھا ہے کہ مصنف نے اس سے استدلال کیا ہے کہ شہر سے باہر عوالی اور دیہات والوں پر جمعہ واجب ہے الخ (بذل المجہود ج ۶ ص ۲۶)

اور بعد میں سہارنپوری نے مصنف (یعنی محدث اور راویٔ حدیث) کا رد کیا ہے لیکن عرض ہے کہ محدثینِ کرام کے مقابلے میں چودھویں صدی والے دیوبندیوں کی کون سنتا ہے؟

تنبیہ: اس حدیث کی کسی سند میں یہ ثابت نہیں ہے کہ اہلِ مدینہ اور عوالی والے جب

مسجد نبوی میں حاضر نہ ہوتے تو اپنی مسجدوں میں نمازِ جمعہ نہیں پڑھتے تھے۔ اگر کسی شخص کا خیال ہے کہ وہ جمعہ نہیں پڑھتے تھے تو وہ دلیل پیش کرے۔

یاد رہے کہ حافظ ابن حجر کے مقابلے میں یہاں علامہ قرطبی کی تحقیق زیادہ راجح ہے کیونکہ ظاہر قرآن، احادیثِ صحیحہ اور آثارِ سلف صالحین اُن کے مؤید ہیں۔

بعض الناس نے لکھا ہے کہ ''تو جو لوگ باری باری آتے تھے ان میں جو پیچھے رہ جاتے وہ جمعہ نہیں پڑھتے تھے جیسا کہ جواثا والی حدیث سے ثابت ہے'' الخ

عرض ہے کہ صحیح سند کے ساتھ ینتابون کا زمانہ (مہینہ، سال) اور جواثا والی حدیث کا زمانہ ثابت کریں ورنہ یہ استدلال غلط ہے۔

کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں کہ نمازِ جمعہ پڑھنے کے لئے آنے والے یہ لوگ صرف نماز جمعہ پڑھنے کے لئے آتے تھے اور اُن کا مقصد نبی کریم ﷺ کی صحبتِ بابرکت سے فائدہ اٹھانا اور مسجد نبوی میں نمازوں کا ثواب حاصل کرنا نہیں تھا۔

کاش کہ ہمیں بھی وہ مبارک دور ملتا تو مسجدِ نبوی کی طرف سفر کر کے نبی ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے اور آپ سے ملاقات کرتے اور آپ کی بابرکت صحبت سے مستفید ہوتے۔

۳: عید والے دن نمازِ عید کے بعد لوگوں کو نمازِ جمعہ کی رخصت دینا ایک خاص بات ہے اور اہلِ حق کا اس پر عمل ہے لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ عید اور جمعہ اکٹھے دن کے علاوہ دوسرے جمعہ کے دنوں میں گاؤں والوں پر جمعہ فرض نہیں ہے یا اُن کے لئے نماز جمعہ پڑھنا جائز نہیں ہے۔

خاص دلیل کو عام دلیل کے مقابلے میں ٹکرا کر عام کو ختم کر دینا غلط ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ خاص مسئلے میں خاص دلیل پر اور اس کے علاوہ باقی مسائل میں عام دلیل پر عمل جاری رہتا ہے۔ مثلاً نماز میں (حنفیوں کے نزدیک) قراءت فرض ہے لیکن جو گونگا شخص قراءت کر ہی نہیں سکتا وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ باقی تمام لوگوں پر قراءت (قراءتِ فاتحہ) فرض ہے اور گونگا مجبور محض ہونے کی وجہ سے اس عموم سے خارج ہے۔

اگر گونگے پر استدلال کر کے کوئی شخص مطلقاً قراءت کی فرضیت کا انکار کر دے تو حنفیہ اور آلِ دیوبند کے نزدیک بھی یہ غلط ہے۔

٤: قبا میں دس روز قیام والی حدیث میں یہ صراحت نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے جمعہ نہیں پڑھا تھا اور اگر یہ ثابت ہو جائے کہ نہیں پڑھا تھا تو عرض ہے کہ اُس وقت آپ مسافر تھے اور مسافر پر (ہمارے اور آپ کے نزدیک) بالاتفاق جمعہ فرض نہیں ہے لہٰذا اس واقعے سے استدلال غلط ہے۔

بعض الناس نے لکھا ہے کہ "امام ابراہیم نخعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ دیہات میں جمعہ کے قائل ہی نہیں تھے۔" (ص۱۲)

عرض ہے کہ امام ابوحنیفہ سے یہ مسئلہ باسند صحیح ثابت ہی نہیں ہے اور رہ گئے ابراہیم نخعی اور قاضی ابو یوسف کے اقوال تو ان کی صحیح سندیں پیش کریں اور اگر صحیح سندیں پیش نہ کر سکیں تو یہ مذکورہ کلام غلط و مردود ہے۔

کتاب الآثار نامی کتاب محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی سے باسند صحیح ثابت نہیں ہے۔ دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو (عدد ۵۵ ص ۳۶)

ابن فرقد مذکور کی توثیق کسی معتبر امام سے ثابت نہیں ہے بلکہ امام یحییٰ بن معین، امام احمد بن حنبل، امام عمرو بن علی الفلاس اور امام ابوزرعہ الرازی وغیرہم جمہور محدثین سے اُس پر جرح ثابت ہے۔ دیکھئے الحدیث: ۵۵ (ص ۲۸)

لہٰذا کتاب الآثار کا حوالہ بے کار ہے۔

بعض الناس نے حسن بصری اور محمد بن سیرین کے بارے میں آثار السنن (تقلیدی کتاب) کا حوالہ دیا ہے (کہ ان دونوں نے فرمایا: الجمعة فی الأمصار [جمعہ شہروں میں ہے])

عرض ہے کہ ان آثار کی سند ضعیف ہے۔ ان کے راوی ہشام بن حسان مدلس تھے۔ دیکھئے طبقات المدلسین لابن حجر (طبقہ ثالثہ ۱۱۰/۳ ص ۶۵)

اور مدلس کی عن والی روایت ضعیف ہوتی ہے، ماسٹر امین اوکاڑوی کے استاد سرفراز

خان صفدر دیوبندی نے کہا:

''مدلس راوی عَنْ سے روایت کرے تو وہ حجت نہیں....'' (خزائن السنن ج ۱ ص ۱)

ایک روایت کے بارے میں امین اوکاڑوی نے لکھا ہے:

''یہ حدیث سنداً (سند کے اعتبار سے) ضعیف ہے کیونکہ ابوزبیر مدلس ہے اور عن سے روایت کر رہا ہے....'' (جزء رفع الیدین بحاشیۃ اوکاڑوی ص ۳۱۸ ح ۵۶)

۵: اہلِ قبا کا نبی کریم ﷺ کے پاس آکر آپ کے پیچھے نماز پڑھنا، اس کی دلیل نہیں ہے کہ گاؤں میں جمعہ نہیں ہوتا۔

٦: ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم جمعہ کو قباء سے (مدینہ میں) حاضر ہوں۔ (ترمذی صفحہ ۲۲٦ حدیث نمبر ۵۰۱)

اول: اس کا راوی ثویر بن ابی فاختہ ضعیف ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا:

''ضعیف رمی بالرفض ''ضعیف ہے، اُسے رافضی قرار دیا گیا ہے۔

(تقریب التہذیب ج ۱ ص ۲۰۳ ترجمہ نمبر ۸٦۲)

ضعیف رافضی کی روایت مردود ہوتی ہے۔

دوم: رجل من اہل قباء مجہول ہے۔

دوسرے یہ کہ اس ضعیف و مردود روایت سے بھی گاؤں میں جمعہ نہ ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا اور سنن ترمذی کے مجہول محشی کی بات بے دلیل ہے۔

۷: ایک روایت میں آیا ہے: ''**خمسة لا جمعة عليهم: المرأة والمسافر والعبد والصبي وأهل البادية**'' پانچ آدمی ہیں جن پر جمعہ (واجب) نہیں ہے: عورت، مسافر، غلام، بچہ اور اہل دیہات (رواہ الطبرانی فی الاوسط) ج ۱ ص ۱٦۱، ۱٦۲ ح ۲۰۴

عرض ہے کہ اس روایت میں دو راوی ضعیف ہیں:

اول: ابراہیم بن حماد بن ابی حازم المدینی کو امام دارقطنی نے الضعفاء والمتروکون میں شامل کیا ہے۔ دیکھئے امام دارقطنی کی کتاب: الضعفاء والمتروکون (ص ۱۰۱ ت ۲۸)

نیز دیکھئے لسان المیزان (ج ۱ ص ۵۰، دوسرا نسخہ ج ۱ ص ۷۳)
اور کسی نے اس راوی کو ثقہ یا صدوق نہیں کہا۔
دوم: احمد بن محمد بن الحجاج بن رشدین بن سعد المصری جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف و مجروح راوی ہے۔ دیکھئے لسان المیزان (ج ۱ ص ۲۵۷، ۲۵۸، دوسرا نسخہ ص ۳۸۹)
ایسی ضعیف و مردود روایت پیش کرنے کی کیا ضرورت ہے؟!
۸: سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ " **لا جمعة و لا تشريق إلا في مصر جامع .** "
(فتح الباری ج ۲ ص ۳۸۰)

عرض ہے کہ اس موقوف روایت اور اثر سے دیوبندیوں کا استدلال پانچ وجہ سے غلط ہے:
اول: مصر جامع کسے کہتے ہیں؟ اس کا کوئی ثبوت سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے نہیں ملتا۔ لغت بھی اس کی تشریح سے خاموش ہے۔
حنفیوں کی کتاب الہدایہ میں بغیر کسی سند کے قاضی ابو یوسف سے نقل کر کے لکھا گیا ہے کہ
" **والمصر الجامع كل موضع له أمير و قاض ينفذ الأحكام و يقيم الحدود** "
اور مصر جامع ہر وہ موضع ہے جس میں امیر اور قاضی ہو جو احکام نافذ کرے اور حدود قائم کرے۔ (ہدایہ اولین ص ۱۶۸، باب صلوٰۃ الجمعۃ)
اس تعریف و تشریح کے لحاظ سے پاکستان کے شہروں میں بلکہ اسلام آباد میں بھی جمعہ نہیں ہوتا (!) کیا خیال ہے؟!
براہِ مہربانی! پاکستان کا وہ شہر بتائیں جہاں شرعی احکام اور شرعی حدود نافذ ہیں ورنہ اس اثر سے استدلال نہ کریں۔
دوم: دیوبندی اصول کو مدِنظر رکھتے ہوئے اس اثر میں **لا** سے مراد نفی وجوب و فرضیت مراد ہو سکتی ہے لہٰذا اس سے گاؤں میں نمازِ جمعہ کے جواز کی نفی نہیں ہوتی جیسا کہ کفایت اللہ دہلوی دیوبندی نے لکھا ہے: " **لا جمعة و لا تشريق الخ** حنفیہ نے اس میں **لا** سے نفی صحت مراد لی ہے مگر محتمل ہے کہ نفی وجوب مراد ہو۔" (کفایت المفتی ج ۳ ص ۱۹۶ جواب نمبر ۲۷۴)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا یہ اثر اشرفعلی تھانوی دیوبندی کے علم میں تھا۔
دیکھئے القول البدیع فی اشتراط المصر للتجمیع (ص ۶۱)
حضرو (بہبودی) کے رہنے والے قاری سعید الرحمٰن دیوبندی نے اپنے باپ عبدالرحمٰن کاملپوری دیوبندی سے نقل کیا کہ جہاں جمعہ کی اکثر شرائط (جو حنفیہ کے ہاں ضروری ہیں) مفقود ہوتیں اس کے بارے میں تھانوی نے کہا:
''ایسے موقعہ پر فاتحہ خلف الامام پڑھ لینا چاہئے تاکہ امام شافعیؒ کے مذہب کے بناء پر نماز ہو جائے'' (تجلیاتِ رحمانی ص ۲۳۲ عنوان: مسئلہ اسقاط)
معلوم ہوا کہ تھانوی کے نزدیک مذکورہ اثر نفی صحت نہیں بلکہ نفی کمال پر محمول ہے۔
سوم: سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے قول کے مقابلے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا قول زیادہ راجح ہے، کیونکہ ظاہر قرآن، احادیث صحیحہ اور دیگر آثار اُن کے مؤید ہیں۔
چہارم: خود حنفیہ اور آلِ دیوبند کا اس اثر پر عمل نہیں ہے، کیونکہ یہ لوگ بے شمار دیہات میں جمعہ پڑھتے ہیں بلکہ دھڑلے سے پڑھتے ہیں۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ حنفی اور دیوبندی عوام نے اپنے ''فقہاء'' اور مولویوں کے خلاف بغاوت کر دی ہے۔!
پنجم: امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا اثر پہلے باب میں لکھا ہے۔
(دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۰۱ ح ۵۰۵۹)
اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا اثر بعد والے باب: ''من کان یری الجمعة فی القری وغیرها'' میں لکھا ہے۔ دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ (ج ۲ ص ۱۰۲ ح ۵۰۶۸)
عام دیوبندیوں کا یہ اصول ہے کہ اگر محدث بعد میں کوئی روایت لے آئے تو وہ ناسخ اور پہلی منسوخ ہوتی ہے لہٰذا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا اثر منسوخ ہے۔
۹: عن حذيفة رضي الله عنه قال: '' ليس على أهل القرى جمعة ، إنما الجمعة على أهل الأمصار '' سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دیہات والوں پر جمعہ نہیں، جمعہ تو شہر والوں پر ہے۔ (عینی شرح بخاری، اوجز المسالک)

عرض ہے کہ یہ قول معمولی اختلاف کے ساتھ مصنف ابن ابی شیبہ (ج ۲ ص ۱۰۱ ح ۵۰۶۰) میں موجود ہے اور تین وجہ سے ضعیف ہے:

اول: حماد بن ابی سلیمان مدلس راوی تھے۔ دیکھئے الکامل لابن عدی (ج ۲ ص ۶۵۳ وسندہ صحیح) طبقات المدلسین لابن حجر (۲/۴۵)

تحقیق راجح میں حماد طبقۂ ثالثہ کے مدلس تھے اور یہ روایت معنعن ہے لہٰذا ضعیف ہے۔

دوم: حماد بن ابی سلیمان کا آخری عمر میں حافظہ کمزور ہو گیا تھا۔

دیکھئے مجمع الزوائد (ج ۱ ص ۱۱۹، ۱۲۰، کتاب العلم باب فی طلب العلم)

حماد مذکور کے شاگرد عمر بن عامر کا حماد سے سماع قبل از اختلاط معلوم نہیں ہے بلکہ حافظ ہیثمی نے بتایا کہ حماد کی صرف وہی روایت مقبول ہے جو اُن کے قدیم شاگردوں: شعبہ، سفیان ثوری اور ہشام الدستوائی نے بیان کی ہے۔ (ایضاً ملخصاً)

سوم: سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ ۳۶ھ میں فوت ہوئے تھے۔ دیکھئے تقریب التہذیب (۱۱۵۶) اور ابراہیم نخعی تقریباً ۴۶ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ دیکھئے تقریب التہذیب (۲۷۰)

معلوم ہوا کہ یہ سند ضعیف ہونے کے ساتھ سخت منقطع بھی ہے۔

۱۰: متاخرین میں سے ابو بکر الجصاص (حنفی) کی احکام القرآن کے بے سند حوالے مردود ہیں۔

۱۱: شاہ ولی اللہ دہلوی حنفی کا قول کئی وجہ سے مرجوح اور نا قابلِ حجت ہے:

اول: یہ آثارِ سلف صالحین کے خلاف ہے۔

دوم: اتفاق اور اجماع کا دعویٰ غلط ہے۔

سوم: لا سے مراد فرضیت کی نفی ہے، جو کہ جواز کے منافی نہیں اور یہ ثابت ہے کہ عوالی والے نمازِ جمعہ پڑھنے کے لئے مسجد نبوی میں تشریف لاتے تھے۔

بعض الناس نے آخر میں امام ابو حنیفہ کی تابعیت، قاضی ابو یوسف کی تعریف اور امام بخاری وغیرہ کے بارے میں فلسفیانہ کلام لکھا ہے، جس کا موضوعِ جمعہ سے کوئی تعلق نہیں لہٰذا

ہم اسے یہاں نظر انداز کرتے ہیں۔ نیز دیکھئے الحدیث (عدد ۷ اص ۱۸۔۲۲)

شیخ صالح بن فوزان بن عبداللہ الفوزان السعودی کے فتاویٰ میں سوال نمبر ۲۹۷ کے جواب میں لکھا ہوا ہے کہ "علماء کے دو اقوال میں سے صحیح قول یہ ہے کہ عام نمازوں کی طرح نمازِ جمعہ کے لئے کوئی خاص تعداد مشروط نہیں ہے کیونکہ نمازِ جمعہ کی تعداد کی حد بندی کے لئے کوئی خاص دلیل ثابت نہیں ہے، پس یہ نماز عام نمازوں کی طرح منعقد ہو جاتی ہے جیسے جماعت ہو جاتی ہے، اگر وہ لوگ کسی خاص مقام میں عام عادت کے مطابق رہتے ہوں، جہاں سکونت اور دوام ہو۔ اور علماء کے دو اقوال میں سے یہی قول سب سے زیادہ صحیح ہے۔ واللہ اعلم " (المنتقیٰ من فتاویٰ صالح الفوزان ج ۲ ص ۲۳۵ مترجماً)

[ختم شد ۱۹/ جون ۲۰۰۹ء]

عیدین میں بارہ تکبیریں اور رفع یدین

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے مولیٰ (آزاد کردہ غلام) نافع (رحمہ اللہ) سے روایت ہے کہ میں نے عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر (کی نماز) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ (یعنی آپ کے پیچھے) پڑھی تو آپ نے پہلی رکعت میں قراءت سے پہلے سات تکبیریں کہیں اور دوسری رکعت میں قراءت سے پہلے پانچ تکبیریں کہیں۔

امام مالک نے فرمایا: ہمارے ہاں (مدینہ میں) اسی پر عمل ہے۔

(موطأ امام مالک، روایۃ یحییٰ بن یحییٰ ۱/۱۸۰ ح ۴۳۵ وسندہ صحیح، روایۃ ابی مصعب الزہری ۱/۲۳۰ ح ۵۹۰)

اس روایت کی سند بالکل صحیح ہے۔ امام بیہقی نے فرمایا: اور ابو ہریرہ کی موقوف روایت صحیح ہے، اس میں کوئی شک نہیں ہے۔

(الخلافیات قلمی ص ۵۳ ب، مختصر الخلافیات لابن فرح ج ۲ ص ۲۲۰)

ایک روایت میں ہے کہ نافع نے کہا: میں نے لوگوں کو اسی پر پایا ہے۔

(الخلافیات قلمی، ص ۵۵ (وسندہ حسن، عبداللہ العمری عن نافع: حسن الحدیث وضعیف عن غیرہ)

ایک روایت میں ہے کہ اور یہ سنت ہے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۳/۲۸۸ وسندہ صحیح)

فائدہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی نماز (مطلقاً) پڑھ کر فرماتے تھے: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں تم سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے مشابہ ہوں، یہی آپ کی نماز تھی حتیٰ کہ آپ دنیا سے چلے گئے۔ (صحیح بخاری: ۸۰۳)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی نماز کا ہر مسئلہ مرفوع حکماً ہے اور یہی نماز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری نماز تھی لہٰذا اس کے مقابلے میں ہر روایت منسوخ ہے۔

امام محمد بن سیرین (مشہور ثقہ تابعی) نے فرمایا:

"کل حدیث أبي هريرة عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم" إلخ

ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) کی ہر حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ (شرح معانی الآثار ۲۰/۱ وسندہ حسن)

اس قول کا تعلق سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی نماز والی تمام روایات سے ہے جیسا کہ صحیح بخاری (۸۰۳) کی مذکورہ حدیث سے ظاہر ہے۔

خلاصۃ التحقیق: بارہ تکبیروں والی حدیث بالکل صحیح ہے اور مرفوع حکماً ہے اور اس کے مقابلے میں ہر روایت (چاہے طحاوی کی معانی الآثار کی چھ تکبیروں والی روایت ہو) منسوخ ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی تائید میں مرفوع روایات بھی ہیں۔

(مثلاً دیکھئے حدیث ابی داود: ۱۱۵۱، وسندہ حسن)

ایک صحیح حدیث مین آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر رکعت میں رکوع سے پہلے ہر تکبیر پر رفع یدین کرتے تھے، یہاں تک کہ آپ کی نماز پوری ہو جاتی۔

(مسند احمد ۱۳۴/۲، وسندہ حسن، ماہنامہ الحدیث: ۷ اص ۶)

اس حدیث سے سلف صالحین (امام بیہقی فی السنن الکبریٰ ۲۹۲/۳، ۲۹۳، اور ابن المنذر کما فی التلخیص الحبیر ۸۶/۲ ح ۶۹۲) نے (متفقہ یعنی بغیر کسی اختلاف کے) استدلال کیا ہے کہ تکبیراتِ عیدین میں رفع یدین کرنا چاہئے۔ امام اوزاعی رحمہ اللہ (متوفی ۱۵۷ھ) نے فرمایا: تمام تکبیروں کے ساتھ رفع یدین کرو۔ (احکام العیدین للفریابی: ۱۳۶، وسندہ صحیح)

نیز دیکھئے کتاب الام للشافعی (۲۳۷/۱) مسائل احمد (روایۃ ابی داود ص ۶۰) اور تاریخ یحییٰ بن معین (روایۃ عباس الدوری: ۲۲۸۴)

سلف صالحین کے اس متفقہ فہم کے خلاف بعض جدید محققین اور متحققین کا یہ دعویٰ کہ "تکبیراتِ عیدین میں رفع یدین نہیں کرنا چاہئے" بلا دلیل اور مردود ہے۔

تفصیل کے لئے دیکھئے ماہنامہ حضرو: ۷ اص ۶ تا ۱۷

تنبیہ: کسی ایک صحیح حدیث سے بھی یہ ثابت نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کی نماز بغیر تکبیروں کے پڑھی ہو اور یہ بھی ثابت نہیں ہے کہ ان تکبیرات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رفع یدین نہ کیا ہو۔ (۷/ستمبر ۲۰۰۹ء)

مساجد میں عورتوں کی نماز

الحمد لله رب العالمین و الصلوٰة و السّلام علیٰ رسوله الأمین ، أما بعد:

مساجد میں مردوں کے پیچھے عورتوں کی نماز باجماعت کا جواز احادیثِ صحیحہ اور آثارِ سلف صالحین سے ثابت ہے، جس میں سے بعض دلائل درج ذیل ہیں:

۱) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إذا استأذنکم نساؤکم باللیل إلی المسجد فأذنوا لهن .))

اگر تمھاری عورتیں تم سے رات کو مسجد جانے کی اجازت مانگیں تو انھیں اجازت دے دو۔

(صحیح بخاری: ۸۶۵، صحیح مسلم: ۴۴۲، ترقیم دارالسلام: ۹۸۸)

حافظ ابن عبدالبر نے فرمایا: اس حدیث میں یہ فقہ ہے کہ عورت کے لئے رات کو مسجد جانا جائز ہے اور اس (کے عموم) میں ہر نماز داخل ہے الخ (التمہید ج ۲۴ ص ۲۸۱)

۲) ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جب عورتیں فرض نماز کا سلام پھیرتیں تو اُٹھ کھڑی ہوتی تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مرد (صحابہ) بیٹھے رہتے تھے پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوتے تو مرد بھی کھڑے ہوجاتے تھے۔

(صحیح بخاری: ۸٦٦)

۳) ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز پڑھاتے تو عورتیں اپنی چادروں میں لپٹی ہوئی جاتی تھیں، اندھیرے کی وجہ سے پہچانی نہیں جاتی تھیں۔ (صحیح بخاری: ۸٦۷، صحیح مسلم: ٦۴۵، موطأ امام مالک ۱/۵ ح ۳، روایۃ ابن القاسم: ۴۹۴)

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ عورتوں کا مساجد میں نماز ادا کرنا جائز ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے دوسری روایت میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورتوں کو مسجدوں سے نہ روکو، اور انھیں بغیر خوشبو کے سادہ کپڑوں میں نکلنا چاہئے۔ سیدہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) نے

فرمایا: اگر آپ آج کل کی عورتوں کا حال دیکھتے تو انھیں منع کر دیتے۔

(مسند احمد ۶/ ۶۹، ۷۰ وسندہ حسن)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک اور روایت میں آیا ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کام دیکھتے جو عورتوں نے نکال لئے ہیں تو انھیں منع کر دیتے، جس طرح کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو منع کر دیا گیا تھا۔ (صحیح بخاری: ۸۶۹، صحیح مسلم: ۴۴۵)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتوں کو مسجد میں نماز پڑھنے سے منع والا حکم (جو کہ سابقہ شریعتوں میں تھا) منسوخ ہے۔ اب بنی اسرائیل کی منسوخ شریعت پر عمل نہیں بلکہ قیامت تک نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت پر ہی عمل ہوگا۔

۴) سیدنا ابو قتادہ الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
میں نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہوں اور لمبی نماز پڑھنا چاہتا ہوں پھر بچے کے رونے کی آواز سن کر نماز مختصر کر دیتا ہوں تا کہ اُس کی ماں کو تکلیف نہ ہو۔ (صحیح بخاری: ۸۶۸)

۵) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
میں نماز میں داخل ہوتا ہوں اور لمبی نماز پڑھنے کا ارادہ کرتا ہوں پھر میں کسی بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو اپنی نماز مختصر کر دیتا ہوں، کیونکہ میں جانتا ہوں کہ اُس کے رونے کی وجہ سے اُس کی ماں کو تکلیف ہوگی۔ (صحیح بخاری: ۷۰۹، صحیح مسلم: ۴۷۰)

۶) سیدہ زینب الثقفیہ رضی اللہ عنہا (سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم عورتوں میں سے کوئی عورت عشاء کی نماز کے لئے مسجد میں حاضر ہو تو خوشبو نہ لگائے۔ (صحیح مسلم: ۴۴۳)

۷) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
((لا تمنعوا إماء الله مساجد الله، و ليخرجن تفلات.))
عورتوں کو مسجدوں سے منع نہ کرو اور انھیں بغیر خوشبو کے سادہ کپڑوں میں جانا چاہئے۔ (مسند احمد ۲/ ۴۳۸ ح ۹۶۴۵ وسندہ حسن واللفظ لہ، سنن ابی داود: ۵۶۵ وصحیح ابن خزیمہ: ۱۶۷۹، وابن حبان: ۲۲۱۴)

۸) سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
اے عورتو! جب مرد سجدہ کریں تو تم اپنی نظروں کی حفاظت کرو۔
(صحیح ابن خزیمہ: ۱۶۹۴، وسندہ صحیح، صحیح ابن حبان: ۴۰۲، وصححہ الحاکم علیٰ شرط الشیخین ۱/ ۱۹۱، ۱۹۲، ووافقہ الذہبی)
یعنی مردوں کے تنگ تہبندوں کی وجہ سے کہیں تمھاری نظریں اُن کی شرمگاہ پر نہ پڑ جائیں۔

۹) سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عورتوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ مردوں سے پہلے (سجدے، رکوع سے) سر نہ اُٹھائیں۔ الخ
(صحیح ابن خزیمہ: ۱۶۹۵، صحیح ابن حبان: ۲۲۱۶ وسندہ صحیح)
نیز دیکھئے صحیح بخاری (۳۶۲، ۸۱۴، ۱۲۱۵) اور صحیح مسلم (۴۴۱)

۱۰) سیدنا زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی بندیوں (عورتوں) کو اللہ کی مسجدوں سے منع نہ کرو، اور انھیں بغیر خوشبو کے سادہ لباس میں نکلنا چاہئے۔ (صحیح ابن حبان: ۲۲۰۸ وسندہ حسن، دوسرا نسخہ: ۲۲۱۱ وحسنہ الہیثمی فی مجمع الزوائد ۲/ ۳۳)

ان احادیث مذکورہ اور دیگر احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ عورتوں کے لئے مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے بشرطیکہ کسی فتنے کا اندیشہ نہ ہو اور بہتر یہ ہے کہ عورتیں اپنے گھروں میں ہی نماز پڑھیں کیونکہ اُن پر نماز باجماعت فرض نہیں ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بیوی عشاء کی نماز مسجد میں پڑھنے کے لئے جاتی تھیں اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ انھیں منع نہیں کرتے تھے۔ دیکھئے صحیح بخاری (۹۰۰)

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ تو اس مسئلے میں اتنی سختی کرتے تھے کہ جب اُن کے ایک بیٹے نے کہا: ''ہم تو عورتوں کو (مسجد سے) منع کریں گے۔'' تو انھوں نے اپنے بیٹے کو شدید الفاظ کے ساتھ ڈانٹا اور اُس کی پٹائی کردی۔ دیکھئے صحیح مسلم (۴۴۲)

ایک عورت نے نذر مانی تھی کہ اگر اُس کا شوہر جیل سے باہر آگیا تو وہ بصرے کی ہر مسجد میں دو رکعتیں پڑھے گی۔ اس کے بارے میں حسن بصری (رحمہ اللہ) نے فرمایا: اسے اپنی قوم کی مسجد میں نماز پڑھنی چاہئے۔ الخ دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ (۲/ ۴۸۴ ح ۷۶۱۷ وسندہ صحیح)

یعنی اُسے تمام مسجدوں میں نہیں بلکہ صرف اپنی (محلے کی) مسجد میں نماز پڑھ کر یہ نذر پوری کر لینی چاہئے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عورتوں کی بہترین صف آخری صف ہے اور سب سے بُری صف پہلی صف ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۳۸۵/۲ ح ۷۶۲۳ وسندہ حسن)

عروہ بن الزبیر رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ کہا جاتا تھا کہ عورتوں کی بہترین صف آخری صف ہے اور سب سے بُری صف پہلی صف ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۳۸۵/۲ ح ۷۶۲۴ وسندہ صحیح)

امام ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیسابوری رحمہ اللہ نے فرمایا: اہلِ علم کا اس پر اجماع ہے کہ عورتوں پر جمعہ (ضروری) نہیں ہے اور اس پر بھی اجماع ہے کہ اگر وہ حاضر ہو کر امام کے ساتھ نماز پڑھ لیں تو یہ اُن کی طرف سے کافی (یعنی جائز) ہے۔

دیکھئے الاوسط (ج ۴ ص ۱۶ م ۴۹۲، ۴۹۳)

عینی حنفی نے امام شافعی رحمہ اللہ سے نقل کیا کہ ''یباح لھن الخروج''

عورتوں کے لئے (مسجد کی طرف نماز کے لئے) خروج مباح (جائز) ہے۔

دیکھئے عمدۃ القاری (ج ۶ ص ۱۵۶ تحت ح ۸۶۴)

احادیثِ صحیحہ اور آثارِ سلف صالحین سے ثابت ہوا کہ عورتوں کا مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے بشرطیکہ وہ آدابِ شرعیہ اور پردے وغیرہ کا بہت التزام کریں۔ جمعہ کے دن گھروں میں بیٹھے رہنے سے بہتر یہ ہے کہ وہ مسجد جا کر امام کے پیچھے نمازِ جمعہ پڑھیں اور خطبہ سنیں تاکہ دین کی باتیں سیکھ لیں۔

حیرت ہے اُن لوگوں پر جو عورتوں کی تبلیغی جماعتیں نکالتے ہیں اور پھر عورتوں کو مسجد میں نماز پڑھنے سے منع کرتے ہیں تاکہ وہ لاعلم کی لاعلم رہیں اور دینی تعلیم سے دُور رہیں۔ اگر یہ لوگ اپنی عورتوں کو مسجد حرام اور مسجد نبوی سے بھی دُور رکھیں گے تو پھر بے چاری عورتیں طواف اور فضائل الحرمین سے محروم رہیں گی بلکہ ارکانِ حج بھی ادا کرنے سے قاصر رہیں گی اور اس کا غلط ہونا ظاہر ہے۔ وما علینا إلا البلاغ (۸/ جون ۲۰۰۹ء)

جنازہ گاہ اور مسجد میں نمازِ جنازہ

الحمد لله ربّ العالمین والصّلوٰة والسّلام علی رسوله الأمین ، أما بعد:

تین مقامات پر نماز جنازہ پڑھنا ثابت ہے اور ممنوع نہیں ہے:

۱: جنازہ گاہ (دیکھئے صحیح بخاری: ۱۳۲۹، ۱۲۴۵، صحیح مسلم: ۹۵۱)

۲: عام زمین مثلاً کھلا میدان وغیرہ، سوائے اُس زمین کے جسے ممانعت کی دلیل نے خاص کر دیا ہے مثلاً گندگی کی جگہ وغیرہ۔ (دیکھئے صحیح مسلم: ۵۲۳، اور دیگر احادیث)

۳: مسجد (دیکھئے صحیح مسلم: ۹۷۳)

ان تین حالتوں میں سے اول الذکر (جنازہ گاہ) میں جنازہ پڑھنا افضل ہے، کیونکہ نبی ﷺ کا عام معمول یہی رہا ہے۔

مسجد میں نمازِ جنازہ کے جواز کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

''ما صلّی رسول الله ﷺ علی سهیل ابن البیضاء إلا فی المسجد .''

رسول اللہ ﷺ نے سہیل بن البیضاء (رضی اللہ عنہ) کا جنازہ مسجد میں ہی پڑھا تھا۔

(صحیح مسلم: ۹۷۳)

۲) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے حکم دیا کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ (متوفی ۵۵ھ) کا جنازہ مسجد میں پڑھا جائے تو لوگوں (الناس) نے اُن پر انکار کیا۔ الخ (صحیح مسلم: ۹۷۳)

یہاں انکار کرنے والے لوگوں (الناس) سے مراد صحابہ نہیں بلکہ وہ '' عامة جهال أو أعراب '' عام جہال یا بدو تھے۔ دیکھئے المحلی لابن حزم (۱۶۳/۵، مسئلہ: ۶۰۳)

ان لوگوں کو ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ''لا علم '' قرار دیا۔ (صحیح مسلم: ۹۷۳)

۳) نبی ﷺ کی ازواج مطہرات نے سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا جنازہ مسجد میں

پڑھا۔ دیکھئے صحیح مسلم (۹۷۳، دارالسلام: ۲۲۵۳)

۴) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سہیل بن البیضاء اور اُن کے بھائی (صفوان یا سہل رضی اللہ عنہما) کا جنازہ مسجد میں پڑھا تھا۔ (صحیح مسلم: ۹۷۳)

۵) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ مسجد میں پڑھی تھی۔ دیکھئے موطأ امام مالک (روایۃ یحییٰ ۱/۲۳۰ ح ۵۴۲ وسندہ صحیح)

یہ نمازِ جنازہ سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ نے پڑھائی تھی۔ (دیکھئے السنن الکبریٰ للبیہقی ۴/۵۲ وسندہ صحیح)

اور کسی صحابی سے اس فعل پر رد یا انکار ثابت نہیں لہٰذا معلوم ہوا کہ مسجد میں نماز جنازہ کے جواز پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا اجماع ہے۔

۶) امام مالک رحمہ اللہ نے "باب الصلوٰۃ علی الجنائز فی المسجد" کے ذریعے سے مسجد میں نماز جنازہ کی روایات ذکر کیں اور کسی قسم کی مخالفت نہیں کی۔

دیکھئے الموطأ (روایۃ یحییٰ ۱/۲۲۹۔۲۳۰)

یہ اس کی دلیل ہے کہ امام مالک مسجد میں نمازِ جنازہ جائز سمجھتے تھے۔

تنبیہ: امام مالک سے مسجد میں نمازِ جنازہ کی مخالفت والی روایت (سنن الترمذی: ۱۰۳۳) موطأ امام کی تبویب کی رو سے منسوخ ہے۔

۷) امام شافعی رحمہ اللہ بھی مسجد میں نمازِ جنازہ کے قائل تھے۔

دیکھئے کتاب الام (ج ۷ ص ۲۱۱)

۸) امام ابوداود رحمہ اللہ نے فرمایا:

"رأیت أحمد مالا أحصي یصلي علی الجنائز في المسجد"

میں نے بے شمار مرتبہ دیکھا کہ (امام) احمد (بن حنبل رحمہ اللہ) مسجد میں نماز جنازہ پڑھتے تھے۔ (مسائل ابی داود ص ۱۵۷)

۹) امام بخاری نے "باب الصلوٰۃ علی الجنائز بالمصلی والمسجد" کے ذریعے سے مسجد میں نمازِ جنازہ کے جواز کی طرف اشارہ کیا ہے۔ دیکھئے صحیح بخاری (قبل ح ۱۳۲۷)

۱۰) مسجد میں نمازِ جنازہ کا جائز ہونا جمہور کا مسلک ہے۔ دیکھئے فتح الباری (ج ۳ص ۱۹۹ تحت ح ۱۳۲۷۔۱۳۲۹) اور شرح صحیح مسلم للنووی (۴۰/۷ تحت ح ۹۷۳)

☆ عروہ بن الزبیر رحمہ اللہ نے فرمایا: ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کی نمازِ جنازہ مسجد میں پڑھی گئی۔

(طبقات ابن سعد ۲۰۷/۳ من طریق عبدالعزیز بن محمد عن ہشام عن ابیہ وسندہ صحیح الی عروہ رحمہ اللہ)

یہ روایت مرسل ہے لیکن اس سے دو باتیں ظاہر ہیں:

۱: عروہ رحمہ اللہ مسجد میں نمازِ جنازہ کو جائز سمجھتے تھے۔

۲: عروہ رحمہ اللہ اپنے نانا سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں دوسرے لوگوں سے زیادہ جانتے تھے اور اس کے مقابلے میں کوئی صحیح روایت نہیں کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی جنازہ مسجد کے باہر پڑھی گئی تھی۔ واللہ اعلم

تاہم یہ روایت مرسل ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے لہٰذا میں نے اُسے اپنے دلائل میں ذکر نہیں کیا۔

۱۱) مکہ مکرمہ (بیت اللہ) اور مدینہ نبویہ (مسجد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں نمازِ جنازہ دونوں مسجدوں میں پڑھی جاتی ہے، جس کا ہم نے بار بار مشاہدہ کیا ہے اور مکہ مدینہ میں حجاج کرام، معتمرین اور عام مسلمین بھی اس نمازِ جنازہ میں شامل ہوتے ہیں۔

خلاصۃ التحقیق یہ ہے کہ اگر کوئی عذر یا سبب ہو تو مسجد میں نمازِ جنازہ جائز ہے، چاہے میت مسجد میں ہو یا مسجد سے باہر ہو، دونوں حالتوں میں جائز ہے اور مکروہ نہیں ہے۔

جو لوگ مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنے سے منع کرتے ہیں اور اسے مکروہ تحریمی یا مکروہ تنزیہی قرار دیتے ہیں، ان کے شبہات کے جوابات درج ذیل ہیں:

۱) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس شخص نے مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھی ''فلا شيَ له'' اس کے لئے (یعنی اُس پر) کوئی چیز نہیں ہے۔ (مسند احمد ۴۵۵/۲ ح ۹۸۶۵)

ایک روایت میں ''فلا شيَ علیه'' اس پر کوئی چیز (یعنی کوئی گناہ وغیرہ) نہیں ہے۔

(سنن ابی داود: ۳۱۹۱)

اس روایت کی سند دو وجہ سے ضعیف ہے:

اول: صالح بن نبہان مولی التوأمہ جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔

اُس پر امام ابوزرعہ الرازی، ابوحاتم الرازی، نسائی، ابن الجارود، الساجی اور ابو العرب وغیرہم نے جرح کی اور امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: '' صالح مولی التوأمة كذاب '' صالح مولی التوأمہ کذاب ہے۔ (کتاب الضعفاء لابی زرعۃ الرازی ص ۴۶۱ وسندہ صحیح)

اگر کوئی کہے کہ '' صالح مذکور پر جرح اُس کے اختلاط کی وجہ سے ہے لہٰذا اُس کے اختلاط سے پہلے والی روایات صحیح یا حسن ہیں اور یہ روایت صالح مولی التوأمہ کے اختلاط سے پہلے کی ہے۔'' تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا:

'' و ابن أبي ذئب سمع منه أخيرًا، يروي عنه مناكير ''

اور ابن ابی ذئب نے اُس سے آخر میں (یعنی اختلاط کے بعد) سنا تھا، وہ اُس سے منکر روایتیں بیان کرتے تھے۔ (معرفۃ السنن والآثار للبیہقی ۱۸۱/۳، علل الترمذی الکبیر ۳۴۳/۱، ترتیب علل الترمذی ۸/۱ ورقہ ۵، شرح سنن ابن ماجہ لمغلطائی ۳۴۲/۱/ آخر الذکر تین حوالے مکتبہ شاملہ سے لئے گئے ہیں)

معلوم ہوا کہ محدثین کرام کا اس میں اختلاف تھا کہ ابن ابی ذئب کا صالح مولی التوأمہ سے سماع اختلاط سے پہلے کا ہے یا بعد کا ہے لہٰذا مسئلہ مشکوک ہو گیا۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن حبان نے فرمایا: '' فاختلط حديثه الأخير بحديثه القديم و لم يتميز فاستحق الترك '' پس اُس کی آخری حدیثیں پہلی حدیثوں سے خلط ملط ہو گئیں اور (دونوں کے درمیان) تمیز نہ ہو سکا لہٰذا وہ اس کا مستحق ہوا کہ (اُسے یا اس کی روایتوں کو) ترک کر دیا جائے۔ (کتاب المجروحین ج ۱ ص ۳۶۶، دوسرا نسخہ ج ۱ ص ۴۶۴ ت ۴۷۹)

دوم: جلیل القدر محدثین کرام نے خاص طور پر صالح مولی التوأمہ کی اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ مثلاً:

۱: امام ابن المنذر النیسابوری رحمہ اللہ (متوفی ۳۱۸ھ) نے فرمایا: '' ولا يصح عن النبي ﷺ ... '' اور نبی ﷺ سے یہ روایت صحیح (ثابت) نہیں ہے۔

(الاوسط ۵/۴۱۶، دوسرا نسخہ ۵/۴۵۶ ح ۳۰۹۴)

۲: حافظ ابن حبان نے کہا: ''و هذا خبر باطل ''اور یہ روایت باطل ہے۔

(کتاب المجروحین ۱/۳۶۶، دوسرا نسخہ ۱/۳۶۵)

۳: حافظ ابن عبدالبر نے فرمایا: '' عن أبي هريرة لا يثبت عنه ... ''

یہ روایت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے ثابت نہیں ہے۔ (الاستذکار ۳/۴۶)

☆ حافظ ابن عبدالبر نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے (بغیر کسی سند کے) نقل کیا کہ حدیث ابی ہریرہ (رضی اللہ عنہ) ثابت نہیں ہے۔ (ایضاً ص ۴۶) نیز دیکھئے فقرہ: ۵

۴: حافظ ابن الجوزی نے کہا: ''هذا حديث لا يصح ''یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

(العلل المتناہیہ ۱/۴۱۴ ح ۶۹۶)

۵: امام احمد بن حنبل نے فرمایا: '' حتى يثبت حديث صالح مولى التوأمة ''

حتیٰ کہ صالح مولی التوأمہ کی حدیث ثابت ہو جائے۔ (عبداللہ بن احمد بن حنبل نے کہا:)

''كان عنده ليس يثبت أوليس صحيحًا . ''وہ آپ کے نزدیک ثابت نہیں تھی یا صحیح نہیں تھی۔ (مسائل احمد، روایۃ عبداللہ بن احمد ۲/۴۸۲۔۴۸۳ فقرہ: ۶۷۱)

احمد بن سلیمان (یعنی احمد بن سلمان النجاد) کی روایت میں ہے کہ ''كأنه عنده ليس يثبت أو ليس بصحيح . ''گویا وہ اُن کے نزدیک ثابت نہیں یا صحیح نہیں ہے۔

(ناسخ الحدیث ومنسوخہ لابن شاہین: ۳۵۲ وسندہ صحیح، دوسرا نسخہ: ۳۴۹)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے مسجد میں نمازِ جنازہ کے بارے میں فرمایا: ''إليه أذهب وهو قول الشافعي ''میرا یہی مذہب ہے اور شافعی کا یہی قول ہے۔

(ناسخ الحدیث ومنسوخہ: ۳۵۱ وسندہ صحیح، دوسرا نسخہ: ۳۴۹)

۶: نووی نے اسے ضعیف روایات میں شمار کیا۔ (دیکھئے خلاصۃ الاحکام ج ۲ ص ۹۵۰ ح ۳۲۸۹)

اور فرمایا: اس کے ضعیف ہونے پر حفاظ کا اتفاق ہے۔ (المجموع شرح المہذب ۵/۲۱۴)

۷: حافظ ابن عدی نے اس روایت کو صالح بن نبہان مولی التوأمہ کی روایات (یعنی

روایاتِ منتقدہ) میں ذکر کیا۔ (دیکھئے الکامل لابن عدی ۴/۱۳۷۴، دوسرانسخہ ۵/۸۵)

اور عینی حنفی نے کہا: ''و رواه ابن عدي في الكامل بلفظ أبي داود و عدّه من منكرات صالح ... '' اسے ابن عدی نے الکامل میں ابوداود کے لفظ کی طرح روایت کیا اور اسے صالح کی منکر روایتوں میں شمار کیا... (شرح سنن ابی داود ج۶ ص ۱۲۸-۱۲۹)

۸: امام بخاری کے نزدیک یہ روایت منکر ہے۔ دیکھئے معرفۃ السنن والآثار (۳/۱۸۱)

۹: حافظ ذہبی نے یہ روایت ذکر کر کے فرمایا: ''صالح واهٍ'' صالح سخت ضعیف ہے۔
(التنقیح لکتاب التحقیق لاحادیث التعلیق ۱/۴۳۳)

یعنی یہ روایت حافظ ذہبی کے نزدیک ضعیف ومردود ہے۔

۱۰: ابن حزم نے صالح مولی التوأمہ کو ساقط قرار دے کر اس روایت پر جرح کی۔
دیکھئے المحلی (۵/۱۶۳، مسئلہ: ۶۰۳)

☆ ابن بطال نے قاضی اسماعیل بن اسحاق سے بغیر کسی سند کے نقل کیا کہ انھوں نے اس سند کو ضعیف وغیر ثابت قرار دیا۔ (شرح صحیح بخاری لابن بطال ۳/۳۱۲)

۱۱: امام حسین بن مسعود البغوی رحمہ اللہ نے اس روایت کے بارے میں فرمایا:
''و هذا ضعيف الإسناد '' اور اس کی سند ضعیف ہے۔ (شرح السنۃ ۵/۳۵۲ ح ۱۴۹۳)

☆ زیلعی حنفی نے نووی کی کتاب الخلاصہ سے نقل کیا کہ خطابی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا۔ (دیکھئے نصب الرایہ ۲/۲۷۶)

جمہور کی اس جرح کے مقابلے میں بعض علماء کا اسے حسن یا صحیح قرار دینا غلط ہے۔

تنبیہ: راقم الحروف نے سنن ابی داود (۳۱۹۱) اور سنن ابن ماجہ (1517) وغیرہما میں بعض علماء کے اس قول: '' صالح مولی التوأمہ نے اس روایت کو اختلاط سے پہلے بیان کیا ہے'' پر اعتماد کرتے ہوئے ''إسناده حسن '' قرار دیا، جو کہ قولِ مذکور کے مشکوک ہونے کی وجہ سے غلط ہے لہٰذا میں اپنی سابق تحقیق سے علانیہ رجوع کرتا ہوں اور حق یہ ہے کہ یہ روایت ضعیف ومنکر ہے۔

۲) صالح مولی التوأمہ سے روایت ہے کہ میں نے ان لوگوں کو دیکھا جنھوں نے نبی ﷺ اور ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کو پایا تھا، وہ جب نماز جنازہ کے لئے آتے اور انھیں مسجد کے سوا کوئی جگہ نہ ملتی تو واپس چلے جاتے اور مسجد میں نماز جنازہ نہ پڑھتے تھے۔

(مسند الطیالسی: ۲۳۱۰، دوسرا نسخہ: ۲۴۲۹، نیز دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ ۳/ ۳۶۴ ح ۱۱۹۷۱)

یہ روایت صالح مولی التوأمہ کے ضعیف ہونے کی وجہ سے ضعیف و مردود ہے۔

نیز دیکھئے فقرہ سابقہ: ا

۳) کثیر بن عباس (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ ''لأعرفن ما صلّیت علٰی جنازۃ فی المسجد '' مجھے خوب معلوم ہے کہ مسجد میں نمازِ جنازہ نہیں پڑھی گئی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۳/ ۳۶۵ ح ۱۱۹۷۲)

یہ روایت دو وجہ سے ضعیف ہے:

اول: مصنف عبدالرزاق (۳/ ۵۲۷ ح ۶۵۸۰ وسندہ ضعیف) میں کثیر بن عباس کے شاگرد کا نام مسلم ہے اور محلی ابن حزم (۵/ ۱۶۳) میں سعید بن ایمن لہٰذا یہ سند مضطرب ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

دوم: مصنف ابن ابی شیبہ میں کثیر بن عباس سے راوی سعید بن سمعان ہیں جن کے اُن سے سماع کا ثبوت نہیں۔

٤) وفاء الوفاء (۲/ ۵۳۱) نامی کتاب میں بغیر سند کے دو روایتیں ہیں:

ا: مروان بن الحکم کے سپاہی لوگوں کو مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے سے روکتے تھے۔

۲: عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے سپاہی لوگوں کو مسجد میں جنازہ پڑھنے سے روکتے تھے۔

یہ دونوں روایتیں بے سند ہونے کی وجہ سے مردود ہیں۔

٥) بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر میت مسجد کے اندر ہو تو نمازِ جنازہ مکروہ ہے اور اگر باہر ہو تو جائز ہے۔

ان لوگوں کا یہ قول بے دلیل ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

٦) بعض لوگ مسجد میں نمازِ جنازہ کی ممانعت کے لئے فقہ حنفی کی کتابوں مثلاً ہدایہ وغیرہ کے حوالے اور ابن فرقد (محمد بن الحسن الشیبانی) اور طحاوی وغیرہما کے اقوال پیش کرتے ہیں۔ یہ تمام حوالے اور اقوال صحیح احادیث، آثارِ صحابہ، آثارِ سلف صالحین، فقہ شافعی اور فقہ حنبلی کی کتابوں کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہیں۔

٧) بعض لوگ کہتے ہیں کہ مسجد میں نمازِ جنازہ منسوخ ہے۔

یہ قول کئی وجہ سے مردود ہے۔ مثلاً:

١: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ مسجد میں پڑھی گئی، جس پر کسی صحابی کا اعتراض ثابت نہیں لہٰذا دعویٰ منسوخیت باطل ہے۔

٢: امام ابن شاہین البغدادی رحمہ اللہ (متوفی ٣٨٥ھ) نے مسجد میں نمازِ جنازہ نہ پڑھنے والی روایت کے بارے میں فرمایا: ''فإن صح حدیث ابن أبي ذئب فھو منسوخ بحدیث سھیل بن بیضاء ... ''اگر ابن ابی ذئب کی حدیث صحیح ہوتی تو وہ سہیل بن بیضاء (رضی اللہ عنہ) کی حدیث کی رُو سے منسوخ ہے...

(ناسخ الحدیث ومنسوخہ ص ٣٠٤ ح ٣٤٩)

یعنی مسجد میں نماز جنازہ نہ پڑھنا منسوخ ہے بشرطیکہ نہ پڑھنے والی روایت صحیح ثابت ہو جائے۔

تنبیہ: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے باسند صحیح یہ قطعاً ثابت نہیں کہ مسجد میں نمازِ جنازہ نہ پڑھی جائے، یا مسجد میں جنازہ مکروہ ہے۔

ابن فرقد وغیرہ کے مردود حوالے اور بے سند اقوال کی علمی میدان میں کوئی حیثیت نہیں ہے۔

آخر میں بطورِ خلاصۃ التحقیق عرض ہے کہ مسجد میں نمازِ جنازہ جائز ہے۔ چاہے مسجد میں میت کی لاش ہو یا مسجد سے باہر ہو، لیکن مسجد سے باہر جنازہ گاہ یا کھلے میدان میں نماز جنازہ بہتر ہے۔ و ما علینا إلا البلاغ (٢٩/ اپریل ٢٠١٠ء)

اصولِ حدیث اور تحقیق الروایات

محدثینِ کرام نے ضعیف روایات کیوں بیان کیں؟

اگر کوئی کہے کہ امام اسماعیل بن اسحاق القاضی کی کتاب: فضل الصلوٰۃ علی النبی ﷺ میں بہت سی ضعیف روایات ہیں لہٰذا سوال یہ ہے کہ محدثین کرام نے کتبِ صحیحہ کے علاوہ دوسری کتابوں میں ضعیف اور مردود روایات کیوں لکھی ہیں؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ حافظ ابن حجر نے فرمایا:

''بل أکثر المحدثین فی الأعصار الماضیة من سنة مائتین و هلم جرًا إذا ساقوا الحدیث بإسناده اعتقدوا أنهم برؤا من عهدته . واللّٰه أعلم''

بلکہ سن دوسوہجری سے لے کر بعد کے گزشتہ زمانوں میں محدثین جب سند کے ساتھ حدیث بیان کر دیتے تو یہ سمجھتے تھے کہ وہ اس کی مسئولیت سے بری ہو چکے ہیں۔ واللہ اعلم

(لسان المیزان ج ۳ ص ۷۵ ترجمۃ سلیمان بن احمد بن ایوب الطبرانی، دوسرا نسخہ ج ۳ ص ۳۵۳، اللآلی المصنوعہ للسیوطی ج ۱ ص ۱۹، دوسرا نسخہ ص ۲۵، تذکرۃ الموضوعات للفتنی ص ۷)

حافظ ابن تیمیہ نے فرمایا: لیکن (ابونعیم الاصبہانی نے) روایات بیان کیں جیسا کہ اُن جیسے محدثین کسی خاص موضوع کے بارے میں تمام روایتیں بیان کر دیتے تھے تا کہ (لوگوں کو) علم ہو جائے۔ اگرچہ ان میں سے بعض کے ساتھ حجت نہیں پکڑی جاتی تھی۔

(منہاج السنہ ج ۴ ص ۱۵)

سخاوی نے کہا: اکثر محدثین خصوصاً طبرانی، ابونعیم اور ابن مندہ جب سند کے ساتھ حدیث بیان کرتے تو وہ یہ عقیدہ رکھتے یعنی سمجھتے تھے کہ وہ اس کی مسئولیت سے بری ہو چکے ہیں۔

(فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث ج ۱ ص ۲۵۴، الموضوع)

ان تحقیقات سے معلوم ہوا کہ صحیحین کے علاوہ کتبِ حدیث مثلاً الادب المفرد للبخاری اور مسند احمد وغیرہما میں ضعیف حدیثیں بھی ہیں، جنھیں سند کے ساتھ روایت کر کے محدثین

کرام بری الذمہ ہو چکے ہیں۔ یہ روایات انھوں نے بطورِ حجت واستدلال نہیں بلکہ بطورِ معرفت وروایت بیان کردی تھیں لہٰذا اصولِ حدیث اور اسماء الرجال کو مدِنظر رکھنے کے بغیر صحیحین کے علاوہ دیگر کتبِ حدیث کی روایات سے استدلال یا حجت پکڑنا اور انھیں بطورِ جزم بیان کرنا جائز نہیں ہے۔ وما علینا إلا البلاغ

(۶/ دسمبر ۲۰۰۹ء)

بے سند اقوال سے استدلال غلط ہے

امام عبداللہ بن المبارک المروزی رحمہ اللہ (متوفی ۱۸۱ھ) نے فرمایا:

"**الإسناد من الدين، ولو لا الإسناد لقال من شاء ما شاء .**"

اسناد (سندیں) دین میں سے ہیں، اور اگر سندیں نہ ہوتیں تو جو شخص جو کچھ چاہتا کہتا۔

(مقدمہ صحیح مسلم، ترقیم دارالسلام: ۳۲ وسندہ صحیح)

حافظ ابونصر عبیداللہ بن سعید بن حاتم الوائلی السجزی [حنفی] رحمہ اللہ (متوفی ۴۴۴ھ) نے فرمایا: "**فكل مدعٍ للسنة يجب أن يطالب بالنقل الصحيح بما يقوله فإن أتى بذلك علم صدقه و قبل قوله ...**" پس ہر شخص جو سنت (ماننے) کا مدعی ہے، یہ ضروری ہے کہ وہ جو کہتا ہے اُس کے بارے میں اُس سے صحیح سند کا مطالبہ کیا جائے پھر وہ اگر یہ (صحیح سند) پیش کر دے تو اس کی سچائی معلوم ہو جاتی ہے اور اس کی بات قبول کی جاتی ہے... (رسالۃ السجزی الی اھل زبید فی الرد علیٰ من انکر الحرف والصوت ص ۱۴۶)

اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

۱: ہر روایت اور ہر حوالے کے لئے صحیح و مقبول سند پیش کرنی چاہئے۔

۲: بے سند روایت اور بے سند حوالہ مردود ہوتا ہے۔

ہم نے ماہنامہ الحدیث حضرو اور اپنی تازہ تصانیف میں یہ معیار قائم کیا ہے کہ ہر بات باحوالہ اور باسند ہوتی ہے۔ اگر روایت صحیح و مقبول ہو تو اُس سے استدلال کیا جاتا ہے، ورنہ اُسے رد کر دیا جاتا ہے۔ والحمد للہ

یہ وہ خاص منہج ہے جس میں دنیا کا کوئی انسان بھی ماہنامہ الحدیث کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ مثلاً زرولی خان دیوبندی نے "احسن المقال فی کراھیۃ صیام ستۃ شوال" نامی مضمون میں یہ دعویٰ کیا تھا کہ شوال کے چھ روزوں کے بارے میں "حضرت ابوحنیفہؒ سے بھی معتبر فتاویٰ

اور کتب مذھب میں کراہت منقول ہے...'' (احسن القال ص ۲۴، نیز دیکھئے ص ۳۴۔۳۶)

اس کے جواب میں راقم الحروف نے لکھا تھا: ''شوال کے چھ روزوں کو مکروہ یا ممنوع سمجھنا امام ابوحنیفہ سے باسند صحیح ثابت نہیں ہے۔ زرولی دیوبندی نے فقہ کی کتابوں سے جو کچھ نقل کیا ہے وہ بے سند ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔'' (ماہنامہ الحدیث: ۵۰ ص ۴۸)

ایک دیوبندی نے ''تصحیح الاقوال فی رد صحیح الاقوال'' کے عنوان سے ایک مضمون لکھا: (ماہنامہ الاحسن صفر ۱۴۳۰ھ ص ۲۲ تا ۳۳) مگر الحادی وغیرہ گالیوں کے علاوہ امام ابوحنیفہ سے ایک صحیح سند بھی پیش نہیں کی، جس سے شوال کے چھ روزوں کا مکروہ یا ممنوع ہونا ثابت ہوتا ہو۔ اتنی عظیم شکست کے بعد یہ لوگ اہلِ حدیث کو گالیاں نہ دیں تو کیا کریں؟!

سرفراز خان صفدر دیوبندی نے لکھا ہے: ''اور امام بخاریؒ نے اپنے استدلال میں ان کے اثر کی کوئی سند نقل نہیں کی اور بے سند بات حجت نہیں ہو سکتی۔''

(احسن الکلام ج ۱ ص ۳۲۷، دوسرا نسخہ ص ۴۰۳)

جب امام بخاری کی بیان کردہ بے سند بات حجت نہیں ہو سکتی تو کتبِ فقہ کے بے سند اقوال کس طرح حجت ہو سکتے ہیں؟!

تصحیح الاقوال نام رکھنے سے بے سند اقوال کبھی حجت نہیں ہو سکتے۔

ایک اور شخص نے قربانی کے چار دن ثابت کرنے کے لئے علامہ نووی، حافظ ابن القیم اور شوکانی کے بے سند حوالے پیش کر کے یہ منوانے کی کوشش کی کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ قربانی کے چار دنوں کے قائل تھے۔ یہ ظاہر ہے کہ بے سند اقوال تو مردود ہوتے ہیں لہٰذا وہ اپنے اس مضمون میں سخت ناکام رہے۔

ہماری طرف سے عام اعلان ہے کہ اگر کوئی شخص ہمارے منہج کو مدنظر رکھ کر دلیل سے جواب دے تو ہم اس جواب کو تسلیم کریں گے اور علانیہ رجوع کریں گے۔ رہے بے سند اقوال اور حوالے یا کتاب و سنت و اجماع اور جمہور سلف صالحین کے خلاف ''تحقیقات'' یا

''تدقیقات''تو انھیں کون سنتا ہے اور علمی میدان میں ان کی وقعت ہی کیا ہے؟!

امام شافعی نے فرمایا: جو شخص حجت (دلیل اور سند) کے بغیر علم طلب کرتا ہے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے رات میں لکڑیاں اکٹھی کرنے والا، جو لکڑیاں اٹھا کر لے جا رہا ہے جن میں زہریلا سانپ ہے، جو اسے ڈس لے گا اور اسے پتا بھی نہیں ہوگا۔

(المدخل الی کتاب الاکلیل للحاکم ص ۲۸ وسندہ صحیح)

(۲۹/نومبر ۲۰۰۹ء)

حاشیہ بسلسلۂ وتر (ص ۱۵۱)

۵: مستدرک الحاکم کے مخطوط مصور (قلمی) نسخے میں لکھا ہوا ہے کہ ''...ما اخبرناه ابو نصر احمد بن سهل الفقيه ببخارا ثنا صالح بن محمد بن حبيب الحافظ انبا شيبان بن ابى شيبة ثنا ابان عن قتادة عن زرارة بن اوفى عن سعد بن هشام عن عائشة قالت كان النبي ﷺ يوتر بثلاث لا يقعد الا فى آخرهن و هذا وتر امير المومنين عمر بن الخطاب رضى الله عنه و عنه اخذه اهل المدينة'' (ج ۱ ص ۱۴۵ ب، از انٹرنیٹ)

اس سے معلوم ہوا کہ اصل قلمی نسخے میں بھی ''لا يقعد'': یعنی نہیں بیٹھتے تھے، کے الفاظ ہیں۔

☆ مستدرک کے قلمی نسخے میں صاف طور پر ''الحسين بن الفضل'' لکھا ہوا ہے۔ دیکھئے ج ۱ ص ۱۴۵، والحمد للہ

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

تدلیس اور محدثین کرام

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علٰی رسولہ الأمین، أما بعد:

محدثینِ کرام اور علمائے حدیث کے دس (۱۰) حوالے پیشِ خدمت ہیں، جن میں انھوں نے تدلیس والی (معنعن اور غیر مصرح بالسماع) روایات پر جرح اور کلام کیا ہے:

۱) امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے قتادہ عن ابی نضرہ والی ایک روایت کے بارے میں فرمایا: ''ولم یذکر قتادة سماعًا من أبي نضرة في هذا '' اور قتادہ نے ابونضرہ سے اس روایت میں اپنے سماع کا تذکرہ نہیں کیا۔ (جزء القراءۃ ص ۳۰ حدیث: ۷۰)

۲) ایک روایت '' الثوري عن الأعمش عن إبراهيم التيمي عن أبيه عن أبي ذر '' کی سند سے مروی ہے۔ اس کے بارے میں امام ابوحاتم الرازی نے فرمایا:

'' هذا حديث باطل، يروون أن الأعمش أخذه من حكيم بن جبير عن إبراهيم عن أبيه عن أبي ذر '' یہ حدیث باطل ہے، ان (محدثین) کا خیال ہے کہ اسے اعمش نے حکیم بن جبیر '' عن إبراهيم عن أبيه عن أبي ذر '' سے لیا ہے۔

(علل الحدیث ج ۲ ص ۲۰۶ ح ۲۲۷۴)

ایک روایت میں امام سفیان بن عیینہ نے سماع کی تصریح نہیں کی تو امام ابو حاتم الرازی نے فرمایا: '' ولم يذكر ابن عيينة في هذا الحديث الخبر ، وهذا أيضًا مما يوهّنه '' اور ابن عیینہ نے اس حدیث میں سماع کی تصریح نہیں کی، اور یہ بھی اسے ضعیف قرار دیتا ہے۔ (علل الحدیث ج ۱ ص ۲۳۲ فقرہ: ۶۰)

۳) امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: ہم مدلس کی کوئی حدیث اس وقت تک قبول نہیں کریں گے جب تک وہ حدثني یا سمعت نہ کہے۔ (الرسالہ ص ۵۳، دوسرا نسخہ ص ۳۸۰)

نیز دیکھئے میری کتاب: علمی مقالات (ج ۱ ص ۲۸۳)

۴) حافظ ابن حبان نے فرمایا: وہ ثقہ راوی جو اپنی احادیث میں تدلیس کرتے تھے مثلاً: قتادہ، یحییٰ بن ابی کثیر، اعمش، ابواسحاق، ابن جریج، ابن اسحاق، ثوری اور ہشیم۔ بعض اوقات یہ اپنے اس شیخ سے، جس سے سُنا تھا وہ روایت بطورِ تدلیس بیان کر دیتے جسے انھوں نے ضعیف ناقابلِ حجت لوگوں سے سنا تھا۔ پس مدلس اگرچہ ثقہ ہی ہو، جب تک حدثني یا سمعت نہ کہے تو اس کی حدیث سے حجت پکڑنا جائز نہیں ہے۔

(کتاب المجروحین ج ۱ ص ۹۲، علمی مقالات ج ۱ ص ۲۶۷)

حافظ ابن حبان نے مزید فرمایا: وہ مدلس راوی جو ثقہ عادل ہیں، ہم اُن کی صرف اُن مرویات سے ہی حجت پکڑتے ہیں جن میں وہ سماع کی تصریح کریں۔ مثلاً سفیان ثوری، اعمش اور ابواسحاق وغیرہم جو کہ زبردست ثقہ امام تھے... الخ

(الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ج ۱ ص ۹۰، علمی مقالات ج ۱ ص ۲۶۶)

۵) حافظ ابن الجوزی نے امام اعمش کی عن والی ایک روایت کے بارے میں کہا: یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ احمد بن حنبل نے کہا: اس حدیث کی اصل نہیں ہے۔ اس میں کوئی (ثقہ غیر مدلس) اعمش سے یہ نہیں کہتا کہ ہمیں ابوصالح نے حدیث بیان کی ہے۔ اور اعمش ضعیف راویوں سے حدیث بیان کرتے (یعنی تدلیس کرتے) تھے۔

(العلل المتناہیہ ج ۱ ص ۴۳۷)

۶) حافظ ابن حجر العسقلانی نے فرمایا: کیونکہ کسی سند کے راویوں کا ثقہ ہونا صحیح ہونے کو لازم نہیں ہے، چونکہ اعمش مدلس ہے اور اس نے عطاء سے اپنا سماع (اس حدیث میں) ذکر نہیں کیا ہے۔ (التلخیص الحبیر ج ۳ ص ۱۹، السلسلۃ الصحیحہ ج ۱ ص ۱۶۵)

۷) حافظ ذہبی نے اعمش کی ایک غیر مصرح بالسماع روایت کے بارے میں فرمایا:

اس کے راوی ثقہ ہیں مگر اعمش مدلس ہیں... الخ (سیر اعلام النبلاء ج ۱۱ ص ۳۶۲)

۸) ابن القطان الفاسی المغربی نے فرمایا: "و معنعن الأعمش عرضة لتبيّن الإنقطاع فإنه مدلس" اعمش کی عن والی روایت انقطاع کے بیان کا نشانہ ہے کیونکہ وہ

مدلس تھے۔ (بیان الوہم والایہام ج ۲ ص ۴۳۵ ح ۴۴۱)

۹) حافظ ابن الصلاح نے کہا: " والحكم بأنه لا يقبل من المدلس حتى يبين ، قد أجراه الشافعي رضي الله عنه فيمن عرفناه دلس مرة والله أعلم "

اور فیصلہ اس پر ہے کہ مدلس جب تک (سماع کا) بیان نہ کرے تو اُس سے (کسی روایت کو) قبول نہ کیا جائے، اسے (امام) شافعی رضی اللہ عنہ (!) نے اُس کے بارے میں جاری فرمایا، جس کا صرف ایک دفعہ تدلیس کرنا ہمیں معلوم ہو جائے۔ واللہ اعلم

(مقدمہ ابن الصلاح مع شرح العراقی ص ۹۹)

۱۰) اعمش عن حبیب بن ابی ثابت عن عطاء بن ابی رباح عن (ابن) عمر والی ایک روایت پر جرح کرتے ہوئے امام ابن خزیمہ نے فرمایا: دوسری بات یہ ہے کہ اعمش مدلس ہیں، انھوں نے حبیب بن ابی ثابت سے اپنے سماع کا ذکر نہیں کیا اور تیسری بات یہ ہے کہ حبیب بن ابی ثابت بھی مدلس ہیں اور یہ معلوم نہیں کہ انھوں نے اسے عطاء سے سنا ہے۔

(کتاب التوحید ص ۳۸)

اس طرح کی دوسری مثالوں کے لئے دیکھئے علمی مقالات (ج ۱ ص ۲۵۱ تا ۲۹۰)

تدلیس اور حنفیہ

۱: طحاوی حنفی نے امام زہری رحمہ اللہ کے بارے میں کہا: انھوں نے تدلیس کی ہے۔

(شرح معانی الآثار ۱/ ۵۵، باب مس الفرج)

اور انھوں نے قتادہ کو مدلس قرار دیا۔ دیکھئے مشکل الآثار (طبع جدید ج ۱۰ ص ۴۳۲)

۲: ابن الترکمانی حنفی نے امام سفیان ثوری کو مدلس کہا۔

دیکھئے الجوہر النقی (ج ۸ ص ۲۶۲)

اور قتادہ کو مدلس کہا۔ (الجوہر النقی ج ۲ ص ۲۹۸، نیز دیکھئے ج ۷ ص ۱۲۶)

۳: عینی حنفی نے سفیان ثوری کے بارے میں کہا:

اور سفیان مدلسین میں سے ہیں اور مدلس کی عن والی روایت سے حجت نہیں پکڑی جاتی اِلا یہ

کہ اس کا سماع دوسری سند سے ثابت ہو جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۱۱۲)

٤: کرمانی حنفی نے بھی سفیان ثوری کو مدلس قرار دیا۔

دیکھئے شرح صحیح البخاری (ج ۳ ص ۶۲ ح ۲۱۳)

٥: ملا علی قاری نے بتایا کہ اعمش اور سفیان ثوری وغیرہما تدلیس کرتے تھے۔

دیکھئے شرح شرح نخبۃ الفکر للقاری (ص ۴۲۰)

٦: عبدالحق دہلوی نے بتایا کہ جو شخص ضعیف راویوں وغیرہم سے تدلیس کرتا تھا تو جمہور کے نزدیک اُس کی روایت مردود ہے اِلا یہ کہ سماع کی تدلیس کرے۔

(مقدمہ فی اصول الحدیث ص ۴۷، ۴۸ مفہوماً)

٧: شریف جرجانی حنفی نے اعمش اور ثوری وغیرہما کی تدلیس کا ذکر کیا اور ان کی غیر مصرح بالسماع روایت کو مرسل کے حکم میں قرار دیا۔

دیکھئے رسالۃ فی اصول الحدیث للجرجانی (ص ۹۰، ۹۱)

٨: زیلعی حنفی نے شیخ تقی الدین سے قتادہ کے بارے میں نقل کیا کہ " **وھو إمام فی التدلیس** " اور وہ تدلیس میں امام ہیں۔ (نصب الرایہ ج ۳ ص ۱۵۵)

٩: کوثری حنفی (جہمی) نے کہا: " **وقتادة مدلس و قد عنعن** "

اور قتادہ مدلس ہیں اور انھوں نے عن سے روایت کی ہے۔ (النکت الطریفۃ ص ۱۵۰، العقیقہ)

١٠: احمد علی سہارنپوری نے قتادہ کے بارے میں کہا:

" **لأنه مدلس** " کیونکہ وہ مدلس ہیں۔ (صحیح بخاری، درسی نسخے کا حاشیہ ج ۲ ص ۷۶۴ ح ۱۱ کے بعد)

اس طرح کے اور بھی بہت سے حوالے ہیں۔

تدلیس اور آلِ دیوبند

١: سرفراز خان صفدر نے سفیان ثوری کا مدلس ہونا تسلیم کیا ہے۔

دیکھئے خزائن السنن (ج ۲ ص ۷۷)

٢: ماسٹر امین اوکاڑوی نے سفیان ثوری کو مدلس قرار دیا۔

دیکھئے مجموعہ رسائل (ج ۳ ص ۳۳۱)

۳: شیر محمد مماتی دیوبندی نے سفیان ثوری کو مدلس کہا۔

دیکھئے آئینۂ تسکین الصدور (ص ۹۰، ۹۲)

٤: عمرو نے کہا: ''اس وجہ سے قتادہ کا سماع ابو غلاب سے ثابت نہیں ہوتا، کیوں کہ وہ مدلس ہیں۔'' اس کے جواب میں اشرفعلی تھانوی نے کہا:

''ظاہراً تو قول عمرو کا صحیح بلکہ متعین معلوم ہوتا ہے'' (امداد الفتاویٰ ج ۵ ص ۸۴)

٥: حسین احمد مدنی ٹانڈوی نے امام سفیان ثوری کے بارے میں کہا:

''اور سفیان تدلیس کرتا ہے۔'' (تقریر ترمذی ص ۳۹۱)

٦: محمد تقی عثمانی نے کہا:

''سفیان ثوریؒ اپنی جلالتِ قدر کے باوجود کبھی کبھی تدلیس بھی کرتے ہیں''

(درس ترمذی ج ۱ ص ۵۲۱)

۷: سرفراز صفدر کے استاذ عبدالقدیر دیوبندی نے امام بیہقی پر رد کرتے ہوئے کہا:

''علامہ بیہقیؒ پر تعجب ہے کہ وہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ قتادہ مدلس ہے اور عن سے روایت کرتا ہے اس کو استدلال میں لے کر اپنا مطلب نکال گئے ہیں...'' (تدقیق الکلام ج ۱ ص ۱۰۶)

۸: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا:

عادل راوی سے جب ایک مرتبہ تدلیس ثابت ہو جائے تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس کی وہی روایت قبول کی جائے گی جس میں تحدیث کی تصریح ہوگی۔ (نزہۃ النظر شرح نخبۃ الفکر ص ۴۵)

یہ عبارت نقل کر کے فقیر اللہ دیوبندی نے لکھا: ''حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا بیان کردہ یہ حکم تمام علماء اصول کے ہاں متفق علیہ ہے علامہ عراقی رحمہ اللہ، علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ کے مقدمۂ تمہید سے مدلس کا یہی حکم نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

....اس حکم میں علماء اصول کا کوئی اختلاف میری علم میں نہیں ہے۔

(التقیید والایضاح ص ــــ) ''

(خاتمۃ الکلام ص ۴۷۶)

۹: غالی دیوبندی امداد اللہ انور نے کہا:

''اس کی سند میں اعمش راوی مدلِس ہیں۔اس نے عنعن سے روایت کی ہے اور اس کا سماع حکم سے ثابت نہیں ہے۔'' (مستند نماز حنفی ص ۳۵)

۱۰: محمد الیاس فیصل (دیوبندی) نے لکھا:

''اس کی سند میں اعمش راوی مدلّس ہے۔اس نے عَنعَنَ سے روایت کی ہے اور اس کا سماع حکم سے ثابت نہیں ہے۔'' (نمازِ پیغمبر ﷺ ص ۸۵)

اس طرح کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں مثلاً دیوبندیوں کے منظورِ نظر محمد عبید اللہ الاسعدی نے لکھا ہے:

''مدلّس کا حکم:۔ ''حدیث مدلس'' کو قبول کرنے کی بابت علماء کا اختلاف ہے صحیح اور معتمد قول یہ ہے کہ

(الف) اگر سماع کی تصریح کر دی جائے تو حدیث مقبول ہو گی یعنی راوی صاف صاف اپنے سننے یا شیخ کے اس سے بیان کرنے کو ذکر کرے، اور

(ب) اگر سننے کی تصریح نہ کرے بلکہ محض محتمل الفاظ ذکر کرے تو نہیں مقبول کی جائے گی۔''

(علوم الحدیث ص ۱۴۶)

معلوم ہوا کہ آلِ دیوبند کے نزدیک تدلیس کا علم ایک حقیقت ہے اور مدلس راوی کی عن والی روایت قابلِ قبول نہیں ہوتی لہٰذا قتادہ، مدلس کی عن والی روایت سے دیوبندیوں کا استدلال مردود ہے۔

تنبیہ: بریلویہ اور تدلیس کے لئے دیکھئے صفحہ ۶۱۱

تدلیس اور فرقۂ مسعودیہ کا انکارِ محدثین

الحمد للّٰہ ربّ العالمین و الصّلوٰۃ و السّلام علٰی خاتم النبیین و رضي اللّٰہ عن أصحابہ أجمعین و رحمۃ اللّٰہ علٰی من تبعھم بإحسان إلٰی یوم الدین أما بعد:

قتادہ بن دعامہ البصری رحمہ اللہ (ثقہ تابعی) نے سعید بن جبیر عن ابن عمر رضی اللہ عنہ کی سند سے نبی ﷺ کی ایک حدیث بیان کی تو اُن کے شاگرد امام شعبہ رحمہ اللہ (ثقہ تبع تابعی) نے پوچھا: آپ نے اسے کس سے سُنا ہے؟ قتادہ نے فرمایا: مجھے یہ حدیث ایوب السختیانی نے بتائی ہے۔ (تقدمۃ الجرح والتعدیل ص ۱۶۹، وسندہ صحیح، الحدیث حضرو: ۳۳ ص ۳۲)

اس سچے قصے سے معلوم ہوا کہ قتادہ نے اپنے معاصر سعید بن جبیر سے وہ روایت بیان کی جو اُن سے سُنی نہیں تھی لہٰذا یہ تدلیس یا ارسالِ خفی ہے۔

امام شعبہ نے فرمایا: میں آپ کے لئے تین (اشخاص) کی تدلیس کے لئے کافی ہوں: اعمش، ابو اسحاق اور قتادہ۔ (مسألۃ التسمیہ ص ۴۷ وسندہ صحیح)

امام شعبہ نے فرمایا: میں قتادہ کے منہ کو دیکھتا رہتا تھا، جب وہ کہتے کہ میں نے سُنا ہے یا فلاں نے ہمیں حدیث بیان کی تو میں اسے یاد کر لیتا اور جب کہتے کہ فلاں نے حدیث بیان کی تو میں اسے (یعنی اس روایت کو) چھوڑ دیتا تھا۔ (تقدمۃ الجرح والتعدیل ص ۱۶۹، وسندہ صحیح)

اس سے کئی باتیں معلوم ہوئیں۔ مثلاً:

۱: قتادہ مدلس تھے۔

۲: شعبہ کی قتادہ سے روایت سماع پر محمول ہوتی ہے۔

۳: امام شعبہ تدلیس کو ایک حقیقت سمجھتے تھے۔ اگر وہ فنِ تدلیس کو بے حقیقت سمجھتے تو پھر کس لئے قتادہ رحمہ اللہ کے منہ کو دیکھتے رہتے تھے اور صرف سماع والی روایت کیوں یاد

کرتے تھے؟

۴: شعبہ کے نزدیک مدلس کی وہ روایت ضعیف وناقابلِ حفظ ہوتی ہے جس میں اُس کے سماع کی تصریح نہ ہو۔

۵: شعبہ مدلس کو کذاب نہیں سمجھتے تھے۔

اگر کوئی شخص کہے کہ آپ لوگ کس دلیل کی بنا پر صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی تمام روایات کو صحیح سمجھتے ہیں؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ صحیحین کے صحیح وحجت ہونے کے متعدد دلائل ہیں۔ مثلاً:

۱: اُصولِ حدیث کی رُو سے یہ روایات صحیح ہیں۔

۲: اسماء الرجال میں جمہور کی توثیق کے اصول کی رُو سے یہ روایات صحیح ہیں۔

۳: محدثین کی طرف سے صحیحین کو تلقی بالقبول حاصل ہے یعنی چند روایات کو چھوڑ کر باقی تمام احادیث کے صحیح ہونے پر اجماع ہے۔

۴: ان روایات پر معترضین کے تمام اعتراضات غلط اور مردود ہیں۔

اگر اصولِ حدیث، اسماء الرجال اور محدثین کرام کا دامن چھوڑ دیا جائے تو پھر صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا صحیح ہونا قرآن اور حدیث سے صراحتاً ثابت نہیں کیا جا سکتا۔

اُصولِ حدیث کی تمام کتابوں میں تدلیس کا ذکر ہے بلکہ کئی محدثین نے خاص اس مسئلے پر کتابیں، رسالے اور منظوم قصائد تصنیف کئے۔

ایک بہت بڑے ثقہ امام اور جلیل القدر محدث امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا:

ہم مدلس کی کوئی حدیث اس وقت تک قبول نہیں کریں گے جب تک وہ حدثنی یا سمعت نہ کہے۔ (الرسالہ ص ۳۸۰ فقرہ: ۱۰۳۵)

امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ نے فرمایا: ''لما وردتُ مرو کتبتُ إلٰی أحمد ابن حنبل أن یبعث إليّ بشيئ من کتب الشافعي حتی أصنف علیه ، قال : فبعث إليّ بکتاب الرسالة و قال: هذا کتاب أعجب به عبدالرحمٰن بن

مهـــدي . ''میں جب مرو (کے علاقے میں) گیا تو میں نے احمد بن حنبل کی طرف لکھ بھیجا کہ میری طرف شافعی کی کتابوں میں سے کچھ بھیجیں تا کہ میں اُس پر لکھوں۔ پھر انھوں نے میری طرف کتاب الرسالہ بھیجی اور فرمایا: یہ کتاب عبدالرحمٰن بن مہدی کو پسند تھی۔

(الطیوریات ۲/ ۶۰۷۔ ۶۱۷ ح ۶۸۱ وسندہ صحیح)

امام احمد بن حنبل نے الرسالہ کو عام اصولِ علم والی کتاب کہا اور اسے امام اسحاق بن راہویہ کی طرف بھیجا۔ دیکھئے مناقب الشافعی للبیہقی (۱/ ۲۳۴ وسندہ صحیح)

امام ابوابراہیم اسماعیل بن یحییٰ المزنی رحمہ اللہ نے فرمایا: '' كتبتُ كتاب الرسالة منذ زيادة علٰى أربعين سنة و أنا أقرأه و أنظر فيه و يقرأ عليّ ، ما من مرة قرأتُ أو قرئ عليّ إلا و استفدتُ منه شيئًا لم أكن أحسنه . ''

میں نے (اپنے ہاتھ سے) چالیس سال سے زیادہ پہلے کتاب الرسالہ (نقل کر کے) لکھی اور میں اسے پڑھتا ہوں، اس میں دیکھتا ہوں یعنی غور کرتا ہوں اور یہ میرے سامنے پڑھی جاتی ہے۔ جس مرتبہ بھی میں نے اسے پڑھا ہے یا یہ میرے سامنے پڑھی گئی ہے تو مجھے اس میں وہ فائدہ ملا ہے جو میں پہلے اچھی طرح نہیں جانتا تھا۔

(تاریخ دمشق لابن عساکر من طریق الخطیب ۵۴/ ۲۹۲ وسندہ حسن)

کتاب الرسالہ تیسری صدی ہجری سے محدثین کرام میں مشہور و معروف رہی ہے اور کسی نے عبارتِ مذکورہ پر کوئی اعتراض نہیں کیا لہٰذا محدثین کا اس پر اجماع ہے کہ مدلس راوی (بشرطیکہ ثقہ وصدوق ہو) کی تصریحِ سماع والی روایت صحیح و مقبول ہوتی ہے اور فنِ تدلیس ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے۔

اگر بعض الناس میں سے کوئی یہ کہے کہ ''امام شعبہ نے (تدلیس کو) زنا سے بڑا جرم قرار دیا ہے۔ ابواسامہ اور جریر بن حازم نے اس کی مذمت کی ہے۔ بعض علماء کا یہ مسلک تھا کہ مدلس کی ہر روایت مردود ہے چاہے وہ سماع کی صراحت کرے...''

تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام شعبہ کا قول افراط، مبالغے اور تنفیر پر محمول ہے۔ دیکھئے

مقدمہ ابن الصلاح (ص ۹۸) اور الحدیث حضرو: ۳۳ ص ۵۱

امام شعبہ مدلس راوی کو کذاب نہیں کہتے تھے بلکہ اس کی مصرح بالسماع روایت (جس میں سماع کی صراحت ہو) کے حجت ہونے کے قائل تھے، جیسا کہ اس مضمون کے شروع میں مسألۃ التسمیہ اور تقدمۃ الجرح والتعدیل کے حوالے سے ثابت کر دیا گیا ہے۔

امام ابو اسامہ اور جریر بن حازم بھی تدلیس کی مذمت کے ساتھ مدلس راوی کو کذاب یا مشرک نہیں کہتے تھے اور نہ کسی نے اُن سے ایسی بات منسوب کی ہے۔

بعض علماء مجہول ہیں اور اُن کے قول کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ ثقہ راوی کے مدلس ہونے کے ہی منکر تھے بلکہ اُن کے قول کا مطلب صرف یہ ہے کہ وہ مدلس راوی کو مجروح سمجھتے اور اُس کی روایت کو مردود قرار دیتے تھے۔

مجہول علماء کا یہ قول کئی وجہ سے مردود ہے۔ مثلاً:

۱: اس قول سے ثقہ وصدوق راویوں کا مجروح ہونا لازم آتا ہے جو کہ محال ہے۔

۲: یہ قول امام شعبہ، امام شافعی، امام بخاری، امام مسلم اور تمام معلوم محدثین کے اجماع یا جمہور کے خلاف ہے۔

۳: اس قول سے کسی عالم نے بھی فنِ تدلیس کے بے حقیقت ہونے پر استدلال نہیں کیا۔

فضل بن موسیٰ السینانی نے کہا: ہشیم (بن بشیر) سے کہا گیا: آپ کو یعنی تدلیس پر کون سی چیز آمادہ کرتی ہے؟ انھوں نے فرمایا: یہ بہت مزیدار چیز ہے۔ (الکفایہ للخطیب ص ۳۶۱ وسندہ صحیح)

اس روایت میں امام ہشیم رحمہ اللہ نے اپنے مدلس ہونے کو تسلیم کیا ہے۔

امام عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ نے فرمایا: میں نے ہشیم سے کہا: آپ تدلیس کیوں کرتے ہیں حالانکہ آپ نے (بہت کچھ) سنا ہے؟ ہشیم نے کہا: دو بڑے (بھی) تدلیس کرتے تھے یعنی اعمش اور ثوری۔

(العلل الکبیر للترمذی ۲/ ۹۶۶ وسندہ صحیح، نیز دیکھئے الکامل لابن عدی ۷/ ۲۵۹۶، دوسرا نسخہ ۸/ ۴۵۲)

معلوم ہوا کہ ہشیم بن بشیر رحمہ اللہ بذاتِ خود تسلیم شدہ مدلس ہیں لہٰذا وہ خوارج کے

فرقۂ مسعودیہ کے نزدیک کذاب اور دھوکے باز مشرک تھے۔
دیکھئے مسعودی اصولِ حدیث (ص ۱۸، ۱۴)

یاد رہے کہ صحیح بخاری میں ہشیم کی پچاس سے زیادہ روایتیں ہیں لہٰذا مسعودی حضرات کو چاہئے کہ وہ ان روایات کے موضوع ہونے کا اعلان کریں یا پھر مسعودی اصول سے علانیہ توبہ کریں۔

امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے ابراہیم بن عطیہ (ایک شدید ضعیف راوی) کے بارے میں فرمایا: ''**عنده مناكير، كان هشيم يدلس به**''

اس کے پاس منکر روایتیں ہیں، ہشیم اُس سے تدلیس کرتے تھے۔

(التاریخ الکبیر للبخاری ۱/۱/۳۱۱ ت ۹۸۸، التاریخ الاوسط ۴/۵۳۷ ح ۱۱۷۷، مختصراً بلفظ: ''كان هشيم يدلس عنه'' الکامل لابن عدی ۱/۲۴۴، دوسرا نسخہ ۱/۳۹۷، الضعفاء للعقیلی ۱/۶۰، دوسرا نسخہ ۱/۱۷)

فرقۂ مسعودیہ کے مقلَّدین اور مقلِّدین کی ''خدمت'' میں عرض ہے کہ کیا امام بخاری رحمہ اللہ امام ہشیم کو ''دھوکے باز، مشرک اور کذاب'' سمجھتے تھے؟ اگر نہیں تو پھر آپ لوگ اُن کے بالکل اُلٹ کس راستے پر جا رہے ہیں؟!

اس تمہید کے بعد عرض ہے کہ راقم الحروف کے تحقیقی مضمون ''التأسیس فی مسئلۃ التدلیس'' کا بالاستیعاب مطالعہ کریں یا اگر مطالعہ کیا تھا تو دوبارہ مطالعہ کریں، آپ ان شاء اللہ منکرینِ تدلیس کے تمام شبہات اور وساوس کے مسکت جوابات پائیں گے۔

اب نور الامین نامی ایک مسعودی کے کتابچے ''مقام محدثین اور فنِ تدلیس'' کی اہم عبارات کے جوابات پیشِ خدمت ہیں:

۱) ''اور یہ ثابت کر دیا کہ حدیث کو تدلیس کی وجہ سے ضعیف قرار دینا ایک بے حقیقت چیز ہے۔'' (مقام محدثین اور فنِ تدلیس ص ۱)

بعض ثقہ راویانِ حدیث کو مدلس قرار دینا عظیم الشان ائمۂ حدیث مثلاً امام شعبہ بن الحجاج، بخاری، ہشیم بن بشیر، ابو عاصم النبیل، یحییٰ بن معین، احمد بن حنبل، ابو حاتم الرازی

اور نسائی وغیرہم سے ثابت ہے اور اس کا مطلقاً انکار یا بے حقیقت قرار دینا کسی ایک سے بھی ثابت نہیں لہٰذا آپ لوگ محدثین کے راستے کو چھوڑ کر کس طرف سرپٹ بھاگے جا رہے ہیں؟

کیا پندرہ سو سال کی اُمتِ مسلمہ میں سے کسی ایک متعین امام یا عالم کا حوالہ پیش کر سکتے ہیں جو یہ کہتا تھا کہ (۱) فنِ تدلیس ایک بے حقیقت چیز ہے (۲) مدلس راوی کذاب دھوکے باز اور مشرک ہوتا ہے؟

۲) ''مسعود احمد نے محدثین کے ایک بڑے گروہ کو مشرک، کافر اور جماعت المسلمین سے خارج قرار دیا۔ یہ کتاب اس الزام کی تردید اور محدثین کے دفاع میں لکھی جا رہی ہے۔''

(مقام محدثین ص۱)

یہ الزام نہیں بلکہ حقیقت ہے جیسا کہ مسعود احمد کی تحریرات سے ظاہر و باہر ہے۔

جس طرح صحیحین (صحیح بخاری و صحیح مسلم) کا صحیح ہونا قرآن و حدیث سے صراحتاً ثابت نہیں بلکہ محدثین کے اجماع یا جمہور سے ثابت ہے، اسی طرح صحیحین کے بہت سے راویوں مثلاً ہشیم بن بشیر، قتادہ، سفیان ثوری اور اعمش وغیرہم کا مدلس ہونا محدثین کے اجماع یا جمہور سے ثابت ہے۔

مسعود احمد نے تدلیس کو سامانِ تجارت کی فروخت پر قیاس کر کے علانیہ کہا:

''جب سامانِ تجارت کو فروخت کرنے کے سلسلے میں اگر کوئی شخص دھوکا دیتا ہے تو حدیث مذکورۂ بالا کی رُو سے وہ جماعت المسلمین سے خارج ہو جاتا ہے'' (اصول حدیث ص۱۴)

مسعود احمد نے کہا: ''امت مسلمہ اور جماعت المسلمین ایک چیز ہے۔''

(وقار علی صاحب کا خروج ص۴، جماعت المسلمین کی دعوات اور تحریک اسلام کی آئینہ دار ہیں ص۵۳۰)

مسعود احمد نے مزید کہا: ''یہ تو صحیح ہے کہ جماعت المسلمین سے نکلنا اسلام سے نکلنا ہے''

(وقار علی صاحب کا خروج ص۷، جماعت المسلمین کی دعوات اور تحریک ص۵۳۲)

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ''جو شخص جماعت المسلمین چھوڑ دے وہ مرتد نہیں ہے۔''

تو مسعود احمد نے اسے غلط فہمی نمبر ۵ قرار دیا۔ دیکھئے وقار علی صاحب کا خروج (ص ٦) اور جماعت المسلمین کی دعوات اور تحریک (ص ۵۳۲)

معلوم ہوا کہ مسعود احمد کے نزدیک دوسرے غیر مسعودیوں کی تکفیر کی طرح درج ذیل دو گروہ بھی مرتد، کافر اور غیر مسلم ہیں:

ا: سامانِ تجارت میں دھوکا دینے والے

۲: مدلسین

بعینہ یہی عقیدہ خوارج کا ہے لہٰذا یہ الزام نہیں بلکہ حقیقت ہے جس کا انکار ممکن نہیں ہے۔ عرض ہے کہ اگر مدلسین مرتد، کذاب اور اُمتِ مسلمہ سے خارج تھے؟ تو پھر بہت سے ثقہ وصدوق راویوں کو مدلسین کہنے والے محدثین پر کیا فتویٰ ہے؟

۳) ''میرے اس سوال کا جواب دینے کی کوشش کریں ''ایک شخص اپنا کوئی سامان بیچ رہا ہے لیکن... یہ گاہک کو دھوکا دینا ہے یا نہیں؟'' (مقام محدثین ص ۳)

عرض ہے کہ تدلیس کو دکانداری پر قیاس کرنا غلط ہے۔ کیا آپ کسی ایک ثقہ محدث یا امام سے ثابت کر سکتے ہیں کہ انھوں نے تدلیس کو دکانداری پر قیاس کر کے علم تدلیس کا انکار کر دیا تھا یا پھر آپ لوگوں کے پاس ''ٹیچی ٹیچی'' کی طرف سے کوئی اطلاع آئی ہے؟!

٤) ''سوچئے ایک راوی نے حدیث روایت کرنے میں اس شخص کا نام لیا جس سے اس نے حدیث سنی ہی نہیں کیا آپ ایسے راوی کی روایت کو کسی بھی صورت میں قبول کرنے کو تیار ہیں؟ کیا آپ اس طرز عمل کو اس کی ایمانداری کہیں گے؟ کیا وہ سند بیان کرنے میں سچا ہے؟'' (مقام محدثین ص ۵)

عرض ہے کہ تدلیس کرنے والوں کی دو قسمیں ہیں:

ا: جس نے اپنے استاد سے حدیث نہیں سنی مگر جھوٹ بولتے ہوئے یہ کہا کہ میں نے اپنے استاد سے یہ حدیث سنی ہے۔ یہ شخص کذاب ہے اور اس قسم کے کسی ایک راوی کی روایت بھی صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں قطعاً موجود نہیں ہے لہٰذا یہ ہماری بحث سے خارج

ہے۔

۲: جس نے اپنے استاد سے حدیث نہیں سنی بلکہ کسی دوسرے شخص سے سُنی مثلاً:

ایک دفعہ امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے اپنے استاذ عمرو بن دینار رحمہ اللہ سے ''عن'' کے ساتھ ایک حدیث بیان کی، ایک آدمی نے اُن سے پوچھا: کیا یہ حدیث (آپ نے) عمرو بن دینار سے سنی ہے؟ پھر انھوں نے فرمایا: ''**حدثني علي بن المديني عن الضحاك ابن مخلد عن ابن جريج عن عمرو بن دينار**'' إلخ مجھے علی بن المدینی نے حدیث بیان کی، اُنھوں نے ضحاک بن مخلد سے، انھوں نے ابن جریج سے، انھوں نے عمرو بن دینار سے۔ (الکفایہ للخطیب ص۳۵۹۔۳۶۰ وسندہ صحیح)

دیکھئے! امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے کتنی زبردست تدلیس کی تھی، اپنی سند سے اوپر نیچے تین راوی گرا دیئے تھے، کیا مسعودی حضرات اب بھی سفیان مذکور کو جماعت المسلمین میں شامل سمجھتے ہیں یا پھر مرتد اور کذاب قرار دے کر صحیحین میں ان کی بیان کردہ احادیث کو موضوع کہتے ہیں؟ جواب دیں!

بطورِ فرضی مثال اور بطورِ لطیفہ عرض ہے کہ کسی علاقے میں تین دوست ہیں:

نورالامین، مسعود احمد اور محمد اشتیاق۔

محمد اشتیاق نے مسعود احمد کو بتایا کہ ''نورالامین نے کہا کہ اُس نے نتھیا گلی میں ایک مزیدار چُوچا (چکن روسٹ) کھایا تھا۔'' بعد میں مسعود احمد نے اپنے شاگردوں کو بتایا کہ ''نورالامین نے نتھیا گلی میں ایک مزیدار چُوچا (چکن روسٹ) کھایا تھا۔''

مسعود نے یہ بات نورالامین سے نہیں سنی تھی بلکہ محمد اشتیاق سے سنی تھی اور آگے بیان کر دی۔ اس طرح کی باتیں مسلم معاشرے میں عام ہوتی ہیں کہ ایک شخص کو ایک خبر ملی تو اُس نے بغیر سند ذکر کئے یہی خبر آگے بیان کر دی۔

اسی کو تدلیس کہتے ہیں لہٰذا عرض ہے کہ کیا ایسی روایت بیان کرنے کی وجہ سے مسعود احمد کو کذاب، مشرک اور دھوکے باز کہا جائے گا۔ اس طرح تو عامۃ المسلمین کی اکثریت پر

فتوے لگ جائیں گے لہٰذا کیا خیال ہے؟!

۵) ''یہی وجہ ہے کہ مسعود احمد صاحب نے تدلیس کو رد کر دیا کیونکہ وہ محدثین کو اس مقام و مرتبہ پر دیکھنا چاہتے تھے جس کے وہ اہل تھے۔'' (مقام محدثین ص ۸)

مسعود احمد سے پہلے اُمتِ مسلمہ کے کسی ثقہ وصدوق امام و عالم نے تدلیس کو اس طرح رد نہیں کیا لہٰذا کیا سلف صالحین مثلاً بخاری، مسلم، شعبہ، ہشیم وغیرہم ثقہ محدثین کو اس مقام و مرتبہ پر دیکھنا نہیں چاہتے تھے جس کے وہ اہل تھے؟

انھوں نے تدلیس اور مدلسین کا بالاتفاق ذکر کیوں کیا تھا؟ کیا وہ دین کو اتنا بھی نہیں سمجھتے تھے جتنا مسعود احمد نے سمجھ لیا تھا؟!

منکرینِ تدلیس اپنے اس طرزِ عمل سے محدثین کی شان بڑھا رہے ہیں یا انھیں گرا رہے ہیں؟ محدثین کرام نے جب بالاجماع اور بغیر کسی اختلاف کے متعدد ثقہ راویوں کو مدلسین کہا تو کیا وہ اس گواہی میں سچے نہیں تھے یا کسی عجمی سازش کا شکار ہو گئے تھے؟

کچھ تو غور کریں! اگر ہم عرض کریں تو شکایت ہوگی۔!

۶) ''اگر صحیح بخاری یا صحیح مسلم میں عن کے ساتھ روایت کرے تو وہ روایت صحیح رہے گی... کیا یہ انصاف ہے؟'' (مقام محدثین ص ۱۱)

جی ہاں! یہ زبردست انصاف ہے اور کئی وجہ سے مدلل وصحیح ہے۔ مثلاً:

۱: یہ اصول ہمیں محدثین وعلماء نے بتایا ہے۔ مثلاً دیکھئے الحدیث حضرو (۳۳ ص ۵۵)

۲: حافظ ذہبی کے ساتھی ''**الشیخ الإمام العالم المقرئ الحافظ المحدث مفید الدیار المصریة**'' عبدالکریم بن عبدالنور بن منیر الحلبی المصری رحمہ اللہ (متوفی ۷۳۵ھ) نے اپنی کتاب ''القدح المعلی'' میں فرمایا: اکثر علماء کہتے ہیں کہ صحیحین کی معنعن روایات سماع کے قائم مقام ہیں۔ (التبصرہ والتذکرہ ج ۱ ص ۱۸۶)

۳: یہ تمام روایات متابعات اور شواہد پر محمول ہیں۔

۴: صحیحین کو اُمت کی تلقی بالقبول یعنی اجماعی مقبولیت حاصل ہے۔

۵: آپ صحیحین کی کسی ایک روایت پر تدلیس کا اعتراض کریں، ہم دندان شکن جواب دیں گے اور روایتِ مذکورہ کا صحیح ہونا ثابت کریں گے۔ ان شاء اللہ

کیا مسعود احمد کے خود ساختہ نظریے کو بھی تلقی بالقبول حاصل ہے یا اُمتِ مسلمہ میں کوئی ایک امام بھی اس نظریے کا قائل گزرا ہے؟ حوالہ پیش کریں۔

۷) ''اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا صحیحین اصول حدیث سے مبرا ہیں اگر نہیں تو پھر سماع اور متابعت کی شرط ان کے لیے کیوں نہیں؟'' (مقام محدثین ص ۱۲۔۱۳)

اس کا جواب فقرہ نمبر ۶ میں گزر چکا ہے کہ ہم نے یہ اصول محدثینِ کرام سے لیا ہے؟

فرقہ مسعودیہ والے چونکہ فہم سلف صالحین اور کسی ایک دور میں اجماعِ اُمت کے منکر ہیں لہٰذا اُن سے یہ سوال ہے کہ صحیحین (صحیح بخاری و صحیح مسلم) کو آپ کس دلیل سے صحیحین تسلیم کرتے ہیں اور کس دلیل سے ان کی تمام احادیث کو صحیح کہتے ہیں؟

قرآن مجید یا نبی کریم ﷺ کا فرمان پیش کریں اور اگر نہ کر سکیں اور یاد رکھیں کہ کبھی نہ کر سکیں گے لہٰذا اجماع اور سلف صالحین کی مخالفت اور انکار چھوڑ دیں۔

۸) ''یہاں تک سرفراز صاحب کی عبارت مکمل ہو گئی لیکن اس عبارت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ صحیحین میں تدلیس موجود ہے اس لیے سرفراز صاحب کے قول کے ساتھ امام نووی کا قول بھی خلط ملط کر کے لکھ دیا کہ وہ دوسرے طرق سے سماع پر محمول ہے۔''

(مقام محدثین ص ۱۳۔۱۴)

عرض ہے کہ ''مضر نہیں۔'' تک سرفراز خان صفدر کی عبارت مکمل نہیں ہوئی بلکہ اسی عبارت کے بعد اسی حوالے میں لکھا ہوا ہے کہ ''وہ دوسرے طرق سے سماع پر محمول ہے۔ مقدمہ نووی ص ۱۸۔ فتح المغیث ص ۷۷ و تدریب الراوی ص ۱۴۴''

(نصر الباری ص ۵۹ بحوالہ خزائن السنن ج ۱ ص ۱)

نووی کا قول: ''جو کچھ صحیحین (ومثلھما) میں مدلسین سے معنعن مذکور ہے وہ دوسری اسانید میں مصرح بالسماع موجود ہے۔'' رسالہ الحدیث حضرو (عدد ۳۳ ص ۵۵) میں بحوالہ

تقریب النووی (ج ا ص ۲۳۰) موجود ہے اور اسی مضمون (التأسیس) میں موجود ہے جس کا جواب دینے کے لئے معترض نے یہ کتابچہ لکھا ہے لہٰذا ''خلط ملط'' میں نے نہیں کیا بلکہ روح الامین مسعودی نے خلط ملط کیا ہے اور پھر بھی اپنے آپ کو حق بجانب قرار دینے کی سعی لاحاصل میں مصروف رکھا ہوا ہے۔

۹) '' ایک لطیفہ '' (مقام محدثین ص ۱۵)

لطیفے کا علمی مسائل میں ذکر فضول ہے اور لطیفے کا جواب بطورِ لطیفہ فقرہ نمبر ۴ میں گزر چکا ہے۔

۱۰) ''مسعود پر تنقید کیوں؟ اور صرف امام شعبہ ہی نہیں موصوف نے بعض اور علماء کا مسلک بھی بتایا ہے کہ وہ مدلس کی ہر روایت کو مردود سمجھتے تھے...'' (مقام محدثین ص ۱۷)

امام شعبہ، ابو اسامہ یا جریر بن حازم سے یہ قطعاً ثابت نہیں کہ وہ مدلس کی ہر روایت کو مردود سمجھتے تھے لہٰذا یہاں اُن کا نام لینا فضول ہے۔

بعض (مجہول) علماء کا ہر مدلس (یعنی ثقہ مدلس) کی ہر روایت کو مردود قرار دینا کئی وجہ سے غلط ہے۔ مثلاً:

۱: یہ بعض علماء مجہول ہیں۔

۲: ان مجہول ''علماء'' کا بھی باسند صحیح حوالہ کہیں موجود نہیں ہے۔

حافظ العلائی (متوفی ۷۶۱ھ) نے ان کا کوئی نام پتا نہیں بتایا لہٰذا سب بلیک آؤٹ ہے۔

مسعود احمد پر تنقید کئی وجہ سے ہے۔ مثلاً:

۱: ہمارے علم کے مطابق مسعود سے پہلے کسی نے بھی فنِ تدلیس کو بے حقیقت نہیں کیا۔

۲: کسی نے بھی ثقہ مدلس راوی کو مشرک، دھوکے باز اور کذاب نہیں کہا۔

۳: مسعود احمد تکفیری خارجی یعنی اہلِ بدعت میں سے تھا۔

۴: مسعود کے اصول سے صحیحین کے راویوں کا کذاب اور مشرک ہونا لازم آتا ہے، حالانکہ ایسا محال ہے لہٰذا باطل ہے۔

۱۱) ''لہذا ثابت ہوا کہ تدلیس کے انکار میں مسعود صاحب اکیلے نہیں ہیں۔''

(مقام محدثین ص ۱۸)

تدلیس کے انکار میں مسعود احمد بالکل اکیلے تھے، اُن سے پہلے اُمتِ مسلمہ میں کسی ایک عالم نے بھی ہشیم، اعمش اور ابو اسحاق السبیعی وغیرہم کے مدلسین ہونے کا انکار نہیں کیا۔ اگر مسعود صاحب حافظ علائی وغیرہ کے مذکورہ مجہول علماء کے مقلد تھے تو انھیں چاہئے تھا کہ ثابت شدہ مدلسین کی صحیحین میں روایتوں کو موضوع قرار دے کر اُن پر خطِ تنسیخ کھینچ دیتے لیکن ایسا نہ کیا جو دوغلی پالیسی کا آئینہ دار ہے۔

کیا اُمتِ مسلمہ میں کسی ایک عالم نے بھی یہ فرمایا ہے کہ صحیحین میں مذکورہ مدلسین دراصل مدلسین نہیں تھے بلکہ تدلیس سے بری تھے؟!

اگر ہے تو حوالہ پیش کریں!

۱۲) ''اب زبیر صاحب خود فیصلہ کریں کہ یہ اتنے افراد تدلیس کا انکار کرتے ہیں لیکن وہ پھر بھی کہتے ہیں کہ تدلیس پر ائمہ اہل الحدیث کا اجماع ہے'' (مقام محدثین ص ۲۱)

امام شعبہ، امام ابو اسامہ، امام جریر بن حازم اور بعض مجہول علماء میں سے کسی ایک عالم نے بھی وقوعِ تدلیس کا انکار نہیں کیا بلکہ تدلیس کرنے والوں پر رد کیا ہے جو اس کی دلیل ہے کہ وہ بعض راویوں کو مدلسین سمجھتے تھے اور وقوعِ تدلیس کے قائل تھے۔

امام شعبہ نے قتادہ کو مدلس (تدلیس کرنے والا) قرار دیا۔

اگر ''جماعت المسلمین رجسٹرڈ'' یعنی فرقہ مسعودیہ والے کسی ایک عالم سے یہ ثابت کر دیں کہ صحیحین کے راویوں میں سے کوئی ایک بھی مدلس نہیں تھا، تدلیس کا علم بے حقیقت ہے اور مدلس راوی کذاب، مشرک اور اُمتِ مسلمہ سے خارج ہوتا ہے، تو میں اور میرے ساتھی یہ بغیر استثناء وعدہ کرتے ہیں کہ حوالہ پیش کرنے والے کو نتھیا گلی کا چوچا کھلائیں گے۔

هل من مجيب .

۱۳) ''غور کا مقام ہے کہ زبیر صاحب صحابہ کرام کے لیے لفظ مدلس کو باطل اور غلط کیوں قرار دیتے ہیں؟'' (مقام محدثین ص ۲۳)

اس لئے کہ کسی ایک ثقہ محدث سے بھی کسی ایک صحابی کا مدلس ہونا ثابت نہیں ہے۔

جب محدثینِ کرام نے صحابہ کو مدلسین نہیں کہا تو دیوبندیہ یا مسعودیہ کون ہوتے ہیں جو صحابہ کرام کو مدلسین کہتے پھریں اور پھر ہم چپ رہیں۔! سبحان اللہ

۱۴) ''تو اس بارے میں یہی بہتر ہے کہ چونکہ اصولِ حدیث انسانوں نے وضع کیا ہے اور انسان سے غلطی صادر ہونا ممکن ہے'' (مقام محدثین ص۲۴۔۲۵)

عرض ہے کہ ایک دو انسانوں سے غلطی کا صادر ہونا تو ممکن ہے لیکن کیا سارے محدثین کرام جو بالا جماع تدلیس کے علم کے قائل تھے، غلطی پر جمع ہو گئے تھے؟ یہ تو صحیح حدیث کے خلاف ہے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ میری اُمت کو گمراہی پر جمع نہیں کرے گا۔ دیکھئے المستدرک للحاکم (۱/۱۱۶ ح ۳۹۹ وسندہ صحیح) اور الحدیث حضرو: ۱ ص ۴

اس اجماع کو مسعود احمد نے توڑنے کی کوشش کی لہٰذا عرض ہے کہ کیا مسعود احمد سے غلطی کا صادر ہونا ممکن نہیں ہے؟

یہ کیا بات ہوئی کہ تمام محدثین کے اجماع کو رد کر کے پندرہویں صدی کے مسعود احمد کی من گھڑت بات کو تسلیم کر لیا جائے کہ فنِ تدلیس بے حقیقت ہے، مدلس راوی مشرک اور اُمتِ مسلمہ سے خارج ہوتا ہے۔!

۱۵) ''چند مثالیں... بتایئے شیخ البانی صاحب نے صحیحین کی بعض احادیث کو ضعیف کہا ہے تو وہ شاہ ولی اللہ کے بیان کے مطابق کیا ہوئے؟'' (مقام محدثین ص۲۶)

شیخ البانی رحمہ اللہ کا صحیحین کی بعض احادیث کو ضعیف کہنا غلط ہے اور اس بات کا رد ہم نے بار بار عامۃ المسلمین کے سامنے پیش کیا ہے، یہاں پر یہ بات بھی مدِنظر رہے کہ البانی صاحب کی کتابوں کے حوالوں سے مسعود احمد بی ایس سی کی کتابیں بھری پڑی ہیں اور ان حوالوں کو الزامی دلیلیں قرار دینا بھی غلط ہے، کیونکہ سب اہلِ حدیث کا اس پر اجماع نہیں ہے کہ شیخ البانی کی ہر بات اور ہر تحقیق صحیح ہے اور نہ مسعود احمد کی کتابیں صرف اہلِ حدیث کے لئے لکھی گئی ہیں۔

ماہنامہ الحدیث حضرو کی فائلیں ذرا غور سے پڑھ لیں۔ مثلاً دیکھئے الحدیث: ۶۷ ص ۲۲، اور میری کتاب: صحیح بخاری پر اعتراضات کا علمی جائزہ (ص ۱۱۹)

۱۶) ''ممکن ہے استاد (سفیان ثوری) نے شاگردوں کے امتحان کے لیے حدیث کو ضعیف سند سے بیان کیا ہو اور...'' (مقام محدثین ص ۳۱)

ممکن ہے وغیرہ الفاظ بلا دلیل ہیں لہٰذا اپنا قیاس اور گمان وغیرہ پیش نہ کریں بلکہ صحیح دلیل پیش کریں۔

امام یحییٰ بن سعید القطان، امام بخاری، امام یحییٰ بن معین، امام علی بن المدینی اور امام ابو حاتم الرازی وغیرہم تمام محدثین نے بالاجماع امام سفیان ثوری کو مدلس کہا۔

دیکھئے الحدیث: ۳۳ ص ۳۶۔۳۷

کیا یہ محدثین اپنی اس تحقیق میں جھوٹے اور عجمی سازش کا شکار تھے؟ یا وہ سفیان ثوری کو اُمتِ مسلمہ سے خارج، مشرک، کذاب اور دھوکے باز سمجھتے تھے؟

کیا کسی ایک امام سے بھی باسند صحیح ثابت ہے کہ سفیان ثوری مدلس نہیں تھے؟

حوالہ پیش کریں!

۱۷) نور الامین مسعودی نے ماہنامہ الحدیث: ۳۳ ص ۲۶ سے ہشیم بن بشیر کی طرف منسوب ایک قصہ پیش کیا، جس میں ہے: ''کیا میں نے آج آپ (کی روایت) کے لئے کوئی تدلیس کی ہے؟'' الخ (مقام محدثین ص ۳۱)

نور الامین نے اس قصے پر فضول لفاظی کے ذریعے سے لمبی بحث کر کے لکھا ہے:

''یہ واقعہ تو ثابت کر رہا ہے کہ ھشیم کی روایت کو قبول کرنے میں شک نہیں کرنا چاہئے...''

(مقام محدثین ص ۳۲)

عرض ہے کہ ماہنامہ الحدیث حضرو: ۳۳ کے اسی صفحے (ص ۲۶) پر لکھا ہوا ہے کہ ''اس روایت کی سند معلوم نہ ہو سکی لہٰذا یہ سارا قصہ ہی ثابت نہیں ہے۔ اس کے باوجود حافظ ابن حجر وغیرہ نے اسے بطورِ استدلال ذکر کیا ہے۔''

اس غیر ثابت قصے پر راقم الحروف کی جرح کو چھپا کر نور الامین مسعودی نے تدلیس کا ارتکاب کیا ہے یعنی ''مقام محدثین اور فنِ تدلیس'' کا مصنف بذاتِ خود مدلس ہے۔

۱۸) ''زبیر صاحب کے مطابق مدلس راوی تدلیس کے باوجود ثقہ بھی ہوتا ہے اور عادل بھی رہتا ہے اب سوال یہ ہے کہ جب عادل بھی ہے اور ثقہ بھی تو مدلس کی روایت کو رد کیوں کیا جاتا ہے؟'' (مقام محدثین ص ۳۴)

اس وجہ سے رد کیا جاتا ہے کہ اس کے استاد کا نام معلوم نہیں جس سے اس ثقہ مدلس نے یہ حدیث سنی تھی۔

تنبیہ: مسعودی نے ''زبیر صاحب کے مطابق'' کہہ کر یہ تدلیس کی ہے کہ گویا صرف زبیر علیزئی کے نزدیک مدلس راوی ثقہ بھی ہوتا ہے، حالانکہ متعدد جلیل القدر محدثین سے ثقہ اور مدلس کا مجموعہ ثابت ہے، جس کی فی الحال پانچ مثالیں پیشِ خدمت ہیں:

۱: ابن سعد نے ہشیم کے بارے میں فرمایا:

''و کان ثقة کثیر الحدیث ثبتًا یدلس کثیرًا'' (طبقات ابن سعد ۷/۳۱۳)

۲: امام عجلی نے فرمایا: ''هشیم بن بشیر ... ثقة و کان یدلس''

(معرفۃ الثقات: ۱۹۱۲)

۳: ذہبی نے قتادہ کے بارے میں فرمایا: ''حافظ ثقة ثبت لکنه مدلس''

(میزان الاعتدال ۳/۳۸۵)

اور ہشیم کے بارے میں فرمایا: ''إمام ثقة مدلس'' (الکاشف ۳/۱۹۸)

۴: حافظ ابن حجر العسقلانی نے ایوب بن النجار کے بارے میں فرمایا: ''ثقة مدلس''

(تقریب التہذیب: ۶۲۷)

۵: حافظ ہیثمی نے محمد بن اسحاق کے بارے میں کہا: ''وهو مدلس ثقة''

(مجمع الزوائد ۶/۲۸۶)

اگر ثقہ کے لئے مدلس ہونا ناممکن ہے تو پھر ان علماء نے ثقہ مدلس وغیرہ کے الفاظ کیوں

استعمال کئے ہیں؟ کیا وہ مسعود احمد جتنا علم بھی نہیں رکھتے تھے؟ یا پھر ان اجماعی گواہیوں کو اقوال الرجال کہہ کر رد کر دیا جائے گا؟

صحیحین کا صحیح ہونا بھی تو اقوال الرجال ہی سے ثابت ہے۔!

۱۹) ''زبیر صاحب نے 10 (دس) وجوہات بیان کی ہیں اور وہ بھی گمان سے کوئی ٹھوس وجہ نہیں ہے...'' (مقام محدثین ص ۳۶)

یہ ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ جلیل القدر محدثین کرام نے بہت سے ثقہ راویوں کو مدلس کہا ہے اور کئی ثقہ راویوں کا تدلیس کرنا یقیناً ثابت ہے۔

اگر آپ کو یہ دس وجوہات پسند نہیں تو قرآن و حدیث سے وہ دلیل پیش کر دیں جس کی بنیاد پر ہشیم اور قتادہ وغیرہما نے تدلیس کی تھی جیسا کہ التأسیس میں اسماء الرجال کی مستند کتابوں سے صحیح سندوں کے ساتھ ثابت کر دیا گیا ہے۔

۲۰) ''تو کیا زبیر صاحب بتا سکتے ہیں کہ قتادہ نے اپنے کس استاد کا نام سند سے گرا دیا ہے؟'' (مقام محدثین ص ۳۷)

اس کا جواب بیحد آسان ہے کہ ہمیں اُس استاد کا نام معلوم نہیں اور یہی وجہ اس روایت کے ضعیف ہونے کی ہے۔ اگر آپ روایتِ مذکورہ میں قتادہ کا سماع ثابت کر دیں تو استاد کا نام خود بخود سماع والی روایت میں ثابت ہو جائے گا اور اگر ثابت نہ کر سکیں تو امام شافعی کی تحقیق اور اصولِ حدیث کے بنیادی مسئلے کو مدنظر رکھیں کہ مدلس کی عدم سماع والی روایت غیر مقبول ہوتی ہے۔

سُوءِ ظنی کا شکار آپ لوگ ہیں جو محدثین کی متفقہ گواہیوں کو چھوڑ کر اُلٹ راستے پر چل نکلے ہیں۔

۲۱) ''مسعود صاحب کا جرم'' (مقام محدثین ص ۴۱)

مسعود احمد بی ایس سی کے جرموں میں سے کئی بڑے جرم ہیں۔ مثلاً:

۱: عام مسلمین کی عملی تکفیر، جنھوں نے مسعود احمد کی بیعت نہیں کی تھی۔

۲: اجماع کا انکار

۳: سلف صالحین کے متفقہ فہم سے فرار

۴: تدلیس کے بارے میں محدثین کرام کے متفقہ اصول کی مخالفت

۵: وغیرہ، وغیرہ

۲۲) ''عدالت میں انصاف کا خون... نتیجہ اور جانبداری'' (مقام محدثین ص ۴۶۔۴۷)

عرض ہے کہ البانی وغیرہ اور مسعود احمد بی ایس سی کا ایک حساب نہیں ہے۔ کیا البانی صاحب بھی مسلمین کی تکفیر کرتے اور مسئلہ تدلیس کا سرے سے انکار کرتے تھے؟

سب کو ایک رسی میں باندھنے کی کوشش نہ کریں بلکہ ذرا اپنی چارپائی کے نیچے لاٹھی پھیر دیں۔

۲۳) ''یہ چوری کیوں؟'' (مقام محدثین ص ۵۰)

یہ سوال ڈاکٹر شفیق الرحمٰن سے پوچھیں، میں اس کا ذمہ دار نہیں ہوں بلکہ میں تو نماز نبوی نامی کتاب کا بھی ذمہ دار نہیں ہوں۔ مثلاً دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو: ۶۸ ص ۱۰

۲۴) ''قارئین کرام دیکھئے! تدلیس کو ابن کثیر نے دھوکا کہا'' (مقام محدثین ص ۵۵)

عرض ہے کہ حافظ ابن کثیر نے ابن لہیعہ کی ایک مصرح بالسماع روایت کے بارے میں ''**و هذا إسناد جيد قوي حسن**'' کہا اور فرمایا:

''**و ابن لهيعة إنما يخشى من تدليسه أو سوء حفظه و قد صرّح ههنا بالسماع**'' اور ابن لہیعہ کی صرف تدلیس یا بُرے حافظے کا خدشہ ہے اور انھوں نے یہاں سماع کی تصریح کر دی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ا ص ۷۹ باب فی کم یقرأ القرآن)

کیا آپ لوگ اپنی ساری پارٹی کے ساتھ یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ حافظ ابن کثیر کے نزدیک مدلس راوی مشرک، مرتد، کذاب اور اُمتِ مسلمہ سے خارج ہوتا تھا؟

۲۵) ''سفیان الثوری... سلیمان الاعمش... ابو اسحاق السبیعی... ہشیم بن بشیر الواسطی''

(مقام محدثین ص ۵۴۔۵۷)

ان سب راویوں کو محدثینِ کرام نے تدلیس کرنے والے (مدلسین) قرار دیا ہے اور کیا آپ لوگ کتبِ حدیث، کتبِ اسماء الرجال، اصول الحدیث اور شروحِ حدیث سے یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ یہ مدلسین نہیں تھے، تدلیس سے بری تھے؟!

۲۶) ''روایتِ حدیث میں عیب چھپانا امام مسلم کی نظر میں'' (مقام محدثین ص ۵۸)

امام مسلم رحمہ اللہ نے فرمایا: '' **و إنما كان تفقد من تفقد منهم سماع رواة الحديث ممن روى عنهم - إذا كان الراوي ممن عرف بالتدليس فی الحديث و شهر به فحينئذ يبحثون عن سماعه في روايته و يتفقدون ذلك منه كي تنزاح عنهم علة التدليس** ''

''البتہ ان ائمہ محدثین میں سے جو حضرات مروی عنہم سے رواۃ حدیث کے سماع کی تحقیق و تفتیش کرتے ہیں وہ صرف اس وقت راوی کے سماع کی تحقیق کرتے ہیں جبکہ راوی ''تدلیس فی الحدیث'' میں مشہور و معروف ہو۔ تو اس وقت یہ حضرات اسکی مرویات میں سماع کی تحقیق و جستجو کرتے ہیں تا کہ ان سے یہ علت تدلیس دور ہو جائے۔''

(مقدمہ صحیح مسلم مترجم محمد زکریا اقبال دیوبندی/تفہیم المسلم ج ۱ ص ۱۹۳، عربی نسخہ طبع دار السلام ص ۲۲)

معلوم ہوا کہ امام مسلم کے نزدیک علمِ تدلیس فضول اور بے حقیقت نہیں تھا بلکہ وہ مشہور مدلس کی غیر مصرح بالسماع روایت میں سماع کی تصریح کی تلاش کو صحیح سمجھتے تھے اور یہی ائمہ محدثین کا طریقہ کار تھا۔

فرقہ مسعودیہ والے نہ اجماع مانتے ہیں، نہ امام بخاری، امام مسلم، امام احمد بن حنبل، امام شافعی اور نہ دیگر محدثین مثلاً امام ابن خزیمہ، حافظ ابن حبان اور امام ترمذی وغیرہم کی گواہیاں اور اصول مانتے ہیں اور پھر بھی اپنے آپ کو الجماعۃ، الجماعۃ القدیمہ، جماعت المسلمین رجسٹرڈ اور جنتی جماعت سمجھے ہوئے ہیں۔ سبحان اللہ!

سبیل المومنین کی اتباع چھوڑ کر سبیل المسعودیین کی اتباع سے کیا آدمی جنتی ہو جاتا ہے؟!

۲۷) ''الحمدللہ'' (مقام محدثین اور فن تدلیس ص ۵۹، آخری سطر)

نور الامین مسعودی نے راقم الحروف کے تحقیقی مقالے ''التأسیس فی مسئلة التدلیس'' میں سے ایک حوالہ بھی غلط ثابت نہیں کیا جو اس بات کی دلیل ہے کہ سارے حوالے صحیح ہیں۔

قارئین کرام سے دوبارہ درخواست ہے کہ ماہنامہ الحدیث حضرو (عدد ۳۳) میں التاسیس والا مضمون مکمل پڑھ لیں اور اگر پہلے پڑھا تھا تو دوبارہ پڑھ لیں۔ آپ ان شاء اللہ دیکھیں گے کہ نور الامین کے کتابچے میں اس مضمون کا جواب نہیں بلکہ محض لفاظی، منطق، قیاس اور مغالطات سے خانہ پُری کی گئی ہے۔

چند مشہور محدثین اور مسئلۂ تدلیس

اب مسئلۂ تدلیس کے بارے میں بعض محدثینِ کرام کے بعض حوالے پیشِ خدمت ہیں، جو مشہور کتابوں کے مصنفین تھے:

۱: امام بخاری رحمہ اللہ (صحیح بخاری کے مصنف)

دیکھئے التاریخ الکبیر للبخاری (۳۱۱/۱/۱) اور یہی مضمون (ص ۵، فقرہ نمبر ا سے پہلے)

۲: امام مسلم رحمہ اللہ (صحیح مسلم کے مصنف)

دیکھئے فقرہ نمبر ۲۶

۳: امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (صحیح ابن خزیمہ کے مصنف)

دیکھئے صحیح ابن خزیمہ (۲۲۹/۱ ح ۴۴۸) وقال:

''فإن حبیب بن أبي ثابت مدلس ..'' إلخ

۴: حافظ بن حبان رحمہ اللہ (صحیح ابن حبان کے مصنف)

انھوں نے فرمایا: وہ مدلس راوی جو ثقہ عادل ہیں، ہم اُن کی صرف ان روایتوں سے ہی حجت پکڑتے ہیں جن میں وہ سماع کی تصریح کریں مثلاً سفیان ثوری، اعمش اور ابو اسحاق (السبیعی) وغیرہم جو کہ زبردست ثقہ امام تھے....

(الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ج ۱ ص ۹۰، دوسرا نسخہ ج ۱ ص ۱۶۱)

۵: امام ابو داود رحمہ اللہ (سنن ابی داود کے مصنف)

انھوں نے ابواسحاق السبیعی (مدلس) کی حارث اعور سے عن والی روایت بیان کرنے کے بعد فرمایا: ''أبو إسحاق لم یسمع من الحارث إلا أربعة أحادیث لیس هذا منها'' ابواسحاق نے حارث سے صرف چار حدیثیں سنیں، ان میں سے یہ نہیں ہے۔

(سنن ابی داود: ۹۰۸)

یعنی امام ابوداود کے نزدیک ابواسحاق السبیعی مدلس تھے۔

۶: امام ترمذی رحمہ اللہ (سنن الترمذی کے مصنف)

انھوں نے امام سفیان بن عیینہ کے بارے میں دوجگہ فرمایا: ''یدلّس فی هذا الحدیث'' وہ اس حدیث میں تدلیس کرتے تھے۔ (سنن الترمذی: ۱۰۹۶، ۳۶۶۲)

۷: امام نسائی رحمہ اللہ (سنن نسائی کے مصنف)

انھوں نے امام ہشیم کے بارے میں فرمایا: ''کان یدلس'' وہ تدلیس کرتے تھے۔

(سنن النسائی ۸/۳۲۱ ح ۵۶۸۹)

۸: حاکم نیشاپوری رحمہ اللہ (مستدرک الحاکم کے مصنف)

انھوں نے قتادہ رحمہ اللہ کے بارے میں فرمایا: ''علٰی علو قدرہ یدلس'' إلخ وہ عالی قدر ہونے کے باوجود تدلیس کرتے تھے۔ (المستدرک ج ۱ ص ۲۳۴ ح ۸۵۱)

۹: امام ابوعوانہ رحمہ اللہ (صحیح ابی عوانہ کے مصنف)

انھوں نے ثقہ راوی عمر بن علی المقدمی کے بارے میں فرمایا: ''فإنہ کان یدلس'' پس بے شک وہ تدلیس کرتے تھے۔ إلخ (صحیح ابی عوانہ ۱/۱۳۱ ح ۴۴۶۱)

۱۰: امام ابونعیم الاصبہانی رحمہ اللہ (المستخرج علٰی صحیح مسلم کے مصنف)

انھوں نے جھوٹ بولنے والے اور تدلیس کرنے والے راویوں میں فرق کیا۔

دیکھئے المستخرج لابی نعیم (ج ۱/ ۵۳ ح ۴۳)

۱۱: الضیاء المقدسی (المختارہ کے مصنف)

انھوں نے مبارک بن فضالہ کے بارے میں امام ابوزرعہ کا قول نقل کیا:

"یدلس کثیرًا" وہ بہت زیادہ تدلیس کرتے تھے۔ (المختارہ ج ۱/ ۳۲۶ ح ۲۱۹)

۱۲: امام بیہقی رحمہ اللہ (السنن الکبریٰ للبیہقی کے مصنف)

انھوں نے حبیب بن ابی ثابت کے بارے میں فرمایا: " و حبیب بن أبي ثابت و إن کان من الثقات فقد کان یدلس و لم أجده ذکر سماعه في هذا الحدیث عن طاوس "إلخ اور حبیب بن ابی ثابت اگر چہ ثقہ راویوں میں سے تھے، پس وہ تدلیس کرتے تھے اور میں نے نہیں دیکھا کہ انھوں نے اس حدیث میں طاؤس سے سماع کی تصریح کی ہے۔ (السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۳۲۷ ح ۶۱۱۶)

ان کے علاوہ مزید حوالوں اور تفصیل کے لئے التأسیس اور الفتح المبین فی تحقیق طبقات المدلسین کا مطالعہ کریں۔

میں آخر میں نور الامین اور اُن کی ساری پارٹی سے تدلیس کے بارے میں تین سوالات کرتا ہوں:

۱: کیا کسی ثقہ وصدوق امام نے فرقۂ مسعودیہ کے وجود سے پہلے تدلیس کے علم کو بے حقیقت کہا ہے؟ حوالہ پیش کریں!

۲: کیا فرقۂ مسعودیہ کے وجود سے پہلے کسی ثقہ وصدوق امام نے مدلس کو اُمتِ مسلمہ سے خارج یعنی غیر مسلم اور کذاب کہا ہے؟ حوالہ پیش کریں!

۳: کیا مسعود احمد بی ایس سی کے وجود سے پہلے کسی ثقہ وصدوق امام نے یہ بتایا تھا کہ صحیحین (صحیح بخاری اور صحیح مسلم) میں کسی ایک مدلس کی ایک روایت بھی موجود نہیں ہے؟

اور اگر جواب نہ دے سکیں تو بدعتی راستے چھوڑ کر سلف صالحین کے سبیل المومنین پر آجائیں اور علانیہ توبہ کریں۔

راقم الحروف نے جو کچھ لکھا ہے، اصولِ حدیث اور محدثین کرام کے دفاع کے لئے لکھا ہے۔ والحمد للہ (۱۸/ اپریل ۲۰۱۰ء)

زیارتِ روضۂ رسول ﷺ کی روایات اور اُن کی تحقیق

الحمد لله ربّ العالمين والصّلوٰة والسّلام علٰى آخر النبيين و رضي الله عن أصحابه أجمعين ورحمة الله علٰى من تبعهم بإحسان إلٰى يوم الدين. أما بعد:

اس مضمون میں تقی الدین علی بن عبدالکافی السبکی الشافعی (متوفی ۷۵۶ھ) کی کتاب: ''شفاء السقام فی زیارة خیر الانام علیہ السلام'' کی پندرہ روایتوں کی مختصر و جامع تحقیق پیشِ خدمت ہے، یہ وہ روایات ہیں جن کی بنیاد پر روضۂ رسول ﷺ کی طرف سفر کے جواز پر استدلال کیا جاتا ہے:

۱) موسیٰ بن ہلال العبدی نے اپنی سند کے ساتھ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''من زار قبري و جبت له شفاعتي''
جس نے میری قبر کی زیارت کی، اُس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔

(سنن دارقطنی ۲/۲۷۸ ح ۲۶۶۹، شفاء السقام ص ۸۷۔۱۰۳، بتحقیق المبتدع حسین محمد علی شکری)

۱: اس روایت کے بارے میں امام بیہقی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''و سواء قال عبید الله أو عبدالله فهو منكر عن نافع عن ابن عمر، لم يأت به غيره'' برابر ہے کہ اُس (موسیٰ بن ہلال) نے عبیداللہ (بن عمر) کہا یا عبداللہ (بن عمر) پس یہ (روایت) نافع عن ابن عمر سے منکر ہے، اسے اُس (موسیٰ بن ہلال) کے سوا دوسرے کسی نے بھی بیان نہیں کیا۔

(شعب الایمان ۳/۴۹۰ ح ۴۱۵۹، ۴۱۶۰، دوسرا نسخہ ۶/۵۱۔۵۲ ح ۳۸۶۲، ۳۸۶۳)

۲: امام عقیلی نے موسیٰ بن ہلال کو کتاب الضعفاء میں ذکر کر کے فرمایا: ''ولا يصح حديثه'' اور اس کی حدیث صحیح نہیں ہے۔ (الضعفاء الکبیر ج ۴ ص ۱۷۰، دوسرا نسخہ ۴/۱۳۲۱)

عقیلی نے مزید فرمایا: ''والرواية في هذا الباب فيها لين'' اور اس باب کی روایات میں کمزوری ہے۔ (الضعفاء الکبیر ۴/۱۷۰، دوسرا نسخہ ۴/۱۳۲۱)

یعنی امام عقیلی کے نزدیک زیارت والی اس قسم کی تمام روایات ضعیف ہیں۔

۳: امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے اس روایت کو "منکر" قرار دیا اور فرمایا:

" أنا أبرأ من عهدته "میں اس روایت کی مسئولیت سے بری ہوں۔

(صحیح ابن خزیمہ بحوالہ لسان المیزان ج ۶ ص ۱۳۵، دوسرا نسخہ ۷/۱۴۰۔۱۴۱)

۴: حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اس کی اس روایت کے بارے میں فرمایا:

" وأنكر ما عنده حديثه ... "اور اس کی اس حدیث کو میں منکر سمجھتا ہوں یا اس کی روایتوں میں سب سے منکر یہ حدیث ہے۔الخ

(لسان المیزان ۶/۱۳۵، دوسرا نسخہ ۷/۱۴۰، میزان الاعتدال ۴/۲۲۶، دوسرا نسخہ ۶/۵۶۷)

۵: ابن القطان الفاسی المغربی (متوفی ۶۲۸ھ) نے اسے ان احادیث میں ذکر کیا جو "ليست بصحيحة "صحیح نہیں ہیں۔ (بیان الوہم والایہام ج ۴ ص ۹ ح ۱۴۳۳)

۶، ۷: حافظ ابن تیمیہ اور حافظ ابن عبدالہادی نے اس روایت پر جرح کی۔

ان کے مقابلے میں عبدالحق اشبیلی اور تقی الدین السبکی نے اسے صحیح قرار دیا۔!

اب اس حدیث کے راوی موسیٰ بن ہلال کے بارے میں محدثین کرام کی تحقیق اور گواہیاں پیشِ خدمت ہیں:

۱: عقیلی نے اسے کتاب الضعفاء میں ذکر کیا۔

۲: ابن خزیمہ نے اُس کی بیان کردہ حدیث کو منکر کہا۔

۳: بیہقی نے اُس کی بیان کردہ روایت کو منکر کہا۔

۴: ابن الجوزی نے اسے کتاب الضعفاء المتروکین میں ذکر کیا۔ (۳/۱۵۱ ت ۳۴۷۸)

۵: ابن القطان الفاسی نے اس کی روایت کو غیر صحیح کہا۔

۶: حافظ ذہبی نے اسے دیوان الضعفاء (۲/۳۹۰ ت ۴۳۱۴) میں ذکر کیا اور توثیق نہیں کی۔

☆ ابوحاتم الرازی نے اسے مجہول کہا۔ (کتاب الجرح والتعدیل ۸/۱۶۶)

☆ دارقطنی نے اسے مجہول کہا۔ (اسئلۃ البرقانی بحوالہ لسان المیزان ۶/۱۳۶)

ان کے مقابلے میں درج ذیل علماء سے موسیٰ بن ہلال مذکور کی توثیق مروی ہے:

۱: حافظ ذہبی نے اسے "صالح الحدیث" کہا۔ (میزان الاعتدال ۲۲۶/۴، دوسرا نسخہ ۵۶۷/۶)

۲: ابن عدی نے حدیثِ زیارت کو (احادیث منتقدہ میں یعنی جن پر تنقید کی گئی ہے) ذکر کیا اور فرمایا: "و أرجو أنه لا بأس به" اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ لا بأس به ہے۔

(الکامل لابن عدی ۲۳۵۰/۶، دوسرا نسخہ ۶۹/۸)

۳: عبدالحق اشبیلی نے اس کی حدیث کی تصحیح کی۔

۴: سبکی نے اس کی روایت کو حسن قرار دیا۔ دیکھئے شفاء السقام (ص ۱۰۰)

☆ کہا جاتا ہے کہ امام احمد بن حنبل نے موسیٰ بن ہلال سے روایت بیان کی ہے (!) لیکن مجھے یہ روایت صحیح سند کے ساتھ کہیں نہیں ملی لہٰذا یہ قول بے سند ہونے کی وجہ سے ناقابلِ حجت ہے۔

چونکہ ان کے مقابلے میں جمہور محدثین نے موسیٰ بن ہلال یا اس کی بیان کردہ حدیث پر جرح کی ہے لہٰذا وہ ضعیف عندالجمہور ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

فائدہ: حافظ ابن عدی نے ایک راوی ابوالعوام جعفر بن میمون البصری کے بارے میں فرمایا: "و أرجو أنه لابأس به و يكتب حديثه فى الضعفاء" اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ لابأس بہ ہے اور اس کی حدیث ضعیف راویوں میں لکھی جاتی ہے۔

(الکامل ۵۶۲/۲، دوسرا نسخہ ۳۷۰/۲)

معلوم ہوا کہ ابن عدی کے نزدیک لابأس بہ کے الفاظ ہر جگہ توثیق نہیں ہوتے بلکہ بعض اوقات جرح بھی ہوتے ہیں لہٰذا اگر یہ الفاظ جمہور کی توثیق کے مطابق ہیں تو انھیں توثیق پر محمول کیا جائے گا اور اگر جمہور کی جرح کے مقابل ہیں تو انھیں جرح پر محمول کرنا چاہئے۔

تنبیہ: حافظ ذہبی کی جرح اور توثیق دونوں باہم متعارض ہونے کی وجہ سے ساقط ہیں۔

خلاصۃ التحقیق: من زار قبری والی روایتِ مذکورہ موسیٰ بن ہلال کی وجہ سے ضعیف ہے۔

۲) عبداللہ بن ابراہیم الغفاری: ثنا عبدالرحمٰن بن زيد (بن أسلم) عن أبيه

عن ابن عمر رضي الله عنه عن النبي ﷺ کی سند سے مروی ہے کہ'' من زار قبري حلت له شفاعتي ''جس نے میری قبر کی زیارت کی (تو) اس کے لئے میری شفاعت حلال ہوگئی۔ (کشف الاستار عن زوائد مسند البزار ۲/۵۷ ح ۱۱۹۸، شفاء السقام ص ۱۰۴)

یہ روایت دو وجہ سے موضوع ہے:

اول: ابو محمد عبداللہ بن ابراہیم بن ابی عمرو الغفاری کے بارے میں حافظ ابن حجر نے فرمایا: ''متروك و نسبه ابن حبان إلى الوضع ''متروک ہے اور ابن حبان نے بتایا کہ وہ (حدیثیں) وضع کرتا تھا۔ (تقریب التہذیب: ۳۱۹۹)

حافظ ابن حبان نے فرمایا:''كان يأتي عن الثقات المقلوبات و عن الضعفاء الملزقات ''وہ ثقہ راویوں سے مقلوب (اُلٹ پلٹ) روایتیں اور ضعیف راویوں سے چسپاں شدہ (موضوع) روایتیں بیان کرتا تھا۔ (کتاب المجروحین لابن حبان ۲/۳۷، دوسرا نسخہ ۱/۵۳۱)

اس عبارت کا مطلب ہے کہ'' أنه يضع الحديث ''وہ حدیثیں وضع کرتا یعنی گھڑتا تھا۔

(دیکھئے تہذیب الکمال للمزی ۴/۸۱)

حاکم نیشاپوری نے کہا:'' يروي عن جماعة من الضعفاء أحاديث موضوعة ، لا يرويها عنهم غيره ''وہ ضعیف راویوں کی ایک جماعت سے موضوع حدیثیں روایت کرتا تھا، جنھیں اُن سے اس کے علاوہ دوسرا کوئی بھی بیان نہیں کرتا تھا۔

(المدخل الی الصحیح ص ۱۵۱ ت ۹۰)

حافظ ذہبی نے فرمایا:'' متهم بالوضع ''اس پر (محدثین کی طرف سے) وضعِ حدیث کی تہمت (یعنی گواہی) ہے۔ (المغنی فی الضعفاء ۱/۵۲۳)

تنبیہ: اسماء الرجال کی کتابوں میں (جمہور کے نزدیک مجروح راوی پر) متہم اور تہمت کا مطلب اردو والی تہمت نہیں ہوتا بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ محدثین کرام نے گواہیاں دے کر اسے کذاب اور وضاع وغیرہ قرار دیا ہے لہٰذا ایسا راوی ساقط العدالت ہوتا ہے۔

۲۔ اس سند کا دوسرا راوی عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم ضعیف ہے۔ (تقریب التہذیب: ۳۸۶۵)

حاکم نے کہا: ''روى عن أبيه أحاديث موضوعة ...''
اس نے اپنے باپ سے موضوع حدیثیں بیان کی ہیں۔ الخ (المدخل الی الصحیح ص ۱۵۴ ت ۹۷)
خلاصۃ التحقیق: یہ روایت موضوع ہے۔

۳) عبداللّٰه بن محمد العبادي البصري : ثنا مسلم بن سالم الجهني : حدثني عبيد اللّٰه بن عمر عن نافع عن ابن عمر رضي اللّٰه عنه کی سند سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''من جاء ني زائرًا لا يعلمه حاجة إلا زيارتي كان حقًا علي أن أكون له شفيعًا يوم القيامة''
جو شخص میرے پاس زیارت کے لئے آئے گا، اس کا مقصد صرف میری زیارت ہوگی تو میں قیامت کے دن اس کی سفارش کروں گا۔
(المعجم الکبیر للطبرانی ۲۹۱/۱۲ ح ۱۳۱۴۹، الاوسط لہ: ۴۵۴۳، المعجم لابن المقرئ: ۱۶۹، شفاء السقام ص ۱۰۷۔۱۱۳)
بقولِ سبکی اسے ابن السکن نے صحیح کہا، عرض ہے کہ اس کا راوی مسلم (یا مسلمہ) بن سالم الجہنی (المکی) ضعیف ہے۔ (تقریب التہذیب: ۶۶۲۸)
ہیثمی نے کہا: وهو ضعيف (مجمع الزوائد ۲/۴)
حافظ ذہبی نے اسے دیوان الضعفاء میں ذکر کیا اور کوئی توثیق نہیں کی۔ (۳۵۶/۲ ت ۴۱۰۱)
حافظ ابن عبدالہادی نے اس کی روایت کو ''ضعيف الإسناد منكر المتن'' إلخ قرار دیا۔ (الصارم المنکی فی الرد علی السبکی ص ۶۸)
ابو محمد عبداللہ بن محمد العبادی کی توثیق بھی نامعلوم ہے لیکن مسلم بن حاتم الانصاری (ثقہ وصدوق) نے اس کی متابعت کر رکھی ہے۔
دیکھئے اخبار اصبہان (۲۱۹/۲ وعندہ عبداللہ العمری بدل عبیداللہ)
خلاصۃ التحقیق: یہ روایت ضعیف ہے۔

۴) قاری حفص بن ابی داود نے ليث بن أبي سليم عن مجاهد عن ابن عمر رضي اللّٰه عنه کی سند سے روایت بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”من حج فزار قبري بعد وفاتي فكأنما زارني في حياتي“

جس نے حج کیا پھر میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی تو گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔ (سنن الدارقطنی ۲/۲۷۸ ح ۲۶۶۷، شفاء السقام ص ۱۱۵)

اس روایت کی سند تین وجہ سے ضعیف ومردود ہے:

۱: قاری حفص بن سلیمان الاسدی البزار الکوفی الغاضری اگرچہ روایتِ قرآن میں ثقہ ہیں لیکن روایتِ حدیث میں جمہور کے نزدیک مجروح ہونے کی وجہ سے ضعیف تھے۔

حافظ ابن حجر نے فرمایا: ”متروك الحديث مع إمامته في القراءة“

وہ قراءت میں امام ہونے کے ساتھ حدیث میں متروک تھے۔ (تقریب التہذیب: ۱۴۰۵)

حافظ ذہبی نے فرمایا: ”ثبت في القراءة، واهي الحديث“

قراءت میں ثقہ (اور) حدیث میں ضعیف ہیں۔ (الکاشف ۱/۱۷۸ ت ۱۱۵۵)

حافظ ہیثمی نے فرمایا: ”و ضعفه الجمهور“ اور جمہور نے اسے ضعیف کہا ہے۔ (مجمع الزوائد ۱۰/۱۶۳)

۲: لیث بن ابی سلیم جمہور کے نزدیک ضعیف راوی ہے۔

بوصیری نے کہا: ”ضعفه الجمهور“ (زوائد سنن ابن ماجہ: ۲۰۸)

ابن الملقن نے کہا: وقد ضعفه الجمهور . (البدر المنیر ۷/۲۲۷)

ابن الملقن نے مزید کہا: وهو ضعيف عند الجمهور . (خلاصۃ البدر المنیر: ۷۸)

حافظ ابن حجر نے کہا: ”صدوق، اختلط جدًا ولم يتميز حديثه فترك“

وہ سچا ہے، بہت شدید اختلاط کا شکار ہو، اور اس کی حدیث کی (اختلاط سے پہلے کی) پہچان نہ ہو سکی لہٰذا متروک ہو گیا۔ (تقریب التہذیب: ۵۶۸۵)

۳: لیث بن ابی سلیم مدلس ہے۔ (دیکھئے مجمع الزوائد للہیثمی ۱/۸۳، اور زوائد ابن ماجہ للبوصیری: ۲۳۰)

حافظ ابن حبان نے ”ثم دلّسوه عن مجاهد“ کہہ کر اسے مدلس قرار دیا۔

دیکھئے مشاہیر علماء الامصار (ص ۱۴۶ ت ۱۱۵۳)

اور یہ روایت عن سے ہے۔

تنبیہ: حفص بن ابی داود اور لیث بن ابی سلیم کی موجودگی کے ساتھ اس روایت کی دوسری مردود سند کے لئے دیکھئے شفاء السقام (ص ۱۱۹)

سبکی نے لیث بن ابی سلیم کی سند کے ساتھ دو اور مردود روایتیں بھی ذکر کی ہیں۔

دیکھئے شفاء السقام (ص ۱۲۵۔۱۲۶)

خلاصۃ التحقیق: یہ روایت ضعیف و مردود ہے۔

۵) محمد بن محمد بن النعمان: **حدثني جدي قال: حدثني مالك عن نافع عن ابن عمر رضي الله عنه** کی سند سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"**من حج البيت ولم يزرني فقد جفاني**" جس نے بیت اللہ کا حج کیا اور میری زیارت نہیں کی تو اُس نے میرے ساتھ بے رُخی کی یعنی مجھ سے منہ پھیرا۔

(شفاء السقام ص ۱۲۷، الکامل لابن عدی ۲۴۸۰/۷)

نعمان بن شبل کو ابن الجوزی نے کتاب الضعفاء والمتروکین (۱۶۴/۳ ت ۳۶۴۱) اور ذہبی نے دیوان الضعفاء والمتروکین (۴۰۴/۲ ت ۴۳۹۲) میں ذکر کیا اور حافظ ابن حبان نے فرمایا: "**يأتي عن الثقات بالطامات و عن الأثبات بالمقلوبات**" وہ ثقہ راویوں سے تباہ کن روایتیں اور ثقہ ثبت راویوں سے مقلوب (اُلٹ پلٹ) روایتیں لاتا تھا۔

(کتاب المجروحین ۷۳/۳، دوسرا نسخہ ۴۱۴/۲)

اس راوی کی توثیق صرف صالح بن احمد بن ابی مقاتل (کذاب دجال) نے کی ہے جو کہ اصلاً مردود ہے۔ اس سند کا دوسرا راوی محمد بن محمد بن نعمان بن شبل ہے جس کے بارے میں کوئی توثیق نہیں ملی اور حافظ ذہبی نے اسے کتاب: دیوان الضعفاء والمتروکین میں ذکر کیا۔ (۳۳۴/۲ ت ۳۹۶۱)

اور کہا جاتا ہے کہ دارقطنی نے اس پر طعن کیا ہے۔ واللہ اعلم

خلاصۃ التحقیق: یہ روایت ان دو راویوں کی وجہ سے سخت ضعیف و مردود ہے اور حافظ ذہبی

نے اس کے بارے میں فرمایا: "هذا موضوع" یہ موضوع ہے۔ (میزان الاعتدال ۲۶۵/۴)

تنبیہ: کتاب العلل للدارقطنی (۱۳/۵۸ سوال ۲۹۴۷) میں محمد بن الحسن الختلی قال: حدثنا عبدالرحمٰن بن المبارك قال: حدثنا عون بن موسى عن أيوب عن نافع عن ابن عمر رضي الله عنه کی سند سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "من زارني إلى المدينة كنت له شفيعًا أو شهيدًا." جس نے مدینے میں میری زیارت کی تو میں اس کا سفارشی یا گواہ ہوں گا۔ (نیز دیکھئے شفاء السقام ص ۱۳۰)

یہ روایت دو وجہ سے مردود ہے:

۱: محمد بن الحسن الختلی کی توثیق نامعلوم ہے۔

۲: ختلی کو متن کے بارے میں وہم ہوا ہے۔

دیکھئے لسان المیزان (۳۸۹/۴، دوسرا نسخہ ۳۵۵/۵)

۶) سوار بن میمون ابوالجراح العبدی قال: حدثني رجل من آل عمر عن عمر رضي الله عنه کی سند سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "من زار قبري - أوقال: من زارني كنت له شفيعًا أو شهيدًا و من مات في أحد الحرمين بعثه الله في الآمين يوم القيامة." جس نے میری قبر یا میری زیارت کی تو میں اس کا سفارشی یا گواہ ہوں گا اور جو مکہ یا مدینہ میں فوت ہوا تو اللہ اسے قیامت کے دن امن والے لوگوں میں اُٹھائے گا۔ (مسند الطیالسی: ۶۵، السنن الکبریٰ للبیہقی ۲۴۵/۵ ح ۱۰۲۷۲)

اس روایت کی سند رجل من آل عمر کے مجہول ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے اور بیہقی نے فرمایا: "هذا إسناد مجهول" یہ سند مجہول ہے۔ (السنن الکبریٰ ۲۴۵/۵)

۷) سوار بن ميمون عن هارون أبي قزعة عن رجل من آل الخطاب عن النبي ﷺ کی سند سے مروی ہے کہ "من زارني متعمدًا كان في جواري يوم القيامة" جس نے پورے ارادے سے میری زیارت کی تو وہ قیامت کے دن میرا پڑوسی ہوگا۔ (الضعفاء للعقیلی ۳۶۲/۴، شفاء السقام ص ۱۳۴)

یہ روایت دو وجہ سے ضعیف و مردود ہے:

ا: ہارون بن قزعہ ابوقزعہ جمہور کے نزدیک ضعیف ہے۔
دیکھئے لسان المیزان (۱۸۰/۶۔۱۸۱)

۲: رجل من آل الخطاب مجہول ہے۔

لہٰذا اس روایت کو "مرسل جید" نہیں بلکہ ضعیف و مردود کہنا ہی صحیح و صواب ہے۔

۸) **هارون بن أبي قزعة عن رجل من آل حاطب عن حاطب رضي الله عنه** کی سند سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "**من زارني بعد موتي فكأنما زارني في حياتي و من مات بأحد الحرمين بعث من الآمنين يوم القيامة**" جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی تو گویا اُس نے میری زندگی میں میری زیارت کی اور جو شخص مکہ یا مدینہ میں مرا (فوت ہوا) تو اللہ اسے قیامت کے دن امن والوں میں اُٹھائے گا۔ (سنن دارقطنی ۲۷۸/۲ ح ۲۶۶۸، شفاء السقام ص ۱۳۸)

یہ روایت دو وجہ سے ضعیف و مردود ہے:

ا: ہارون ابوقزعہ ضعیف ہے۔ دیکھئے روایت نمبر ۷

۲: رجل من آلِ حاطب مجہول ہے۔

تنبیہ: احمد بن مروان بن محمد الدینوری المالکی (**ضعيف جدًا**) کی کتاب "**المجالسة وجواهر العلم**" (۱۳۰) میں یہ روایت **هارون بن أبي قزعة عن مولی حاطب بن أبي بلتعة عن حاطب رضي الله عنه** کی سند سے مروی ہے۔ (ص ۲۷)

ہارون ضعیف ہے اور مولیٰ حاطب مجہول ہے۔

شفاء السقام (ص ۱۳۹) میں اس روایت کی سند میں گڑبڑ ہوگئی ہے۔

۹) ابوالفتح محمد بن الحسین الازدی الموصلی نے ابوسہل بدر بن عبداللہ المصیصی کی سند سے ایک روایت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "**من حجّ حجة الإسلام و زار قبري و غزا غزوةً و صلّی عليّ في بيت المقدس،**

لم يسأله الله عزوجل فيما افترض عليه . " جس نے اسلام کا حج کیا، میری قبر کی زیارت کی، جہاد کیا اور بیت المقدس میں مجھ پر درود پڑھا، اللہ نے اس پر جو فرض کیا ہے اُس کے بارے میں اُس سے سوال نہیں کرے گا۔ (شفاء السقام ص۱۴۰۔۱۴۱)

یہ روایت دو وجہ سے ضعیف و مردود ہے:

۱: ابوسہل بدر بن عبداللہ المصیصی مجہول ہے۔ سبکی نے کہا: "ما علمت من حالہ شيئاً" مجھے اس کے حال کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے۔ (شفاء السقام ص۱۴۱)

حافظ ذہبی نے فرمایا: "عن الحسن بن عثمان الزيادي بخبر باطل "

اس نے حسن بن عثمان الزیادی سے باطل روایت بیان کی ہے۔

(میزان الاعتدال ۱/۳۰۰، لسان المیزان ۲/۴، دوسرا نسخہ ۲/۹)

۲: محمد بن الحسین الازدی (بذاتِ خود) ضعیف ہے۔ (ہدی الساری ص۳۸۶ ترجمۃ احمد بن شبیب)

جمہور نے اس پر جرح کی ہے۔

دیکھئے تاریخ بغداد (۲/۲۴۴ ت ۷۰۹) کتاب الضعفاء والمتروکین لابن الجوزی (۳/۵۳ ت ۲۹۵۳) اور دیوان الضعفاء والمتروکین للذہبی (۲/۲۹۲ ت ۳۶۷۲)

۱۰) الحسن بن محمد (بن اسحاق) السوسی: ثنا أحمد بن سهل بن أيوب : ثنا خالد ابن يزيد : ثنا عبدالله بن عمر العمري قال: سمعت سعيد المقبري يقول: سمعت أبا هريرة رضي الله عنه کی سند سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " من زارني بعد موتي فكأنما زارني و أنا حي و من زارني كنت له شهيدًا و شفيعًا يوم القيامة " جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی تو گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی اور جس نے میری زیارت کی تو میں قیامت کے دن اس کے لئے گواہ اور سفارشی ہوں گا۔ (شفاء السقام ص۱۴۴)

یہ روایت خالد بن یزید العمری کی وجہ سے موضوع ہے۔

خالد بن یزید کو امام یحییٰ بن معین اور ابوحاتم وغیرہما نے کذاب (جھوٹا) کہا۔

دیکھئے کتاب الجرح والتعدیل (۳/۳۶۰) اور لسان المیزان (۲/۳۸۹۔۳۹۰، دوسرا نسخہ ۲/۴۰۷۔۴۳۷)

سبکی نے خالد بن یزید کے تعین میں شک کیا لیکن ابن عبدالہادی نے فرمایا کہ بلاشک وہ العمری ہے۔

عرض ہے کہ اگر یہ العمری نہیں تو پھر کون تھا؟

روایتِ مذکورہ کی سند میں احمد بن سہل بن ایوب الاہوازی (متوفی ۲۹۱ھ) اور حسن بن محمد بن اسحاق السوسی دونوں مجہول الحال ہیں، الضیاء المقدسی کے سوا کسی نے بھی اُن کی توثیق نہیں کی۔

۱۱) **أبو المثنی سلیمان بن یزید الکعبي عن أنس بن مالك رضي الله عنه** کی سند سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''من زارني بالمدینة محتسبًا کنت له شفیعًا و شهیدًا .'' جس نے ثواب کی نیت کے ساتھ مدینے میں میری زیارت کی تو میں اس کا سفارشی اور گواہ ہوں گا۔ (شفاء السقام ص ۱۴۷)

اس کا راوی سلیمان بن یزید الکعبی جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔

حافظ ابن حجر نے فرمایا: ضعیف (تقریب التہذیب: ۸۳۴۰، ترجمہ ابوالمثنیٰ الخزاعی)

سلیمان بن یزید الکعبی طبقۃ السادسہ کا راوی ہے لہٰذا سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے اس کی ملاقات ثابت نہیں بلکہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے اس کی روایت منقطع ہے۔

سلیمان بن یزید الکعبی تک سندوں میں بھی نظر ہے۔ ایک میں سعید بن عثمان الجرجانی مجہول الحال ہے، دوسری میں ابوبکر محمد بن احمد بن اسماعیل بن الصرام الجرجانی کی توثیق نامعلوم ہے۔ تیسری میں احمد بن عبدوس بن حمدویہ الصفار النیسابوری اور ایوب بن الحسن دونوں نامعلوم ہیں۔

۱۲) تقی الدین سبکی نے ابن النجار کی کتاب ''**الدرة الثمینة في فضائل المدینة**'' سے جعفر بن ہارون: **ثنا سمعان بن مهدي عن أنس رضي الله عنه** کی سند سے

روایت بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '' من زارني ميّتًا فكأنما زارني حيًا و من زار قبري و جبت له شفاعتي يوم القيامة و ما من أحد من أمتي له سعة ثم لم يزرني فليس له عذر . ''جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی اُس نے گویا میری زندگی میں میری زیارت کی، اور جس نے میری قبر کی زیارت کی تو اس کے لئے قیامت کے دن میری شفاعت واجب ہوگئی، اور میری اُمت میں سے اگر کسی نے وسعت کے باوجود میری زیارت نہیں کی تو اس کے لئے کوئی عذر نہیں ہے۔ (شفاء السقام ص ۱۵۰)

سمعان بن مہدی کے بارے میں حافظ ذہبی نے فرمایا: ''لا يكاد يعرف ، ألصقت به نسخة مكذوبة رأيتها ، قبّح الله من وضعها '' وہ معروف نہیں ہے، اس کے ساتھ ایک جھوٹا نسخہ منسوب کیا گیا ہے جسے میں نے دیکھا ہے، جس نے اسے بنایا ہے اُسے اللہ ذلیل کرے۔ (میزان الاعتدال ۲/ ۲۳۴، لسان المیزان ۳/ ۱۱۴، واللفظ لہ)

جعفر بن ہارون بھی نامعلوم ہے اور باقی سند میں بھی نظر ہے۔ سبکی کو چاہئے تھا کہ اس موضوع روایت کے پیش کرنے سے حیا کرتے کیونکہ عالم کی شان سے یہ بہت بعید ہے کہ وہ بغیر جرح اور بغیر رد کے موضوع روایات لوگوں کے سامنے پیش کرے۔

۱۳) سعيد بن محمد الحضرمي : حدثنا فضالة بن سعيد بن زميل المأربي عن ابن جريج عن عطاء عن ابن عباس رضي الله عنه کی سند سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '' من زارني في مماتي كان كمن زارني في حياتي من زارني حتى ينتهي إلىٰ قبري كنت له شهيدًا يوم القيامة أو قال : شفيعًا . ''جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی تو گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی، اور جس نے میری زیارت کی حتیٰ کہ میری قبر تک پہنچ گیا تو میں قیامت کے دن اس کا گواہ یا سفارشی ہوں گا۔

(کتاب الضعفاء الکبیر للعقیلی ۳/ ۴۵۷، دوسرا نسخہ ۳/ ۱۱۴۴، شفاء السقام ص ۱۵۱)

اس کا راوی فضالہ بن سعید غیر موثق ہے اور حافظ ذہبی نے اس روایت کے بارے

میں فرمایا:" هذا موضوع علی ابن جريج و يروی في هذا شئ أمثل من هذا "
یہ ابن جریج پر موضوع (من گھڑت) ہ اور اس بارے میں اس سے بہتر روایت مروی ہے۔
(میزان الاعتدال ۳۴۹/۳، لسان المیزان ۴۳۶/۴)
حافظ ابن حجر نے بغیر کسی سند کے ابونعیم (الاصبہانی) سے نقل کیا:" روی المناكير ، لاشئ"
اس نے منکر روایتیں بیان کیں، وہ کوئی چیز نہیں ہے۔ (لسان المیزان طبع جدید ۴۵۰/۵)
سعید بن محمد الحضری کی توثیق بھی نامعلوم ہے اور اس سے سعید بن محمد بن ثواب الحصری مراد لینا غلط ہے۔
خلاصۃ التحقیق: یہ روایت ضعیف، مردود بلکہ بقولِ ذہبی: موضوع ہے۔
۱۴) ابوالحسین یحییٰ بن الحسن بن جعفر الحسینی (؟) نے کہا:" **ثنا محمد بن إسماعيل : حدثني أبو أحمد الهمداني : ثنا النعمان بن شبل : ثنا محمد بن الفضل - مدينی - سنة ست و سبعين عن جابر عن محمد بن علي عن علي رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ : من زار قبري بعد موتي فكأنما زارني في حياتي و من لم يزرني فقد جفاني .**"
روایت کا مفہوم: جس نے میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی تو گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی اور جس نے میری زیارت نہیں کی تو اس نے میری ساتھ بے رُخی کی۔ (شفاء السقام ص ۱۵۵۔۱۵۶)
اس روایت میں محمد بن علی کا تعین مطلوب ہے، جابر سے مراد اگر جابر بن یزید الجعفی ہے تو وہ جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف راوی ہے۔
محمد بن الفضل المدینی نامعلوم (مجہول) ہے۔
نعمان بن شبل سخت مجروح بلکہ کذاب ہے۔ دیکھئے روایت نمبر ۵
ابو احمد الہمدانی اور محمد بن اسماعیل دونوں نامعلوم ہیں اور کتاب اخبار المدینہ کے مصنف یحییٰ بن الحسن بن جعفر الحسینی کی توثیق نامعلوم ہے؟

خلاصۃ التحقیق: یہ روایت موضوع ہے۔

سبکی نے اس کی تائید میں ایک روایت پیش کی ہے، جس میں عبدالملک بن ہارون بن عنترہ کذاب (جھوٹا) ہے۔

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے فرمایا: ''کذاب'' عبدالملک بن ہارون بن عنترہ کذاب ہے۔ (تاریخ ابن معین، روایۃ الدوری: ۱۵۱۶)

حافظ ابن حبان نے فرمایا: ''کان ممن یضع الحدیث ...'' وہ حدیثیں گھڑنے والوں میں سے تھا۔ (کتاب المجروحین ۱۳۳/۲، دوسرا نسخہ ۱۱۵/۲)

حاکم نیشاپوری نے کہا: ''روی عن أبیه أحادیث موضوعة'' اُس نے اپنے باپ سے موضوع حدیثیں بیان کی ہیں۔ (المدخل الی الصحیح ص ۱۷۰ ت ۱۲۹)

یہ روایت بھی اس کے باپ سے ہے۔

عبدالملک بن ہارون تک ساری سند میں بھی نظر ہے۔

خلاصۃ التحقیق: یہ روایت موضوع ہے۔

سمہودی نے وفاء الوفاء (۱۷۶/۴) میں یحییٰ الحسینی (؟؟) کی کتاب سے ایک اور مردود روایت پیش کی ہے، جس میں ابو یحییٰ محمد بن الفضل بن نباتہ النمیری مجہول اور باقی سند ضعیف ہے۔

۱۵) یحییٰ الحسینی (؟؟) نے ''أخبار المدینة'' میں کہا: ''ثنا محمد بن یعقوب : ثنا عبداللہ بن وھب عن رجل عن بکر بن عبداللہ عن النبي ﷺ قال: من أتی المدینة زائرًا لي وجبت له شفاعتي یوم القیامة و من مات في أحد الحرمین بعث آمنًا .''

مفہوم: جو شخص میری زیارت کے لئے مدینہ آیا تو قیامت کے دن اس کے لئے میری شفاعت ضروری ہو گئی اور جو شخص مکہ یا مدینہ میں فوت ہوا تو وہ حالتِ امن میں زندہ کیا جائے گا۔ (شفاء السقام ص ۱۵۸)

روایتِ مذکورہ میں (۱) رجل مجہول (۲) عبداللہ بن وہب مدلس (طبقات ابن سعد ۵۱۸/۷)
(۳) صاحبِ کتاب: یحییٰ الحسینی مجہول الحال اور (۴) سند مرسل ہے۔
خلاصۃ التحقیق: یہ روایت عللِ مذکورہ کی وجہ سے ضعیف و مردود ہے۔
یہ ہیں وہ پندرہ (۱۵) روایات جن کے بل بوتے پر سبکی نے حافظ ابن تیمیہ کا رد کرنے کی کوشش کی تھی لیکن آپ نے دیکھ لیا کہ اصولِ حدیث اور اسماء الرجال کی رُو سے یہ ساری روایتیں ضعیف و مردود ہیں لہٰذا جمع تفریق کر کے انھیں حسن لغیرہ بنانا اور حجت سمجھنا غلط ہے۔
ایک موضوع قصہ: **أبو إسحاق إبراهيم بن محمد بن سليمان بن بلال بن أبي الدرداء : حدثني أبي محمد بن سليمان عن أبيه سليمان بن بلال عن أم الدرداء عن أبي الدرداء رضي الله عنه** کی سند سے روایت ہے کہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، آپ نے فرمایا: اے بلال! یہ کیا زیادتی ہے، کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ تم میری زیارت کرو؟
بلال رضی اللہ عنہ بیدار ہوئے تو غمگین اور خوف زدہ تھے، پھر انھوں نے سوار ہو کر مدینہ کی طرف سفر کیا پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس آئے اور رونے لگے اور اپنا چہرہ اس پر ملنے لگے۔ الخ
(شفاء السقام ص ۱۸۵۔۱۸۶، آثار السنن للنیموی: ۱۱۱۳)
اس کا راوی ابراہیم بن محمد بن سلیمان مجہول ہے۔ حافظ ذہبی نے فرمایا: "**فيه جهالة**" اس میں جہالت ہے یعنی وہ مجہول ہے۔ (میزان الاعتدال ۶۴/۱)
حافظ ابن حجر العسقلانی نے اس قصے کے بارے میں فرمایا: "**و هي قصة بينة الوضع**" اور اس قصے کا موضوع ہونا ظاہر ہے۔ (لسان المیزان ۱۰۸/۱)
سلیمان بن بلال بھی مجہول الحال ہے اور ام الدرداء رحمہا اللہ سے اس کی ملاقات کا کوئی ثبوت نہیں، اس کے باوجود سبکی نے لکھ دیا ہے: "**بإسناد جيد**"!!
عرض ہے کہ سند جید کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کے ہر راوی کی توثیق بطریقۂ محدثین ثابت کی جائے۔

حافظ ذہبی نے اس روایت کے بارے میں فرمایا: ''إسناده لین وھو منکر ''
اس کی سند کمزور ہے اور یہ منکر روایت ہے۔ (سیر اعلام النبلاء ۳۵۸/۱)
اس منکر اور موضوع روایت کو سبکی اور نیموی وغیر ہما نے جید سند کہہ کر عام لوگوں کو ورغلانے کی کوشش کی ہے، حالانکہ راویوں کی توثیق اور اتصالِ سند کے بغیر ایسی ہر کوشش مردود ہے۔
نیز دیکھئے مشہور واقعات کی حقیقت (ص ۱۵۶۔۱۵۹) اور الحدیث حضرو: ۴۱ ص ۵۹۔۶۱
آخر میں عرض ہے کہ روضۂ رسول ﷺ کی طرف خاص طور پر سفر کرنا کسی صحابی، تابعی یا تبع تابعی سے ثابت نہیں ہے اور ایک حدیث میں تین مساجد کے علاوہ سفر کرنے کی ممانعت آئی ہے، اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ الدھلوی الحنفی (متوفی ۱۱۷۶ھ) نے فرمایا: ''والحق عندي أن القبر و محل عبادة ولي من أولیاء اللّٰه والطور کل ذلك سواء فی النھي . واللّٰه أعلم '' اور میرے نزدیک حق یہ ہے کہ قبر، اولیاء اللہ میں سے کسی ولی کا محلِ عبادت اور کوہِ طور سب ممانعت میں برابر ہیں۔ واللہ اعلم
(حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۹۲، من ابواب الصلوٰۃ)
معلوم ہوا کہ شاہ ولی اللہ کے نزدیک خاص قبر کی نیت سے سفر کرنا ممنوع ہے۔
تنبیہ: جو شخص مدینہ نبویہ جانے کی سعادت حاصل کرے تو اسے چاہئے کہ مسجدِ نبوی (علٰی صاحبھا الصلوٰة والسلام) جا کر دو رکعتیں پڑھے اور روضۂ رسول کی زیارت کرے، نماز والا درود پڑھے اور اگر حجرہ مبارکہ کا دروازہ اُس کے لئے کھل جائے اور خوش قسمتی سے وہ قبر مبارک کے پاس پہنچ جائے تو السلام علیك یا رسول اللّٰه اور الصلوٰة علیك یا رسول اللّٰه بھی پڑھے جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے موقوفاً ثابت ہے۔
(دیکھئے فضائلِ درود وسلام ص ۱۴۱، فضل الصلوٰۃ علی النبی ﷺ تحقیقی: ۱۰۰)
لیکن یاد رہے کہ حجرۂ مبارکہ کے باہر تخاطب والے یہ الفاظ صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین وغیرہم سے ثابت نہیں ہیں لہٰذا باہر صرف نماز والا درود پڑھنا چاہئے۔
وما علینا إلا البلاغ (۴/اپریل ۲۰۱۰ء)

قربانی کے چار یا تین دن؟

الحمدللّٰہ ربّ العالمین والصّلوٰۃ والسّلام علٰی رسولہ الأمین، أما بعد:

دولت نگر (ضلع گجرات) میں جناب خرم ارشاد محمدی صاحب مسلکِ اہلِ حدیث کی تبلیغ اور دعوت کا عظیم کام کر رہے ہیں اور اُن کی مساعی جمیلہ سے اس علاقے میں مسلکِ حق (مسلکِ اہلِ حدیث) خوب پھیل رہا ہے۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے: اُن کی محنت سے ڈیڑھ سو (۱۵۰) سے زیادہ اشخاص نے تقلید کے اندھیروں سے نکل کر کتاب وسنت کا راستہ اپنایا ہے۔ والحمدللہ

خرم صاحب نے مجھے ایک مفصل خط لکھ کر قربانی کے دنوں کی تحقیق کا مطالبہ کیا تھا لہٰذا میں نے اس خط کے جواب میں ایک تحقیقی مضمون لکھا، جسے بعد میں کئی علمائے اہل حدیث (حفظہم اللہ تعالیٰ) کی خدمت میں بھیج دیا۔ جب کئی مہینوں تک اُن کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا تو پھر ۲/مئی ۲۰۰۷ء والے مضمون ''قربانی کے تین دن ہیں'' کو خرم صاحب کے مسلسل مطالبۂ اشاعت کے بعد ماہنامہ الحدیث حضرو، عدد: ۴۴ (جنوری ۲۰۰۸ء) میں شائع کر دیا۔ اب کافی عرصے بعد اس تحقیقی مضمون کا ردِ عمل ہفت روزہ اہلحدیث لاہور (جلد ۴۰ شمارہ ۴۷، ۲۸ نومبر تا ۱۱ دسمبر ۲۰۰۹ء) میں جناب ڈاکٹر (پروفیسر) حافظ محمد شریف شاکر صاحب کے قلم سے بعنوان ''قربانی کے چار دن'' شائع ہوا ہے۔ (ص ۱۷۔۲۰)

اس مضمون کے سلسلے میں چند معروضات درج ذیل ہیں:

۱: ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے: ''ایام قربانی عید الاضحیٰ اور اس کے بعد تین دن ہیں: اس کے قائل حضرت علیؓ ہیں اور یہی مذہب...'' (ص ۱۷)

مؤدبانہ عرض ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب یہ بات کس کتاب میں صحیح یا حسن سند کے ساتھ مذکور ہے؟ حوالہ پیش کریں۔!

حافظ ابن القیم اور علامہ نووی کے اقوال پیش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ تک اپنے اقوالِ منقولہ کی کوئی صحیح متصل یا حسن متصل سند پیش نہیں کی اور یہ عام لوگوں کو بھی معلوم ہے کہ ان دونوں کی پیدائش سے صدیوں پہلے سیدنا علی رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تھے۔ آگے چل کر ڈاکٹر صاحب نے حافظ ابن القیم اور علامہ نووی کے بے سند حوالوں کی بنیاد پر یہ بات بھی لکھ دی ہے کہ ''موصوف نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تین دن قربانی والا قول تو نقل کر دیا لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کا چار دن والا درج ذیل قول کیوں کر مفقود نظر رہا؟؟''

(ص ۱۹)

عرض ہے کہ مفقود کی بات تو بعد میں ہوگی، پہلے آپ اس قول کی صحیح یا حسن سند پیش تو فرما دیں!

۲: پرفیسر صاحب نے لکھا ہے:

''...اور آثار میں بھی اختلاف ہے تو موصوف کو اہل حدیث کے متفق علیہ مسلک'' (ص ۱۷)

عرض ہے کہ کیا سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اہلِ حدیث کے مسلک سے باہر تھے جو یہ فرماتے تھے کہ قربانی والے دن کے بعد دو دن قربانی ہے۔ (موطأ امام مالک ج ۲ ص ۴۸۷ وسندہ صحیح)

۳: ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے: ''قواعد حدیث کے مطابق صحیح سند کے مقابلہ میں حسن سند مرجوح ہوتی ہے نہ کہ راجح، تو موصوف صحیح سند کے مقابلے میں حسن سند کو کس اصول کے تحت راجح قرار دے رہے ہیں؟؟''

مزعومہ ومبینہ قواعدِ حدیث میں نظر کے علاوہ عرض ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے یہ ثابت ہے کہ قربانی کے تین دن ہیں۔ (وھو حسن) اگر اس کے مقابلے میں آپ کے پاس کوئی صحیح سند ہے تو وہ پیش کریں اور اگر صحیح نہیں ہے تو حسن پیش کریں اور اگر کوئی متصل سند ہے ہی نہیں تو پھر حسن سے نامعلوم صحیح (؟) کو ٹکرانا غلط ہے۔

۴: پروفیسر صاحب نے علامہ قرطبی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک چار دن ہیں۔ (ص ۲۰ ملخصاً بعنوان: ابن عمر رضی اللہ عنہ کا دوسرا قول)

عرض ہے کہ یہ دوسرا قول بے سند ہونے کی وجہ سے غیر ثابت اور مردود ہے، لہٰذا

معارضہ کیسا؟؟ صحیح سند کے مقابلے میں بے سند اقوال پیش کرنے کا آخر فائدہ کیا ہے؟

۵: ڈاکٹر صاحب نے شوکانی یمنی کے حوالے سے لکھا ہے: ''عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ ایام معدودات چار دن ہیں....'' (ص ۲۰)

عرض ہے کہ یہ بے سند قول احکام القرآن للطحاوی (۲/۲۰۵ ح ۱۵۷۱، وسندہ حسن) کی اس روایت کے مقابلے مردود ہے، جس میں آیا ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''قربانی کے دن کے بعد دو دن قربانی ہے اور افضل قربانی نحر والے (پہلے) دن ہے۔''

(دیکھئے الحدیث حضرو: ۴۴ ص ۱۰)

۶: بے سند اقوال والے اس مضمون کے آخر میں پروفیسر صاحب نے لکھا ہے:

''یہ موصوف ہی بتا سکتے ہیں کہ جمہور صحابہ میں کون کون سے صحابہ کرام شامل ہیں؟'' (ص ۲۰)

عرض ہے کہ سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ (صحابی صغیر) کے اثر کے مقابلے میں اگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے آثار جمہور صحابہ کے آثار نہیں ہیں تو پھر جمہور سے کیا مراد ہے؟

یاد رہے کہ سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ کا اثر: ''پھر عیدالاضحیٰ کے بعد آخری ذوالحجہ (تک) کو ذبح کرتے'' (الحدیث: ۴۴ ص ۱۱) کے خود جناب ڈاکٹر اور پروفیسر صاحب بھی قائل نہیں بلکہ چار دنوں کی قربانی کے قائل ہیں، دوسرے یہ کہ یہ اثر مذکورہ بالا جمہور صحابہ کے خلاف ہے۔

۷: پروفیسر صاحب نے لکھا ہے: ''حافظ زبیر علی زئی صاحب کا دعویٰ ہے کہ ''قربانی کے تین دن ہیں'' اور اپنے اس دعویٰ پر انہوں نے پہلی دلیل یہ پیش کی ہے کہ ''نبی کریم ﷺ نے ابتداء میں تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت رکھنے سے منع فرمایا تھا...'' (ص ۱۷)

عرض ہے کہ یہ میری پہلی دلیل نہیں بلکہ ذیلی اور تائیدی دلیل ہے، کیونکہ پہلی دلیل تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور جمہور صحابۂ کرام کے آثار ہیں اور یہ میرے دعوے کے بالکل مطابق ہیں۔

پروفیسر صاحب کا ذیلی دلیل کو پہلی دلیل قرار دے کر میری طرف منسوب کرنا غلط ہے۔

وما علینا إلا البلاغ (۲۵/نومبر ۲۰۰۹ء)

کیا درود کے بغیر دعا قبول نہیں ہوتی؟

ایک روایت میں آیا ہے کہ (سیدنا) علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" ما من دعاء إلا بينه و بين السماء والأرض حجاب حتى يصلّى على محمد صلی اللہ علیہ وسلم فإذا صلّى على النبي صلی اللہ علیہ وسلم انخرق الحجاب و استجيب الدعاء ، و إذا لم يصلّ على النبي صلی اللہ علیہ وسلم لم يستجب الدعاء "

آسمان وزمین اور ہر دعا کے درمیان ایک پردہ ہوتا ہے حتیٰ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا جائے، پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا جاتا ہے تو پردہ پھٹ جاتا ہے اور دعا قبول ہو جاتی ہے، اور اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ پڑھا جائے تو دعا قبول نہیں ہوتی۔

(الحسن بن عرفہ بحوالہ جلاء الافہام لابن القیم بتحقیق مشہور حسن ص ۷۲۔۷۳ ح ۱۲، وأعلہ)

اس روایت کی سند میں کئی وجہ ضعف ہیں مثلاً:

۱: حارث بن عبداللہ الاعور ضعیف بلکہ کذاب ہے۔ امام علی بن المدینی رحمہ اللہ نے فرمایا: "الحارث كذاب" حارث کذاب ہے۔ (احوال الرجال للجوزجانی ص ۴۶ وسندہ صحیح)

جمہور نے اُس پر جرح کی ہے۔ سخاوی نے حارث الاعور کے بارے میں لکھا ہے:

"و قد ضعفه الجمهور و روي عن أحمد بن صالح توثيقه"

جمہور نے اسے ضعیف کہا اور احمد بن صالح سے اس کی توثیق مروی ہے۔

(القول البدیع فی الصلوٰۃ علی الحبیب الشفیع بتحقیق النص: محمد عوامہ ص ۴۴۱)

عرض ہے کہ جمہور کی جرح کے مقابلے میں یہ توثیق مردود ہے۔

۲: ابو اسحاق السبیعی کی تدلیس اور اختلاط سے قطعِ نظر انھوں نے یہ حدیث حارث الاعور سے نہیں سنی تھی۔

تنبیہ: کتاب الاوسط للطبرانی (۷۲۵) شرف اصحاب الحدیث لابی احمد الحاکم الکبیر (۸۶،

نیز دیکھئے میری کتاب تحقیقی، اصلاحی اور علمی مقالات ج۲ص ۸۵) اور شعب الایمان للبیہقی (نسخہ کثیرۃ الاخطاء:۱۵۷۵، نسخہ محققہ :۱۴۷۴) میں ''عبدالكريم بن عبدالرحمٰن الخزاز (ضعيف) عن أبي إسحاق عن الحارث و عاصم بن ضمرة عن علي ابن أبي طالب '' کی سند سے بھی یہ روایت اس مفہوم کے ساتھ مروی ہے لیکن یہ سند عبدالکریم (ضعیف) کی وجہ سے ضعیف و مردود ہے۔

السلسلۃ الصحیحہ للالبانی (۵۷/۵ ح ۲۰۳۵) اور شعب الایمان (۱۵۷۶/ ۱۴۷۵) میں غلطی سے ''عبدالکریم الجزری'' چھپ گیا ہے جبکہ صحیح عبدالکریم الخزاز ہے جیسا کہ الاوسط للطبرانی وغیرہ میں ہے۔

شعب الایمان کی سند میں عبدالکریم سے راوی نوفل بن سلیمان ضعیف ہے لہٰذا الجزری کی صراحت اگر ناسخ کی غلطی نہیں تو بھی مردود ہے۔

ابواسحاق کی عن الحارث الاعور عن علی رضی اللہ عنہ والی روایت کو بعض نے مرفوع اور بعض نے موقوف روایت کیا ہے لیکن سابقہ ذکر کردہ دونوں علتوں کی وجہ سے یہ دونوں روایتیں مردود ہیں۔

کتاب المجروحین لابن حبان (۱۱۳/۱، دوسرا نسخہ ۱۱۱/۱) میں ضعیف و مردود سند کے ساتھ خالد بن معدان عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ

''قال رسول الله ﷺ :الدعاء محجوب حتى يصلّى على النبي ﷺ ''

نبی ﷺ پر درود کے بغیر دعا محروم (یعنی رُکی) رہتی ہے۔

(نیز دیکھئے العلل المتناہیہ لابن الجوزی ۳۵۸/۲ ح ۱۴۰۹، وقال: هذا حديث لا يصح ... إلخ)

اس کی سند میں ابراہیم بن اسحاق الواسطی شدید مجروح ہے اور باقی سند میں بھی نظر ہے۔

خالد بن معدان کی سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت مرسل یعنی منقطع ہوتی ہے۔

حافظ ابن القیم نے ایک روایت بغیر سند کے ذکر کی: ''و قال أحمد بن علي بن

شعيب :حدثنا محمد بن حفص :حدثنا الجراح بن يحيى :حدثني عمرو ابن عامر قال :سمعت عبدالله بن بسر يقول قال رسول الله ﷺ : الدعاء

کلہ محجوب حتی یکون أولہ ثناءً علی اللہ عزوجل وصلوۃ علی النبي ﷺ ثم یدعو یستجاب لدعاءہ. ''ہمیں احمد بن علی بن شعیب (؟) نے حدیث بیان کی (کہا): ہمیں محمد بن حفص (؟) نے حدیث بیان کی (کہا): ہمیں جراح بن یحییٰ (؟) نے حدیث بیان کی (کہا): مجھے عمرو بن عامر نے حدیث بیان کی، کہا: میں نے عبداللہ بن بسر (رضی اللہ عنہ) کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر دعا محروم (یعنی رُکی) رہتی ہے اِلا یہ کہ اس کے شروع میں اللہ تعالیٰ کی ثنا اور نبی ﷺ پر درود ہو، پھر دعا کی جائے تو قبول ہوتی ہے۔ (جلاء الافہام ص ۳۷۷)

یہ روایت سند کے ساتھ حافظ ذہبی کی کتاب سیر اعلام النبلاء (۱۷/۱۱۴، وقال: ''اسنادہ مظلم'') اور تذکرۃ الحفاظ (۱۰۴۶/۳ ت ۹۵۵ وقال: ''ھذا حدیث منکر'') میں موجود ہے۔

حافظ ذہبی نے اس روایت کو منکر کہا اور فرمایا: اس کی سند اندھیرے (یعنی مجہول راویوں) والی ہے۔ یاد رہے کہ سیر اور تذکرہ میں عمر بن عمرو ہے اور یہی صواب ہے۔

روایتِ مذکورہ میں محمد بن موسیٰ، احمد بن علی بن شعیب، محمد بن حفص اور جراح بن یحییٰ سب مجہول ہیں۔

حافظ ہیثمی نے ایک دوسری روایت کے بارے میں فرمایا: ''و فیہ الجراح بن یحیی المؤذن و لم أعرفہ ... '' اور اس میں جراح بن یحییٰ المؤذن ہے اور میں نے اُسے نہیں پہچانا... (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۱۲)

شیخ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے دو عجیب وغریب کام کئے:

۱: احمد بن علی بن شعیب کے بارے میں کہا: ''ھو النسائي الإمام'' وہ امام نسائی ہیں۔ (سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ ۵/۵۶ ح ۲۰۳۵)

حالانکہ امام نسائی کا نام احمد بن علی بن شعیب نہیں بلکہ احمد بن شعیب بن علی ہے لہٰذا یہاں یہ دعویٰ ''ھو النسائي الإمام'' باطل ہے۔

تنبیہ: شیخ مشہور حسن نے غالباً سلسلہ صحیحہ سے متاثر ہو کر جلاء الافہام کے نسخے میں احمد

بن علی بن شعیب کو بدل کر احمد بن شعیب بن علی کر دیا ہے جو کہ صریح تحریف ہے۔
مشہور حسن نے یہ تسلیم کیا ہے کہ جلاء الافہام کے اصل قلمی مخطوطے، مطبوعہ شعیب وعبدالقادر الاناووط (لقیته فی الریاض/جزیرۃ العرب وکان صدوقًا صالحًا رحمه اللّٰه) اور طٰہ یوسف شاہین کے مطبوعہ تینوں نسخوں میں احمد بن علی بن شعیب ہی ہے۔
عرض ہے کہ پھر آپ نے کس دلیل سے اسے خطا کہہ کر احمد بن شعیب بن علی سے بدل دیا ہے؟
۲: الجراح بن یحییٰ (مجہول) کو شیخ البانی نے بغیر دلیل کے الجراح بن ملیح سے بدل دیا ہے، حالانکہ یہ تبدل وتغیر باطل ہے۔
خلاصہ یہ کہ سیدنا عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب یہ روایت باطل ومردود ہے۔
تنبیہ: اس روایت کو امام طبرانی کا روایت کرنا قطعاً ثابت نہیں ہے۔
مسند الفردوس للدیلمی میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت مروی ہے، جس کے ایک راوی محمد بن عبدالعزیز الدینوری پر عبدالرؤوف المناوی (غالی صوفی مبتدع) نے حافظ ذہبی سے ''منکر الحدیث'' والی جرح نقل کی ہے اور باقی سند نامعلوم ہے یعنی یہ روایت بھی مردود وباطل ہے۔
شیخ البانی نے سنن ترمذی سے ابوقرہ الاسدی (ایک مجہول راوی) والا موقوف شاہد بھی پیش کیا ہے لیکن خود ہی لکھا ہے: ''و أبو قرة مجهول'' اور ابوقرہ مجہول ہے۔
(الصحیحہ ۵/ ۵۸)

اس موقوف روایت کو شیخ البانی نے ''ضعیف موقوف'' قرار دیا ہے۔
(دیکھئے ارواء الغلیل ۲/ ۱۷۷)

خلاصۃ التحقیق: یہ روایت اپنی تمام سندوں کے ساتھ ضعیف ہے اور حسن لغیرہ بالکل نہیں بنتی لہٰذا یہ کہنا کہ ''أن الحديث بمجموع هذه الطرق و الشواهد لا ينزل عن مرتبة الحسن إن شاء الله على أقل الأحوال'' یہ حدیث ان طرق وشواہد کے ساتھ کم از کم حسن کے مرتبے سے نہیں گرتی۔ ان شاء اللہ (!!) غلط اور مرجوح ہے۔
(۱۴/ مارچ ۲۰۱۰ء)

قدموں کے نشان اور طاہر القادری کی بے سند روایت

محمد طاہر القادری نے کہا: ''اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک قدموں کو بھی یہ معجزہ عطا فرمایا کہ اُن کی وجہ سے پتھر نرم ہو جاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدومِ مبارک کے نشان بعض پتھروں پر آج تک محفوظ ہیں۔

ا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم كَانَ إِذا مَشَى عَلَى الصَّخر غَاصَتْ قَدَمَاهُ فِيهِ وَ أَثرت .

(ا۔ زرقانی، شرح المواهب اللدنیہ، ۵: ۴۸۲ ۲۔ سیوطی، الجامع الصغیر، ۱: ۲۷، رقم: ۹)

''حضور نبی اکرم ﷺ جب پتھروں پر چلتے تو آپ ﷺ کے پاؤں مبارک کے نیچے وہ نرم ہو جاتے اور قدم مبارک کے نشان اُن پر لگ جاتے۔''

(تبرک کی شرعی حیثیت ص ۷۶، اشاعت سوم ستمبر ۲۰۰۸ء)

یہ روایت ذکر کرنے کے بعد زرقانی (متوفی ۱۱۲۲ھ) نے لکھا: ''و أنكره السيوطي و قال: لم أقف له على أصل و لا سند ولا رأيت من خرجه في شيً من كتب الحديث و كذا أنكره غيره لكن ... ''اور سیوطی نے اس (روایت) پر انکار کیا اور کہا: مجھے اس کی کوئی اصل یا سند نہیں ملی اور نہ میں نے دیکھا کہ حدیث کی کتابوں میں کسی نے اسے روایت کیا ہے، اور اس طرح دوسروں نے بھی اس (روایت) کا انکار کیا لیکن ...

(المواهب اللدنیہ ج ۵ ص ۴۸۲)

لیکن ولیکن والی بات تو فضول ہے اور سیوطی کی کتاب الجامع الصغیر میں یہ روایت قطعاً موجود نہیں بلکہ عبدالرؤف المناوی (صوفی) نے الجامع الصغیر کی شرح میں اسے ذکر کیا اور کہا:

'' و لم أقف له على أصل '' مجھے اس کی کوئی اصل نہیں ملی۔

(فیض القدیر شرح الجامع الصغیر ج ۵ ص ۹۱ ح ۶۴۷۸)

مناوی کی اس شرح کے شمائل والے حصے کو حسن بن عبید باحبشی (مجہول) نے الشمائل الشریفہ کے نام سے دار طائر العلم سے شائع کیا اور اس کی ج ا ص ۹ رقم ۹ (الشاملہ) پر یہ روایت مناوی کی جرح کے ساتھ موجود ہے۔

محمد بن یوسف الصالحی الشامی نے کہا: ''ولا وجود لذلك في كتب الحديث البتة'' اور اس (روایت) کا کتبِ حدیث میں کوئی وجود نہیں ہے۔

(سبل الھدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد ۲/۹ ۷، المکتبۃ الشاملہ)

خلاصہ یہ کہ اس بے سند اور بے اصل (موضوع) روایت کو طاہر القادری نے حدیثِ رسول قرار دے کر عام لوگوں کے سامنے پیش کیا ہے۔

ہماری طرف سے طاہر القادری اور تمام اہلِ بدعت کو چیلنج ہے کہ وہ اس روایت کی متصل سند پیش کر کے اس کا صحیح ہونا ثابت کریں اور اگر نہ کر سکیں تو جان لیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص مجھ پر جھوٹ بولے گا وہ آگ (جہنم) میں داخل ہوگا۔

(صحیح بخاری: ۱۰۶، صحیح مسلم: ۱)

تذکرہ علمائے حدیث

سیدنا جُلَیبیب رضی اللہ عنہ

سیدنا انس (بن مالک رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ جُلَیبیب (رضی اللہ عنہ) کے لئے نبی ﷺ نے ایک انصاری سے بات کی کہ وہ اپنی بیٹی کا رشتہ جلیبیب کو دے۔ انصاری نے کہا: میں اس لڑکی کی ماں سے پوچھ لوں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: یہ اچھی بات ہے۔ پھر وہ انصاری صحابی اپنی بیوی کے پاس گئے تو اُسے یہ بات بتائی۔ اُس نے کہا: اللہ کی قسم! ایسا نہیں ہوسکتا، کیا رسول اللہ ﷺ کو صرف جلیبیب ہی ملا تھا، ہم نے تو فلاں اور فلاں کو بھی اپنی بیٹی کا رشتہ نہیں دیا؟ لڑکی پردے میں سُن رہی تھی۔ جب رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دینے کے لئے انصاری صحابی روانہ ہوئے تو لڑکی نے کہا: کیا تم لوگ رسول اللہ ﷺ کا حکم رد کرتے ہو؟ اگر رسول اللہ ﷺ راضی ہیں تو یہ نکاح کردو۔ گویا کہ لڑکی نے اپنے والدین کے لئے مصیبت اور پریشانی کو دُور کر دیا۔ ماں باپ دونوں نے کہا: بچی نے سچ کہا ہے۔ پھر لڑکی کے والد نے جا کر نبی ﷺ کو بتایا: اگر آپ راضی ہیں تو ہم راضی ہیں۔ آپ (ﷺ) نے فرمایا: ''بے شک میں (اس نکاح پر) راضی ہوں۔'' تو اُس (انصاری) نے اپنی لڑکی کا جلیبیب (رضی اللہ عنہ) سے نکاح کر دیا۔ پھر ایک دفعہ (دشمن کے حملے کی وجہ سے) مدینے (والوں) میں خوف پھیل گیا تو جلیبیب (رضی اللہ عنہ) سوار ہو کر باہر نکلے پھر لوگوں نے دیکھا کہ جلیبیب (رضی اللہ عنہ) شہید ہو چکے تھے اور اُن کے اردگرد بہت سے مشرکین مرے ہوئے پڑے تھے جنھیں جلیبیب نے قتل کیا تھا۔ انس (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: میں نے اس عورت (جلیبیب کی بیوی) کو دیکھا تھا، وہ مدینے کی سب سے زیادہ خرچ کرنے والی عورتوں میں سے (یعنی بہت امیر اور سخی) تھی۔ (مسند احمد ۳/ ۱۳۶ ح ۱۲۳۹۳، وسندہ صحیح)

یہ وہ خوش قسمت صحابی ہیں جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اُس نے سات کو قتل کیا پھر انھوں (کافروں) نے اسے قتل کیا، یہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں'' پھر آپ نے اس کے جسم کو اپنے دونوں ہاتھوں پر اُٹھا لیا۔ (صحیح مسلم: ۲۴۷۲)

محمد بن اسحاق بن یسار اور جمہور کی توثیق

الحمدللّٰہ ربّ العالمین و الصّلوٰۃ و السّلام علیٰ رسوله الأمین ، أما بعد:

ابوالزاہد محمد سرفراز خان صفدر دیوبندی کڑمنگی گکھڑوی کا آلِ دیوبند کے نزدیک بہت بڑا مقام ہے، جس کی دلیل کے لئے المصطفیٰ اور الشریعہ وغیرہما کے سرفراز نمبر دیکھے جا سکتے ہیں۔ سرفراز خان نے اپنی مشہور کتاب ''احسن الکلام فی ترک القراءۃ خلف الامام'' کی ابتدا (سخنہائے گفتنی) میں سبب تالیف کے تحت لکھا ہے:

''ہم نے بعض مقامات پر آئمہ جرح وتعدیل اور جمہور محدثین کرامؒ کے مسلّمہ اور طے شدہ اصول اور ضوابط کے عین مطابق ثقہ راویوں سے متعلق ثقاہت اور عدالت کے اقوال تو نقل کر دیئے ہیں۔ لیکن اگر بعض آئمہ کا کوئی جرحی کلمہ ملا ہے تو وہ نظر انداز کر دیا ہے۔ اسی طرح اگر کسی ضعیف اور کمزور راوی کے بارے میں کسی امام کا کوئی توثیق کا جملہ ملا ہے۔ تو اس کو بھی درخور اعتناء نہیں سمجھا۔ کیونکہ فنِ رجال سے ادنیٰ واقفیت والے حضرات بھی بخوبی اس امر سے واقف ہیں۔ کہ کوئی بھی ایسا ثقہ جس پر جرح کا کوئی کلمہ منقول نہ ہو۔ یا ایسا ضعیف جس کو کسی ایک نے بھی ثقہ نہ کہا ہو کبریت احمر کے مترادف ہے۔ صحابہ کرامؓ کا رتبہ کس سے مخفی ہے اور الصحابة کلھم عدول کے جملہ سے کون اہل علم ناواقف ہے؟ مگر خوارج اور روافض کا نظریہ بھی ان کے بارہ میں پوشیدہ نہیں ہے۔ بایں ہمہ ہم نے توثیق وتضعیف میں جمہور آئمہ جرح وتعدیل اور اکثر آئمہ حدیث کا ساتھ اور دامن نہیں چھوڑا۔ مشہور ہے کہ

ع زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو۔ ''

(احسن الکلام طبع دوم ج ۱ ص ۴۰، طبع دہم ج ۱ ص ۶۱ واللفظ للاول)

اس عبارت میں جو اصول، نظریہ اور مسلک پیش کیا گیا ہے، لائقِ تعریف ہے اور ہم سو فیصد اس کے ساتھ متفق ہیں لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کیا سرفراز خان نے خود اپنے اس اصول پر

اپنی اس کتاب میں عمل کیا یا اصول شکنی کا ارتکاب کیا ہے؟!

امام المغازی محمد بن اسحاق بن یسار المدنی رحمہ اللہ نے ''حدثني مكحول عن محمود بن الربيع الأنصاري عن عبادة بن الصامت'' رضی اللہ عنہ کی سند سے ایک حدیث بیان کی، جس میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (اپنے مقتدیوں سے) فرمایا:

میں تمھیں دیکھتا ہوں کہ تم امام کے پیچھے پڑھتے ہو؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے کہا: یا رسول اللہ! اللہ کی قسم ہم پڑھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ایسا مت کرو مگر سورۂ فاتحہ (پڑھو) کیونکہ اُس شخص کی نماز نہیں ہوتی جس نے اسے نہیں پڑھا۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۳۲۲ ح ۲۳۱۲۵)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنا ہر مکلّف پر فرض ہے اور مقتدی کی نماز بھی سورۂ فاتحہ کے بغیر نہیں ہوتی۔

اس حدیث پر جرح کرتے ہوئے سرفراز خان نے لکھا ہے:

''پہلا جواب:- محمدؒ بن اسحاقؒ کو گو تاریخ اور مغازی کا امام سمجھا جاتا ہے لیکن محدثینؒ اور ارباب جرح وتعدیل کا تقریباً پچانوے فیصدی گروہ اس بات پر متفق ہے کہ روایتِ حدیث میں اور خاص طور پر سنن اور احکام میں انکی روایت کسی طرح بھی حُجت نہیں ہوسکتی اور اس لحاظ سے انکی روایت کا وجود اور عدم وجود بالکل برابر ہے، تصریحات ملاحظہ کریں۔

امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ وہ قوی نہیں ہے (ضعفاء صغیر ص ۵۲) ابو حاتمؒ کہتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے (کتاب العلل جلد ا ص ۴۳۳) ابن نمیرؒ کہتے ہیں کہ وہ مجہول روات سے باطل روایات نقل کرتا ہے (بغدادی جلد ا ص ۲۲۷) دارقطنیؒ کہتے ہیں کہ اس سے احتجاج صحیح نہیں ہے (ایضاً جلد ا ص ۲۳۲) سلیمان تیمیؒ کہتے ہیں کہ وہ کذاب ہے ہشامؒ بن عروہؒ کہتے ہیں کہ وہ کذاب ہے، امام جرح وتعدیل یحیٰی قطانؒ کہتے ہیں کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ وہ کذاب ہے (میزان جلد ۳ ص ۲۱) وہیبؒ بن خالدؒ اس کو کاذب اور جھوٹا کہتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۴۵) امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ وہ دجالوں میں کا ایک دجال تھا (میزان جلد ۳ ص ۲۱ وتہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۴۱) نیز امام مالکؒ نے اس کو کذاب کہا

ہے(بغدادی جلد ا ص ۲۳۲) جریرؒ بن عبدالحمیدؒ کا بیان ہے کہ میرا یہ خیال نہ تھا کہ میں اس زمانہ تک زندہ رہوں گا جس میں لوگ محمدؒ بن اسحاقؒ سے احادیث کی سماعت کریں گے (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۳۰۶) ابوزرعہؒ کا بیان ہے کہ بھلا ابن اسحاقؒ کے بارے میں بھی کوئی صحیح نظریہ قائم کیا جا سکتا ہے؟ وہ تو محض ہیچ تھا (توجیہہ النظر ص ۲۸۰) امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ محدثین اور حفاظ حدیث ابن اسحاق کے تفردات سے گریز کرتے ہیں (سنن الکبریٰ (بحوالہٗ الجوهر النقی جلد ا ص ۱۵۵) علامہ ماردینیؒ لکھتے ہیں کہ ابن اسحاقؒ میں محدثینؒ کے نزدیک مشہور کلام ہے (الجوهر النقی جلد ا ص ۱۵۵) عبداللہؒ فرماتے ہیں کہ میرے والد امام احمدؒ بن حنبلؒ لم یکن یحتج به فی السنن (بغدادی جلد ا ص ۲۳۰ و تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۴۴) سنن اور احکام میں وہ ان سے احتجاج نہیں کرتے تھے حنبلؒ بن اسحاقؒ کا بیان ہے کہ امام احمدؒ بن حنبلؒ نے فرمایا ابن اسحاق لیس بحجة (بغدادی جلد ا ص ۲۳۰ و تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۴۴) ابن اسحاقؒ حجت نہیں ہے، ایوبؒ بن اسحاقؒ کا بیان ہے کہ میں نے امام احمدؒ سے دریافت کیا ابن اسحاقؒ جب کسی حدیث کے بیان کرنے میں متفرد ہو تو اس کی حدیث حجت ہوگی؟ قال لا واللّٰہ (بغدادی جلد ا ص ۲۳۰) فرمایا بخدا ہرگز نہیں، ابن ابی خیثمہؒ کا بیان ہے کہ ابن معینؒ نے اس کو لیس بذالك، ضعیف اور لیس بالقوی کہا میمونیؒ کا بیان ہے کہ ابن معین نے اس کو ضعیف کہا ہے (بغدادی جلد ا ص ۲۳۱ و تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۴۴) علیؒ بن المدینیؒ کا بیان ہے لم یضعفه عندی الا روایتهٗ عن اهل الکتاب (تھذیب جلد ۹ ص ۴۵) میرے نزدیک ابن اسحاقؒ کو صرف اس بات نے ضعیف کر دیا ہے کہ وہ یہود اور نصاریٰ سے روایتیں لے لے کر بیان کرتا ہے امام ترمذیؒ لکھتے ہیں کہ بعض محدثینؒ نے ان کے حافظہ کی خرابی کی وجہ سے اس میں کلام کیا ہے (کتاب العلل جلد ۲ ص ۲۳۷) امام نوویؒ لکھتے ہیں۔ کہ جو راوی صحیح کی شرطوں کے مطابق نہیں ہیں ان میں ایک محمدؒ بن اسحاقؒ بھی ہے (مقدمہٗ نووی ص ۱۶) علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ ابن اسحاق کی روایت درجہٗ صحت سے گری ہوئی ہے اور

حلال وحرام میں اس سے احتجاج درست نہیں ہے (تذکرہ جلد اص ۱۶۳) حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں ابن اسحاقؒ احکام کی روایات میں حجت نہیں ہے خصوصاً جب کہ متفرد ہو اور جب کوئی ثقہ راوی اس کے خلاف روایت کرتا ہو تو ابن اسحاقؒ کی روایت قابل توجہ ہی نہیں ہو سکتی (درایہ ص ۱۹۳) حافظ ابن القیمؒ لکھتے ہیں کہ امام احمدؒ نے ابن اسحاقؒ کی روایت کو منکر کہا ہے اور اس کو ضعیف بتایا ہے (زاد المعاد جلد اص ۱۴۳) علامہ منذریؒ اور حافظ سخاویؒ لکھتے ہیں کہ امام احمدؒ نے فرمایا مغازی میں ابن اسحاقؒ کی روایات تو لکھی جا سکتی ہیں لیکن جب حلال وحرام کا مسئلہ ہو تو اس میں ایسے ایسے راوی (یعنی ثقہ اور ثبت) درکار ہیں (ترغیب و ترہیب جلد ۴ ص ۲۹۰ و فتح المغیث ص ۱۲۰)''

(احسن الکلام ج ۲ ص ۷۰ تا ۷۲ واللفظ لہ، دوسرا نسخہ ج ۲ ص ۷۷ تا ۸۰)

اس کے بعد سرفراز خان نے شوکانی، نواب صدیق حسن خان اور محمود حسن دیوبندی کی جرحیں نقل کر کے لکھا: ''آپ ملاحظہ کر چکے ہیں کہ شاید ہی جرح کا کوئی ادنیٰ سے اعلیٰ تک ایسا لفظ ملے گا جو جمہور محدثینؒ اور ارباب جرح وتعدیل نے محمدؒ بن اسحاقؒ کے بارے میں نہ کہا ہو...'' (احسن الکلام ج ۲ ص ۷۲ واللفظ لہ، دوسرا نسخہ ۸۰)

جرح وتعدیل میں سرفرازی خیانتوں اور تحریفات سے قطع نظر مذکورہ کُل جارحین کے نام علی الترتیب درج ذیل ہیں:

(۱) نسائی (۲) ابو حاتم (۳) ابن نمیر (۴) دارقطنی
(۵) سلیمان تیمی (۶) ہشام بن عروہ (۷) یحییٰ القطان
(۸) وہیب بن خالد (۹) مالک (۱۰) جریر بن عبدالحمید
(۱۱) ابو زرعہ (۱۲) بیہقی (۱۳) ماردینی [ابن الترکمانی حنفی]
(۱۴) احمد بن حنبل (۱۵) ابن معین (۱۶) علی بن المدینی
(۱۷) ترمذی (۱۸) نووی (۱۹) ذہبی
(۲۰) ابن حجر (۲۱) ابن القیم رحمہم اللہ

احسن الکلام کے جدید ایڈیشن میں محمد بن اسحاق بن ندیم رافضی گمراہ کو بھی جارحین میں ذکر کیا گیا ہے لیکن عام طلباء کو بھی معلوم ہے کہ غیر ثقہ رافضی کی جرح یا تعدیل کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ ابن الجوزی کو بھی جارحین میں شمار کیا گیا ہے لہٰذا رافضی کو ملا کر سرفراز خان کی عبارت میں کل جارحین کی تعداد **۲۳** ہے۔

تنبیہ: سرفراز خان کے ذکر کردہ جارحین اور جرح کے بہت سے حوالوں میں نظر ہے۔
تفصیل کے لئے دیکھئے مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ کی کتاب: توضیح الکلام

شوکانی، صدیق حسن اور محمود حسن وغیرہم کو زمانۂ تابعین کے راوی پر جرح وتعدیل سے ایک طرف رکھ کر عرض ہے کہ محمد بن اسحاق بن یسار کو پچاس سے زیادہ محدثین اور علمائے کرام نے ثقہ وصدوق اور روایتِ حدیث میں صحیح الحدیث یا حسن الحدیث قرار دیا ہے، جس کے مستند اور مضبوط حوالے موجود ہیں، بسم اللہ کیجئے اور ملاحظہ فرمائیں:

۱) امام شعبہ بن الحجاج رحمہ اللہ نے فرمایا: ''محمد بن إسحاق صدوق في الحديث'' محمد بن اسحاق حدیث میں صدوق (سچے) ہیں۔
(کتاب الجرح والتعدیل ۱۹۲/۷، وسندہ صحیح)

اور فرمایا: ''محمد بن إسحاق أمير المحدثين''
محدثین کے امیر: محمد بن اسحاق (کتاب الجرح والتعدیل ۱۹۲/۷، وسندہ حسن)

امام شعبہ نے ایک روایت میں فرمایا: ''أمير المحدثين لحفظه'' وہ اپنے حافظے کی وجہ سے محدثین کے امیر تھے۔ (جزء القراءۃ للبخاری بتحقیقی: ۱۴۶، وسندہ صحیح، التاریخ الکبیر للبخاری ۴۰/۱)

اور فرمایا: ''ابن إسحاق سيد المحدثين لحال حفظه'' ابن اسحاق اپنے حافظے کی وجہ سے محدثین کے سردار تھے۔ (تاریخ بغداد ۲۲۸/۱ وسندہ صحیح)

امام شعبہ نے فرمایا: ''محمد بن إسحاق أمير المؤمنين في الحديث''
محمد بن اسحاق حدیث میں امیر المومنین تھے۔ (تاریخ بغداد ج ۱ ص ۲۲۸ وسندہ صحیح)

۲) المفضل بن غسان الغلابی نے امام یحییٰ بن معین سے محمد بن اسحاق کے بارے میں

سوال کیا تو انھوں نے فرمایا: ''کان ثقة و کان حسن الحدیث ''وہ ثقہ تھے اور وہ حسن الحدیث تھے۔ (تاریخ بغداد ۱/۲۱۸ ت ۵۱ وسندہ صحیح)

اور ایک روایت میں فرمایا: ''کان محمد بن إسحاق ثبتًا فی الحدیث ''
محمد بن اسحاق حدیث میں ثبت (ثقہ) تھے۔ (کتاب الثقات لابن حبان ۷/۳۸۳ وسندہ صحیح)

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: اگر کوئی شخص کہے کہ محمد بن اسحاق (حدیث میں) حجت تھے، تو کیا یہ شخص حق بجانب ہے؟ انھوں نے فرمایا: ''لا ، ولکنه کان ثقة ''
نہیں، لیکن وہ ثقہ تھے۔ (تاریخ ابی زرعۃ الدمشقی: ۱۱۸۰، وسندہ صحیح)

۳) امام بخاری نے صحیح بخاری میں محمد بن اسحاق سے شواہد اور متابعات وغیرہ میں بہت سی روایات لیں۔ مثلاً:

ح ۱۴۶۸، ۱۷۷۴، ۱۸۳۸، قبل ح ۲۱۹۲ ، ح ۲۳۸۳، ۲۳۸۴، ۲۵۲۵، ۲۷۰۹ ، ۲۷۱۸، قبل ح ۲۹۹۰، ح ۳۱۴۰ ، ۳۸۵۶، قبل ۳۹۴۹، قبل ۴۰۲۸، قبل ۴۰۸۶ ح ۴۱۲۷، قبل ۴۱۳۸، ح ۴۲۵۹، قبل ۴۳۵۸، قبل ۴۳۶۶، ح ۴۹۳۱، ۵۵۲۷، ۵۹۳۴، ۵۹۹۴، ۶۷۹۵، ۷۱۲۶

حافظ ابو الفضل محمد بن طاہر المقدسی (متوفی ۵۰۷ھ) نے حماد بن سلمہ کی صحیح بخاری میں روایت کے بارے میں فرمایا: ''لم یخرج عنه معتمدًا علیه ، بل استشهد به في مواضع لیبین أنه ثقة .. ''آپ (امام بخاری) نے اُن سے بطورِ اعتماد روایت نہیں لی بلکہ کچھ مقامات پر اُن سے استشہاد کیا (یعنی بطورِ شواہد روایات لیں) تاکہ یہ واضح کر دیں کہ وہ ثقہ ہیں۔ (شروط الأئمۃ الستۃ ص ۱۸)

دوسرے دلائل کو مدنظر رکھتے ہوئے اس حوالے سے یہ اصول ثابت ہوا کہ امام بخاری نے جس راوی سے اپنی صحیح بخاری میں روایت لی اور اُس پر جرح نہ کی تو وہ اُن کے نزدیک ثقہ یا صدوق راوی ہوتا تھا لہٰذا محمد بن اسحاق سے امام بخاری کا صحیح بخاری میں روایت لینا اُن کی طرف سے محمد بن اسحاق بن یسار کی توثیق ہے۔

نیز دیکھئے جزء القراءۃ خلف الامام للبخاری (بتحقیقی: ۱۴۲۔۱۴۸)

امام بخاری نے محمد بن اسحاق کی بیان کردہ ایک حدیث کے بارے میں فرمایا:

"حديث محمد بن إسحاق عن الصلت بن عبدالله بن نوفل حديث حسن صحيح"

(سنن الترمذی: ۱۷۴۲، قلمی نسخہ ص ۱۲۱/ ا، تحفۃ الاحوذی ۳/ ۵۲، العرف الشذی ۱/ ۳۰۴، دوسرا نسخہ ۱/ ۲۰۷)

اس سے صاف ثابت ہو گیا کہ امام بخاری محمد بن اسحاق کو ثقہ و صدوق سمجھتے تھے، غالباً یہی وجہ ہے کہ زیلعی حنفی نے ابن اسحاق کے بارے میں کہا: "الأكثر علىٰ توثيقه ، و ممن و ثقه البخاري ، والله أعلم "اکثر نے ابن اسحاق کی توثیق کی ہے اور اُن کے موثقین میں سے بخاری بھی ہیں۔ واللہ اعلم (نصب الرایہ ۴/ ۷)

۴) امام مسلم بن الحجاج النیسابوری رحمہ اللہ نے بھی صحیح مسلم میں ابن اسحاق سے روایات (شواہد و متابعات میں) بیان کیں۔ دیکھئے صحیح مسلم (۴۸۰ [ترقیم دارالسلام: ۱۰۸۰]، ۸۷۳ [۲۰۱۵]، ۱۱۹۹ [۲۸۷۵]، ۱۶۵۶ [۴۲۹۷]، ۱۷۰۳ [۴۴۴۶])

معلوم ہوا کہ امام مسلم کے نزدیک ابن اسحاق ثقہ و صدوق تھے۔

۵) امام احمد بن عبداللہ بن صالح العجلی رحمہ اللہ نے فرمایا:

"محمد بن إسحاق مدني ثقة" محمد بن اسحاق مدنی ثقہ ہیں۔

(معرفۃ الثقات/ التاریخ: ۱۵۷۱، دوسرا نسخہ: ۱۴۳۳، تاریخ بغداد ۱/ ۲۳۱ ت ۵۱)

٦) امام علی بن عبداللہ المدینی رحمہ اللہ نے فرمایا: "ابن إسحاق عندي ثقة و لم يضعه عندي إلا روايته عن أهل الكتاب ." "میرے نزدیک ابن سحاق ثقہ ہیں اور میرے نزدیک انھیں نیچے نہیں گرایا مگر اہلِ کتاب سے روایت نے۔

(کتاب القراءت خلف الامام للبیہقی، قلمی نسخہ/ احمد الثالث ص ۱۹/ ا، دوسرا قلمی نسخہ ص ۱۵/ اب، وسندہ صحیح، مطبوعہ بحاشیۃ محمد السعید بن بسیونی زغلول ص ۵۸، ح ۱۱۴، وسقط منہ بعضہ، تہذیب التہذیب مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن ج ۹ ص ۴۵، دوسرا نسخہ مطبوعہ دارالفکر ج ۹ ص ۳۹)

سرفراز خان صفدر نے اس عبارت کو نقل کرنے میں دو بڑی خیانتوں کا ارتکاب کیا ہے:

اول: عندي ثقة (وہ میرے نزدیک ثقہ ہیں) کے الفاظ نقل نہیں کئے بلکہ حذف کر دیئے ہیں۔ (دیکھئے احسن الکلام طبع جدید ج ۲ ص ۷۹، طبع قدیم ج ۲ ص ۷۲)

دوم: لم يضعه (نیچے نہیں گرایا) کو لم يضعفه کر دیا اور ترجمہ لکھا: ''میرے نزدیک ابن اسحاق'' کو صرف اس بات نے ضعیف کر دیا کہ وہ یہود اور نصاریٰ سے روایتیں لے لے کر بیان کرتا ہے'' (احسن الکلام طبع قدیم ج ۲ ص ۷۲، طبع جدید ج ۲ ص ۷۹، بحوالہ تہذیب جلد ۹ ص ۴۵)

جس شخص کے دل میں ذرا بھی انصاف ہو، وہ اس حرکت کو یہودیانہ تحریف کے سوا کچھ بھی قرار نہیں دے سکتا۔

تنبیہ: نیچے گرانے سے مراد اعلیٰ درجے کے ثقہ متقن سے نیچے ثقہ وصدوق یعنی صحیح الحدیث کے درجے سے نیچے حسن الحدیث کے درجے پر فائز قرار دینا ہے، جیسا کہ ثقہ اور صالح وسط کے الفاظ سے ظاہر ہے۔

اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) سے روایت کا مطلب یہ ہے کہ مدینے میں جو یہودی مسلمان ہو گئے تھے تو اُن کی مسلمان اولاد سے ابن اسحاق نے روایتیں لیں جیسا کہ ابن اسحاق کے شیوخ کے ناموں سے ثابت ہے۔

امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: ''رأيت علي بن عبدالله المديني يحتج بحديث ابن إسحاق'' میں نے علی بن عبداللہ المدینی کو دیکھا، وہ (محمد) بن اسحاق (بن یسار) کی حدیث کو حجت سمجھتے تھے۔ (کتاب القراءۃ تحقیقی ص ۱۹۰ ح ۱۴۲)

محمد بن عثمان بن ابی شیبہ (صدوق وثقہ الجمہور) نے امام ابن المدینی سے محمد بن اسحاق کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: ''هو صالح وسط''

وہ صالح وسط (یعنی حسن الحدیث) ہیں۔ (سوالات محمد بن عثمان بن ابی شیبہ: ۸۳)

امام ابن المدینی نے بتایا کہ سندوں کا دارومدار چھ آدمیوں پر ہے: ابن شہاب زہری، عمرو بن دینار، قتادہ، یحییٰ بن ابی کثیر، ابو اسحاق السبیعی اور سلیمان الاعمش۔

پھر انھوں نے ان چھ کے اہم شاگردوں میں امام مالک اور محمد بن اسحاق وغیرہما کا ذکر کیا۔
دیکھئے کتاب العلل لابن المدینی (ص ۳۹۔۴۰ یعنی ص ۱۔۲)

۷) امام ترمذی نے (سنن ترمذی میں) احکام و عقائد وغیرہما میں ابن اسحاق کی بیان کردہ روایتوں کو حسن اور صحیح قرار دیا، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

حسن غریب: ۹، ۵۸، ۲۹۱، ۱۱۹۸، ۱۶۹۲، ۱۸۲۴، ۲۳۱۴، ۲۴۷۳، ۲۴۷۶، ۲۷۳۲، ۲۸۳۲، ۳۱۸۱، ۳۵۲۸، ۳۶۱۹، ۳۸۱۷، ۳۸۳۷ [۱۶، روایات]

حسن صحیح: ۲۳، ۱۱۵، ۱۵۴، ۱۸۹، ۳۰۸، ۳۹۸، ۵۲۶، ۵۴۳، ۱۲۶۷، ۱۴۹۷، ۱۶۳۷، ۳۰۴۵، ۳۱۶۶ [۱۳، روایات]

حسن: ۳۱۱، ۶۴۵، ۱۰۲۸، ۲۸۲۱ [۴ روایات]

حسن صحیح غریب: ۲۵۴۱، ۳۶۳۲، ۳۷۳۸ [۳ روایات]

حسن غریب صحیح: ۳۰۹۷ [کل روایات: ۳۷]

ان میں سے بہت سی روایات احکام میں اور بعض عقائد (مثلاً صفۃ الجنہ: ۲۵۴۱) میں ہیں۔
فاتحہ خلف الامام والی حدیث، جس کی وجہ سے سرفراز خان نے محمد بن اسحاق پر جرح کی، احکام والی اس حدیث کے بارے میں امام ترمذی نے فرمایا: ''حديث حسن'' (۳۱۱)

معلوم ہوا کہ امام ترمذی کے نزدیک محمد بن اسحاق ثقہ تھے لہٰذا سرفراز خان کا امام ترمذی کو اُن کے جارحین میں شمار کرنا باطل اور تلبیس ہے۔

فائدہ: امام ترمذی نے عمرو بن بجدان راوی کی حدیث کو ''حسن [صحيح]'' کہا۔
اس کے بارے میں تقی الدین (ابن دقیق العید) نے الإمام (نامی کتاب) میں کہا:
''و أي فرق بين أن يقول : هو ثقة أو يصحح له حديث انفرد به ؟''
اس میں کیا فرق ہے کہ وہ اسے ثقہ کہیں یا اس کی انفرادی حدیث کی تصحیح کی جائے؟

(نصب الرایہ للزیلعی ج ۱ ص ۱۴۹)

ابن القطان الفاسی المغربی نے زینب بنت کعب اور سعد بن اسحاق کے بارے میں لکھا:

"و في تصحيح الترمذي إياه توثيقها و توثيق سعد بن إسحاق"

اور ترمذی کی طرف سے اس کی حدیث کی تصحیح میں اُس کی اور سعد بن اسحاق کی توثیق ہے۔

(بیان الوہم والایہام ج ۵ ص ۳۹۵ ح ۲۵۶۲، نصب الرایہ ج ۳ ص ۲۶۴)

معلوم ہوا کہ جب کوئی عالم کسی حدیث کو صحیح قرار دیتا ہے تو یہ اُس کی طرف سے اُس حدیث کے ہر راوی کی توثیق ہوتی ہے، اِلا یہ کہ کوئی صریح دلیل اس کی تخصیص کر دے۔

۸) محمد بن سعد بن منیع نے ابن اسحاق کے بارے میں کہا:

"و كان محمد ثقة و قد روى الناس عنه ... ومن الناس من تكلم فيه"

اور محمد (بن اسحاق) ثقہ تھے اور لوگوں نے اُن سے روایت بیان کی...اور لوگوں میں سے بعض نے ان پر کلام کیا۔ (طبقات ابن سعد ۷/۳۲۱۔۳۲۲)

۹) حافظ ابن حبان نے محمد بن اسحاق کو کتاب الثقات میں ذکر کیا اور فرمایا:

"... فأما إذا بين السماع فيما يرويه فهو ثبت يحتج بروايته"

پس اگر وہ اپنی روایت میں سماع کی تصریح بیان کریں تو وہ ثقہ ہیں، اُن کی روایت سے حجت پکڑی جاتی ہے۔ (کتاب الثقات ج ۷ ص ۳۸۳۔۳۸۴)

صحیح ابن حبان میں موسسۃ الرسالہ کی ترقیم کے مطابق محمد بن اسحاق بن یسار کی ۹۷ روایات موجود ہیں۔ (دیکھئے ج ۱۸ ص ۲۲۱۔۲۲۲)

نیز دیکھئے مشاہیر علماء الامصار (ص ۱۳۹)

۱۰) امام محمد بن عبداللہ بن نمیر رحمہ اللہ نے محمد بن اسحاق کے بارے میں فرمایا:

"إذا حدّث عمن سمع منه من المعروفين فهو حسن الحديث صدوق ، و إنما أوتي من أنه يحدث عن المجهولين أحاديث باطلة ."

جب وہ مشہور راویوں سے حدیث بیان کریں، جن سے سُنا تھا تو وہ حسن الحدیث صدوق ہیں۔اور جب وہ مجہول لوگوں سے حدیثیں بیان کرتے ہیں تو وہ باطل حدیثیں ہیں۔

(تاریخ بغداد ج ۱ ص ۲۲۷ وسندہ صحیح)

اس قول کو سرفراز خان نے بغدادی جلد ۱ ص ۲۲۷ (تاریخ بغداد) سے درج ذیل الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے:

''ابن نمیرؒ کہتے ہیں کہ وہ مجہول رواۃ سے باطل روایات نقل کرتا ہے''

(احسن الکلام ج ۲ ص ۷۰ طبع دوم)

یہ صریح تحریف ہے، جس کا سرفراز خان کو بعد میں احساس ہوا تو درج ذیل الفاظ لکھے:

''ابن نمیرؒ یہ کہنے کے بعد بھی کہ جب وہ معروف راویوں سے روایت کرے تو حسن الحدیث اور صدوق ہے یہ بھی تصریح فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ مجہول رواۃ سے باطل روایات نقل کرتا ہے'' (احسن اکلام طبع دہم جون ۲۰۰۶ء ج ۲ ص ۷۸)

عرض ہے کہ حسن الحدیث صدوق کے ساتھ کڑمنگی جرح باطل ہوگئی اور مجہول راویوں سے باطل روایات بیان کرنا راوی پر جرح نہیں بلکہ یہ مجہول راویوں کا قصور ہے اور مجہول راویوں پر ہی جرح ہے۔

معلوم ہوا کہ امام ابن نمیر کو سرفراز خان کا محمد بن اسحاق کے جارحین میں ذکر کرنا غلط ہے۔

۱۱) امام عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ سے محمد بن اسحاق کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: '' أما أنا وجدناه صدوقًا ''ہم نے تو اُسے سچا پایا ہے۔

آپ نے یہ بات تین دفعہ فرمائی۔ (کتاب الثقات لابن حبان ۷/۳۸۳ وسندہ حسن، علی بن الحسین بن واقد صدوق حسن الحدیث، وثقہ الترمذی وابن خزیمہ وابن حبان والحاکم والذہبی والجمہور)

۱۲) امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے فرمایا: '' جالست ابن إسحاق بضعًا و سبعين سنة و ما يتهمه أحد من أهل المدينة ولا يقول فيه شيئًا . ''

میں ابن اسحاق کے پاس ستر سے زائد سال رہا ہوں اور اہلِ مدینہ میں سے کوئی بھی اس پر تہمت نہیں لگاتا تھا اور نہ اُس کے بارے میں کوئی کلام کرتا تھا۔

(کتاب الجرح والتعدیل ج ۷ ص ۱۹۲، وسندہ صحیح)

اور فرمایا: '' لم يحمل عليه أحد في الحديث ، إنما كان أهل المدينة حملوا

علیہ من أجل القدر ''کسی نے حدیث کی وجہ سے اس پر حملہ نہیں کیا۔ اہلِ مدینہ نے تو قدریت (مسئلہ تقدیر) کی وجہ سے اس پر حملہ کیا۔

(کتاب المعرفۃ والتاریخ للامام یعقوب بن سفیان الفارسی ج ۲ ص ۲۷ وسندہ حسن)

مسئلۂ تقدیر (اور تشیع) والے اعتراض کے بارے میں عرض ہے کہ سرفراز خان صفدر نے کہا:

''اور اُصول حدیث کی رُو سے ثقہ راوی کا خارجی یا جہمی معتزلی یا مرجی وغیرہ ہونا اس کی ثقاہت پر قطعاً اثر انداز نہیں ہوتا اور صحیحین میں ایسے راوی بکثرت موجود ہیں''

(احسن الکلام ج ۱ ص ۳۰، دوسرا نسخہ ج ۱ ص ۴۹)

ابراہیم بن المنذر نے سفیان بن عیینہ سے کہا کہ لوگ ابن اسحاق کو کذاب کہتے ہیں تو انھوں نے فرمایا: ''لا تقل ذلك ''تو ایسی بات نہ کہہ۔ (الجرح والتعدیل ۷/۱۹۲، وسندہ صحیح)

۱۳) امام ابوزرعہ الرازی نے محمد بن اسحاق کے بارے میں فرمایا:

'' صدوق ، من تکلم في محمد بن إسحاق ؟ محمد بن إسحاق صدوق ''

سچے ہیں، محمد بن اسحاق کے بارے میں کس نے کلام کیا ہے؟ محمد بن اسحاق سچے ہیں۔

(کتاب الجرح والتعدیل ۷/۱۹۲، وسندہ صحیح)

اس توثیق کے مقابلے میں سرفراز خان نے ۱۲۶۸ھ یا ۱۲۶۴ھ میں پیدا ہونے والے طاہر بن صالح بن احمد الجزائری کی کتاب توجیہ النظر کا حوالہ پیش کیا ہے۔

(احسن الکلام ۲/۱۷، دوسرا نسخہ ۲/۷۸

یہ بے سند حوالہ صحیح سند والے حوالے کے مقابلے میں ہونے کی وجہ سے مردود ہے اور اگر یہ حوالہ ثابت بھی ہو جائے تو جرح و تعدیل باہم متعارض ہو کر دونوں ساقط ہو جائیں گی جیسا کہ میزان الاعتدال میں عبدالرحمٰن بن ثابت بن الصامت کے حالات میں ذکر کیا گیا ہے۔ (دیکھئے میزان الاعتدال ۲/۵۵۲)

۱۴) امام ابن خزیمہ النیسابوری رحمہ اللہ نے صحیح ابن خزیمہ میں محمد بن اسحاق بن یسار سے

احکام وغیرہ میں بہت سی روایتیں بیان کیں۔مثلاً:

۱۵، ۳۶، ۵۸، ۱۳۸....

۲۲۸۰، ۲۳۳۳، ۲۳۳۴، ۲۳۷۷.....

معلوم ہوا کہ امام ابن خزیمہ کے نزدیک ابن اسحاق ثقہ وصدوق تھے۔

۱۵) امام ابن الجارود النیسابوری رحمہ اللہ نے اپنی مشہور کتاب المنتقیٰ میں ابن اسحاق سے کئی روایات بیان کیں۔مثلاً:

ح ۳۱، ۱۵۸، ۲۹۱، ۳۲۱....

سیوطی نے صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابی عوانہ اور المنتقیٰ لابن الجارود کے بارے میں لکھا ہے:

'' **فالعزو إليها معلم بالصحة أيضًا .** ''اُن کی طرف روایت کا منسوب کرنا اُس کی صحت کی علامت بھی ہے۔ (دیباجہ جمع الجوامع ج ۱ص ۲۰)

اشرفعلی تھانوی دیوبندی نے کہا:'' **و أورد هذا الحديث ابن الجارود فی المنتقٰی فهو صحيح عنده فإنه لاياتي إلا بالصحيح كما صرح به السيوطي في ديباجة جمع الجوامع** ''[اور اس حدیث کو ابن الجارود نے المنتقیٰ میں روایت کیا لہٰذا وہ اُن کے نزدیک صحیح ہے کیونکہ وہ (اس کتاب میں) صرف صحیح ہی روایت کرتے ہیں، جیسا کہ سیوطی نے جمع الجوامع کے دیباچے میں صراحت کی ہے۔] (بوادر النوادر ص ۱۳۵)

۱۶) امام ابو العباس محمد بن عبدالرحمٰن الدغولی نے فرمایا:

'' **محمد بن إسحاق إمام فی المغازي ، صدوق فی الرواية .** ''محمد بن اسحاق مغازی میں امام (اور) روایت میں صدوق (سچے) ہیں۔(کتاب القراءت للبیہقی ص ۵۹ ح ۱۱۴، وسندہ حسن، محمد بن احمد بن یحییٰ السرخسی الفقیہ ترجمہ فی تاریخ نیسابور طبقۃ شیوخ الحاکم [ص ۲۷۲ ت ۶۳۳]

وقال الحاکم: ''كان من الفقهاء الشافعيين و ممن يرجع إلٰى أدب و كتابة و فضل '')

۱۷) ابوبکر احمد بن الحسین البیہقی نے فاتحہ خلف الامام کے مسئلے میں محمد بن اسحاق کی بیان کردہ حدیث کے بارے میں فرمایا:'' **وهذا إسناد صحيح** ''اور یہ سند صحیح ہے۔

(کتاب القراءت ص ۵۸ ح ۱۱۴)

اس سے معلوم ہوا کہ بیہقی کے نزدیک ابن اسحاق ثقہ تھے لہٰذا بیہقی سے سرفراز خان کی نقل کردہ جرح یا تو منسوخ ہے یا پھر ابن اسحاق کی معنعن (عن والی) روایات پر محمول ہے۔

۱۸) امام ابوالحسن علی بن عمر الدارقطنی رحمہ اللہ نے محمد بن اسحاق کی حدیث الفاتحہ خلف الامام کے بارے میں فرمایا: ''هذا إسناد حسن '' یہ سند حسن ہے۔

(سنن الدارقطنی ج ۱ص ۳۱۸ ح ۱۲۰۰)

معلوم ہوا کہ دارقطنی کے نزدیک ابن اسحاق حسن الحدیث تھے لہٰذا اُن کی ابن اسحاق پر جرح منسوخ ہے یا معنعن روایات پر محمول ہے۔

۱۹) حاکم نیشاپوری نے المستدرک میں کئی مقامات پر ابن اسحاق کی حدیث کو صحیح علیٰ شرط مسلم کہا ہے۔ مثلاً دیکھئے ج ۱ص ۱۱۱ ح ۳۷۹، ج ۱ص ۲۸۱ ح ۱۰۳۹...

معلوم ہوا کہ حاکم کے نزدیک محمد بن اسحاق ثقہ وصدوق تھے۔

۲۰) حافظ ذہبی نے کئی مقامات پر تلخیص المستدرک میں حاکم کی موافقت کرتے ہوئے ابن اسحاق کی حدیث کو مسلم کی شرط پر صحیح کہا۔ مثلاً دیکھئے ح ۳۷۹، ۱۰۳۹... اور فقرہ سابقہ: ۱۹

معلوم ہوا کہ ابن اسحاق پر سرفراز خان کی حافظ ذہبی سے نقل کردہ جرح منسوخ ہے۔

ابن اسحاق کے بارے میں حافظ ذہبی نے طویل کلام کے بعد فرمایا:

''.... و أما في أحاديث الأحكام فينحط حديثه فيها عن رتبة الصحة إلى رتبة الحسن إلا فيما شذّ فيه فإنه يعدّ منكرًا . ''احادیث احکام میں اُن کی حدیث درجۂ صحیح سے نیچے درجۂ حسن پر پہنچتی ہے، سوائے اس کے جس میں وہ شذوذ (ثقہ راویوں کی مخالفت) کریں تو اسے منکر قرار دیا جائے گا۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۷ص ۴۱)

نیز دیکھئے الموقظہ للذہبی (ص ۸۱، بتحقیق سلیم الہلالی)

ذہبی نے مزید کہا: ''كان صدوقًا من بحور العلم و له غرائب في سعة ما روى تستنكر و اختلف في الاحتجاج به و حديثه حسن و قد صححه جماعة . ''

وہ سچے، علم کے دریاؤں میں سے تھے اور اُن کی وسیع روایات میں غرائب بھی ہیں جن کا انکار کیا جاتا ہے، ان کے حجت ہونے میں اختلاف ہے اور اُن کی حدیث حسن ہے، اسے (ان کی حدیث کو) ایک جماعت نے صحیح قرار دیا ہے۔ (الکاشف ج ۳ ص ۱۸ ت ۴۷۸۹)

حافظ ذہبی نے کہا: ''صدوق ... '' (معرفۃ الرواۃ المتکلم فیہم بمالا یوجب الرد: ۲۸۹)

۲۱) حافظ ابوعوانہ نے صحیح ابی عوانہ میں محمد بن اسحاق بن یسار سے روایتیں بیان کیں۔ مثلاً دیکھئے ج ۱ ص ۳۶۰ ح ۸۲۷، ج ۲ ص ۲۸ ح ۲۰۲۲...

۲۲) امام احمد بن حنبل نے محمد بن اسحاق کے بارے میں فرمایا: ''**هو حسن الحديث و لقد قال مالك حين ذكره : دجال من الدجاجلة** .'' وہ حسن الحدیث ہیں اور (امام) مالک نے اُن کا ذکر کیا تو کہا: دجالوں میں سے ایک دجال۔

(تاریخ بغداد ج ۱ ص ۲۲۳ وسندہ صحیح)

اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

۱: امام احمد کے نزدیک امام مالک کی جرح منسوخ یا مرجوح ہے۔

۲: امام احمد کی ابن اسحاق پر جرح منسوخ ہے۔

۲۳) حافظ ضیاء الدین محمد بن عبدالواحد المقدسی نے المختارہ میں ابن اسحاق سے (بطورِ حجت) روایتیں لیں۔ مثلاً دیکھئے المختارۃ (ج ۸ ص ۳۳۹ ح ۴۱۱)

۲۴) امام ابوسلیمان حمد بن محمد الخطابی البستی رحمہ اللہ (متوفی ۳۸۸ھ) نے محمد بن اسحاق کی فاتحہ خلف الامام والی حدیث کے بارے میں فرمایا:

''**و إسناده جيد لا طعن فيه**'' اور اس کی سند اچھی ہے، اس میں طعن نہیں ہے۔

(معالم السنن ج ۱ ص ۱۷۷ ح ۲۵۲)

معلوم ہوا کہ خطابی کے نزدیک ابن اسحاق جید الحدیث یعنی ثقہ وصدوق تھے۔

۲۵) امام حسین بن مسعود البغوی رحمہ اللہ نے محمد بن اسحاق کی بیان کردہ ایک روایت کے بارے میں فرمایا: ''**هذا حديث حسن**'' یہ حدیث حسن ہے۔

(شرح السنۃ ج ۱ ص ۳۹۴ ح ۱۹۹)

معلوم ہوا کہ بغوی بھی ابن اسحاق کو حسن الحدیث سمجھتے تھے۔

۲۶) ابو یعلیٰ خلیل بن عبداللہ بن احمد الخلیلی القزوینی رحمہ اللہ (متوفی ۴۴۶ھ) نے فرمایا: ''کبیر عالم من أھل المدینۃ ... وھو عالم واسع العلم ثقۃ''

وہ اہلِ مدینہ کے بڑے عالم... وہ وسیع علم والے ثقہ عالم ہیں۔

(الارشاد فی معرفۃ علماء الحدیث ج ۱ ص ۲۸۸ ت ۱۳۸)

۲۷) امام ابو زرعہ الدمشقی رحمہ اللہ نے فرمایا:

''و محمد بن إسحاق رجل قد أجمع الکبراء من أھل العلم علی الأخذ عنہ، منھم: سفیان بن سعید و شعبۃ و ابن عیینۃ و حماد بن زید و حماد ابن سلمۃ و ابن المبارک وإبراھیم بن سعد . وروی عنہ من الأکابر: یزید بن أبي حبیب و قد اختبرہ أھل الحدیث فرأوا صدقًا و خیرًا مع مدحۃ ابن شھاب لہ .''

محمد بن اسحاق ایسے آدمی ہیں کہ اکابر اہلِ علم کا اُن سے روایت لینے پر اجماع ہے: سفیان بن سعید (الثوری)، شعبہ، (سفیان) بن عیینہ، حماد بن زید، حماد بن سلمہ، ابن المبارک اور ابراہیم بن سعد۔ اکابر میں سے یزید بن ابی حبیب نے بھی اُن سے روایت بیان کی ہے۔ اہلِ حدیث نے اُن کے بارے میں جانچ پڑتال (تحقیق) کی تو انھیں سچا اور بہتر پایا، اس کے ساتھ ابن شہاب (زہری) نے بھی اُن کی مدح (تعریف) کی ہے۔

(تاریخ ابی زرعۃ الدمشقی: ۱۴۵۴)

معلوم ہوا کہ ابن اسحاق کا سچا اور بہتر ہونا محدثینِ کرام کی زبردست تحقیق کا خلاصہ ہے۔

۲۸) خطیب بغدادی نے محمد بن اسحاق پر تشیع، مسئلۂ تقدیر اور تدلیس وغیرہ جروح کا ذکر کر کے آخر میں فرمایا: ''فأما الصدق فلیس بمدفوع عنہ .'' رہا سچ تو اس کا اُن سے انکار نہیں ہوسکتا۔ (تاریخ بغداد ج ۱ ص ۲۲۴)

معلوم ہوا کہ خطیب بغدادی انھیں سچا (صدوق) سمجھتے تھے۔

۲۹) حافظ عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری رحمہ اللہ نے محمد بن اسحاق کے بارے میں فیصلہ کن انداز میں فرمایا: '' أحد الأعلام ، حديثه حسن '' وہ بڑے علماء میں سے تھے، اُن کی حدیث حسن ہے۔

پھر جرح وتعدیل کی لمبی بحث کے بعد فرمایا: '' و بالجملة فهو ممن اختلف فيه وهو حسن الحديث كما تقدم . والله أعلم '' اور مجموعی طور پر اُن کے بارے میں اختلاف ہے اور وہ حسن الحدیث ہیں جیسا کہ گزر چکا ہے۔ واللہ اعلم

(الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۵۷۷، دوسرا نسخہ ج ۴ ص ۴۹۷)

۳۰) ابن القطان الفاسی المغربی نے محمد بن اسحاق بن یسار کے بارے میں فرمایا:

'' رأى أنس بن مالك والمتحصل من أمره الثقة والحفظ ولا سيّما للسير ولم يصح عليه قادح . '' انھوں نے (سیدنا) انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) کو دیکھا۔ ان کے معاملے میں خلاصہ یہ ہے کہ وہ ثقہ اور حافظ ہیں، خاص طور پر سیر (اور مغازی) میں اور ان پر جرح صحیح نہیں ہے۔ (بیان الوہم والایہام فی کتاب الاحکام ج ۵ ص ۶۳۰)

فائدہ: محمد بن اسحاق نے فرمایا: '' رأيت أنس بن مالك ، عليه عمامة سوداء و الصبيان يشتدون و يقولون : هذا رجل من أصحاب النبي ﷺ لا يموت حتى يلقى الدجال . '' میں نے انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) کو دیکھا، انھوں نے کالا عمامہ باندھا ہوا تھا اور بچے دوڑتے ہوئے کہتے تھے: یہ نبی ﷺ کے صحابہ میں سے ہیں اور دجال سے ملاقات تک فوت نہیں ہوں گے۔ (تاریخ بغداد ج ۱ ص ۲۱۷ وسندہ حسن)

تنبیہ: دوڑنے والے بچوں کی بات صحیح نہیں تھی، کیونکہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ تو دجال کے خروج سے پہلے ہی فوت ہو گئے جبکہ دجال کا خروج ابھی تک نہیں ہوا۔

۳۱) قاضی ابوزرعہ بن ابی الفضل عبدالرحیم بن الحسین العراقی رحمہ اللہ نے ابن اسحاق کی بیان کردہ ایک روایت کے بارے میں فرمایا:

''إسناده جيد. فيه محمد بن إسحاق و قد صرح بالسماع .''
اس کی سند اچھی ہے۔ اس میں محمد بن اسحاق ہیں اور انھوں نے سماع کی تصریح کر دی ہے۔
(طرح التغریب فی شرح التقریب ج ۴ ص ۴۲ باب لاتحل الصدقۃ للنبی ﷺ)

۳۲) حافظ ابن کثیر دمشقی رحمہ اللہ نے محمد بن اسحاق کی بیان کردہ ایک روایت کے بارے میں فرمایا: '' **هذا إسناد حسن** '' یہ سند حسن ہے۔
(تفسیر ابن کثیر ۳۴۹/۴، دوسرا نسخہ ج ۲ ص ۵۰۶، سورۃ البقرہ: ۲۸۵۔۲۸۶)

۳۳) ابوعبداللہ محمد بن احمد القرطبی الانصاری (متوفی ۶۷۱ھ) نے محمد بن اسحاق بن یسار کی بیان کردہ ایک روایت کے بارے میں کہا: '' **قد خرّج ابن ماجه بإسناد حسن بل صحيح من حديث ابن عباس ..** '' ابن ماجہ نے حسن بلکہ صحیح سند کے ساتھ ابن عباس (رضی اللہ عنہ) کی حدیث سے روایت کیا۔ (تفسیر قرطبی ج ۴ ص ۲۲۵، آل عمران: ۱۴۴)

۳۴) حافظ ابن حزم الظاہری نے محمد بن اسحاق کی حدیث سے فاتحہ خلف الامام کے مسئلے میں استدلال کیا اور اس حدیث پر جرح کے بارے میں کہا:
'' **وهذا ليس بشئ لأن محمد بن إسحاق أحد الأئمة و ثقه الزهري و فضله علٰى من بالمدينة في عصره ..** '' اور یہ (جرح) کوئی چیز نہیں ہے کیونکہ محمد بن اسحاق اماموں میں سے ایک ہیں، انھیں زہری نے ثقہ قرار دیا اور مدینے میں اُن کے معاصرین پر انھیں فضیلت والا گردانا۔ (المحلی ج ۳ ص ۲۴۱ مسئلہ ۳۶۰)

۳۵) امام ابن شہاب الزہری رحمہ اللہ نے اپنے دربان (گیٹ کیپر) سے ابن اسحاق کے بارے میں فرمایا: '' **إذا جاء هذا فلا تمنعه .** '' جب یہ آئیں تو انھیں نہ روکنا۔
(تاریخ ابی زرعۃ الدمشقی: ۱۴۵۱، وسندہ صحیح)

امام زہری نے ابن اسحاق کے بارے میں فرمایا:
'' **لا يزال بالحجاز علم كثير ما دام هذا الأحول بين أظهر كم .** ''
یہ اَحوَل جب تک تمھارے درمیان رہے گا تو حجاز میں بہت علم رہے گا۔

(الثقات لابن شاہین ص۲۰۰ وسندہ حسن)

۳۶) حافظ ابن عدی نے ابن اسحاق کے بارے میں طویل کلام کے بعد فرمایا:
" وهو لا بأس به " اور اُن کے ساتھ کوئی حرج نہیں ہے۔

(الکامل لابن عدی ج ۶ ص ۲۱۲۵، دوسرا نسخہ ج ۷ ص ۲۷۰)

۳۷) شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا: " و ابن إسحاق إذا قال حدثني فهو ثقة عند أهل الحديث و هذا إسناد جيد " اور ابن اسحاق جب حدثنی کہیں تو وہ اہلِ حدیث کے نزدیک ثقہ ہیں اور (ابن اسحاق کی بیان کردہ) یہ سند اچھی ہے۔

(مجموع فتاویٰ ج ۳۳ ص ۸۵)

۳۸) حافظ ابو حفص عمر بن شاہین رحمہ اللہ (متوفی ۳۸۵ھ) نے محمد بن اسحاق بن یسار کو کتاب الثقات میں ذکر کیا۔ (ص ۱۹۹، ت ۱۲۰۰)

۳۹) حافظ ابن القیم نے ایک اعتراض کے دو جوابوں میں سے اول جواب میں فرمایا:
" أن ابن إسحاق ثقة لم يجرّح بما يوجب ترك الاحتجاج به و قد وثقه كبار الأئمة و أثنوا عليه بالحفظ و العدالة - هما ركنا الرواية . "
بے شک ابن اسحاق ثقہ ہیں، اُن پر ایسی جرح نہیں ہوئی جو اُن کے ساتھ احتجاج (استدلال) نہ کرنے کو واجب قرار دیتی ہو اور اکابر اماموں نے انھیں ثقہ قرار دیا۔ اُن کے حفظ اور عدالت کی تعریف کی جو روایت کے دو رُکن ہیں۔

(جلاء الافہام ص ۳۲، دوسرا نسخہ بتحقیق مشہور حسن ص ۵۹)

۴۰) امام ابن جریر الطبری نے محمد بن اسحاق کی بیان کردہ ایک روایت کے بارے میں فرمایا: " وهذا خبر عندنا صحيح سنده ... " اور اس حدیث کی سند ہمارے نزدیک صحیح ہے۔ (تہذیب الآثار، الجزء المفقود ص ۳۶ ح ۴۲ مطبوعہ دار المامون بیروت)

معلوم ہوا کہ امام ابن جریر کے نزدیک محمد بن اسحاق بن یسار صحیح الحدیث تھے۔

چالیس (۴۰) علمائے کرام کی توثیقات کے مقابلے میں سرفراز خان صفدر نے مل ملا

کر کُل تئیس (۲۳) جرحیں پیش کیں جن میں سے چار (ابن المدینی، ترمذی، ابن نمیر اور ابوزرعہ الرازی) کو جارحین میں ذکر کرنا باطل ہے، ابن الندیم الرافضی کی جرح یا تعدیل کا ہونا یا نہ ہونا برابر ہے، لہٰذا باقی بچے: اٹھارہ (۱۸)!

اٹھارہ کے مقابلے میں ہم نے چالیس حوالے پیش کر دیئے (اور ابھی دس سے زیادہ حوالے آگے آرہے ہیں۔ ان شاء اللہ) لہٰذا سرفراز خان کا یہ دعویٰ ''تقریباً پچانوے فیصدی گروہ اس بات پر متفق ہے کہ روایت حدیث میں اور خاص طور پر سنن اور احکام میں انکی روایت کسی طرح بھی حجت نہیں ہو سکتی اور اس لحاظ سے انکی روایت کا وجود اور عدم وجود بالکل برابر ہے'' (احسن الکلام ۲/۷۰، دوسرا نسخہ ۲/۷۷)

بالکل جھوٹا دعویٰ اور باطل مردود ہے۔

یہ بات عالمِ دین کی شان سے بہت بعید ہے کہ وہ لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے یا دوسرے مقاصد کے لئے جھوٹ بولتا پھرے بلکہ ہر حال میں جھوٹ حرام ہے، سوائے اس کے کہ بعض حالات میں توریہ کرنے کی اجازت ہے، جس کا ہمارے اس مسئلے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

یاد رہے کہ جھوٹ بولنے والے شخص کو عالمِ دین نہیں بلکہ مفسد، کذاب اور گمراہ سمجھنا چاہئے۔ اب مزید حوالے ملاحظہ فرمائیں:

۴۱) علامہ نووی نے محمد بن اسحاق کی ایک حدیث کے بارے میں کہا:

''**و هذا الإسناد صحيح والجمهور على الاحتجاج بمحمد بن إسحاق إذا قال حدثنا ...**'' اور یہ سند صحیح ہے، جمہور کے نزدیک محمد بن اسحاق جب حدثنا کہیں تو حجت ہے۔ (المجموع شرح المہذب ج ۸ ص ۲۳۴ طبع دار الفکر)

۴۲) حافظ ابن الجوزی نے ابن اسحاق پر جرح کی تو اس کا جواب دیتے ہوئے عینی حنفی نے رائحۃ التعصب کے باوجود علانیہ کہا:

''**وتعليل ابن الجوزي بابن إسحاق ليس بشيٍ لأن ابن إسحاق من الثقات**

الکبار عند الجمھور . ''ابن الجوزی کا ابن اسحاق پر جرح کرنا کوئی چیز نہیں کیونکہ ابن اسحاق جمہور کے نزدیک بڑے ثقہ (راویوں یعنی ثقہ اکابر) میں سے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۷ ص ۲۷۰ ح ۱۱۹۹، باب ما ینھی من الکلام فی الصلوٰۃ)

عینی حنفی نے جمہور کے نزدیک ابن اسحاق کو ثقہ قرار دیا جبکہ سرفراز خان صفدر نے جمہور کے نزدیک ابن اسحاق کو مجروح قرار دیا۔!

ظاہر ہے کہ کوئی حنفی بھی عینی کے مقابلے میں سرفراز خان کے جھوٹے دعوے کی ذرہ بھر پروا نہیں کرے گا۔ واللہ اعلم

۴۳) زیلعی حنفی نے تعصب کے باوجود کہا:

'' و ابن إسحاق الأکثر علٰی توثیقه و ممن وثقه البخاري و اللّٰه أعلم ''

اور اکثر نے ابن اسحاق کی توثیق کی ہے اور اُن کی توثیق کرنے والوں میں سے بخاری (بھی) ہیں۔ واللہ اعلم (نصب الرایہ ج ۴ ص ۷ باب خیار الشرط)

۴۴) ابوالعباس احمد بن محمد بن ابی بکر عرف ابن خلکان (متوفی ۶۸۱ھ) نے کہا:

'' و کان محمد المذکور ثبتًا فی الحدیث عند أکثر العلماء و أما فی المغازي و السیر فلا تجھل إمامته فیھا. ''محمد (بن اسحاق) مذکور اکثر علماء کے نزدیک حدیث میں ثقہ تھے، مغازی اور سیر میں تو اُن کی امامت کے بارے میں ناسمجھی اختیار نہیں کی جاسکتی۔ (وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان ج ۴ ص ۲۷۶)

۴۵) کمال الدین ابن ہمام حنفی نے کہا:

'' و ابن إسحاق ثقة علٰی ما ھو الحق ''اور حق یہ ہے کہ ابن اسحاق ثقہ ہیں۔

(فتح القدیر شرح ہدایہ ج ۱ ص ۳۵۸، دوسرا نسخہ ج ۱ ص ۴۱۱)

اور ابن الجوزی کا رد کرتے ہوئے کہا:

'' أما ابن إسحاق فثقة ثقة لا شبھة عندنا في ذلك و لا عند محققی المحدثین ''ابن اسحاق ثقہ ہیں، اس میں ہمارے اور محقق محدثین کے نزدیک کوئی شبہ

نہیں ہے۔ (فتح القدیر ج ا ص ۳۷۰، دوسرا نسخہ ج ا ص ۴۲۴، تیسرا نسخہ ج ا ص ۳۰۱)

۴۶) عبدالوہاب بن علی بن عبدالکافی السبکی نامی ایک شخص کا اہلِ بدعت کے ہاں بہت بڑا مقام ہے، اس سبکی نے ابن اسحاق کے بارے میں کہا:

" والعمل علٰی توثیقه و أنه إمام معتمد و لا اعتبار بخلاف ذلك "

اور اُس کی توثیق پر عمل ہے، وہ قابلِ اعتماد امام ہیں اور اس کے خلاف کسی بات کا اعتبار نہیں۔ (طبقات الشافعیہ الکبریٰ ج ا ص ۴۰، دوسرا نسخہ ج ا ص ۶۵)

۴۷) حافظ ابن عبدالبر اندلسی رحمہ اللہ نے محمد بن اسحاق پر جروح نقل کر کے فرمایا:

" و أما الصدق و الحفظ فكان صدوقًا حافظًا أثنی علیه ابن شهاب ... "

رہا سچ اور حافظہ تو وہ سچے حافظ تھے، ابن شہاب (زہری) نے اُن کی تعریف کی۔

(جامع بیان العلم وفضلہ ج ۲ ص ۱۵۶، دوسرا نسخہ ج ۲ ص ۱۹۲، تیسرا نسخہ ج ۲ ص ۳۰۲ ح ۲۱۲۴، باب حکم قول العلماء بعضهم فی بعض)

۴۸) عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن احمد بن اصبغ السہیلی الاندلسی المالکی (متوفی ۵۸۱ھ) نے کہا: " و محمد بن إسحاق هذا ـ رحمه الله ـ ثبت فی الحدیث عند أكثر العلماء . "

اور یہ محمد بن اسحاق رحمہ اللہ اکثر علماء کے نزدیک حدیث میں ثبت (یعنی ثقہ) ہیں۔

(الروض الانف فی تفسیر السیرۃ النبویۃ لابن ہشام ج ا ص ۱۹، دوسرا نسخہ ج ا ص ۴)

۴۹) احمد شہاب الدین الخفاجی (متوفی ۱۰۶۹ھ) نے کہا:

" و حدیثه حسن و فوق الحسن ... " اور اُن کی حدیث حسن ہے اور حسن سے اوپر ہے۔ (نسیم الریاض فی شرح الشفاء لقاضی عیاض ج ا ص ۱۵۲)

۵۰) حافظ ابن الملقن نے کہا:

" و ابن إسحاق هذا ... وله غرائب في سعة ما (روی) وهو صدوق و حدیثه فوق الحسن و قد صححه جماعة . " اور یہ ابن اسحاق.. اُن کی وسیع

روایتوں میں غرائب (بھی) ہیں اور وہ صدوق ہیں، اُن کی حدیث حسن سے اوپر ہوتی ہے اور ایک جماعت نے اُسے (ان کی حدیث کو) صحیح کہا۔ (البدر المنیر ج ۳ ص ۲۹۸)

۵۱) ابن ناصر الدین الدمشقی (متوفی ۸۴۲ھ) نے کہا:

''كان بحرًا من بحور العلم صدوقًا مختلفًا فيه جرحًا و توثيقًا.''

وہ علم کے سمندروں میں سے ایک سمندر، صدوق (سچے) تھے، اُن کے بارے میں جرح و توثیق کے لحاظ سے اختلاف ہے۔ (شذرات الذہب ج ۱ ص ۲۳۰)

۵۲) عبداللہ بن اسعد الیافعی نے کہا:

''وكان بحرًا من بحور العلم ذكيًا حافظًا طلابة للعلم أخباريًا نسابة ثبتًا في الحديث عند أكثر العلماء ...'' وہ علم کے سمندروں میں سے ایک سمندر، ذکی (ذہین و عقل مند) حافظ، طالبِ علم مورخ ماہر انساب (اور) اکثر علماء کے نزدیک حدیث میں ثقہ تھے۔ (مرآۃ الجنان ج ۱ ص ۱۴۴، وفیات ۱۵۱ھ، دوسرا نسخہ ج ۱ ص ۳۱۳)

۵۳) حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی (متوفی ۸۰۷ھ) نے کہا:

''رواه الطبراني في الأوسط و فيه ابن إسحاق و هو ثقة مدلس و قد صرح بالتحديث و إسناده حسن.'' اسے طبرانی نے الاوسط میں روایت کیا اور اس میں ابن اسحاق ثقہ مدلس ہیں، انھوں نے سماع کی تصریح کر دی اور اس کی سند حسن ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۲۱ باب فی السواک)

۵۴) عبدالحئی بن العماد الحنبلی نے بطورِ موافقت ذہبی سے نقل کرتے ہوئے کہا:

''وكان بحرًا من بحور العلم ذكيًا حافظًا طلابة للعلم أخباريًا نسابة علامة.''

وہ علم کے سمندروں میں سے ایک سمندر تھے، ذکی حافظ طالبِ علم مورخ، ماہرِ انساب (اور) علامہ تھے۔ (شذرات الذہب ج ۱ ص ۲۳۰)

۵۵) ابو محمد حسین بن عبدالرحمٰن بن محمد بن علی بن ابی بکر بن علی الاہدل الشافعی الاشعری نے محمد بن اسحاق کے بارے میں کہا: ''لا تجهل أمانته ووثقه الأكثرون في

الحدیث ... ''اس کے امین ہونے سے ناسمجھی اختیار نہ کرو اور اکثریت نے اُسے حدیث میں ثقہ قرار دیا ہے۔ (شذرات الذہب ج ۱ ص ۲۳۰)

ان کے علاوہ اور علماء نے بھی محمد بن اسحاق کی تعریف و توثیق کر رکھی ہے۔ مثلاً:

ابن سید الناس نے اپنی مشہور کتاب ''عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر'' میں ابن اسحاق پر جروح کا ذکر کرنے کے بعد اُن کے دفاع پر باب باندھا: ''ذکر الأجوبة عمار مي به ''اور جروح کے جوابات دیئے۔ (دیکھئے عیون الاثر ج ۱ ص ۱۳)

صلاح الدین خلیل بن ایبک الصفدی نے انھیں ''أحد الاعلام و صاحب المغازي'' کہا۔ (الوافی بالوفیات ج ۲ ص ۱۳۳ ت ۵۵۲)

اب مذکورہ موثقین کے نام ترتیبِ ہجائی اور ارقام کے ساتھ درج ذیل ہیں:

ابن الجارود (۱۵)	ابن خلکان (۴۴)	ابن العماد (۵۴)
ابن القطان الفاسی (۳۰)	ابن القیم (۳۹)	ابن المبارک (۱۱)
ابن المدینی (۶)	ابن الملقن (۵۰)	ابن تیمیہ (۳۷)
ابن جریر الطبری (۴۰)	ابن حبان (۹)	ابن حزم (۳۴)
ابن خزیمہ (۱۴)	ابن سعد (۸)	ابن شاہین (۳۸)
ابن شہاب الزہری (۳۵)	ابن عبدالبر (۴۷)	ابن عدی (۳۶)
ابن کثیر (۳۲)	ابن معین (۲)	ابن ناصر الدین (۵۱)
ابن نمیر (۱۰)	ابن ہمام (۴۵)	ابوزرعہ الدمشقی (۲۷)
ابوزرعہ الرازی (۱۳)	ابوعوانہ (۲۱)	احمد بن حنبل (۲۲)
بخاری (۳)	بغوی (۲۵)	بیہقی (۱۷)
ترمذی (۷)	حاکم (۱۹)	حسین بن عبدالرحمٰن الاہدل (۵۵)
خطابی (۲۴)	خطیب بغدادی (۲۸)	خفاجی (۴۹)
خلیلی (۲۶)	دارقطنی (۱۸)	دغولی (۱۶)

ذہبی (۲۰)	زیلعی (۴۳)	سبکی (۴۶)
سفیان بن عیینہ (۱۲)	سہیلی (۴۸)	شعبہ (۱)
ضیاء المقدسی (۲۳)	عجلی (۵)	عراقی (۳۱)
عینی (۴۲)	قرطبی (۳۳)	مسلم (۴)
منذری (۲۹)	نووی (۴۱)	ہیثمی (۵۳)
یافعی (۵۲)		

فضیلۃ الشیخ مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ نے ابن علان، سخاوی، سیوطی، ابن حجر مکی المبتدع، شوکانی، نواب صدیق حسن خان، ملا علی قاری حنفی، عبدالحی لکھنوی اور نیموی وغیرہم سے ابن اسحاق کی توثیق وتعریف نقل فرمائی ہے۔ دیکھئے توضیح الاحکام (ج ۱ ص ۲۸۱۔۲۹۳)

دیوبندیوں کی کتاب: تبلیغی نصاب میں محمد زکریا کاندھلوی نے محمد بن اسحاق کے بارے میں بذریعۂ ہیثمی لکھا ہے: ''**محمد بن إسحاق وهو مدلس وهو ثقة**''

[محمد بن اسحاق اور وہ مدلس ہیں اور وہ ثقہ ہیں۔]

(تبلیغی نصاب ص ۵۹۵، فضائل ذکر ص ۱۱۷، فضائل اعمال ص ۴۸۷)

محمد تقی عثمانی دیوبندی نے کہا:

''جہاں تک محمد بن اسحٰق کے ضعف کا تعلق ہے ان کے بارے میں حافظ ذہبیؒ کا یہ قول فیصل گذر چکا ہے کہ وہ رواۃِ حِسان میں سے ہیں، حضرت شاہ صاحبؒ نے بھی اسی قول کو معتدل ترین قرار دیا ہے، چنانچہ خود حنفیہ بھی بہت سے مقامات پر ان کی روایتوں سے استدلال کرتے ہیں...'' (درس ترمذی ج ۱ ص ۴۷۴)

نیز دیکھئے تکملہ فتح الملہم (ج ۲ ص ۳۸۹ فقرہ نمبر ۳)

احمد رضا خان بریلوی نے کہا: ''ہمارے علمائے کرام قدست اسرارہم کے نزدیک بھی راجح محمد بن اسحاق کی توثیق ہی ہے...''

(فتاویٰ رضویہ جدید ایڈیشن ج ۵ ص ۵۹۲، منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین ص ۱۴۵)

مستدرک الحاکم میں محمد بن اسحاق بن یسار کی ایک روایت ہے، جس میں آیا ہے:

'' البتہ ضرور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما الصلوٰۃ والسلام نازل ہونگے۔منصف اور امام عادل ہو کر اور البتہ وہ ضرور فج (جگہ کا نام ہے) کے راستے پر حج یا عمرہ کے لیے جائیں گے اور بلاشبہ وہ میری قبر پر آئیں گے حتّٰی کہ وہ مجھے سلام کہیں گے اور بلا شک میں ان کے سلام کا جواب دوں گا۔'' (المستدرک ج ۲ ص ۵۹۵ ح ۴۱۶۲، سرفراز خان صفدر کی کتاب: تسکین الصدور طبع چہارم ص ۳۴۰ نقلاً عن المستدرک ج ۲ ص ۵۹۵ والدر المنثور ج ۲ ص ۲۴۵ وقال سرفراز خان: قال الحاکمؒ والذہبیؒ صحیح)

عقیدے کے مسئلے پر اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد سرفراز خان صفدر نے کہا:

''اس صحیح روایت سے بھی معلوم ہوا کہ عندالقبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صلوٰۃ وسلام کا سماع متحقق ہے اور آپ کا جواب دینا بھی ثابت ہے اور اس کا انکار صحیح حدیث کا انکار ہے۔''

(تسکین الصدور ص ۳۴۰)

اسے کہتے ہیں دوغلی پالیسی !!

ایک ہی راوی کی حدیث جب مرضی کے مطابق ہو تو ''صحیح روایت'' اور ''اس کا انکار صحیح حدیث کا انکار ہے'' اور اگر مرضی کے خلاف ہو تو پچانوے فیصدی گرد سے اُس پر جرح اور ''اس لحاظ سے انکی روایت کا وجود اور عدم وجود بالکل برابر ہے''! سبحان اللہ!

یہ ہیں آلِ دیوبند کی خیانتیں، دھوکے، فراڈ اور دوغلی پالیسیاں جن کی بنیاد پر وہ دن رات اہلِ حدیث کی مخالفت کر رہے ہیں۔!

تنبیہ: مستدرک والی روایت ابن اسحاق کی تدلیس (عن) کی وجہ سے ضعیف ہے۔

خلاصۃ التحقیق: محمد بن اسحاق بن یسار تشیع، قدریت اور تدلیس کے ساتھ موصوف ہونے کے باوجود جمہور کی توثیق کی وجہ سے صدوق حسن الحدیث تھے، بشرطیکہ اُن کی بیان کردہ روایت میں سماع کی تصریح ہو اور روایت شاذ و معلول نہ ہو۔

سیرت، مغازی اور فضائل ہوں یا احکام و عقائد اور حلال و حرام کی روایات محمد بن اسحاق بن یسار المدنی حسن الحدیث تھے۔ رحمہ اللہ (۱۹/ جنوری ۲۰۱۰ء)

سلیمان الاعمش کی ابوصالح وغیرہ سے معنعن روایات کا حکم

مشہور ثقہ راوی امام سلیمان بن مہران الاعمش الکوفی رحمہ اللہ کا مدلّس ہونا ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے۔ حافظ ابوالفضل محمد بن طاہر المقدسی (صدوق) نے لکھا ہے:

" و أخبرنا أحمد بن علي الأديب: أخبرنا الحاكم أبوعبدالله إجازة: حدثنا محمد بن صالح بن هانئ: حدثنا إبراهيم بن أبي طالب: حدثنا رجاء الحافظ المروزي: حدثنا النضر بن شميل قال: سمعت شعبة يقول: كفيتكم تدليس ثلاثة: الأعمش و أبي إسحاق و قتادة "

شعبہ (بن الحجاج البصری رحمہ اللہ) نے فرمایا: تین (آدمیوں) کی تدلیس کے لئے میں تمھارے لئے کافی ہوں: اعمش، ابواسحاق اور قتادہ (مسألۃ التسمیہ ص ۴۷ وسندہ صحیح)

اس روایت کے راویوں کا مختصر تعارف درج ذیل ہے:

① ابوبکر احمد بن علی بن عبداللہ بن عمر بن خلف الشیرازی الادیب ثقہ تھے۔

(دیکھئے الحلقۃ الاولیٰ من تاریخ نیسابور: المنتخب من السیاق لعبدالغافر بن اسماعیل الفارسی ص ۱۳۵ ترجمہ ۲۴۲)

② ابوعبداللہ الحاکم النیسابوری صاحب المستدرک علی الصحیحین مشہور ثقہ وصدوق تھے۔

③ محمد بن صالح بن ہانئ ثقہ تھے۔ دیکھئے المنتظم لابن جوزی (۸۶/۱۴ وفیات: ۳۴۰ھ)

④ ابراہیم بن ابی طالب النیسابوری کی حدیث کو حاکم اور ذہبی دونوں نے صحیح کہا۔ دیکھئے المستدرک (ج ۴ ص ۵۴۲ ح ۸۶۲۹) نیز دیکھئے سیر اعلام النبلاء (۵۴۷/۱۳)

⑤ رجاء بن المرجّی المروزی السمرقندی: حافظ ثقہ تھے۔ دیکھئے تقریب التہذیب (۱۹۲۸)

⑥ نضر بن شمیل ثقہ ثبت تھے۔ دیکھئے تقریب التہذیب (۷۱۳۵)

خلاصہ یہ ہے کہ یہ سند بالکل صحیح ہے۔ اس روایت سے دو باتیں ثابت ہیں:

۱: سلیمان بن مہران الاعمش، ابواسحاق السبیعی اور قتادہ بن دعامہ تینوں مدلس تھے۔

۲: اعمش، ابو اسحاق اور قتادہ تینوں سے شعبہ بن الحجاج کی روایت سماع پر محمول ہوتی ہے۔

امام شعبہ کے علاوہ ابو حاتم الرازی، ابن خزیمہ اور دارقطنی وغیرہم نے بھی اعمش کو مدلس قرار دیا ہے۔ دیکھئے میری کتاب: علمی مقالات (ج ۱ ص ۲۷۱)

بلکہ حافظ ذہبی نے لکھا ہے: ''و هو يدلس و ربما دلس عن ضعيف و لا يدري به'' اور وہ تدلیس کرتے تھے اور بعض اوقات ضعیف (راوی) سے تدلیس کرتے اور اس کا پتا نہیں چلتا تھا۔ (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۲۲۴)

حافظ ذہبی نے مدلسین کے بارے میں ایک قاعدہ لکھا ہے:

''ثمّ إن كان المدلس عن شيخه ذا تدليس عن الثقات فلا بأس و إن كان ذا تدليس عن الضعفاء فمردود'' پھر (وہاں) اگر مدلس ثقہ راویوں سے تدلیس کرتا تھا تو کوئی حرج نہیں اور اگر وہ ضعفاء (ضعیف راویوں) سے تدلیس کرتا تھا تو (اُس کی روایت) مردود ہے۔ (الموقظۃ مع شرح سلیم الہلالی: کفایۃ الحفظہ ص ۱۹۹)

ثقات سے تدلیس والی مثال صرف سفیان بن عیینہ کی بیان کی جاتی ہے لیکن اس میں نظر ہے، کیونکہ سفیان بن عیینہ کا غیر ثقہ (اور ثقہ مدلسین) سے بھی تدلیس کرنا ثابت ہے۔

ذہبی کے درج بالا قول سے ثابت ہوا کہ جو مدلس راوی غیر ثقہ وضعفاء سے تدلیس کرے تو اس کی عن والی روایت مردود ہوتی ہے لہٰذا اعمش اور سفیان ثوری وغیرہما کی معنعن روایات (غیر صحیحین میں) عدمِ سماع وعدمِ متابعت اور شواہد صحیحہ کی غیر موجودگی میں مردود ہیں۔

حافظ ذہبی نے اعمش کے بارے میں ایک عجیب وغریب بات لکھ دی ہے:

''.... إلا في شيوخ له أكثر عنهم: كإبراهيم و ابن أبي وائل وأبي صالح السمان فإن روايته عن هذا الصنف محمولة على الاتصال ''....سوائے ان اساتذہ کے جن سے انھوں (اعمش) نے کثرت سے روایت بیان کی ہے، جیسے ابراہیم (النخعی) ابو وائل (شقیق بن سلمہ/صح) اور ابو صالح السمان تو اس قسم والوں سے ان کی روایت اتصال (تصریحِ سماع) پر محمول ہے۔ (میزن الاعتدال ج ۲ ص ۲۲۴، دوسرا نسخہ ج ۳ ص ۳۱۶)

حافظ ذہبی کے اس قول کے دو معنی ہو سکتے ہیں:

۱: ان مذکورہ شیوخ سے اعمش کی روایات عام طور پر (یا صحیحین میں) اتصال پر محمول ہیں، کیونکہ اُن روایات میں سے اکثر میں سماع کی تصریح مل جاتی ہے۔

۲: ان مذکورہ شیوخ سے اعمش کی تمام روایات اتصال پر محمول ہیں۔

اگر اس سے دوسرا معنی مراد لیا جائے تو کئی لحاظ سے یہ غلط ہے، اس کے غلط اور مردود ہونے کے سولہ (۱۶) دلائل درج ذیل ہیں:

۱) امام سفیان بن سعید الثوری رحمہ اللہ نے ایک روایت کے بارے میں فرمایا:

"**حديث الأعمش عن أبي صالح: الإمام ضامن، لا أراه سمعه من أبي صالح**" اعمش کی ابو صالح سے الامام ضامن والی حدیث، میں نہیں سمجھتا کہ انھوں نے اسے ابو صالح سے سُنا ہے۔ (تقدمۃ الجرح والتعدیل ص ۸۲ وسندہ صحیح)

ایک اور روایت میں ہے کہ سفیان ثوری نے فرمایا: "**ثنا سليمان هو الأعمش عن أبي صالح ولا أراه سمعه منه...**" (السنن الکبریٰ للبیہقی ۳/ ۱۲۷، وسندہ حسن)

معلوم ہوا کہ امام سفیان ثوری حافظ ذہبی کا مذکورہ قاعدہ نہیں مانتے تھے۔

۲) حاکم نیشاپوری نے ایک حدیث کے بارے میں کہا: "**لم يسمع هذا الحديث الأعمش من أبي صالح**" اعمش نے ابو صالح سے یہ حدیث نہیں سُنی۔

(معرفۃ علوم الحدیث ص ۳۵)

۳) بیہقی نے فرمایا: "**و هذا الحديث لم يسمعه الأعمش باليقين من أبي صالح....**" اور یہ حدیث اعمش نے یقیناً ابو صالح سے نہیں سُنی۔ (السنن الکبریٰ ۱/ ۴۳۰)

٤) اعمش عن ابی صالح کی سند والی ایک روایت کے بارے میں ابو الفضل محمد بن ابی الحسین احمد بن محمد بن عمار الہروی الشہید (متوفی ۳۱۷ھ) نے فرمایا:

"**و الأعمش كان صاحب تدليس فربما أخذ عن غير الثقات**"

اور اعمش تدلیس کرنے والے تھے، وہ بعض اوقات غیر ثقہ سے روایت لیتے (یعنی تدلیس

کرتے) تھے۔ (علل الاحادیث فی کتاب الصحیح لمسلم بن الحجاج ص ۱۳۸ ح ۳۵)

۵) اعمش عن ابی صالح کی سند والی ایک روایت کے بارے میں حافظ ابن القطان الفاسی المغربی نے کہا: " و معنعن الأعمش عرضة لتبین الإنقطاع فإنه مدلس"
اور اعمش کی عن والی روایت انقطاع کا نشانہ ہے کیونکہ وہ مدلس تھے۔

(بیان الوہم والایہام ج ۲ ص ۴۳۵ ح ۴۴۱)

۶) طحاوی نے اعمش عن ابی صالح والی روایت پر تدلیس کا اعتراض نقل کیا اور پھر ضعیف سند سے سماع کی تصریح سے استدلال کیا۔ دیکھئے مشکل الآثار (ج ۵ ص ۴۳۴ ح ۲۱۹۲)

۷) دارقطنی نے الاعمش عن ابی صالح والی ایک روایت کے بارے میں کہا:
" و لعل الأعمش دلسه عن حبیب و أظهر اسمه مرة، و اللّٰه أعلم"
اور شاید اعمش نے حبیب (بن ابی ثابت) سے تدلیس کی اور ایک دفعہ اس کا نام ظاہر کر دیا۔
واللہ اعلم (العلل الواردۃ ج ۱۰ ص ۹۵ ح ۱۸۸۸)

۸) اعمش عن ابی صالح والی ایک روایت کے بارے میں علامہ نووی نے کہا:
" والأعمش مدلس والمدلس إذا قال عن لا یحتج به إلا إذا ثبت السماع من جهة أخریٰ...." اور اعمش مدلس تھے اور مدلس اگر عن سے روایت کریں تو وہ حجت نہیں ہوتی اِلا یہ کہ دوسری سند سے سماع کی تصریح ثابت ہو جائے....

(شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۷ ح ۱۰۹، دوسرا نسخہ ج ۲ ص ۱۱۹)

۹) امام ابن خزیمہ نے اعمش عن ابی صالح والی ایک روایت کے بارے میں فرمایا:
اسے اعمش نے ابو صالح سے سُنا ہے اور اس میں تدلیس نہیں کی اور ابو سعید (الخدری رضی اللہ عنہ) کی حدیث اس سند کے ساتھ صحیح ہے، اس میں کوئی شک نہیں ہے۔

(دیکھئے کتاب التوحید ص ۱۰۹ ح ۱۶۰)

معلوم ہوا کہ امام ابن خزیمہ بھی اعمش عن ابی صالح کی تدلیس کے قائل تھے۔

۱۰) حافظ ابن حبان البستی نے فرمایا: وہ مدلس راوی جو ثقہ عادل ہیں ہم ان کی صرف ان

روایات سے ہی حجت پکڑتے ہیں جن میں وہ سماع کی تصریح کریں مثلاً سفیان ثوری، اعمش اور ابواسحاق وغیرہم جو کہ زبردست ثقہ امام تھے....الخ

(الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ج۱ص۹۰، نیز دیکھئے میری کتاب علمی مقالات ج۱ص۲۶۶)

حافظ ابن حبان کے اس قول سے معلوم ہوا کہ وہ سفیان ثوری اور اعمش کو طبقۂ ثانیہ میں سے نہیں بلکہ طبقۂ ثالثہ میں سے سمجھتے تھے۔

۱۱) اعمش عن ابی صالح والی ایک روایت کے بارے میں محدث بزار نے کہا: ''**هذا الحديث كلامه منكر، ولعل الأعمش أخذه من غير ثقة فدلسه فصار ظاهر سنده الصحة و ليس للحديث عندي أصل**'' اور یہ حدیث: اس کا کلام منکر ہے، اور ہوسکتا ہے کہ اعمش نے اسے غیر ثقہ سے لے کر تدلیس کر دی ہو تو ظاہراً اس کی سند صحیح بن گئی اور میرے نزدیک اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے۔ (فتح الباری ج۸ص۴۶۲ تحت ح۴۷۵۰)

حافظ ابن حجر نے اعمش سے ابو صالح کی روایتِ مذکورہ میں سماع کی تصریح ثابت کر دی لیکن بزار کے مذکورہ قاعدے کو غلط قرار نہیں دیا، جو اُن کی رضامندی کی دلیل ہے۔

۱۲) حافظ ابن الجوزی نے اعمش عن ابی صالح والی ایک روایت کے بارے میں فرمایا: ''**هذا حديث لا يصح**...'' یہ حدیث صحیح نہیں ہے...(العلل المتناہیہ ج۱ص۴۳۷ح۷۳۶)

۱۳) اعمش عن ابی صالح والی ایک روایت کے بارے میں امام علی بن المدینی نے فرمایا: اس بارے میں ابوصالح عن ابی ہریرہ والی حدیث ثابت نہیں ہے اور ابوصالح عن عائشہ والی حدیث بھی ثابت نہیں ہے۔ (الجامع للترمذی: ۲۰۷ وسندہ صحیح)

تنبیہ: ابوصالح عن عائشہ والی حدیثِ مذکور حسن لذاتہ ہونے کی وجہ سے صحیح ہے۔

یہ تیرہ (۱۳) اقوال تو اعمش عن ابی صالح کے بارے میں تھے۔

۱۴) اعمش نے ابراہیم نخعی سے ایک روایت عن کے ساتھ بیان کی جس کے بارے میں امام عبدالرحمٰن بن مہدی نے فرمایا: ''**هذا من ضعيف حديث الأعمش**'' یہ اعمش کی ضعیف حدیثوں میں سے ہے۔ (کتاب العلل للامام احمد ۲/ ۱۴۳ ت ۲۸۴۵ وسندہ صحیح)

اگر کوئی کہے کہ اس میں وجہِ ضعف انقطاع ہے تو عرض ہے کہ پھر یہ کہنا چاہئے تھا:

'' هذا من ضعيف حديث إبراهيم النخعي ''

لہٰذا وجہِ ضعف کو انقطاع بنانا غلط ہے اور صحیح یہ ہے کہ اس میں اعمش کے سماع کی تصریح نہیں لہٰذا اسے اُن کی عن سے بیان کردہ ضعیف روایات میں شمار کیا گیا ہے۔

اعمش عن ابراہیم النخعی والی ایک روایت کے بارے میں سفیان (ثوری) نے فرمایا:

اعمش نے (نماز میں) ہنسنے کے بارے میں ابراہیم والی حدیث نہیں سُنی۔

(کتاب العلل للامام احمد ۲/۶۷ ت ۱۵۶۹، وسندہ صحیح، تقدمۃ الجرح والتعدیل ص ۷۲ وسندہ صحیح)

۱۵) اعمش عن ابی وائل والی ایک روایت کے بارے میں امام احمد بن حنبل نے فرمایا:

نہ اسے ہشیم نے اعمش سے سُنا ہے اور نہ اعمش نے اسے ابو وائل سے سُنا ہے۔

(کتاب العلل ۲/۲۵۲ ت ۲۱۵۵)

۱۶) اعمش عن ابی وائل والی ایک روایت کے بارے میں ابو زرعہ الرازی نے فرمایا:

'' الأعمش ربما دلس '' اعمش بعض اوقات تدلیس کرتے تھے۔

(علل الحدیث لابن ابی حاتم ۱/۱۴ ح ۹)

جمہور محدثین کے ان اقوال سے معلوم ہوا کہ حافظ ذہبی کا اعمش کے بارے میں میزان الاعتدال میں مذکورہ قاعدہ غلط اور مردود ہے۔

اعمش عن ابی صالح والی ایک روایت کے بارے میں محمد عباس رضوی بریلوی نے لکھا ہے:

''اس روایت میں ایک راوی امام اعمش ہیں جو کہ اگرچہ بہت بڑے امام ہیں لیکن مدلس ہیں اور مدلس راوی جب عن: سے روایت کرے تو اس کی روایت بالاتفاق مردود ہوگی۔''

(واللہ آپ زندہ ہیں ص ۲۵۱)

خلاصۃ التحقیق: صحیح بخاری و صحیح مسلم کے علاوہ سلیمان الاعمش کی ہر معنعن روایت، چاہے وہ ابو صالح، ابراہیم نخعی یا ابو وائل سے ہو یا کسی بھی راوی سے ہو، اگر سماع کی تصریح یا معتبر متابعت و معتبر شاہد نہ ہو تو ضعیف ہوتی ہے۔ وما علينا إلا البلاغ (۱۷/ اگست ۲۰۰۹ء)

امام سفیان ثوری کی تدلیس اور طبقۂ ثانیہ؟

[یہ مضمون اصل میں فیصل خان بریلوی کی کتاب: ''رفع یدین کے موضوع پر....نور العینین کا محققانہ تجزیہ'' کے جواب میں لکھا گیا ہے۔]

الحمد لله ربّ العالمين والصّلوٰة والسّلام علىٰ رسوله الأمين ، أما بعد:

حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ نے امام سفیان بن سعید الثوری رحمہ اللہ کو مدلسین کے طبقۂ ثانیہ میں ذکر کیا ہے۔ (دیکھئے طبقات المدلسین: ۲/۵۱، الفتح المبین ص ۳۹)

حافظ ابن حجر کی یہ تحقیق کئی لحاظ سے غلط ہے، جس کی فی الحال تیس (۳۰) دلیلیں اور حوالے پیشِ خدمت ہیں:

۱) امام ابو حنیفہ نے عاصم عن ابی رزین عن ابن عباس کی سند سے ایک حدیث بیان کی کہ مرتدہ کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ دیکھئے سنن دارقطنی (۳/۲۰۱ ح ۳۴۲۲) الکامل لابن عدی (۷/۲۴۷۲) السنن الکبریٰ للبیہقی (۸/۲۰۳) کتاب الام للشافعی (۶/۱۶۷) اور مصنف ابن ابی شیبہ (۱۰/۱۴۰ ح ۲۸۹۸۵) وغیرہ

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے فرمایا: ابو حنیفہ پر اس کی بیان کردہ ایک حدیث کی وجہ سے (سفیان) ثوری نکتہ چینی کرتے تھے جسے ابو حنیفہ کے علاوہ کسی نے بھی عاصم عن ابی رزین (کی سند) سے بیان نہیں کیا۔ (سنن دارقطنی ۳/۲۰۰ ح ۳۴۲۰ وسندہ صحیح)

امام عبدالرحمٰن بن مہدی نے فرمایا: میں نے سفیان (ثوری) سے مرتدہ کے بارے میں عاصم کی حدیث کا پوچھا تو انھوں نے فرمایا: یہ روایت ثقہ سے نہیں ہے۔

(الانتقاء لابن عبدالبر ص ۱۴۸، وسندہ صحیح)

یہ وہی حدیث ہے جسے خود سفیان ثوری نے ''عن عاصم عن أبي رزين عن ابن عباس'' کی سند سے بیان کیا تو اُن کے شاگرد امام ابو عاصم (الضحاک بن مخلد النبیل) نے کہا: ہم یہ

سمجھتے ہیں کہ سفیان ثوری نے اس حدیث میں ابوحنیفہ سے تدلیس کی ہے لہٰذا میں نے دونوں سندیں لکھ دی ہیں۔ (سنن دارقطنی ۳/۲۰۱ ح ۳۴۲۳ وسندہ صحیح)

اس سے معلوم ہوا کہ امام سفیان ثوری اپنے نزدیک غیر ثقہ (ضعیف) راوی سے بھی تدلیس کرتے تھے۔ حافظ ذہبی نے لکھا ہے: وہ (سفیان ثوری) ضعیف راویوں سے تدلیس کرتے تھے۔ الخ (میزان الاعتدال ۲/۱۶۹، نیز دیکھئے سیر اعلام النبلاء ۷/۲۴۲، ۲۷۴)

اصولِ حدیث کا ایک مشہور قاعدہ ہے کہ جو راوی ضعیف راویوں سے تدلیس کرے تو اُس کی عن والی روایت ضعیف ہوتی ہے۔ حافظ ذہبی نے لکھا ہے:

"**ثم إن كان المدلّس عن شيخه ذا تدليس عن الثقات فلا بأس، و إن كان ذا تدليس عن الضعفاء فمردود**" پھر اپنے استاذ سے تدلیس کرنے والا اگر ثقہ راویوں سے تدلیس کرے تو (اس کی روایت میں) کوئی حرج نہیں ہے اور اگر ضعیف راویوں سے تدلیس کرے تو (اُس کی روایت) مردود ہے۔

(الموقظہ فی علم مصطلح الحدیث للذہبی ص ۴۵، مع شرحہ کفایۃ الحفظہ ص ۱۹۹)

ابوبکر الصیرفی (محمد بن عبداللہ البغدادی الشافعی / متوفی ۳۳۰ھ) نے اپنی کتاب الدلائل میں کہا: "**كل من ظهر تدليسه عن غير الثقات لم يقبل خبره حتى يقول: حدثني أو سمعت**" ہر وہ شخص جس کی، غیر ثقہ راویوں سے تدلیس ظاہر ہو جائے تو اس کی حدیث قبول نہیں کی جاتی اِلا یہ کہ وہ حدثنی یا سمعت کہے/ یعنی سماع کی تصریح کرے۔ (النکت للزرکشی ص ۱۸۴، نیز دیکھئے التبصرہ والتذکرہ شرح الفیۃ العراقی ۱/۱۸۳، ۱۸۴)

اُصولِ حدیث کے اس قاعدے سے صاف ثابت ہے کہ امام سفیان ثوری (اپنے طرزِ عمل کی وجہ سے) طبقۂ ثانیہ کے نہیں بلکہ طبقۂ ثالثہ کے مدلس تھے۔

۲) امام علی بن عبداللہ المدینی نے فرمایا: لوگ سفیان (ثوری) کی حدیث میں یحییٰ القطان کے محتاج ہیں، کیونکہ وہ مصرح بالسماع روایات بیان کرتے تھے۔

(الکفایہ للخطیب ص ۳۶۲ وسندہ صحیح، علمی مقالات ج ۱ ص ۲۶۴)

اس قول سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں:

اول: سفیان ثوری سے یحییٰ بن سعید القطان کی روایت سفیان کے سماع پر محمول ہوتی ہے۔

دوم: امام ابن المدینی امام سفیان ثوری کو طبقۂ اولیٰ یا ثانیہ میں سے نہیں سمجھتے تھے، ورنہ یحییٰ القطان کی روایت کا محتاج ہونا کیا ہے؟!

۳) امام یحییٰ بن سعید القطان نے فرمایا: میں نے سفیان (ثوری) سے صرف وہی کچھ لکھا ہے، جس میں انھوں نے حدثنی اور حدثنا کہا، سوائے دو حدیثوں کے۔

(کتاب العلل و معرفۃ الرجال للامام احمد ۱/۲۰۷ ت ۱۱۳۰، وسندہ صحیح، دوسرا نسخہ ج ۱ ص ۲۴۲ رقم ۳۱۸)

اور وہ دو حدیثیں درج ذیل ہیں:

"سفیان عن سماك عن عكرمة و مغیرة عن إبراهیم ﴿و ان كان من قوم عدولكم﴾ قالا : هو الرجل یسلم فی دار الحرب فیقتل فلیس فیه دیة فیه كفارة" (کتاب العلل ج ۱ ص ۲۴۲)

یعنی عکرمہ اور ابراہیم نخعی کے دو آثار جنھیں اوپر ذکر کر دیا گیا ہے، ان کے علاوہ یحییٰ القطان کی سفیان ثوری سے ہر روایت سماع پر محمول ہے۔ یحییٰ القطان کے قول سے ثابت ہوا کہ وہ سفیان ثوری کو طبقۂ ثانیہ سے نہیں سمجھتے تھے ورنہ حدیثیں نہ لکھنے کا کیا فائدہ؟

٤) حافظ ابن حبان البستی نے فرمایا: وہ مدلس راوی جو ثقہ عادل ہیں، ہم اُن کی صرف ان مرویات سے ہی حجت پکڑتے ہیں جن میں وہ سماع کی تصریح کریں۔ مثلاً سفیان ثوری، اعمش اور ابو اسحاق وغیرہم جو کہ زبردست ثقہ امام تھے... الخ

(الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ۱/۹۰، دوسرا نسخہ ۱/۱۶۱، تیسرا نسخہ: ایک جلد والا ص ۳۶، علمی مقالات ج ۱ ص ۲۶۶)

معلوم ہوا کہ حافظ ابن حبان سفیان ثوری اور اعمش کو طبقۂ ثانیہ میں سے نہیں بلکہ طبقۂ ثالثہ میں سے سمجھتے تھے۔

حافظ ابن حبان نے مزید فرمایا: وہ ثقہ راوی جو اپنی احادیث میں تدلیس کرتے تھے مثلاً قتادہ، یحییٰ بن ابی کثیر، اعمش، ابو اسحاق، ابن جریج، ابن اسحاق، ثوری اور ہشیم، بعض اوقات اپنے

جس شیخ سے احادیث سُنی تھیں، وہ روایت بطورِ تدلیس بیان کردیتے جسے انھوں نے ضعیف وناقابلِ حجت لوگوں سے سُنا تھا، لہٰذا جب تک مدلس اگرچہ ثقہ ہی ہو، یہ نہ کہے: حدثني یا سمعت (یعنی جب تک سماع کی تصریح نہ کرے) اس کی خبر (حدیث) سے حجت پکڑنا جائز نہیں ہے۔ (المجروحین ج ۱ ص ۹۲ علمی مقالات ج ۱ ص ۲۶۷)

اس گواہی سے دو باتیں ظاہر ہیں:

اول: حافظ ابن حبان سفیان ثوری وغیرہ مذکورین کی وہ روایات حجت نہیں سمجھتے تھے، جن میں سماع کی تصریح نہ ہو۔

دوم: حافظ ابن حبان کے نزدیک سفیان ثوری وغیرہ مذکورین بالا ضعیف راویوں سے بھی بعض اوقات تدلیس کرتے تھے۔

۵) حاکم نیشاپوری نے مدلسین کے پہلے طبقے کا ذکر کیا، جو ثقہ راویوں سے تدلیس کرتے تھے، پھر انھوں نے دوسری جنس (طبقۂ ثانیہ) کا ذکر کیا، پھر انھوں نے تیسری جنس (طبقۂ ثالثہ) کا ذکر کیا جو مجہول راویوں سے تدلیس کرتے تھے۔ (دیکھئے معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵)

حاکم نیشاپوری نے امام سفیان بن سعید الثوری کو مدلسین کی تیسری قسم میں ذکر کر کے بتایا کہ وہ مجہول راویوں سے روایت کرتے تھے۔ (معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۰۶ فقرہ: ۲۵۳)

اس عبارت کو حافظ العلائی نے درج ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے:

"والثالث: من يدلس عن أقوام مجهولين لا يدرى من هم كسفيان الثوري..." اور تیسرے وہ جو مجہول نامعلوم لوگوں سے تدلیس کرتے تھے، جیسے سفیان ثوری... (جامع التحصیل فی احکام المراسیل ص ۹۹)

یہ عرض کر دیا گیا ہے کہ ضعیف راویوں سے تدلیس کرنے والے کی معنعن روایت مردود ہوتی ہے۔

تنبیہ: صحیحین میں مدلسین کی تمام روایات سماع یا متابعات وشواہد پر محمول ہونے کی وجہ سے صحیح ہیں۔ والحمدللہ

٦) فقرہ نمبر ۱ میں امام ابو عاصم النبیل کا قول گزر چکا ہے، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنے استاذ امام سفیان ثوری کو طبقۂ اولیٰ یا ثانیہ میں سے نہیں سمجھتے تھے، ورنہ اُن کی معنعن روایت کو سماع پر محمول کرتے۔

۷) امام سفیان ثوری نے اپنے استاذ قیس بن مسلم الجدلی الکوفی سے ایک حدیث بیان کی، جس کے بارے میں امام ابو حاتم الرازی نے فرمایا: ''**ولا أظن الثوري سمعه من قيس، أراه مدلسًا** ''میں نہیں سمجھتا کہ ثوری نے اسے قیس سے سُنا ہے، میں اسے مدلَّس (یعنی تدلیس شدہ) سمجھتا ہوں۔ (علل الحدیث ۲/۲۵۴ ح ۲۲۵۵)

معلوم ہوا کہ امام ابو حاتم الرازی امام سفیان ثوری کو طبقۂ ثانیہ میں سے نہیں بلکہ طبقۂ ثالثہ میں سے سمجھتے تھے۔

۸) طبقۂ ثالثہ کے مشہور مدلس امام ہشیم بن بشیر الواسطی سے امام عبداللہ بن المبارک نے کہا: آپ کیوں تدلیس کرتے ہیں، حالانکہ آپ نے (بہت کچھ) سنا بھی ہے؟ تو انھوں نے کہا: دو بڑے (بھی) تدلیس کرتے تھے یعنی اعمش اور (سفیان) ثوری۔

(العلل الکبیر للترمذی ۲/۹۶۶ وسندہ صحیح، التمہید ۱/۳۵، علمی مقالات ۱/۲۷۵)

امام ابن المبارک نے ہشیم پر کوئی رد نہیں کیا کہ یہ دونوں تو طبقۂ ثانیہ کے مدلس ہیں اور آپ طبقۂ ثالثہ کے مدلس ہیں بلکہ اُن کا خاموش رہنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انھوں نے ہشیم کی طرح سفیان ثوری اور اعمش کا مدلس ہونا تسلیم کر لیا تھا۔ دوسرے الفاظ میں وہ سفیان ثوری اور اعمش کو بھی طبقۂ ثالثہ میں سے سمجھتے تھے ورنہ ہشیم کا رد ضرور کرتے۔

۹) یہ حقیقت ہے کہ امام ہشیم بن بشیر طبقۂ ثالثہ کے مدلس تھے اور یہ بھی ثابت ہے کہ وہ سفیان ثوری اور اعمش کو اپنی طرح مدلس سمجھتے تھے لہٰذا ثابت ہو گیا کہ سفیان ثوری اور اعمش دونوں ہشیم کے نزدیک طبقۂ اولیٰ یا طبقۂ ثانیہ کے مدلس نہیں تھے۔

۱۰) امام یعقوب بن شیبہ رحمہ اللہ نے فرمایا: ''**فأما من دلّس عن غير ثقة و عمن لم يسمع هو منه فقد جاوز حد التدليس الذي رخص فيه من رخص من**

العلماء . ''پس اگر غیر ثقہ سے تدلیس کرے یا اُس سے جس سے اُس نے نہیں سُنا تو اُس نے تدلیس کی حد کو پار (عبور) کرلیا جس کے بارے میں (بعض) علماء نے رخصت دی ہے۔ (الکفایۃ للخطیب ص ۳۶۱، ۳۶۲ وسندہ صحیح، النکت للزرکشی ص ۱۸۸)

امام یعقوب بن شیبہ کے اس قول سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں:

اول: ضعیف راویوں سے تدلیس کرنے والے کی غیر مصرح بالسماع روایت مردود ہے۔

دوم: مرسل اور منقطع روایت مردود ہے۔

چونکہ سفیان ثوری کا ضعیف راویوں سے تدلیس کرنا ثابت ہے لہٰذا اس قول کی روشنی میں بھی اُن کی معنعن روایت مردود ہے۔

۱۱) علامہ نووی شافعی نے سفیان ثوری کے بارے میں کہا:

''منها ان سفيان رحمه الله تعالىٰ من المدلسين وقال في الرواية الأولىٰ عن علقمة والمدلس لا يحتج بعنعنته بالإتفاق إلا ان ثبت سماعه من طريق آخر... ''اور ان میں سے یہ فائدہ بھی ہے کہ سفیان (ثوری) رحمہ اللہ مدلسین میں سے تھے اور انھوں نے پہلی روایت میں عن علقمة کہا اور مدلس کی عن والی روایت بالاتفاق حجت نہیں ہوتی اِلا یہ کہ دوسری سند میں سماع کی تصریح ثابت ہو جائے۔ (شرح صحیح مسلم درسی نسخہ ج ۱ ص ۱۳۶ تحت ح ۲۷۷، دوسرا نسخہ ج ۳ ص ۱۷۸، باب جواز الصلوات کلھا بوضوء واحد)

معلوم ہوا کہ علامہ نووی حافظ ابن حجر کی طبقاتی تقسیم کو تسلیم نہیں کرتے تھے بلکہ سفیان ثوری کو طبقۂ ثالثہ کا مدلس سمجھتے تھے جن کی عن والی روایت ضعیف ہوتی ہے اِلا یہ کہ سماع کی تصریح یا معتبر متابعت ثابت ہو۔

۱۲) عینی حنفی نے کہا: اور سفیان (ثوری) مدلسین میں سے تھے اور مدلس کی عن والی روایت حجت نہیں ہوتی اِلا یہ کہ اُس کی تصریحِ سماع دوسری سند سے ثابت ہو جائے۔

(عمدۃ القاری ۳/ ۱۱۲، نور العینین طبع جدید ص ۱۳۶، ماہنامہ الحدیث حضرو: ۶۶ ص ۲۷)

۱۳) ابن الترکمانی حنفی نے ایک روایت پر جرح کرتے ہوئے کہا:

"فيه ثلاث علل :الثوري مدلس و قد عنعن ..." اس میں تین علتیں (وجہِ ضعف) ہیں: ثوری مدلس ہیں اور انھوں نے یہ روایت عن سے بیان کی ہے... (الجوہر النقی ج ۸ ص ۲۶۲)

معلوم ہوا کہ ابن الترکمانی کے نزدیک سفیان ثوری طبقۂ ثالثہ کے مدلس تھے اور اُن کا عنعنہ علتِ قادحہ ہے۔

۱۴) کرمانی حنفی نے شرح صحیح بخاری میں کہا:

بے شک سفیان (ثوری) مدلسین میں سے ہیں اور مدلس کی عن والی روایت حجت نہیں ہوتی اِلا یہ کہ دوسری سند سے سماع کی تصریح ثابت ہو جائے.... (شرح الکرمانی ج ۳ ص ۶۲ تحت ح ۲۱۴)

۱۵) قسطلانی شافعی نے کہا: سفیان (ثوری) مدلس ہیں اور مدلس کا عنعنہ قابلِ حجت نہیں ہوتا اِلا یہ کہ اس کے سماع کی تصریح ثابت ہو جائے۔

(ارشاد الساری شرح صحیح البخاری ج ۱ ص ۲۸۶، نور العینین طبع جدید ص ۱۳۶)

۱۶) حافظ ذہبی کا یہ اصول فقرہ نمبر ۱ میں گزر چکا ہے کہ ضعیف راویوں سے تدلیس کرنے والے کی معنعن روایت مردود ہوتی ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ حافظ ذہبی کے نزدیک سفیان ثوری کی عن والی روایت مردود ہوتی ہے اور یہ کہ وہ طبقۂ ثالثہ کے مدلس تھے۔

۱۷) امام یحییٰ بن معین نے سفیان ثوری کو تدلیس کرنے والے (مدلس) قرار دیا۔

دیکھئے کتاب الجرح والتعدیل (۴/۲۲۵ وسندہ صحیح) اور الکفایۃ (ص ۳۶۱ وسندہ صحیح)

امام یحییٰ بن معین سے مدلس کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا اس کی روایت حجت ہوتی ہے یا جب وہ حدثنا و اخبرنا کہے تو؟ انھوں نے جواب دیا: "لا يكون حجة فيما دلس" وہ جس (روایت) میں تدلیس کرے (یعنی عن سے روایت کرے تو) وہ حجت نہیں ہوتی۔ الخ (الکفایۃ للخطیب ص ۳۶۲ وسندہ صحیح)

۱۸) حافظ ابن الصلاح الشہر زوری الشافعی نے سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، اعمش، قتادہ اور ہشیم بن بشیر کو مدلسین میں ذکر کیا پھر یہ فیصلہ کیا کہ مدلس کی غیر مصرح بالسماع روایت قابلِ قبول نہیں ہے۔

دیکھئے مقدمۃ ابن الصلاح (علوم الحدیث ص ۹۹ مع التقیید والایضاح للعراقی، نوع:۱۲)

۱۹) حافظ ابن کثیر نے ابن الصلاح کے قاعدۂ مذکورہ کو برقرار رکھا اور عبارتِ مذکورہ کو اختصار کے ساتھ نقل کیا۔ دیکھئے اختصار علوم الحدیث (مع تعلیق الالبانی ج ۱ ص ۱۷۴)

۲۰) حافظ ابن الملقن نے بھی ابن الصلاح کی عبارتِ مذکورہ کو نقل کیا اور کوئی جرح نہیں کی۔ دیکھئے المقنع فی علوم الحدیث (۱/۱۵۷، ۱۵۸)

۲۱) موجودہ دور کے مشہور عالم اور ذہبیٔ عصر علامہ شیخ عبدالرحمٰن بن یحییٰ المعلمی الیمانی المکی رحمہ اللہ نے ترکِ رفع یدین والی روایت (عن عاصم بن كليب عن عبدالرحمٰن بن الأسود عن علقمة عن عبدالله بن مسعود رضي الله عنه) کو معلول قرار دیتے ہوئے پہلی علت یہ بیان کی کہ سفیان (ثوری) تدلیس کرتے تھے اور کسی سند میں اُن کے سماع کی تصریح نہیں ہے۔

دیکھئے التنکیل بمافی تانیب الکوثری من الاباطیل (ج ۲ ص ۲۰)

تنبیہ: علامہ یمانی رحمہ اللہ کی اس بات کا جواب آج تک کوئی نہیں دے سکا۔ نہ کسی نے اس حدیث میں سفیان ثوری کے سماع کی تصریح ثابت کی اور نہ معتبر متابعت پیش کی ہے۔ یہ لوگ جتنا بھی زور لگالیں ترکِ رفع یدین والی روایت عن سے ہی ہے۔

یاد رہے کہ اس سلسلے میں کتاب العلل للدارقطنی کا حوالہ بے سند ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

۲۲) موجودہ دور کے ایک مشہور عالم شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ نے سفیان ثوری رحمہ اللہ کو مدلس قرار دیا اور غیر صحیحین میں اُن کی معنعن روایت کو معلول قرار دیا۔

دیکھئے کتاب: احکام ومسائل (تصنیف حافظ عبدالمنان نورپوری ج ۱ ص ۲۴۵)

ان دلائل وعبارات کے بعد آلِ تقلید (آلِ دیوبند وآلِ بریلوی) کے بعض حوالے پیش خدمت ہیں:

۲۳) سرفراز خان صفدر دیوبندی کڑمنگی نے ایک روایت پر سفیان ثوری کی تدلیس کی وجہ

سے جرح کی ہے۔ دیکھئے خزائن السنن (۲/۷۷)

۲۴) محمد شریف کوٹلوی بریلوی نے سفیان ثوری کی ایک روایت پر جرح کرتے ہوئے کہا:

''اور سفیان کی روایت میں تدلیس کا شبہ ہے۔'' (فقہ الفقیہ ص ۱۳۴)

۲۵) ماسٹر امین اوکاڑوی دیوبندی نے ایک روایت پر سفیان ثوری کی تدلیس کی وجہ سے جرح کی۔ دیکھئے مجموعہ رسائل (طبع قدیم ۳/۳۳۱) اور تجلیاتِ صفدر (۵/۴۷۰)

۲۶) محمد عباس رضوی بریلوی نے لکھا ہے: ''یعنی سفیان مدلس ہے اور یہ روایت انہوں نے عاصم بن کلیب سے عن کے ساتھ کی ہے اور اصول محدثین کے تحت مدلس کا عنعنہ غیر مقبول ہے جیسا کہ آگے انشاء اللہ بیان ہوگا۔'' (مناظرے ہی مناظرے ص ۲۴۹)

معلوم ہوا کہ رضوی وغیرہ کے نزدیک سفیان ثوری طبقۂ ثالثہ کے مدلس تھے۔

۲۷) شیر محمد مماتی دیوبندی نے سفیان ثوری کی ایک روایت کے بارے میں لکھا ہے:

''اور یہاں بھی سفیان ثوری مدلس عنعنہ سے روایت کرتا ہے'' (آئینہ تسکین الصدور ص ۹۲)

سرفراز صفدر پر رد کرتے ہوئے شیر محمد مذکور نے کہا:

''مولنا صاحب خود ہی ازراہِ کرم انصاف فرمائیں کہ جب زہری ایسے مدلس کی معنعن روایت صحیح تک نہیں ہوسکتی تو سفیان بن سعید ثوری ایسے مدلس کی روایت کیونکر صحیح ہوسکتی ہے جب کہ سفیان ثوری بھی یہاں عنعنہ سے روایت کر رہے ہیں۔'' (آئینہ تسکین الصدور ص ۹۰)

معلوم ہوا کہ شیر محمد مماتی کے نزدیک سفیان ثوری اور امام زہری دونوں طبقۂ ثالثہ کے مدلس تھے۔

۲۸) نیموی تقلیدی نے سفیان ثوری کی بیان کردہ آمین والی حدیث پر یہ جرح کی کہ ثوری بعض اوقات تدلیس کرتے تھے اور انھوں نے اسے عن سے بیان کیا ہے۔

دیکھئے آثار السنن کا حاشیہ (ص ۱۹۴ تحت ح ۳۸۴)

۲۹) محمد تقی عثمانی دیوبندی نے سفیان ثوری پر شعبہ کی روایت کو ترجیح دیتے ہوئے کہا:

''سفیان ثوریؒ اپنی جلالتِ قدر کے باوجود کبھی کبھی تدلیس بھی کرتے ہیں...''

(درس ترمذی ج ۱ ص ۵۲۱)

۳۰) حسین احمد مدنی ٹانڈوی دیوبندی کانگریسی نے آمین والی روایت کے بارے میں کہا: ''اور سفیان تدلیس کرتا ہے۔'' الخ (تقریر ترمذی اردو ص ۳۹۱ ترتیب: محمد عبدالقادر قاسمی دیوبندی)

اس طرح کے اور بھی بہت سے حوالے ہیں مثلاً:

احمد رضا خان بریلوی نے شریک بن عبداللہ القاضی (طبقۂ ثانیہ ۲/۵۶) کے بارے میں (بطورِ رضامندی) لکھا کہ:

'' تہذیب التہذیب میں کہا کہ عبدالحق اشبیلی نے فرمایا: وہ تدلیس کیا کرتا تھا۔ اور ابن القطان نے فرمایا: وہ تدلیس میں مشہور تھا'' (فتاویٰ رضویہ ج ۲۴ ص ۲۳۹)

معلوم ہوا کہ احمد رضا خان کے نزدیک طبقات کی تقسیم صحیح نہیں ہے۔

تنبیہ: محدثینِ کرام کا مشہور قاعدہ ہے کہ صحیحین میں مدلسین کا عنعنہ (عن عن کہنا) سماع پر محمول ہے۔

اس پر رد کرتے ہوئے احمد رضا خان نے کہا: ''یہ محض اندھی تقلید ہے اگر چہ ہم حسنِ ظن کے منکر نہیں تاہم تخمین (اٹکل پچّو سے کچھ کہنا) بالکل صاف بیان کرنے کی طرح نہیں ہوسکتا۔'' (فتاویٰ رضویہ ج ۲۴ ص ۲۳۹)

عرض ہے کہ یہ اندھی تقلید اور تخمین نہیں بلکہ اُمت کے صحیحین کو تلقی بالقبول کی وجہ سے جلیل القدر علماء نے یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ صحیحین میں مدلسین کا عنعنہ سماع (یا متابعات) پر محمول ہے۔

تفصیل کے لئے دیکھئے روایات المدلسین فی صحیح البخاری (تصنیف: ڈاکٹر عواد حسین الخلف) اور روایات المدلسین فی صحیح مسلم (تصنیف: عواد حسین الخلف)

یہ دونوں ضخیم کتابیں دار البشائر الاسلامیہ بیروت لبنان سے شائع ہوئی ہیں۔

ان دلائل مذکورہ اور آلِ تقلید کے حوالوں سے ثابت ہوا کہ حافظ ابن حجر العسقلانی کا امام سفیان ثوری کو مدلسین کے طبقۂ ثانیہ میں ذکر کرنا غلط ہے اور صحیح صرف یہ ہے کہ وہ

(سفیان ثوری رحمہ اللہ) طبقۂ ثالثہ کے مدلس تھے، جن کی عن والی روایت، غیر صحیحین میں عدمِ سماع اور معتبر متابعت کے بغیر ضعیف ہوتی ہے۔

تنبیہ: ہماری اس بحث سے قطعاً یہ کشید نہ کیا جائے کہ ہم طبقۂ ثالثہ کے علاوہ مدلسین کے عن والی روایات کو حجت سمجھتے ہیں بلکہ مذکورہ دلائل سے ان لوگوں کی غلط فہمی دور کرنا مقصود ہے جو امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کو طبقۂ ثانیہ کا مدلس کہہ کر اُن کی عن والی روایات کو صحیح قرار دینے پر مصر ہیں۔ مزید دلائل اور توضیح آئندہ صفحات پر ملاحظہ فرمائیں۔

حافظ ابن حجر کی طبقاتی تقسیم

بعض لوگ حافظ ابن حجر العسقلانی کی طبقات المدلسین کی طبقاتی تقسیم پر بضد ہیں۔ اُن کی خدمت میں عرض ہے کہ حافظ ابن حجر نے سفیان ثوری اور سفیان بن عیینہ دونوں کو ایک ہی طبقے (طبقۂ ثانیہ) میں اوپر نیچے ذکر کیا ہے۔

سفیان بن عیینہ نے ایک حدیث "**عن جامع بن أبي راشد عن أبي وائل قال حذیفة ... أن رسول اللّٰه ﷺ قال: لا اعتکاف إلا فی المساجد الثلاثة : المسجد الحرام و مسجد النبي ﷺ و مسجد بیت المقدس ...**" بیان کی ہے، جس کا مفہوم درج ذیل ہے:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین مسجدوں کے علاوہ اعتکاف نہیں ہوتا: مسجدِ حرام، مسجد النبی ﷺ اور مسجد اقصیٰ: بیت المقدس۔ (دیکھئے شرح مشکل الآثار للطحاوی ۷/۲۰۱ ح ۲۷۷۱، السنن الکبریٰ للبیہقی ۴/۳۱۶، سیر اعلام النبلاء للذہبی ۱۵/۸۱ وقال الذہبی: "صحیح غریب عال"! معجم الاسماعیلی: ۳۲۶)

سفیان بن عیینہ سے اسے تین راویوں: محمود بن آدم المروزی، ہشام بن عمار اور محمد بن الفرج نے روایت کیا ہے اور یہ سب صدوق (سچے راوی) تھے۔

جامع بن ابی راشد ثقہ فاضل تھے۔ (دیکھئے تقریب التہذیب: ۷۸۸ وھو من رجال الستہ)

ابو وائل شقیق بن سلمہ ثقہ تھے۔ (دیکھئے تقریب التہذیب: ۲۸۱۶ وھو من رجال الستۃ و من المخضرمین)

یہ روایت سفیان بن عیینہ کی تدلیس (عن) کی وجہ سے ضعیف ہے۔ جو لوگ سفیان

بن عیینہ کے عنعنہ کو صحیح سمجھتے ہیں یا حافظ ابن حجر کے طبقۂ ثانیہ میں مذکورین کی معنعن روایات کی حجیت کے قائل ہیں، انھیں چاہئے کہ وہ تین مساجد مذکورہ کے علاوہ ہر مسجد میں اعتکاف جائز ہونے کا انکار کردیں۔ دیدہ باید!

شیخ البانی اور طبقاتی تقسیم

شیخ محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ کا تدلیس کے بارے میں عجیب و غریب موقف تھا۔ وہ سفیان ثوری اور اعمش وغیرہما کی معنعن روایات کو صحیح سمجھتے تھے، جبکہ حسن بصری (طبقۂ ثانیہ عند ابن حجر ۲/۴۰) کی معنعن روایات کو ضعیف قرار دیتے تھے۔

مثلاً دیکھئے ارواء الغلیل (۲/۲۸۸ ح ۵۰۵)

بلکہ شیخ البانی نے ابوقلابہ (عبداللہ بن زید الجرمی / طبقۂ اولیٰ عند ابن حجر ۱/۱۵) کی معنعن حدیث پر ہاتھ صاف کرلیا۔ البانی نے کہا:

''إسناده ضعيف لعنعنة أبي قلابة وهو مذكور بالتدليس ...''

اس کی سند ابوقلابہ کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے اور وہ (ابوقلابہ) تدلیس کے ساتھ مذکور ہے... (حاشیہ صحیح ابن خزیمہ ج ۳ ص ۲۶۸ تحت ح ۲۰۴۳)

حافظ ابن حجر نے حسن بن ذکوان (۳/۷۰) قتادہ (۳/۹۲) اور محمد بن عجلان (۳/۸۹) وغیرہم کو طبقۂ ثالثہ میں ذکر کیا ہے جبکہ شیخ البانی ان لوگوں کی احادیث معنعنہ کو حسن یا صحیح کہنے سے ذرا بھی نہیں تھکتے تھے۔ دیکھئے صحیح ابی داود (۱/۳۳ ح ۸، سنن ابی داود بتحقیق الالبانی: ۱۱، روایۃ الحسن بن ذکوان) الصحیحۃ (۴/۲۰۲ ح ۱۶۴۷، روایۃ قتادہ) اور الصحیحۃ (۳/۱۰ ح ۱۱۱۰، روایۃ ابن عجلان)

معلوم ہوا کہ البانی صاحب کسی طبقاتی تقسیمِ مدلسین کے قائل نہیں تھے بلکہ وہ اپنی مرضی کے بعض مدلسین کی معنعن روایات کو صحیح اور مرضی کے خلاف بعض مدلسین (یا ابریاء من التدلیس) کی معنعن روایات کو ضعیف قرار دیتے تھے۔ اس سلسلے میں اُن کا کوئی اصول یا قاعدہ نہیں تھا لہٰذا تدلیس کے مسئلے میں اُن کی تحقیقات سے استدلال غلط و مردود ہے۔

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ (اہل حدیث) نے ابراہیم نخعی (طبقۂ ثانیہ

۲/۳۵) کی عن والی روایت پر جرح کی اور کہا: اس کی سند میں ابراہیم نخعی مدلس ہیں، حافظ (ابن حجر) نے انھیں طبقات المدلسین میں سفیان ثوری کے طبقے میں ذکر کیا ہے اور انھوں نے اسے اسود سے عن کے ساتھ روایت کیا ہے لہٰذا نیموی کے نزدیک یہ اثر کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟ (ابکار المنن ص ۲۱۴ مترجماً، دوسرا نسخہ بتحقیق ابن عبدالعظیم ص ۴۳۶)

اس سے معلوم ہوا کہ اہلِ حدیث علماء کے نزدیک بھی یہ طبقاتی تقسیم قطعی اور ضروری نہیں ہے بلکہ دلائل کے ساتھ اس سے اختلاف کیا جا سکتا ہے۔

آلِ تقلید اور طبقاتی تقسیم

عینی، کرمانی، قسطلانی اور نووی وغیرہم کے حوالے گزر چکے ہیں کہ وہ حافظ ابن حجر کے طبقۂ ثانیہ کے مدلسین کی معنعن روایات پر بھی جرح کرتے تھے لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ لوگ حافظ ابن حجر العسقلانی کی طبقاتی تقسیم کے قائل نہیں تھے، ورنہ ایسا کبھی نہ کرتے۔

نیموی تقلیدی نے سعید بن ابی عروبہ (طبقہ ثانیہ ۲/۵۰) کو کثیر التدلیس قرار دے کر کہا کہ اس نے یہ روایت عن سے بیان کی ہے۔ (دیکھئے آثار السنن کا حاشیہ ص ۱۸۶ تحت ح ۵۵۰)

سرفراز خان صفدر تقلیدی دیوبندی کڑمنگی نے ابو قلابہ (طبقہ اولیٰ ۱/۱۵) کو غضب کا مدلس قرار دے کر اُن کی معنعن روایت پر جرح کی ہے۔

دیکھئے احسن الکلام (طبع دوم ج ۲ ص ۱۱۱، دوسرا نسخہ ج ۲ ص ۱۲۷)

محمد شریف کوٹلوی بریلوی، عباس رضوی بریلوی اور امین اوکاڑوی دیوبندی وغیرہم کے حوالے اس مضمون میں گزر چکے ہیں۔

ثابت ہوا کہ آلِ تقلید بھی یہ طبقاتی تقسیم صحیح تسلیم نہیں کرتے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ جب فائدہ اور مرضی ہو تو بعض لوگ طبقات المدلسین کے طبقات سے استدلال بھی کر لیتے ہیں اور اگر مرضی کے خلاف ہو تو ان طبقات کو پسِ پشت پھینک دیتے ہیں۔

فائدہ: امام شافعی نے یہ اصول سمجھایا ہے کہ جو شخص صرف ایک دفعہ بھی تدلیس کرے تو اس کی وہ روایت مقبول نہیں ہوتی جس میں سماع کی تصریح نہ ہو۔ (دیکھئے الرسالہ ص ۳۷۹، ۳۸۰)

باقی ائمۂ ثلاثہ (مالک، احمد اور ابوحنیفہ) سے اس اصول کے خلاف کچھ بھی ثابت نہیں ہے لہٰذا جو لوگ ائمۂ اربعہ اور چار مذاہب کے ہی برحق ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں، غور کریں کہ تدلیس کے مسئلے میں ائمۂ اربعہ کو چھوڑ کر وہ کس راستے پر جا رہے ہیں؟!

بعض شبہات کے جوابات

امام سفیان ثوری کی تدلیس کے سلسلے میں بعض الناس بعض اعتراضات اور شبہات بھی پیش کرتے رہتے ہیں، ان کے مسکت اور دندان شکن جوابات درج ذیل ہیں:

۱: اگر کوئی کہے کہ ''آپ حافظ ابن حجر وغیرہ کی طبقات المدلسین کی طبقاتی تقسیم سے متفق نہیں ہیں، جیسا کہ آپ نے ماہنامہ الحدیث: ۳۳ (ص ۵۵) وغیرہ میں لکھا ہے اور دوسری طرف آپ کہتے ہیں کہ سفیان ثوری اور اعمش کو طبقۂ ثانیہ میں ذکر کرنا غلط ہے اور صحیح یہ ہے کہ یہ دونوں طبقۂ ثالثہ کے مدلسین میں سے تھے۔ کیا یہ اضطراب نہیں ہے''؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارے نزدیک، جن راویوں پر تدلیس کا الزام ہے، اُن کے صرف دو طبقے ہیں:

طبقۂ اولیٰ: وہ جن پر تدلیس کا الزام باطل ہے اور تحقیق سے ثابت ہو چکا ہے کہ وہ مدلس نہیں تھے مثلاً امام ابوقلابہ اور امام بخاری وغیرہما۔ [ایسے راویوں کی معنعن روایت صحیح ہوتی ہے۔]

طبقۂ ثانیہ: وہ جن پر تدلیس کا الزام صحیح ہے اور اُن کا تدلیس کرنا ثابت ہے مثلاً قتادہ، سفیان ثوری، اعمش اور ابن جریج وغیرہم۔

ایسے راویوں کی ہر معنعن روایت (صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے علاوہ دوسری کتابوں میں) عدمِ متابعت اور عدمِ شواہد کی صورت میں ضعیف ہوتی ہے، چاہے انھیں حافظ ابن حجر وغیرہ کے طبقۂ اولیٰ میں ذکر کیا گیا ہو یا طبقۂ ثانیہ میں۔

یہ تو ہوئی ہماری اصل تحقیق اور دوسری طرف جب میں نے کسی راوی مثلاً امام سفیان ثوری اور اعمش وغیرہما کو طبقۂ ثالثہ میں ذکر کیا ہے تو یہ صراحت اُن لوگوں کے لئے بطورِ

الزام کی گئی ہے جو مروّجہ طبقاتی تقسیم پر کلیتاً یقین رکھتے ہیں، بلکہ اس تقسیم کا اندھا دھند دفاع بھی کرتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں اس صراحت کا یہ مقصد ہے کہ اگر آپ مروّجہ طبقاتی تقسیم کو قطعی اور یقینی سمجھتے ہیں تو پھر سُن لیں! کہ یہ راوی طبقۂ اُولیٰ یا ثانیہ میں سے نہیں بلکہ طبقۂ ثالثہ میں سے ہیں اور یہی راجح ہے لہٰذا یہ اضطراب نہیں بلکہ ایک ہی بات ہے جسے دو عبارتوں میں بیان کر دیا گیا ہے۔

۲: اگر کوئی کہے کہ آپ نے کئی سال پہلے خود ایک دفعہ سفیان ثوری کو طبقۂ ثانیہ میں لکھ دیا تھا۔ (دیکھئے کتاب: جرابوں پر مسح ص ۴۰ میں آپ کا خط نوشتہ ۱۴۰۸/۸/۱۹ھ)

تو اس کا جواب یہ ہے کہ کافی عرصہ پہلے میں یہ اعلان بھی شائع کرا چکا ہوں کہ

''میری یہ بات غلط ہے، میں اس سے رجوع کرتا ہوں لہٰذا اسے منسوخ و کالعدم سمجھا جائے....'' (ماہنامہ شہادت اسلام آباد مطبوعہ اپریل ۲۰۰۳ء، جزرفع الیدین ص ۲۶)

لہٰذا منسوخ اور رجوع شدہ بات کا اعتراض باطل ہے۔ نیز دیکھئے ماہنامہ الحدیث: ۴۲ ص ۲۸ (واللفظ لہ)

۳: اگر کوئی کہے کہ ''آپ نے صرف حاکم نیشاپوری پر اعتماد کر کے سفیان ثوری کو طبقۂ ثالثہ میں ذکر کیا ہے۔''

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات غلط ہے، بلکہ میں نے متعدد دلائل (مثلاً ضعیف راویوں سے تدلیس کرنے) کی رُو سے سفیان ثوری کو طبقۂ ثالثہ میں ذکر کیا ہے اور ان میں سے بیس سے زیادہ دلائل تو اسی مضمون میں موجود ہیں، جو آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اسی طرح حافظ ابن حبان، عینی حنفی اور ابن الترکمانی حنفی وغیرہم کے نزدیک سفیان ثوری طبقۂ ثالثہ میں سے تھے، جیسا کہ اس مضمون میں باحوالہ ثابت کر دیا گیا ہے۔

تنبیہ: اگر کسی محدث کا کوئی قول بطورِ تائید پیش کیا جائے تو بعض چالاک قسم کے لوگ اُس محدث کے دوسرے اقوال پیش کر کے یہ پروپیگنڈا شروع کر دیتے ہیں کہ آپ ان اقوال کو کیوں نہیں مانتے؟

عرض ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ہر بات ہمیشہ واجب التسلیم اور حق ہے لیکن آپ کے علاوہ کسی دوسرے شخص کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ اُس کی ہر بات ہمیشہ واجب التسلیم اور حق ہو بلکہ دلائل کے ساتھ اُس اُمتی شخص سے اختلاف کیا جا سکتا ہے اور ایسا کرنا جرم نہیں ہے لہٰذا حاکم نیشاپوری وغیرہ کو دوسرے مقامات پر اگر غلطیاں لگی ہوں تو ان سے اختلاف کرنا ہر صاحبِ فہم مسلمان کا حق ہے۔

۴: اگر کوئی کہے کہ حاکم وغیرہ نے سفیان ثوری کی بہت سی روایتوں کو صحیح قرار دیا ہے۔ مثلاً دیکھئے ایک شخص کی کتاب: رفع یدین کے موضوع پر...نور العینین کا محققانہ تجزیہ"

(ص ۴۱، ۴۲)

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تصحیح مقرر شدہ قاعدے سے اور اُصولِ حدیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے غلط یا تساہل ہے۔

یاد رہے کہ حاکم وغیرہ پر متساہل ہونے کا بھی الزام ہے۔ مثلاً دیکھئے حافظ ذہبی کا رسالہ: **ذکر من یعتمد قوله فی الجرح و التعدیل** اور دیگر کتب

۵: اگر کوئی کہے کہ آپ نے امام شافعی رحمہ اللہ پر تدلیس کے مسئلے میں اعتماد کیا ہے، حالانکہ ان کا قول جمہور کے خلاف ہے۔!

تو جواباً عرض ہے کہ امام شافعی کا یہ فیصلہ کہ مدلس کی معنعن روایت ضعیف اور غیر مقبول ہوتی ہے، جمہور کے خلاف نہیں بلکہ جمہور محدثین کے موافق ہے جس پر ہمارا یہ مضمون بھی گواہ ہے جس میں بیس سے زیادہ حوالے صرف سفیان ثوری کے بارے میں پیش کر دیئے گئے ہیں اور اُصولِ حدیث کی کتابیں بھی اس کی مؤید ہیں، علمائے تحقیق و تخریج اور اختلافی مسائل پر لکھنے والوں کی تحریروں سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔

۶: اگر کوئی کہے کہ امام شافعی نے خود اپنی کتابوں میں مدلسین مثلاً سفیان بن عیینہ اور سفیان ثوری سے معنعن روایتیں لی ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ مجرد روایت لینا یا بیان کرنا تصحیح نہیں ہوتی لہٰذا جو شخص اسے تصحیح

سمجھ بیٹھا ہے تو وہ اپنی اصلاح کر لے۔

بطورِ فائدہ عرض ہے کہ سفیان بن عیینہ سے امام شافعی کی تمام روایات سماع پر محمول ہیں۔
دیکھئے النکت للزرکشی (ص ۱۸۹) اور الفتح المبین (ص ۴۲)

سفیان ثوری سے امام شافعی کی معنعن روایات کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ امام شافعی ان روایات کو صحیح سمجھتے تھے۔ ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ کتاب الام وغیرہ سے امام شافعی کہ وہ روایت مع مکمل سند و متن پیش کریں، جس میں سفیان ثوری کا تفرد ہے، روایت معنعن ہے اور امام شافعی نے اسے سندہ صحیح یا سندہ حسن فرمایا ہے۔ اگر ایسا نہیں تو پھر یہ اعتراض باطل ہے۔

۷: اگر کوئی کہے کہ سفیان ثوری کی بہت سی روایات کتبِ حدیث میں عن کے ساتھ موجود ہیں مثلاً صحیح بخاری، صحیح مسلم، صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، سنن ابی داود، سنن ترمذی، مسند احمد اور مسند ابی یعلیٰ وغیرہ۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ کتبِ حدیث کے تین طبقات ہیں:

اول: صحیح بخاری اور صحیح مسلم

ان دونوں کتابوں کو اُمت کی تلقی بالقبول حاصل ہے لہٰذا ان دو کتابوں میں مدلسین کی روایات سماع، متابعات اور شواہد معتبرہ کی وجہ سے صحیح ہیں۔

دوم: صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان وغیرہما

ان کتابوں کو تلقی بالقبول حاصل نہیں لہٰذا ان کے ساتھ اختلاف کیا جا سکتا ہے مثلاً صحیح ابن خزیمہ میں سینے پر ہاتھ باندھنے والی روایت صرف سفیان ثوری کے عن کی وجہ سے ضعیف ہے اور مومل بن اسماعیل پر جمہور محدثین بشمول امام یحییٰ بن معین کی توثیق کے بعد اعتراض مردود ہے۔ دیکھئے میرا مضمون: اثبات التعدیل فی توثیق مؤمل بن اسماعیل (علمی مقالات ج ۱ ص ۴۱۷۔۴۲۷)

سوم: سنن ابی داود، سنن ترمذی، مسند ابی یعلیٰ اور مسند احمد وغیرہ

ان کتابوں کے مصنفین نے اپنی کتابوں کے بارے میں صحیح ہونے کا دعویٰ نہیں کیا

لہٰذا ان کتابوں میں مجرد روایت کی بنا پر یہ کہنا غلط ہے کہ صاحبِ کتاب نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

ایک شخص نے ان کتابوں میں سے بعض روایات کی تخریج کر کے یہ دعویٰ کر دیا ہے کہ یہ روایتیں ان کے نزدیک صحیح ہیں، حالانکہ یہ دعویٰ بالکل جھوٹ ہے۔

انھی کتابوں میں اہلِ حدیث کی مستدل بہت سی روایات موجود ہیں، تو کیا وہ شخص یہ تسلیم کرتا ہے کہ یہ تمام روایتیں ان کتابوں کے مصنفین کے نزدیک صحیح ہیں؟

۸: بعض الناس نے امام شافعی اور جمہور محدثین کے خلاف یہ قاعدہ بنایا ہے کہ اگر راوی کثیر التدلیس ہو تو اس کی معنعن روایت ضعیف ہوگی اور اگر قلیل التدلیس ہو تو اس کی روایت صحیح ہوگی۔

عرض ہے کہ یہ قاعدہ غلط ہے، جیسا کہ اس مضمون کے بیس سے زیادہ حوالوں سے ثابت ہے۔

امام ابن المدینی کا قول کہ لوگ سفیان ثوری کی روایتوں میں یحییٰ بن سعید القطان کے محتاج ہیں، اس کی واضح دلیل ہے کہ سفیان ثوری کثیر التدلیس تھے، ورنہ لوگوں کا محتاج ہونا کیسا ہے؟ غالباً یہی وجہ ہے کہ سعودی عرب کے عالم مسفر بن غرم اللہ الدمینی نے لکھا ہے:
''و تدلیسه کثیر'' اور سفیان ثوری کی تدلیس بہت زیادہ ہے۔

(التدلیس فی الحدیث ص ۲۶۶)

تنبیہ: مسفر مذکور کا اہلِ حدیث یا غیر مقلد ہونا صراحتاً ثابت نہیں ہے۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ اُن کا کیا مسلک ہے؟

ابوزرعہ ابن العراقی نے کہا: ''مشهور بالتدلیس'' یعنی سفیان ثوری تدلیس کے ساتھ مشہور ہیں۔ (کتاب المدلسین: ۲۱)

۹: اگر کوئی کہے کہ حافظ العلائی وغیرہ نے سفیان ثوری کو طبقۂ ثانیہ میں لکھا ہے، جن کی تدلیس کو اماموں نے محتمل (قابلِ برداشت) قرار دیا ہے۔ (دیکھئے جامع التحصیل ص ۱۱۳)

تو اس کا جواب یہ ہے کہ حافظ العلائی نے زہری (۱۰۲/۳) حمید الطویل (۷۱/۳) ابن جریج (۸۳/۳) اور ہشیم بن بشیر (۱۱۱/۳) کو بھی اسی طبقۂ ثانیہ میں ثوری کے ساتھ ذکر کیا ہے، حالانکہ ان سب کو حافظ ابن حجر نے طبقۂ ثالثہ میں ذکر کیا ہے۔ امام دارقطنی رحمہ اللہ سے ابن جریج کی تدلیس (معنعن روایت) کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا:

''**یتجنب تدلیسه فإنه و حش التدلیس، لا یدلّس إلا فیما سمعه من مجروح** ... ''ان کی تدلیس (عن والی روایت) سے اجتناب کرنا (یعنی سختی سے بچنا) چاہئے کیونکہ اُن کی تدلیس وحشت ناک ہے، وہ صرف مجروح سے ہی تدلیس کرتے تھے... (سوالات الحاکم للدارقطنی: ۲۶۵)

امام احمد بن صالح المصری نے فرمایا کہ اگر ابن جریج سماع کی تصریح نہ کریں تو اُس (روایت) کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ (تاریخ عثمان بن سعید الدارمی: ۱۰)

ہشیم بن بشیر کے بارے میں ابن سعد نے کہا: ''.... **وما لم یقل فیه أخبرنا فلیس بشيء** ''جس میں وہ سماع کی تصریح نہ کریں تو وہ کچھ چیز نہیں ہے۔ (طبقات ابن سعد ۳۱۳/۷)

معلوم ہوا کہ جس طرح ابن جریج اور ہشیم کو طبقۂ ثانیہ میں ذکر کرنا غلط ہے، اُسی طرح سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ اور اعمش کو بھی طبقۂ ثانیہ میں ذکر کرنا غلط ہے۔

۱۰: اگر کوئی کہے کہ ایک شخص نے آپ کی کتاب: نور العینین کے رد میں ایک کتاب: محققانہ تجزیہ لکھی ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کتاب میں صاحبِ کتاب نے ترکِ رفع یدین والی روایت میں سفیان ثوری کے سماع کی تصریح پیش نہیں کی اور نہ معتبر متابعت ثابت کی ہے۔ اس کتاب میں سفیان ثوری کی تدلیس (معنعن روایت) کا دفاع کرنے کی ناکام کوشش کی گئی ہے، جو کہ ہمارے اس تحقیقی مضمون کی رُو سے باطل ہے۔

اس شخص نے حدیث کی کتابوں میں سے سفیان ثوری کی بہت سی معنعن مرویات پیش کر کے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ محدثین کرام سفیان ثوری کی معنعن روایات کو حجت

سمجھتے تھے، حالانکہ یہ تاثر باطل ہے اور اس طرح کی مرویات کتبِ احادیث سے ہر مدلس راوی کی پیش کی جاسکتی ہیں، جنھیں نہ بریلوی حضرات تسلیم کرتے ، نہ دیوبندی اور نہ حنفی حضرات تسلیم کرتے ہیں۔ ایسا طریقۂ کار کبھی اختیار نہیں کرنا چاہئے، جس کی وجہ سے تمام مدلسین کی تمام معنعن روایات صحیح قرار دی جائیں اور علمِ تدلیس فضول ہو جائے۔

ایک شخص نے امام دارقطنی کی کتاب العلل (۵/۱۷۱، ۱۷۳ رقم ۸۰۴) سے ابو بکر النہشلی اور عبداللہ بن ادریس کی متابعات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، حالانکہ یہ حوالہ بالکل بے سند ہونے کی وجہ سے مردود ہے اور دنیا کی کسی کتاب میں صحیح یا حسن لذاتہ سند کے ساتھ ابو بکر النہشلی یا عبداللہ بن ادریس کی روایتِ مذکورہ میں لفظی یا معنوی (مفہوماً) متابعت ثابت نہیں ہے۔

بعض الناس نے لکھا ہے:

''امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے ''حدث به الثوری عنه'' کے لفظ لکھے۔ جس سے امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے صیغہ تحدیث ثابت ہوتے ہیں...'' (محققانہ تجزیہ ص ۹۲)

یہ استدلال دو وجہ سے مردود ہے:

۱: امام دارقطنی کی پیدائش سے بہت عرصہ پہلے امام سفیان ثوری فوت ہو گئے تھے لہٰذا یہ قول بے سند ہے۔

۲: حدث به الثوري عنه کا مطلب یہ ہے کہ ثوری نے اس سے حدیث بیان کی ہے لہٰذا اس سے سماع کہاں سے ثابت ہو گیا؟ اس میں سماع کی تصریح ہی نہیں لیکن بعض الناس ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ سبحان اللہ!

ایک شخص نے امام سفیان ثوری کی معنعن حدیث کے دس (۱۰) شواہد بنانے کی کوشش کی ہے جن میں نمبر ۱ سے نمبر ۹ تک سب موقوف و مقطوع روایات اور ضعیف و مردود ہیں۔ ابراہیم نخعی مدلس تھے لہٰذا سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے (جو اُن کی پیدائش سے پہلے وفات پا گئے تھے) اُن کی ہر روایت مردود ہے، چاہے انھوں نے ایک جماعت (مجہولین) سے ہی سنا ہو۔

عبدالرزاق، حماد بن ابی سلیمان، ابن عیینہ، سفیان ثوری اور ابراہیم نخعی سب مدلس تھے لہٰذا اُن کی معنعن روایات مردود کے حکم میں ہیں۔ آخری روایت میں محمد بن جابر جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف تھا۔ حماد اور ابراہیم دونوں مدلس تھے اور روایت معنعن ہے۔

مختصر یہ کہ یہ سب شواہد مردود ہیں اور بات سفیان ثوری کی تدلیس میں ہی پھنسی ہوئی ہے۔

اب آخر میں صاحبِ محققانہ تجزیہ (فیصل خان بریلوی) کے پانچ جھوٹ باحوالہ اور ردپیشِ خدمت ہیں:

۱: سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایتِ مذکورہ کے بارے میں اس شخص نے طحاوی حنفی کی کتاب شرح معانی الآثار (۱/۱۵۴، ۱/۲۲۴) سے تصحیح نقل کی (محققانہ تجزیہ ص ۱۲۲)، حالانکہ طحاوی نے اس روایت کو صراحتاً صحیح نہیں کہا لہٰذا یہ طحاوی پر جھوٹ ہے۔

۲: روایتِ مذکورہ کے بارے میں اس شخص نے حافظ ابن حجر کی کتاب الدرایہ (۱/۱۵۰) سے نقل کیا: ''صحیح'' (محققانہ تجزیہ ص ۱۲۳)

یہ کالا جھوٹ ہے۔

۳: روایتِ مذکورہ کے بارے میں اس شخص نے مولانا عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ کی تعلیقاتِ سلفیہ (۱۲۳) سے نقل کیا: ''صحیح'' (محققانہ تجزیہ ص ۱۲۵)

مولانا عطاء اللہ نے اس حدیث کو قطعاً صحیح نہیں کہا بلکہ ابوالحسن سندھی کا حاشیہ نقل کر کے س کا حرف لکھ دیا ہے (دیکھئے تعلیقاتِ سلفیہ ص ۱۲۳، حاشیہ ۴) لہٰذا عبارتِ مذکورہ میں صاحبِ تجزیہ نے مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ پر جھوٹ بولا ہے۔

۴: صاحبِ محققانہ تجزیہ نے کہا:

''کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بعد والا قول بھی یہی ہے کہ ان دونوں حضرات سے (حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) ترک رفع یدین ثابت ہے۔'' (محققانہ تجزیہ ص ۱۰۷)

یہ بالکل کالا جھوٹ ہے۔

۵: صاحبِ تجزیہ نے کہا: ''زبیر علیزئی صاحب امام بزار رحمۃ اللہ علیہ پر جرح کرتے ہیں اور ان

کی توثیق کے قائل نہیں ہیں۔لہٰذا ان کا قول کیسے پیش کر سکتے ہیں۔'' (محققانہ تجزیہ ص ۱۱۵)

یہ جھوٹ ہے کیونکہ میرے نزدیک امام بزار ثقہ تخطی اور صدوق حسن الحدیث ہیں اور متعدد مقامات پر میں نے ان کی بیان کردہ احادیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

مثلاً دیکھئے علمی مقالات (ج ۱ ص ۱۱۲)

ماہنامہ الحدیث: ۲۳ میں بھی آخر میں خطیب بغدادی اور ابوعوانہ وغیرہما سے محدث بزار کا ثقہ وصدوق ہونا نقل کیا گیا ہے۔ (دیکھئے ص ۳۰)

ان کے علاوہ اس شخص کے اور بھی بہت سے جھوٹ ہیں مثلاً مسند احمد میں مجرد روایت کی وجہ سے امام احمد بن حنبل سے ''احتج بہ'' نقل کرنا، وغیرہ۔

دیکھئے محققانہ تجزیہ (ص ۱۲۲)

اس شخص کی جہالتیں بھی بہت زیادہ ہیں۔مثلاً:

'' حدث به الثوری عنه '' کو سماع پر محمول کرنا۔ (تجزیہ ص ۹۲)

اور یہ کہنا کہ ''ویسے بھی ثم لا یعود کے بغیر بھی احناف کا دعویٰ ثابت ہوتا ہے۔'' (تجزیہ ص ۱۱۹)

حالانکہ اس ضعیف روایت میں ''ثـم لا یـعـود'' اور اس کے مفہوم کی زیادت باطل ثابت ہو جائے تو بریلویوں دیوبندیوں کا دعویٰ اور اس کی بنیاد ہی ختم ہو جاتی ہے، ساری عمارت دھڑام سے گر جاتی ہے اور ''بھٹہ'' بیٹھ جاتا ہے۔

خلاصۃ التحقیق: ہمارے اس مدلل اور تحقیقی مضمون میں ثابت کر دیا گیا ہے کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ترک رفع یدین والی روایت میں سفیان ثوری مدلس ہیں جو طبقۂ ثالثہ کے مدلس ہیں لہٰذا ان کی یہ معنعن روایت ضعیف ومردود ہے۔

دنیا کی کسی کتاب میں روایت مذکورہ میں امام سفیان ثوری کے سماع کی تصریح موجود نہیں اور نہ کوئی معتبر متابعت کہیں موجود ہے۔

اہل ایمان کو چاہئے کہ ضد وعناد کو چھوڑ کر حق کو تسلیم کریں اور اسی میں دونوں جہانوں کی کامیابی ہے۔وما علینا إلا البلاغ (۱۲/ستمبر ۲۰۰۹ء، ۲۱/رمضان ۱۴۳۰ھ)

امام عبدالعزیز بن محمد الدراوردی المدنی رحمہ اللہ اور جمہور کی توثیق

امام ابومحمد عبدالعزیز بن محمد بن عبید الدراوردی المدنی رحمہ اللہ (متوفی ۱۸۷ھ) کے بارے میں محدثین کرام کا جرح وتعدیل میں اختلاف ہے۔اس اختلاف کو فیصلہ کن طور پر حل کرنے کے لئے سب سے پہلے امام عبدالعزیز الدراوردی کی توثیق وتعدیل کے حوالے پیشِ خدمت ہیں:

۱) اسماء الرجال کے مشہور امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: آپ کے نزدیک سلیمان بن بلال زیادہ محبوب ہیں یا دراوردی؟ تو انھوں نے فرمایا: ''سليمان و كلا هما ثقة ''سلیمان (زیادہ محبوب ہیں) اور دونوں ثقہ ہیں۔ (تاریخ عثمان بن سعید الدارمی:۳۸۹)

امام ابوبکر بن ابی خیثمہ کی روایت ہے کہ (امام) ابن معین نے فرمایا:

'' الدراوردي صالح، ليس به بأس '' (کتاب الجرح والتعدیل ۵/۳۹۶ وسندہ صحیح)

امام یحییٰ بن معین نے کہا: میں جس کو ليس به بأس کہوں تو وہ ثقہ (ہوتا) ہے۔

(الکفایہ للخطیب ص۲۲ وسندہ صحیح، تاریخ ابن ابی خیثمہ ص ۵۹۲ ح ۱۴۲۳، وسندہ صحیح)

۲) امام ابوالحسن العجلی رحمہ اللہ نے کہا: '' (مدني) ثقة '' (تاریخ العجلی:۱۰۱۶)

۳) امام مالک اور دراوردی کے شاگرد مصعب بن عبداللہ بن مصعب بن ثابت بن الزبیر القرشی الاسدی الزبیری رحمہ اللہ (متوفی ۲۳۶ھ) نے کہا: '' مالك بن أنس يوثق الدراوردي '' مالک بن انس دراوردی کو ثقہ کہتے تھے۔

(کتاب الجرح والتعدیل ۵/۳۹۵ وسندہ صحیح)

۴) اسماء الرجال کے دوسرے مشہور امام علی بن المدینی نے فرمایا:

'' هو عندنا ثقة ثبت '' وہ ہمارے نزدیک ثقہ ثبت (اعلیٰ درجے کے ثقہ) ہیں۔

(سوالات محمد بن عثمان بن ابی شیبہ الصدوق: ۱۶۰)

۵) امام بخاری نے (میرے علم کے مطابق) عبدالعزیز الدراوردی سے صحیح بخاری میں چودہ (۱۴) روایتیں لی ہیں یا متابعات میں ذکر کیا ہے:

صحیح بخاری: ح ۵۲۸، ۱۶۰۷، ۲۰۱۸، ۲۵۱۹، ۳۸۸۵، ۴۲۴۶-۴۲۴۷، ۴۷۹۸، ۴۸۹۸، ۵۵۰۷، ۶۳۵۸، ۶۵۶۴، ۶۹۸۹، ۷۰۴۵، ۷۳۹۸.

فائدہ: امام بخاری نے امام حماد بن سلمہ سے صحیح بخاری میں استشہاد کیا ہے، اس کا ذکر کرتے ہوئے محمد بن طاہر المقدسی (متوفی ۵۰۷ھ) نے کہا: '' بل استشهد به في مواضع ليبين أنه ثقة '' بلکہ انھوں (بخاری) نے کئی مقامات پر اس کے ساتھ استشہاد کیا تاکہ یہ بیان کر دیں کہ وہ ثقہ ہیں۔ (شروط الائمۃ الستہ ص ۱۸، یا ص ۲)

دوسرے دلائل کو مدِنظر رکھتے ہوئے معلوم ہوا کہ امام بخاری جس راوی کی روایت صحیح بخاری میں لائیں، اور اُس پر اُن کی جرح ثابت نہ ہو تو وہ اُن کے نزدیک ثقہ ہوتا ہے۔

۶) امام مسلم نے (میرے علم کے مطابق) صحیح مسلم میں عبدالعزیز الدراوردی سے ساٹھ (۶۰) روایتیں بیان کی ہیں:

صحیح مسلم: ح ترقیم دارالسلام ۱۲۶، ۱۵۱، ۱۸۰، ۲۰۶، ۳۱۰، ۳۱۲، ۶۶۰، ۷۵۴، ۸۱۳، ۹۳۳، ۹۸۶، ۱۳۹۸، ۱۸۴۷، ۲۰۲۷، ۲۱۲۴، ۲۱۳۳، ۲۱۸۲، ۲۲۴۹، ۲۲۵۲، ۲۲۹۳، ۲۶۱۱، ۲۷۱۲، ۲۷۷۰، ۳۳۱۳، ۳۳۳۵، ۳۳۵۲، ۳۳۶۹، ۳۴۸۹، ۳۷۶۱، ۴۲۲۱، ۴۲۲۴، ۴۲۴۹، ۴۴۷۸، ۴۴۸۷، ۴۷۷۰، ۴۹۶۰، ۵۲۱۷، ۵۳۲۰، ۵۳۷۸، ۵۵۴۷، ۵۵۶۴، ۵۶۶۱، ۵۶۹۹، ۶۲۴۷، ۶۴۲۳، ۶۵۳۵، ۶۵۳۷، ۶۵۴۵، ۶۶۹۸، ۶۷۰۶، ۶۷۰۸، ۶۷۴۰، ۶۷۶۱، ۶۹۹۹، ۷۱۲۲، ۷۲۰۵، ۷۳۰۷، ۷۳۰۸، ۷۴۱۷، ۷۴۸۲.

چونکہ امام مسلم سے عبدالعزیز الدراوردی پر کوئی جرح ثابت نہیں لہٰذا وہ امام مسلم کے نزدیک ثقہ وصدوق تھے۔ حاکم نے کہا: (امام) مسلم نے عبدالعزیز بن محمد کے ساتھ حجت

پکڑی (یعنی اُن سے بطورِ حجت روایت لی) ہے۔ (المستدرک ۲۰۵/۱ ح ۷۳۸)

۷) امام ترمذی نے عبدالعزیز بن محمد کی روایت بیان کرنے کے بعد فرمایا:

''ھذا حدیث حسن صحیح'' (سنن الترمذی: ۷۵)

معلوم ہوا کہ وہ امام ترمذی کے نزدیک ثقہ وصدوق تھے۔

نیز دیکھئے سنن الترمذی (۹۴۸...وغیرہ)

۸) امام ابوعوانہ الاسفرائنی نے صحیح ابی عوانہ میں عبدالعزیز الدراوردی سے روایت بیان کی ہے۔ (دیکھئے مسند ابی عوانہ ج ا ص ۳۵ ح ۸۱)

۹) امام ابن خزیمہ نے عبدالعزیز بن محمد کی روایت سے صحیح ابن خزیمہ میں حجت پکڑی۔

(دیکھئے ج ا ص ۳۸۱ ح ۷۷۸ وغیرہ)

۱۰) امام ابن الجارود نے اپنی مشہور کتاب المنتقیٰ میں عبدالعزیز بن محمد کی روایت سے استدلال کیا۔ دیکھئے المنتقیٰ (ح ۴۶۰)

اشرفعلی تھانوی دیوبندی نے ایک روایت کے بارے میں کہا:

''و ''و زد هـ ذا الـحديث ابن الجارود في المنتقى فهو صحيح عنده فإنه لا يأتي إلا بالصحيح كما صرح به السيوطي في ديباجة جمع الجوامع ''

اس حدیث کو ابن الجارود نے منتقیٰ میں بیان کیا ہے، پس یہ اُن کے نزدیک صحیح ہے کیونکہ وہ اس (کتاب) میں صرف صحیح (حدیث) ہی لاتے ہیں جیسا کہ سیوطی نے جمع الجوامع کے دیباچے میں صراحت کی ہے۔ (بوادر النوادر ص ۱۳۵، ترجمہ از ناقل)

۱۱) حاکم نے اپنی مشہور کتاب المستدرك على الصحيحين میں عبدالعزیز بن محمد کی روایت کو ''صحيح الإسناد'' کہا۔

دیکھئے المستدرک (ج ا ص ۲۰۵ ح ۷۳۸، نیز دیکھئے ۲۱۹/۱ ح ۷۹۸)

۱۲) امام حسین بن مسعود البغوی نے عبدالعزیز بن محمد کی بیان کردہ ایک حدیث کے بارے میں کہا: ''ھذا حدیث صحیح'' یہ حدیث صحیح ہے۔ (شرح السنۃ ۵۲/۱ ح ۲۴)

۱۳) الضیاء المقدسی نے عبدالعزیز بن محمد کی روایت کو المختارہ میں ذکر کیا۔
دیکھئے الاحادیث المختارۃ (ج۴ص۳۰۲ح۱۴۶۸)

۱۴) امام ابوحفص عمر بن احمد بن شاہین الواعظ رحمہ اللہ (متوفی ۳۸۵ھ) نے عبدالعزیز بن محمد کو کتاب الثقات میں ذکر کیا۔ دیکھئے ص۱۶۲، فقرہ: ۹۳۴۔۹۳۵

۱۵) حافظ ابن حبان نے عبدالعزیز الدراوردی کو کتاب الثقات میں ذکر کیا اور کہا:
"وكان يخطئ" اور وہ غلطی کرتے تھے۔ (ج۷ص۱۱۶)

خود حافظ ابن حبان نے صحیح ابن حبان میں عبدالعزیز بن محمد مذکور سے بہت سی روایتیں بیان کی ہیں۔ مثلاً دیکھئے صحیح ابن حبان (۱۵۲، ۱۷۴، ۲۲۰... اور فہرست صحیح ابن حبان ج۱۸ص۱۷۱)

فہرست کے مطابق ۹۳ روایات ہیں، جن سے ثابت ہوا کہ یہاں ابن حبان کے نزدیک "یخطئ" سے مراد عبدالعزیز کا ضعیف ہونا نہیں ہے، ورنہ وہ ان کی بہت سی روایتوں کو صحیح قرار نہ دیتے۔

حافظ ابن حبان نے عبدالعزیز مذکور کو کتاب "مشاہیر علماء الامصار" میں ذکر کیا اور کہا:
وہ اہلِ مدینہ کے فقہاء اور سادات (سرداروں) میں سے تھے۔ (ص۱۴۲ت۱۱۲۰)

۱۶) ابونعیم الاصبہانی نے المستخرج علیٰ صحیح مسلم میں عبدالعزیز بن محمد الدراوردی سے روایت بیان کی۔ دیکھئے ج۱ص۱۵۸ح۲۴۰

۱۷) بیہقی نے عبدالعزیز الدراوردی کی ایک موقوف روایت کے بارے میں کہا:
"هذا هو الصحيح موقوف" یہ موقوف روایت صحیح ہے۔ (السنن الکبریٰ ۷/۲۶۲)

۱۸) حافظ ذہبی نے کئی مقامات پر تلخیص المستدرک میں عبدالعزیز رحمہ اللہ کی روایات کو صحیح کہا۔ مثلاً دیکھئے یہی مضمون فقرہ نمبر ۱۱

اور کہا: "الإمام العالم المحدّث" (سیر اعلام النبلاء ۸/۳۶۶)

حافظ ذہبی نے مزید فرمایا: "حديثه في دواوين الإسلام الستة لكن البخاري روى له مقرونًا بشيخ آخر و بكل حال فحديثه و حديث ابن أبي حازم لا ينحط

عن مرتبة الحسن ''اُن کی حدیث اسلام کی چھ (اہم) کتابوں میں ہے لیکن بخاری نے دوسرے راوی کو ملا کر ان سے روایت لی اور ہر حال میں اُن کی اور ابن ابی حازم کی حدیث حسن کے درجے سے نہیں گرتی۔ (النبلاء ۳۶۸/۸)

۱۹) ابن عبدالبر نے عبدالعزیز بن محمد الدراوردی کی بیان کردہ ایک حدیث کے بارے میں کہا: ''وهذا حديث مدني صحيح ''اور یہ حدیث مدنی (اور) صحیح ہے۔

(التمہید ج ۲۴ ص ۳۳۴)

۲۰) امام شعبہ نے عبدالعزیز الدراوردی سے روایت بیان کی۔

دیکھئے تہذیب الکمال (طبع مؤسسۃ الرسالہ ج ۴ ص ۵۲۸)

امام شعبہ (عام طور پر) اپنے نزدیک ثقہ سے روایت کرتے تھے۔

دیکھئے مقدمۃ تہذیب التہذیب (ج ۱ ص ۵) اور قواعد فی علوم الحدیث لظفر احمد التھانوی الدیوبندی (اعلاء السنن ج ۱۹ ص ۲۱۷)

شعبہ سے دراوردی پر کوئی جرح ثابت نہیں لہٰذا تحقیقِ مذکور سے ثابت ہوا کہ اُن کے نزدیک دراوردی ثقہ (یا صدوق) تھے۔

۲۱) امام عبدالرحمٰن بن مہدی نے عبدالعزیز بن محمد سے روایت بیان کی۔

دیکھئے تہذیب الکمال (۵۲۸/۴)

عبدالرحمٰن بن مہدی (عام طور پر) اپنے نزدیک صرف ثقہ سے ہی روایت بیان کرتے تھے۔ دیکھئے تدریب الراوی (ج ۱ ص ۳۱۷) اور اعلاء السنن (ج ۱۹ ص ۲۱۶)

یہاں عبدالعزیز مذکور پر عبدالرحمٰن بن مہدی کی جرح نہ ہونے کی صورت میں روایت کرنا اُن کی طرف سے توثیق ہے۔

۲۲) حافظ نورالدین الہیثمی نے عبدالعزیز بن محمد الدراوردی کی سند والی روایت کے بارے میں کہا: ''و رجاله ثقات ''اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۶ ص ۶۸)

۲۳) حافظ ابن الملقن نے عبدالعزیز بن محمد کی ایک روایت کے بارے کہا:

" و إسناده على شرط الصحيح ، عبدالعزيز من رجال الصحيحين ... "
،اوراس کی سند صحیح کی شرط پر ہے،عبدالعزیز صحیحین کے راویوں میں سے ہیں...

(البدرالمنیر ج۸ص۲۸۰)

۲٤) حافظ ابن حجر العسقلانی نے کہا:" صدوق "وہ سچے راوی ہیں۔

(فتح الباری ج۳ص۴۹۵ تحت ح۱۶۳۸۔۱۶۴۰)

اور کہا: " صدوق ، كان يحدث من كتب غيره فيخطئ ، قال النسائي : حديثه عن عبيدالله العمري منكر "سچے راوی ہیں،وہ دوسروں کی کتابوں سے حدیث بیان کرتے تو غلطی کرتے تھے،اُن کی عبیداللہ (بن عمر) العمری سے حدیث منکر ہے۔ (تقریب التہذیب:۴۱۱۹)

تحریر تقریب التہذیب والوں نے لکھا ہے:" بل : ثقة .. " إلخ بلکہ وہ ثقہ ہیں..

(ج۲ص۳۷۱)

انھوں نے جرح کو عبیداللہ العمری کی روایت سے مخصوص کر کے کہا:
" و باقي حديثه صحيح "اور اس کی باقی حدیثیں صحیح ہیں۔ (ایضاً ص۳۷۲)
خود حافظ ابن حجر نے عبدالعزیز بن محمد کی بیان کردہ ایک حدیث کے بارے میں فرمایا:
" هذا حديث صحيح "یہ حدیث صحیح ہے۔ (نتائج الافکار ج۳ص۲۱۰)

۲۵) امام یعقوب بن سفیان الفارسی رحمہ اللہ نے عبدالعزیز الدراوردی کی بیان کردہ ایک حدیث کو" وهذا إسناد جيد "اور یہ سند اچھی ہے،کہا اور فرمایا:
" عبدالعزيز عند أهل المدينة إمام ثقة "
اہلِ مدینہ کے نزدیک عبدالعزیز امام ثقہ ہیں۔ (کتاب المعرفۃ والتاریخ ج۱ص۳۴۹)

۲٦) علامہ نووی نے عبدالعزیز بن محمد کی ایک روایت کو" باسناد جيد "کہا۔
دیکھئے خلاصۃ الاحکام (ج۱ص۳۰۴ ح۶۶۲، دوسرا نسخہ ج۱ص۳۰۴ ح۱۲۸۴)

۲۷) حافظ المنذری نے عبدالعزیز الدراوردی کی ایک حدیث (سنن الدارقطنی ۱/۳۴۴

ح ۱۲۸۸) کے بارے میں کہا: ''أخرجه الدارقطني في سننه بإسناد حسن''
اسے دارقطنی نے سنن میں حسن سند سے روایت کیا ہے۔

(مختصر سنن ابی داود للمنذری ج۱ ص۳۹۹ ح۸۰۴)

فائدہ: روایت کی تصحیح صاحبِ تصحیح کے نزدیک راویوں کی توثیق ہوتی ہے۔
دیکھئے نصب الرایہ (ج۱ ص۱۴۹، ج۳ ص۲۶۴) بیان الوہم والایہام لابن القطان الفاسی (ج۵ ص۳۹۵ ح۲۵۶۲) تعجیل المنفعہ (ص۲۲۸ ترجمۃ عبداللہ بن عبید الدیلی، ص۲۴۸ ترجمۃ عبدالرحمٰن بن خالد بن جبل العدوانی) اور تہذیب التہذیب (ج۵ ص۳۰۹۔۳۱۰، دوسرا نسخہ ج۵ ص۲۷۲، ترجمۃ عبداللہ بن عتبہ بن ابی سفیان)

۲۸) حافظ ابن کثیر نے عبدالعزیز کی ایک روایت کو ''بسند صحیح'' اور ''وهذا إسناد على شرط مسلم'' کہا۔
دیکھئے تفسیر ابن کثیر (تحقیق عبدالرزاق المہدی ۲/۲۸۳ تحت ۲۰۲۲، سورۃ النساء آیت:۴۳)

۲۹) عبدالحق اشبیلی نے اپنی کتاب ''الاحکام الوسطیٰ'' میں عبدالعزیز کی روایت ذکر کی (ج۱ ص۳۹۹) اور جرح نہیں کی جو اُن کی طرف سے تصحیح ہے۔

محمد ناصر الدین الالبانی نے کہا کہ اسے عبدالحق نے ''الاحکام الکبریٰ'' (۱/۵۴) میں صحیح کہا ہے۔ دیکھئے اصل صفۃ صلوٰۃ النبی ﷺ (ج۲ ص۷۲۰)

۳۰) امام دارقطنی نے عبدالعزیز بن محمد (الدراوردی) کی بیان کردہ ایک روایت کے بارے میں ''صحیح'' کہا۔ (سنن الدارقطنی ج۱ ص۱۴۴ ح۵۱۰)

ان کے علاوہ توثیق وتعریف کے اور بھی بہت سے حوالے ہیں مثلاً:

۱: سیوطی

(دیکھئے الحاوی للفتاوی ج۱ ص۳۵۰ حدیث مصنف سعید بن منصور، قال: بسند في غاية الصحة)

۲: زرقانی (شرح المواہب ۷/۳۲۰ بحوالہ اصل صفۃ صلاۃ النبی ﷺ ج۲ ص۷۲۰)

۳: ابن العماد الحنبلی (شذرات الذہب ۱/۳۱۶ وقال: ''وكان فقيهًا صاحب حديث'')

۴: امام ابوبکر الحمیدی (دیکھئے المعرفۃ والتاریخ ج۱ص ۴۲۸)

☆ بوصیری (زوائد سنن ابن ماجہ ص۲۵۶ ح ۵۹۸، حدیث ابن ماجہ: ۱۷۶۵)

امام عبدالعزیز الدراوردی کی توثیق کرنے والے علماء کے نام علی الترتیب مع حوالہ نمبر درج ذیل ہیں:

ابن الجارود (۱۰) ابن حبان (۱۵) ابن حجر (۲۴) ابن خزیمہ (۹) ابن شاہین (۱۴) ابن عبدالبر (۱۹) ابن کثیر (۲۸) ابن الملقن (۲۳) ابوعوانہ (۸) ابونعیم الاصبہانی (۱۶) بخاری (۵) بغوی (۱۲) بیہقی (۱۷) ترمذی (۷) حاکم (۱۱) دارقطنی (۳۰) ذہبی (۱۸) شعبہ (۲۰) الضیاء المقدسی (۱۳) عبدالحق الاشبیلی (۲۹) عبدالرحمٰن بن مہدی (۲۱) عجلی (۲) علی بن المدینی (۴) مالک (۳) مسلم (۶) منذری (۲۷) نووی (۲۶) ہیثمی (۲۲) یحییٰ بن معین (۱) یعقوب بن سفیان الفارسی (۲۵)

امام عبدالعزیز بن محمد الدراوردی کی توثیق کے بعد (بعض الناس کی تحقیق وتحریف کے مطابق) جرح کرنے والے علماء کے حوالے درج ذیل ہیں:

۱: حافظ ذہبی نے کہا کہ ابوحاتم الرازی نے کہا: ''لا یحتج بہ'' اس کے ساتھ حجت نہیں پکڑی جاتی۔ (میزان الاعتدال ۲/۶۳۴، دوسرا نسخہ ۴/۳۷۱)

یہ حوالہ مجھے باسند صحیح امام ابوحاتم سے نہیں ملا، جبکہ کتاب الجرح والتعدیل میں لکھا ہوا ہے کہ ابوحاتم نے فرمایا: ''محدّث'' یعنی وہ محدّث ہیں۔ (ج۵ص ۳۹۶)

ظہور احمد نامی ایک دیوبندی نے اس حوالے کے لئے ''الجرح التعدیل ( )'' کا ذکر کیا ہے مگر جلد اور صفحے کا کوئی حوالہ نہیں دیا، جو اس بات کی دلیل ہے کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ دیکھئے رکعات تراویح ایک جائزہ (ص ۲۵۰)

۲: امام ساجی نے فرمایا: ''کان من أھل الصدق والأمانۃ إلا أنہ کثیر الوھم'' وہ سچائی اور امانت والوں میں سے تھے لیکن وہ کثیر الوہم (بہت غلطیاں کرنے والے) تھے۔ (تہذیب التہذیب ۶/۳۱۶)

یہ حوالہ بے سند ہے اور ہوسکتا ہے کہ حافظ ابن حجر نے اسے ساجی کی کتاب الضعفاء سے نقل کیا ہو۔ واللہ اعلم

۳: امام احمد بن حنبل نے فرمایا: ''كتابه أصح من حفظه ... عامة أحاديث الدراوردي عن عبيد الله أحاديث عبدالله العمري مقلوبة ... عنده عن عبيد الله مناكير'' اس کی کتاب اُس کے حافظے سے زیادہ صحیح ہے...دراوردی کی عبید اللہ سے عام روایتیں عبداللہ العمری کی ہیں جو مقلوب ہو(کر اُلٹ) گئی ہیں...اس کے پاس عبیداللہ سے منکر روایتیں ہیں۔

(سوالات ابی داود طبع مکتبۃ العلوم والحکم، المدینۃ المنورہ ص ۲۲۱، ۲۲۲، فقرہ: ۱۹۸)

اس قول میں جرح کا تعلق دراوردی کی عبیداللہ العمری سے روایت سے ہے۔

تنبیہ: عبداللہ العمری (المکبر) ضعیف راوی تھے لیکن خاص نافع سے اُن کی روایت حسن ہوتی ہے اور دراوردی کی عبیداللہ العمری سے روایات بھی تحقیقِ راجح میں حسن ہیں۔

حافظ ذہبی نے کہا: احمد بن حنبل نے کہا: جب وہ حافظے سے حدیث بیان کرے اُسے وہم ہوتا ہے، وہ کوئی چیز نہیں ہے، اور اگر کتاب سے روایت کرے تو اچھا ہے...اور جب حافظے سے روایت کرے تو باطل روایات نقل کرتا ہے۔ (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۶۳۳۔۶۳۴)

یہ حوالہ بے سند ہونے کی وجہ سے بھی غیر ثابت اور مردود ہے۔

۴: امام ابوزرعۃ الرازی نے کہا: ''سيئ الحفظ فربما حدّث من حفظه الشيئ فيخطئ'' وہ سیئ الحفظ (خراب حافظے والا) ہے پھر بعض اوقات وہ حافظے سے کوئی چیز بیان کرتا تو اُسے غلطی لگ جاتی تھی۔ (کتاب الجرح والتعدیل ۳۹۶/۵)

☆ ظہور احمد دیوبندی نامی ایک شخص نے امام عبدالعزیز بن محمد کے بارے میں کہا:

''امام احمد بن زبیرؒ فرماتے ہیں: لیس بشيئ کہ یہ کچھ نہیں ہے۔''

(رکعات تراویح ایک تحقیقی جائزہ ص ۲۵۰)

عرض ہے کہ یہ بے سند اور بے حوالہ بات ثابت نہ ہونے کی وجہ سے مردود ہے اور

احمد بن زبیر کون ہے؟ اس کا بھی کوئی اتا پتا نہیں ہے۔

۵: امام نسائی نے کہا: ''لیس بالقوي ''اور کہا:

''لیس به بأس و حدیثه عن عبید الله بن عمر منکر ''

وہ القوی نہیں ...اس کے ساتھ کوئی حرج نہیں اور عبید اللہ بن عمر سے اس کی حدیث منکر ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۳۵۴ دوسرا نسخہ ج ۶ ص ۳۱۶، تہذیب الکمال ج ۴ ص ۵۲۹)

یہ قول باسند صحیح متصل نہیں ملا اور دوسرے یہ کہ اسی قول میں ''لیس به بأس ''کے ذریعے سے عبدالعزیز بن محمد کی توثیق موجود ہے لہٰذا یہ جرح تین وجہ سے مردود ہے:

اول: صاحبِ جرح سے جرح کے ثبوت میں نظر ہے۔

دوم: اس کا تعلق صرف اُن روایات سے ہے جو دراوردی نے عبید اللہ بن عمر سے بیان کی ہیں۔

سوم: یہ جرح جمہور کی توثیق کے خلاف ہے۔

تنبیہ: امام نسائی کی کتاب الضعفاء (۳۹۰ تا ۳۹۴) میں عبدالعزیز بن محمد کا نام ونشان نہیں ملا۔ واللہ اعلم

۶: حافظ ابن حجر وغیرہ نے کہا کہ محمد بن سعد نے کہا: ''وکان ثقة کثیر الحدیث یغلط ''اور وہ ثقہ تھے، کثیر الحدیث تھے، انھیں غلطی لگتی تھی۔

(مثلاً دیکھئے تہذیب التہذیب ۶/۳۵۴)

اس عبارت کا ترجمہ ظہور احمد نے تحریف کرتے ہوئے درج ذیل الفاظ میں لکھا ہے:

''یہ ویسے تو ثقہ اور کثیر الحدیث ہے لیکن روایت حدیث میں غلطیاں کرتا ہے۔''

(رکعاتِ تراویح ایک تحقیقی جائزہ ص ۲۵۰)

اس ترجمے میں ''ویسے تو'' کے الفاظ من گھڑت اور تحریف ہیں۔

☆ ظہور احمد دیوبندی نے کہا: ''امام ابن حبانؒ کتاب الثقات میں اس کو خطا کار بتلاتے ہیں۔'' (رکعاتِ تراویح ایک تحقیقی جائزہ ص ۲۵۰)

عرض ہے کہ یہ ایسی جرح نہیں کہ عبدالعزیز کی تمام روایات کو ضعیف قرار دے کر رد کر دیا جائے بلکہ حافظ ابن حبان نے عبدالعزیز بن محمد کی نوے (۹۰) سے زائد روایات کو صحیح قرار دے کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ اُن کے نزدیک صحیح الحدیث ہیں۔

دیکھئے توثیقِ محدثین کا حوالہ نمبر ۱۵

☆ ظہور احمد دیوبندی نے کہا: ''امام سعد بن سعیدؒ فرماتے ہیں: فیہ لین ۔ یہ روایت حدیث میں کمزور ہے۔'' (رکعاتِ تراویح ایک تحقیقی جائزہ ص ۲۵۰ بحوالہ میزان الاعتدال ۲/ ۶۳۴)

عرض ہے کہ میزان کے مذکورہ حوالے میں حافظ ذہبی نے لکھا ہے:

''**عبدالعزیز بن محمد عن سعد بن سعید - وفیہ لین عن أبیہ عن عائشة - مرفوعًا : کسر عظم المیت ککسرہ حیًا**'' عبدالعزیز بن محمد عن (از) سعد بن سعید- اور اس میں کمزوری ہے- از اپنے والد (صحیح از عمرہ ہے) از عائشہ- مرفوع ہے: میت کی ہڈی توڑنا اس طرح ہے جیسے زندہ کی ہڈی توڑنا۔ (میزان الاعتدال ۲/ ۶۳۴)

اس روایت میں جو سعد بن سعید ہیں وہ عبدالعزیز الدراوردی کے استاذ تھے اور حافظ ذہبی نے اُن کے بارے میں ''**وفیہ لین**'' [اور ان میں کمزوری ہے] کہا ہے، نہ کہ سعد بن سعید نے عبدالعزیز پر جرح کی ہے۔

اس ایک حوالے سے ہی صاف ثابت ہو گیا کہ ظہور احمد مذکور عربی زبان سے پکا جاہل ہے، جو ایک عام عبارت کا صحیح ترجمہ بھی نہیں کر سکتا۔ عرض ہے کہ اس جہالت کے باوجود اسے کس ڈاکٹر نے کہا ہے کہ کتابیں لکھنا شروع کر دو۔!؟

تنبیہ: روایتِ مذکورہ سنن ابن ماجہ (۱۶۱۶) میں بھی موجود ہے اور سعد بن سعید بن قیس الانصاری (مذکور) قولِ راجح میں جمہور کے نزدیک ثقہ وصدوق تھے۔

دیکھئے میری کتاب: علمی مقالات (ج ۲ ص ۳۲۴)

بلکہ خود حافظ ذہبی نے لکھا ہے: ''**أحد الثقات**'' وہ ثقہ راویوں میں سے ایک تھے۔ (النبلاء ۵/ ۴۸۲)

لہٰذا ان پر جرح مردود ہے اور ابن ماجہ کی حدیث بلحاظِ سند حسن لذاتہ ہے۔
دیکھئے میری کتاب: تسہیل الحاجہ فی تخریج وتحقیق سنن ابن ماجہ (قلمی ص ۱۱۲)
قارئینِ کرام! تیس (۳۰) سے زیادہ علماء کی توثیق کے مقابلے میں ظہور احمد دیوبندی نے کل دس اقوالِ جرح (توڑ مروڑ کر) پیش کئے، جن میں سے تین ثابت ہی نہیں ہیں لہٰذا باقی بچے: سات۔ ان سات تجریحی اقوال کے بل بوتے پر ظہور احمد نے لکھا ہے:
''عبدالعزیز دراوردی کو جمہور محدثین نے ثقہ اور صدوق نہیں کہا، صرف چند محدثین نے اس کی توثیق کی ہے اس کے بالمقابل اکثر ائمہ حدیث نے باقرار غیر مقلدین اس پر سخت اور مفسر جرح کی ہے، جیسا کہ بحوالہ گزر چکا ہے۔...'' (رکعاتِ تراویح ایک تحقیقی جائزہ ص ۲۵۳)
سبحان اللہ! تیس کے مقابلے میں دس اور پھر بھی جمہور محدثین نے اسے ثقہ وصدوق نہیں کہا؟!

آلِ دیوبند کو چاہئے کہ اپنے اس ظہور کو علم الحساب (ریاضی) پڑھائیں تاکہ وہ دس اور تیس کا فرق سمجھ سکے ورنہ.... اس طرح بے عزتی ''خراب'' ہوتی رہے گی۔
خلاصۃ التحقیق: عبدالعزیز بن محمد الدراوردی رحمہ اللہ جمہور کے نزدیک ثقہ وصدوق تھے لہٰذا ان کی بیان کردہ حدیث صحیح یا حسن لذاتہ ہے اور اُن پر جرح مردود ہے۔
یاد رہے کہ عبیداللہ العمری سے اُن کی روایت بھی حسن ہے، جیسا کہ اقوالِ جرح نمبر ۳ کے تحت گزر چکا ہے۔
جمہور کی توثیق کے بعد ہر قسم کی جرح مردود ہوتی ہے، چاہے لوگ اُسے جرح مفسر کہتے پھریں اور سیئ الحفظ، کثیر الغلط اور یخطئ کثیراً وغیرہ الفاظ کے ساتھ پیش کرتے رہیں۔
آلِ دیوبند کے ''امام'' سرفراز خان صفدر کڑمنگی دیوبندی نے کہا:
''بایں ہمہ ہم نے توثیق وتضعیف میں جمہور آئمہ جرح وتعدیل اور اکثر آئمہ حدیث کا ساتھ اور دامن نہیں چھوڑا۔'' (احسن الکلام ج ۱ ص ۴۰، دوسرا نسخہ ج ۱ ص ۶۱)
عرض ہے کہ یہاں بھی جمہور کا دامن نہ چھوڑیں۔ **وما علینا إلا البلاغ** (۹/نومبر ۲۰۰۹ء)

امام مسلم بن الحجاج النیسابوری رحمہ اللہ

نام ونسب: ابوالحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری النیسابوری رحمہ اللہ

ولادت: ۲۰۴ھ وفات: ۲۵/ رجب کی رات ۲۶۱ھ

اساتذہ: امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، ابوخیثمہ زہیر بن حرب، عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی، عبداللہ بن مسلمہ القعنبی، علی بن الجعد، عمرو بن علی الفلاس الصیرفی، قتیبہ بن سعید، یحییٰ بن معین، یحییٰ بن یحییٰ النیسابوری، ابوبکر بن ابی شیبہ اور ابوزرعہ الرازی وغیرہم، رحمہم اللہ

تلامذہ: امام ترمذی، ابراہیم بن محمد بن سفیان الفقیہ، صالح بن محمد البغدادی، عبدالرحمٰن بن ابی حاتم الرازی، محمد بن اسحاق بن خزیمہ، محمد بن اسحاق الثقفی السراج اور ابوعوانہ الاسفرائنی وغیرہم۔ رحمہم اللہ

علمی مقام: ابومحمد عبدالرحمٰن بن ابی حاتم الرازی نے فرمایا: '' **وکان ثقة من الحفاظ، له معرفة بالحديث، سئل أبي عنه فقال: صدوق** '' وہ حفاظ میں سے ثقہ تھے، حدیث کی معرفت رکھتے تھے، میرے والد (امام ابوحاتم الرازی رحمہ اللہ) سے اُن کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: سچے ہیں۔

(کتاب الجرح والتعدیل ۸/۱۸۲، ۱۸۳، تاریخ دمشق لابن عساکر ۶۱/۶۶ وسندہ حسن)

ابواحمد محمد بن عبدالوہاب الفراء نے امام مسلم کے بارے میں فرمایا: وہ لوگوں کے علماء اور حفاظِ علم میں سے تھے، میں اُن کے بارے میں خیر ہی جانتا ہوں، آپ نیک تھے، اللہ آپ پر اور ہم پر رحم فرمائے۔ (تاریخ دمشق ۶۱/۶۷ وسندہ قوی)

امام احمد بن سلمہ بن عبداللہ النیسابوری نے فرمایا: میں نے دیکھا کہ ابوزرعہ اور ابوحاتم دونوں صحیح حدیث کی معرفت میں مسلم بن الحجاج کو اپنے زمانے کے دوسرے اساتذہ پر ترجیح دیتے تھے۔ (تاریخ دمشق ۶۱/۶۷ وسندہ صحیح)

امام اسحاق بن راہویہ نے امام مسلم کی طرف دیکھ کر فرمایا:

'' مردا کاین بوذ '' کامل مرد ہے۔ (تاریخ دمشق ۶۱/۶۶ وسندہ حسن)

خطیب بغدادی نے کہا: آپ حفاظِ حدیث کے اماموں میں سے ایک تھے... الخ

(تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۱۰۰)

امام ابوعلی النیسابوری رحمہ اللہ نے فرمایا: '' ما تحت أديم السماء أصح من كتاب مسلم '' آسمان کے نیچے (میرے نزدیک) مسلم کی کتاب سے زیادہ صحیح کوئی (کتاب) نہیں ہے۔ (تاریخ الاسلام للذہبی ۲۵/۴۱، وسندہ صحیح)

حافظ ابن عساکر نے کہا: '' الإمام المبرز والمصنف المميز ''

عالی مقام امام اور ممتاز مصنف۔ (تاریخ دمشق ۶۱/۶۴)

حافظ ابن الجوزی نے کہا: آپ بڑے علماء اور حفاظِ حدیث میں سے تھے۔ (المنتظم ۱۲/۱۷۱)

حافظ ذہبی نے کہا: '' هو الإمام الكبير الحافظ المجوّد الحجة الصادق ''

وہ بڑے امام، حافظ مجود (بہترین روایات بیان کرنے والے [روایتِ حدیث میں]) حجت (اور) سچے تھے۔ (سیر اعلام النبلاء ۱۲/۵۵۷)

حافظ ابن حجر العسقلانی نے کہا: '' ثقة حافظ إمام مصنف عالم بالفقه ''

(تقریب التہذیب: ۶۶۲۳)

امام مسلم کی امامت وعدالت پر اتفاق (اجماع) ہے۔

تصانیف: صحیح مسلم، کتاب الکنیٰ، کتاب المنفردات والوحدان

یہ کتابیں مطبوع ہیں اور کتاب التمییز کا بھی کچھ حصہ مطبوع ہے۔ ان کے علاوہ امام مسلم کی اور بھی بہت سی کتابیں تھیں۔

فوائد: احمد بن سلمہ النیسابوری سے روایت ہے کہ ابوالحسین مسلم بن الحجاج کے لئے ایک مجلسِ مذاکرہ منعقد کی گئی پھر اُن کے سامنے ایک حدیث بیان کی گئی، جسے وہ نہیں جانتے تھے تو آپ اپنے گھر چلے گئے اور چراغ جلا لیا۔ انھوں نے گھر والوں کو کہا کہ اس کمرے میں

کوئی بھی نہ آئے تو انھیں بتایا گیا کہ ہمارے پاس کھجور کا تحفہ آیا ہے۔ انھوں نے کہا: میرے پاس لے آؤ، تو کھجوریں اُن کے پاس لائی گئیں پھر وہ حدیث تلاش کرتے رہے اور ایک ایک کر کے کھجوریں کھاتے رہے۔ پھر جب صبح ہوئی تو کھجوریں ختم ہو گئیں اور حدیث مل گئی۔

(تاریخ بغداد ج ۱۳/ ۱۰۳، ومن طریقہ ابن عساکر فی تاریخ دمشق ۶۱/ ۷۰، ۷۱، وابن الجوزی فی المنتظم ۱۲/ ۱۷۲)

اس کی سند میں محمد بن علی بن احمد المقرئ المعدل راوی نامعلوم ہے اور اگر اس سے مراد قاضی ابو العلاء الواسطی ہے تو وہ ضعیف تھا۔ دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو (عدد ۷ ص ۱۶)

لہٰذا یہ سند ضعیف ہے۔

☆ اسی سند کے ساتھ ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم النیسابوری (صاحب المستدرک وتاریخ نیسابور) سے روایت ہے کہ میرے ساتھیوں میں سے ایک ثقہ نے مجھے بتایا: یہ کھجوریں کھانے کی وجہ سے آپ (امام مسلم) فوت ہو گئے تھے۔

(تاریخ بغداد ۱۳/ ۱۰۳، تاریخ دمشق ۶۱/ ۷۱، المنتظم ۱۲/ ۱۷۲)

اس روایت کی سند دو وجہ سے ضعیف ہے:

اول: محمد بن علی المقرئ کا تعین اور توثیق نامعلوم ہے۔

دوم: حاکم سے یہ بات بیان کرنے والا ثقہ (؟) نامعلوم ہونے کی وجہ سے مجہول ہے۔

☆ امام مسلم کی کتاب صحیح مسلم کو صحیح بخاری کے بعد تلقی بالقبول حاصل ہے اور صحیح مسلم کی تمام مسند متصل مرفوع احادیث صحیح ہیں۔ والحمد للہ

☆ امام مسلم فقہ کے عالم تھے جیسا کہ تقریب التہذیب (۶۶۲۳) میں لکھا ہوا ہے اور کسی صحیح دلیل سے آپ کا مقلد ہونا ثابت نہیں ہے۔ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

بخاری اور ابوداود تو فقہ کے امام (اور) مجتہد (مطلق) تھے۔ رہے امام مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن خزیمہ، ابو یعلیٰ اور البزار وغیرہم تو وہ اہلِ حدیث کے مذہب پر تھے، علماء میں سے کسی کی تقلید معین کرنے والے، مقلدین نہیں تھے، اور نہ مجتہد مطلق تھے۔

(مجموع فتاویٰ ج ۲۰ ص ۴۰، دین میں تقلید کا مسئلہ ص ۵۰، ۵۱) [۱۶/ جون ۲۰۰۹ء]

امام دارقطنی رحمہ اللہ

نام ونسب: ابوالحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی بن مسعود بن النعمان بن دینار بن عبداللہ البغدادی الدارقطنی رحمہ اللہ

ولادت: ۳۰۶ھ (تاریخ بغداد ۱۲/۳۹، ۴۰ ت ۶۴۰۴)

اساتذہ: ابوالقاسم البغوی، ابوبکر بن ابی داود، یحییٰ بن صاعد اور اسماعیل بن محمد الصفار وغیرہم

تلامذہ: ابونعیم الاصبہانی، ابوبکر البرقانی، حاکم صاحب المستدرک، ازہری، خلال، جوہری، تنوخی، عتیقی، قاضی ابوالطیب الطبری اور حافظ عبدالغنی بن سعید وغیرہم

تصانیف: سنن دارقطنی، کتاب العلل، المؤتلف والمختلف، فضائل الصحابہ، المستجاد من فعلات الاجواد، تعلیقات الدارقطنی علی المجروحین لابن حبان، الضعفاء والمتروکون، الافراد والغرائب اور ذکر اسماء التابعین وغیرہ. آپ بہت سی علمی کتابوں کے مصنف ہیں۔

علمی مقام: تمام محدثین آپ کی امامت، ثقاہت اور جلالتِ شان پر متفق ہیں۔

قاضی شیخ الاسلام ابوالطیب طاہر بن عبداللہ الطبری رحمہ اللہ (متوفی ۴۰۵ھ) نے فرمایا:

"کان الدارقطني أمیرا المؤمنین فی الحدیث"

حدیث میں دارقطنی امیر المومنین تھے۔ (تاریخ بغداد ۱۲/۳۶ وسندہ صحیح)

حافظ عبدالغنی بن سعید نے امام دارقطنی کو اپنے زمانے میں حدیث پر بہترین کلام کرنے والے قرار دیا ہے۔ (تاریخ بغداد ۱۲/۳۶ وسندہ صحیح)

خطیب بغدادی نے انھیں امامِ وقت قرار دینے کے ساتھ صدق و امانت، فقہ و عدالت والے، صحیح العقیدہ اور صحیح المذہب کہا ہے۔ (تاریخ بغداد ۱۲/۳۴)

حافظ ذہبی نے کہا: "الإمام الحافظ المجود شیخ الإسلام علم الجهابذة ... المقرئ المحدث" (سیر اعلام النبلاء ۱۶/۴۴۹)

حافظ ذہبی مزید فرماتے ہیں: ''بل کان سلفیًا'' بلکہ وہ (امام دارقطنی) سلفی تھے۔

(سیر اعلام النبلاء ۱۶/ ۴۵۷)

حاکم نیشاپوری نے امام دارقطنی کی زبردست تعریف کی۔

(اطراف الغرائب والافراد لمحمد بن طاہر المقدسی ۱/ ۲۱ وسندہ صحیح)

امام دارقطنی صحیح بخاری کے بارے میں فرماتے ہیں: ''ومع هذا فما في هذه الكتب خيرًا و أفضل من كتاب محمد بن إسماعيل البخاري رحمه الله''

اس کے ساتھ ان کتابوں میں محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ کی کتاب سے بہتر اور افضل کوئی کتاب نہیں۔ (اطراف الغرائب والافراد ۱/ ۲۰ وسندہ صحیح)

حافظہ: اللہ تعالیٰ نے امام دارقطنی کو بے پناہ حافظہ عطا کیا تھا جیسا کہ کتبِ تاریخ میں صحیح سندوں کے ساتھ موجود ہے۔ مثلاً دیکھئے النبلاء (۱۶/ ۴۵۶)

خطیب بغدادی فرماتے ہیں کہ میں نے (مشہور امام) برقانی سے پوچھا: کیا ابو الحسن الدارقطنی (اپنی) کتاب العلل آپ کو زبانی لکھواتے تھے؟ تو انھوں نے جواب دیا: جی ہاں!

(تاریخ بغداد ۱۲/ ۳۷)

کتاب العِلل کی گیارہ جلدیں چھپ چکی ہیں اور مزید جلدیں چھپ رہی ہیں۔ یہ فنِ حدیث کے مشکل ترین علم میں عظیم الشان کتاب ہے جسے حافظ امام دارقطنی نے زبانی لکھایا ہے۔

[یہ کتاب اب سولہ جلدوں میں مطبوع ہے۔ والحمد للہ]

معلوم ہوا کہ اپنے دور میں وہ روئے زمین پر سب سے بڑے حافظ تھے۔ اسی وجہ سے حافظ ذہبی نے اس امرِ عظیم پر تعجب کا اظہار کیا ہے۔ دیکھئے النبلاء (۱۶/ ۴۵۵)

وفات: امام دارقطنی ۸ ذوالقعدہ ۳۸۵ھ بدھ کے دن فوت ہوئے۔ رحمہ اللہ

فائدہ: امام دارقطنی رحمہ اللہ کے حالات پر مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ نے تقریباً ۱۸۸ صفحات کی ایک کتاب ''امام دارقطنی'' کے نام سے لکھی ہے جسے کافی عرصہ پہلے ادارہ علومِ اثریہ فیصل آباد سے شائع کیا گیا تھا اور یہ بہت مفید کتاب ہے۔ والحمد للہ

سُبیع بن خالد الیشکری رحمہ اللہ

حروفِ تہجی کی ترتیب کے لحاظ سے سُبَیع بن خالد الیشکری الضبعی رحمہ اللہ کے چار شاگرد تھے: صخر بن بدر، علی بن زید بن جدعان، قتادہ اور نصر بن عاصم اللیثی.

۱) صخر بن بدر العجلی البصری رحمہ اللہ

اُن کے صرف ایک شاگرد تھے: ابوالتیاح یزید بن حمید الضبعی رحمہ اللہ (ثقہ ثبت) ابوالتیاح سے درج ذیل شاگردوں نے سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ والی حدیث بیان کی:

۱: شعبہ بن الحجاج البصری وقال: سبيع (مسند احمد ۵/۴۰۳)

نیز دیکھئے الکامل لابن عدی (۲/۶۶۷، دوسرا نسخہ ۳/۳۰)

۲: حماد بن سلمہ البصری وقال: سبيع بن خالد الضبعي (مسند احمد ۵/۴۰۳)

۳: عبدالوارث بن سعید وقال: سبيع بن خالد: كذا رواه مسدد و عبدالصمد بن عبدالوارث عنه و في رواية أبي داود الطيالسي (۴۴۳): " سبيع بن خالد أو خالد بن سبيع " ولا أدري الشك ممن ؟ و رواية الجماعة أولى . (سنن ابی داود: ۴۲۴۷، صحیح ابی عوانہ ۴/۴۲۲ ح ۵۷۵۹)

۴: حماد بن زید وقال: سبيع بن خالد أو خالد بن سبيع (مسند الطیالسی: ۴۴۳)

۵: حماد بن نجیح وقال: خالد بن سبيع أو سبيع بن خالد .

(مصنف ابن ابی شیبہ ۱۵/۸ ح ۳۷۱۰۲)

شعبہ کی ایک روایت میں سبیعہ کا لفظ آیا ہے۔ (العلل ومعرفۃ الرجال: ۲۰۱۷) لیکن یہ "ولا يصح" اور صحیح نہیں ہے۔

دیکھئے الاکمال لابن ماکولا (۴/۲۵۲) اور المؤتلف والمختلف للدارقطنی (۳/۱۳۳۶)

خلاصۃ التخریج: ایک راوی کی روایت میں اختلاف ہے، دو راویوں کی روایت میں شک

ہے اور دوراویوں کی روایت میں یقین ہے۔ یقین کو ہمیشہ شک پر ترجیح حاصل ہے لہٰذ روایتِ مذکورہ میں سبیع بن خالد راجح ہے۔

۲) علی بن زید بن جدعان وقال : اليشكري (مسند احمد ۴۰۶/۵)

۳) قتادہ بن دعامہ البصری رحمہ اللہ

قتادہ سے یہ حدیث سبیع بن خالد سے نصر بن عاصم کے واسطے کے بغیر صرف ہشام الدستوائی نے بیان کی۔ وقال: سبيع بن خالد ... (مسند الطیالسی ۴۴۳۰)

المزید فی متصل الاسانید، تدلیسِ قتادہ اور جمہور راویوں کی ترجیح کی وجہ سے راجح یہ ہے کہ یہ حدیث قتادہ نے سبیع بن خالد سے نہیں بلکہ نصر بن عاصم سے روایت کی ہے۔ دیکھئے فقرہ نمبر ۴

٤) نصر بن عاصم اللیثی رحمہ اللہ

نصر بن عاصم سے درج ذیل شاگردوں نے سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ والی حدیث بیان کی:

(۱) حمید بن ہلال (سنن ابی داود: ۴۲۴۶) وقال: الیشکری

امام احمد بن حنبل نے فرمایا: " واليشكري هذا هو سبيع بن خالد " (کتاب العلل ومعرفۃ الرجال ۲۰۴/۲ ح ۲۰۱۶)

(۲) قتادہ بن دعامہ البصری رحمہ اللہ

قتادہ سے درج ذیل شاگردوں نے یہ حدیث بیان کی:

۱: ابوعوانہ الوضاح بن عبداللہ الیشکری وقال: سبيع بن خالد (سنن ابی داود: ۴۲۴۴)

۲: معمر بن راشد البصری وقال: خالد بن خالد اليشكري (سنن ابی داود: ۴۲۴۵)

خلاصۃ التحقیق: قتادہ والی روایت میں سبیع بن خالد تین وجہ سے راجح ہے:

اول: ابوعوانہ اور ہشام الدستوائی دونوں کی روایت میں سبیع بن خالد ہے اور یہ عام لوگوں کو بھی معلوم ہے کہ ایک ثقہ کے مقابلے میں دو ثقہ راویوں کی روایت زیادہ قوی ہوتی ہے۔

دوم: یہ روایت سبیع بن خالد کے جمہور شاگردوں کی روایات کے مطابق ہے۔

سوم: امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے معمر والی روایت بیان کر کے فرمایا: ''الصواب سبیع ابن خالد الیشکري '' صحیح سبیع بن خالد الیشکر ی ہے۔

(کتاب العلل ومعرفۃ الرجال ۲/۲۰۶ فقرہ: ۲۰۲۲)

اور ظاہر ہے کہ محدثین کرام اپنی روایات کو سب سے زیادہ جانتے ہیں۔

سبیع بن خالد کی توثیق: سبیع بن خالد رحمہ اللہ کو جمہور محدثین نے ثقہ وصدوق قرار دیا، جس کا باحوالہ ثبوت درج ذیل ہے:

۱: حافظ ابن حبان نے انھیں کتاب الثقات (۴/۳۴۷) میں ذکر کیا اور فرمایا: ''ومن قال سبیعة بن خالد فقد وهم '' اور جس نے سبیعہ بن خالد کہا تو اسے وہم ہوا۔

تنبیہ: حافظ ابن حبان کو ایک عجیب وہم ہوا، انھوں نے الیشکر ی سے سلیمان (بن قیس) سمجھ لیا۔ (دیکھئے صحیح ابن حبان، الاحسان: ۵۹۳۲، دوسرا نسخہ: ۵۹۶۳)

حالانکہ الیشکر ی مراد سلیمان نہیں بلکہ سبیع بن خالد ہے۔

۲: امام احمد بن عبداللہ العجلی رحمہ اللہ نے فرمایا: ثقة (تاریخ الثقات: ۵۱۱)

۳: حاکم نے ان کی حدیث کو ''صحیح الاسناد'' کہا۔ (المستدرک ۴/۴۳۳ ح ۸۳۳۲)

۴: ذہبی نے ان کی حدیث کو ''صحیح'' کہا۔ (ایضاً ۸۳۳۲)

۵: ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق الاسفرائینی النیسابوری (متوفی ۳۱۶ھ) نے اُن کی حدیث کو صحیح ابی عوانہ میں درج کرنے کی وجہ سے صحیح قرار دیا۔

دیکھئے المسند الصحیح المستخرج علیٰ صحیح مسلم (ج ۴ ص ۴۲ ح ۵۷۵۹)

ہمارے علم کے مطابق سبیع بن خالد کو کسی محدث نے ضعیف یا مجہول نہیں کہا، صرف متاخرین میں سے حافظ ابن حجر نے انھیں مقبول یعنی مجہول الحال لکھا ہے، اور یہ جرح دو وجہ سے مردود ہے:

اول: جمہور محدثین نے سبیع بن خالد کی توثیق کی ہے اور جمہور کے مقابلے میں جرح ہمیشہ مردود ہوتی ہے۔

دوم: حافظ ابن حجر نے خود فتح الباری میں سبیع بن خالد کی بیان کردہ حدیث حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کر کے اُس پر سکوت کیا ہے۔ (ج ۱۳ ص ۳۵ تحت ح ۷۰۸۴)

بعض الناس کا خیال ہے کہ ابن حجر نے جس حدیث پر فتح الباری میں سکوت کیا، وہ ان کے نزدیک صحیح یا حسن ہے۔ (دیکھئے اعلاء السنن ج ۱۹ ص ۸۹)

خود حافظ صاحب نے اپنی زیادات وغیرہا کے بارے میں فرمایا:

''**بشرط الصحة أو الحسن فيما أورده من ذلك** ''ان میں سے میں جو کچھ بیان کروں گا تو اُن میں صحیح یا حسن کی شرط ہوگی۔ (ہدی الساری مقدمہ فتح الباری ص ۴)

مسعود احمد بی ایس سی (امیر فرقۂ مسعودیہ) نے کئی جگہ حافظ ابن حجر کے سکوت سے استدلال کیا۔ مثلاً دیکھئے صلوٰۃ المسلمین (ص ۱۱۱، ۳۶۰، ۳۷۴) اور منہاج المسلمین (ص ۱۱۲، حاشیہ نمبر ۲، ص ۱۲۳، حاشیہ نمبر ۳، ص ۱۹۷، حاشیہ نمبر ۳)

بلکہ مسعود احمد نے یزید بن ابان الرقاشی (جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف راوی) کی ایک ضعیف روایت کے بارے میں کہا: ''گویا حافظ ابن حجر نے اس حدیث پر سکوت کیا بلکہ اس سے حجت لی۔ الغرض یہ حدیث حسن سے کم نہیں۔''

(جماعت المسلمین پر اعتراضات اور ان کے جوابات ص ۸۰)

یہاں بطورِ عبرت عرض ہے کہ صالح المری نے یزید بن ابان الرقاشی عن (سیدنا) انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) کی سند سے ایک روایت بیان کی۔

دیکھئے تفسیر ابن کثیر (ج ۲ ص ۴۹۳، سورۃ یوسف آیت: ۱۰۱)

اس روایت کے بارے میں مسعود احمد بی ایس سی نے کہا: ''یزید الرقاشی اور صالح المری دونوں جھوٹے ہیں۔ یہ روایت موقوف بھی ہے اور جھوٹی بھی۔''

(صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین ج ۱ ص ۱۲۷، حاشیہ نمبر ۱)

اس تضاد اور تناقض کا کیا علاج ہے اور کیا اسی کے بل بوتے پر بیعت نہ کرنے والے عام مسلمین کو اُمتِ مسلمہ سے خارج قرار دیا گیا ہے؟!

تنبیہ: ہمارے نزدیک حافظ ابن حجر العسقلانی کا سکوت (چاہے فتح الباری اور یا کوئی دوسری کتاب) حجت نہیں ہے۔ دیکھئے الحدیث حضرو: ۴۷ص ۹

مسعود احمد نے حارث اور عبداللہ بن منین کے بارے میں کہا:

''حارث کو امام ابن حجر نے مقبول کہا ہے (تقریب) عبداللہ بن منین کو یعقوب بن سفیان نے ثقہ کہا ہے (تہذیب) لہذا دونوں کی جہالت دور ہوگئی اور حدیث کم از کم حسن ہوگئی۔''

(جماعت المسلمین پر اعتراضات اور ان کے جوابات ص ۵۱)

مسعود احمد نے نبہان راوی کے بارے میں کہا: ''تقریب میں ابن حجر نے اُن کو مقبول لکھا ہے امام ابن حبان نے ان کو ثقہ کہا ہے (تہذیب) معلوم نہیں وہ ضعیف یا مجہول کیسے ہو گئے۔'' (جماعت المسلمین پر اعتراضات اور ان کے جوابات ص ۶۹)

ایک اعتراض کا جواب: اگر بعض الناس میں سے کوئی یہ کہے کہ سبیع بن خالد کے نام اور ولدیت میں اُن کے شاگردوں کا اختلاف ہے۔

۱: سبیع بن خالد

۲: خالد بن خالد

تو اس کا جواب یہ ہے کہ ثقہ وصدوق راویوں کے بارے میں اس قسم کا اختلاف چنداں مضر نہیں ہوتا، اس کی چار مثالیں پیشِ خدمت ہیں:

۱: **مسلم بن الحارث و یقال: الحارث بن مسلم ... صحابي قليل الحديث** (تقریب التہذیب: ۶۶۲۲)

۲: **شهاب بن المجنون ، يقال: اسم أبيه كليب أو شتير... مذكور فى الصحابة** (تقریب التہذیب: ۲۸۲۸)

۳: **عامر بن عمرو المزني ، صحابي ، يقال: الصواب رافع بن عمرو.**

(تقریب التہذیب: ۳۱۰۶ب)

۴: **قتيبة بن سعيد بن جميل ... يقال : اسمه يحيى و قيل : علي : ثقة**

ثبت . (تقریب التہذیب:۵۵۲۲)

معلوم ہوا کہ ثقہ وصدوق راویوں کے نام یا ولدیت میں راویوں کے اختلاف سے کوئی فرق نہیں پڑتا بلکہ ان کی بیان کردہ حدیث صحیح یا حسن ہی رہتی ہے۔

خلاصۃ التحقیق: جمہور کی توثیق کی وجہ سے سبیع بن خالد الیشکری رحمہ اللہ صدوق حسن الحدیث تھے اور اُن پر پندرھویں صدی ہجری کے مسعود احمد بی ایس سی (تکفیری خارجی) کی خودساختہ جرح مردود ہے۔

فائدہ: سبیع بن خالد (تابعی) کی سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے بیان کردہ حدیث میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **((فإن لم تجد یومئذ خلیفة فاھرب حتی تموت...))** اگر تم اُس دن خلیفہ نہ پاؤ تو بھاگ جانا حتیٰ کہ تم پر موت آجائے۔

(سنن ابی داود: ۴۲۴۷ وسندہ حسن)

اس حدیث کو درج ذیل محدثین نے صحیح قرار دیا ہے:

۱: ابوعوانہ الاسفرائنی (صحیح ابی عوانہ ۴۲۲/۴ ح ۵۷۵۹)

۲: حاکم (المستدرک ۴۳۲/۴ ح ۸۳۳۲)

۳: ذہبی (ایضاً ح ۸۳۳۲)

ان کے مقابلے میں کسی ایک محدث یا امام نے اس حدیث کو ضعیف نہیں کہا لہٰذا اس روایت کے صحیح اور مقبول ہونے پر اجماع ہے۔

اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ "**تلزم جماعة المسلمین و إمامھم**" میں اما مھم سے مراد خلیفہ (مسلمین کا صاحبِ اقتدار حاکم) ہے، کاغذی اور بے اختیار امیر مراد نہیں لہٰذا مسعود احمد بی ایس سی اور مسعودیوں کی دعوت کی بنیاد ہی باطل ہے۔

(۲۰/ اپریل ۲۰۱۰ء)

امام ابوالحسن العجلی رحمہ اللہ

نام ونسب: ابوالحسن احمد بن عبداللہ بن صالح بن مسلم بن صالح العجلی الکوفی الاطرابلسی.

ولادت: ۱۸۲ھ بمقام کوفہ (العراق)

اساتذہ: شبابہ بن سوار، محمد بن جعفر عرف غندر، حسین بن علی الجعفی، ابوداود عمر بن سعد بن عبید الحَفَری، ابو عامر عبدالملک بن عمرو العقدی القیسی، محمد بن عبید الطنافسی، یعلیٰ بن عبید الطنافسی اور محمد بن یوسف الفریابی وغیرہم رحمہم اللہ.

تلامذہ: صالح بن احمد بن عبداللہ بن صالح العجلی، سعید بن عثمان بن سعید التجیبی الاندلسی، محمد بن فطیس بن واصل الغافقی الالبیری، ابوعثمان سعید بن خمیر بن عبدالرحمٰن القرطبی، ابومحمد قاسم بن محمد بن قاسم بن محمد بن سیار القرطبی البیانی صاحب کتاب الایضاح فی الرد علی المقلدین، ابوسعید عثمان بن جریر بن حمید الکلابی البیری اور عبداللہ بن محمد بن ابی الولید القرطبی وغیرہم رحمہم اللہ.

تصانیف: معرفة الثقات من رجال أهل العلم والحديث و من الضعفاء و ذِكر مذاهبهم و أخبارهم يعني كتاب التاريخ أو كتاب الثقات ، كتاب الجرح والتعديل ، سوالات أبي مسلم صالح بن أحمد العجلي لأبيه / ولعله كله كتاب واحد والله أعلم .

توثیق اور علمی مقام: امام عجلی کے ثقہ اور جلیل القدر صحیح العقیدہ عالم ہونے پر اجماع ہے۔

۱: امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ سے احمد بن عبداللہ بن صالح مسلم العجلی کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: "هو ثقة ابن ثقة ابن ثقة" وہ ثقہ ہیں، اُن کے والد ثقہ ہیں، اُن کے دادا ثقہ ہیں۔ (تاریخ بغداد ۴/۲۱۵ ت ۱۹۰۶، وسندہ صحیح)

۲: امام عباس بن محمد الدوری رحمہ اللہ نے فرمایا:

''إنا كنا نعده مثل أحمد بن حنبل و يحيى بن معين '' ہم انھیں احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین کی طرح شمار کرتے یعنی سمجھتے تھے۔ (تاریخ بغداد ۴/۲۱۴ وسندہ صحیح)

۳: ابوالحسن علی بن احمد بن زکریا بن الخصیب الاطرابلسی نے صالح بن احمد بن عبداللہ العجلی کے بارے میں فرمایا: ''هو ثقة ابن ثقة ابن ثقة '' وہ ثقہ ہیں، ثقہ کے بیٹے ہیں، اُن کے دادا ثقہ تھے۔ (تاریخ بغداد ۴/۲۱۴ وسندہ صحیح)

اور فرمایا: ابن حنبل اور ابن معین دونوں اُن سے (روایات وغیرہ) لیتے تھے۔

(تاریخ بغداد ۴/۲۱۴۔۲۱۵ وسندہ صحیح)

٤: ولید بن بکر الاندلسی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''كان أبو الحسن أحمد بن عبدالله بن صالح الكوفي من أئمة أصحاب الحديث الحفاظ المتقنين من ذوی الورع والزهد . '' ابوالحسن احمد بن عبداللہ بن صالح الکوفی اصحاب الحدیث کے اماموں، زہد اور پرہیز گاری والے ثقہ متقن حفاظ میں سے تھے۔ (تاریخ بغداد ۴/۲۱۴ وسندہ صحیح)

٥: خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''و كان ديّنًا صالحًا '' وہ نیک (اور) دیندار تھے۔ (تاریخ بغداد ۴/۲۱۴)

٦: مالک بن عیسیٰ القفصی المغربی رحمہ اللہ نے انھیں حدیث کا سب سے بڑا عالم قرار دیا۔ (تاریخ بغداد ۴/۲۱۴ وسندہ صحیح)

٧: شمس الدین ابوالخیر محمد بن محمد بن الجزری رحمہ اللہ (متوفی ۸۳۳ھ) نے فرمایا:

''نزيل طرابلس المغرب ، إمام علامة مشهور ثقة ، روى القراء ة عن أبيه '' وہ مغرب کے طرابلس میں آباد ہو گئے تھے، امام علامہ مشہور ثقہ، انھوں نے اپنے والد سے قراءت روایت کی۔ (غایۃ النہایہ فی طبقات القراء ۱/۷۳ ت ۳۲۳)

٨: حافظ ذہبی نے فرمایا: ''الإمام الحافظ القدوة '' (تذکرۃ الحفاظ ۲/۵۶۰ ت ۵۸۲)

اور فرمایا: ''الإمام الحافظ الأوحد الزاهد '' (سیر اعلام النبلاء ۱۲/۵۰۵)

حافظ ذہبی نے امام عجلی کی کتاب الجرح والتعدیل (یعنی التاریخ / الثقات) کے بارے

میں فرمایا: ''وله مصنّف مفيد في الجرح والتعديل، طالعته و علقت منه فوائد تدل علىٰ تبحره بالصنعة و سعة حفظه ''اور جرح وتعدیل میں اُن کی مفید کتاب ہے، میں نے اس کا مطالعہ کیا ہے اور اس سے فوائد لکھے ہیں جو اس فن میں اُن کی بہت زیادہ مہارت اور وسعتِ حفظ پر دلالت کرتے ہیں۔ (النبلاء ۱۲/ ۵۰۶)

۹: ابن ناصر الدین الدمشقی رحمہ اللہ (متوفی ۸۴۲ھ) نے فرمایا:

''كان إمامًا حافظًا قدوة من المتقنين و كان يعد كأحمد بن حنبل و يحيى ابن معين و كتابه في الجرح والتعديل يدل علىٰ سعة حفظه و قوة باعه الطويل . ''آپ امام حافظ مقتدا تھے، متقنین (ثقہ وثبت راویوں) میں سے تھے، آپ کو احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین کی طرح سمجھا جاتا تھا، جرح وتعدیل میں آپ کی کتاب آپ کی وسعتِ حفظ اور بہت بڑی مہارت کی دلیل ہے۔ (شذرات الذهب ج ۲ ص ۱۴۱)

۱۰: صلاح الدین خلیل بن ایبک الصفدی نے جرح وتعدیل میں امام عجلی کی کتاب کے بارے میں کہا: اور یہ کتاب مفید ہے، اُن کی امامت اور وسعتِ حافظہ پر دلالت کرتی ہے۔

(الوافی بالوفیات ۷/ ۵۱ ت ۶۷۴)

مزید حوالوں کے لئے دیکھئے طبقات الحفاظ للسیوطی (ص ۲۴۶ ت ۵۴۷) وغیرہ

تنبیہ: ہمارے علم کے مطابق چودھویں صدی ہجری سے پہلے کسی عالم نے بھی امام عجلی کو متساہل نہیں کہا بلکہ سب کا اُن کی توثیق وتعریف پر اجماع ہے اور یہ بھی باحوالہ بیان کر دیا گیا ہے کہ بڑے بڑے علماء انھیں امام احمد بن حنبل اور امام یحییٰ بن معین رحمہما اللہ جیسا بڑا امام مانتے تھے لہٰذا انھیں ذہبیٔ عصر علامہ معلّمی یمانی رحمہ اللہ اور اُن کے پیروکاروں کا متساہل قرار دینا غلط، باطل اور مردود ہے۔

وفات: آپ ۲۶۱ھ میں اطرابلس (المغرب یعنی مراکش) میں فوت ہوئے اور آپ کی قبر وہاں پر ساحل کے ساتھ ہے اور آپ کے ساتھ آپ کے بیٹے صالح کی قبر ہے۔ رحمہما اللہ

(۲۱/ اپریل ۲۰۱۰ء)

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

السعي المشكور فيمن وثقه الجمهور

أبان بن صالح بن عمير بن عبيد .

وقال الحافظ ابن حجر : وثقه الجمهور (هدي الساری ص ٤٥٦)

إبراهيم بن سليمان ، أبو إسماعيل المؤدب .

قال ابن حجر: و هو ثقة عند الجمهور... (الأمالي المطلقة ٥٤/١، الشاملة)

الأجلح بن عبد الله بن حجية، أبو عبدالله الكندي .

قال الهيثمي: والأكثر على توثيقه . (مجمع الزوائد ١٨٩/١)

وانظر فيض القدير للمناوي (٤٧١/٤)

إسماعيل بن أبي أويس .

قال النووي : وقد ضعف إسماعيل بن أبي أويس أيضًا يحيى بن معين و النسائي و لكن وثقه الأكثرون واحتجوا به واحتج به البخاري و مسلم في صحيحهما .

(شرح صحيح مسلم للنووي ٧٢/١٤ تحت ح ٢٠٩٤)

بقية بن الوليد .

قال المنذری: ثقة عندالجمهور لكنه مدلس . (الترغيب والترهيب ٥٦٨/٤)

وقال الذهبي: وثقه الجمهور فيما سمعه من الثقات .

(الكاشف ١٠٦/١، ١٠٧ ت ٦٢٦)

بهز بن حكيم بن معاوية القشيري، أبو عبدالملك .

قال ابن حجر: موثق عندالجمهور .

(فتح الباری ٣٥٥/١٣ تحت ح ٧٣٧١- ٧٣٥٥)

قال ابن عبد الهادي : وهو ثقة عند الجمهور .

(المحرر في الحديث ١٧٣/١ ح١٩٩)

وقال ابن الملقن: والجمهور على توثيقه كما قاله النووي فى تهذيبه .

(خلاصة البدرالمنير ١/ ٢٩٦ ح ١٠١٧)

الحارث بن عمير.

وقال الحافظ ابن حجر : وثقه الجمهور .

(هدي الساري ص ٤٥٦، تقريب التهذيب : ١٠٤١)

الحسن بن الصباح البزار، أبو علي الواسطي .

قال ابن حجر : وثقه الجمهور . (فتح الباري ٣٧٥/٩ تحت ح ٥٢٦٦)

و قال العيني: وثقه الجمهور . (عمدة القاري ٨٥/٣٠)

سعد بن سعيد بن قيس .

قال ابن الملقن : فيه خلف مشهور بل الأكثر على توثيقه .

(خلاصة البدر المنير ٩٩/٢ ح ١٦٢٣، المكتبة الشاملة)

سعيد بن عبدالرحمٰن الجمحي، أبو عبدالله المدني قاضي بغداد .

قال ابن حجر: وثقه الأكثر . (فتح الباری ١٥٠/١٠ تحت ح ٥٦٩٤)

سهيل بن أبي صالح .

قال المناوي : وثقه الأكثر ولينه بعضهم من قبل حفظه .

(فيض القدير ٤٥/٦ ح٨٣٢٦)

شهر بن حوشب .

قال النووي : و قد جرحه جماعة لكن وثقه الأكثرون...

(المجموع شرح المهذب ٣٧٠/١)

وقال الحافظ ابن حجر : وهو مقبول عند الجمهور.

(الأمالي المطلقة ١/ ٧٥، الشاملة)

قال العراقي : ضعفه الجمهور . (التقييد و الإيضاح ص ٥١)

قلت: الحق مع النووي في شهر بن حوشب بأنه وثقه الأكثرون أي الجمهور .

عبدالحميد بن جعفر بن عبد الله بن الحكم بن زافع الأنصاري.

قال الزيلعي: ولكن وثقه أكثر العلماء..... (نصب الراية ١/٣٤٤)

وقال العيني : ...ممن تكلم فيه ولكن وثقه أكثر العلماء واحتج به مسلم في صحيحه وليس تضعيف من ضعفه مما يوجب رد حديثه ...

(شرح سنن أبي داود للعيني٣/٤١٤ـ٤١٥) وانظر عمدة القاري (٩/٤٠)

عبدالحميد بن حبيب بن أبى العشرين كاتب الأوزاعي.

وقال الحافظ ابن حجر : وثقه الأكثر (هدي السارى ص٤٥٧)

عبد الرحمن بن سليمان بن عبد الله بن حنظلة الأنصاري، أبو سليمان المدني المعروف بابن الغسيل .

قال ابن حجر العسقلاني: وهو ثقة عند الأكثر .

(فتح البارى ١٠/١٤٠ تحت ح ٥٦٨٣)

عبد الرحمن بن يزيد بن جابر الدمشقي .

قال الحافظ : أحد الثقات الأثبات وثقه الجمهور . (فتح الباري ١/٤١٩)

عبد الله بن محمد بن عقيل .

قال ابن الملقن :"والأكثرون كما قاله النووي فى شرح المهذب على الإحتجاج به . (خلاصة البدرالمنير: ٨٧، ٢٣٤ وانظر التلخيص الحبير ١/٨٤)

قلت : الصواب ضعفه الجمهور .

عبد المجيد بن عبدالعزيز بن أبي رواد.

قال البوصيري: لكن وثقه الجمهور (زوائد ابن ماجة : ١٠٩٤)

قال السندي: لكن وثقه الجمهور .

(حاشية السندي على سنن ابن ماجة ٣٤٠/١ ح١٠٩٤)

عبد الوهاب بن عطاء الخفاف، أبو نصر العجلي.

قال الزيلعي: وثقه الأكثرون (نصب الراية ١٨٥/٢)

وقال النووي : مختلف فيه، وثقه الأكثرون واحتج به مسلم في صحيحه .

(خلاصة الأحكام ٧٣٥/٢ح ٢٥٧١)

عطاء بن أبي مسلم الخراساني .

قال ابن عراق الكناني : الجمهور على توثيقه . (تنزيه الشريعة ٣٧٢/٢ ح٢٨)

عكرمة مولى عبدالله بن عباس.

قال البيهقي: وعكرمة عند أكثر الأئمة من الثقات الأثبات .

(السنن الكبرىٰ ٢٣٤/٨)

عمران بن داور، أبو العرام القطان البصري.

قال البوصيري: فقد وثقه الجمهور (زوائدابن ماجة: ٢٦٧٢)

عمرو بن أبي عمرو مولى المطلب .

قال السيوطي : وثقه الجمهور . (الحاوي للفتاوي ١٠٤/٢)

عمرو بن شعيب بن محمد بن عبدالله بن عمرو بن العاص عن أبيه عن جده .

قال ابن الملقن: الأكثر ون على الاحتجاج بها(أي بهذه السلسلة) كما قال ابن الصلاح فى كلامه على المهذب . (خلاصة البدر المنير: ٨٥)

قال الزيلعى : و أكثر الناس يحتج بحديث عمرو بن شعيب إذا كان الراوي عنه ثقة... (نصب الراية ٥٨/١)

وقال الحافظ ابن تيمية : و أما أئمة الإسلام و جمهور العلماء فيحتجون بحديث عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده إذا صح النقل إليه ...

(مجموع فتاوى ٨/١٨)

عمرو بن هاشم البيروتي.

قال الهيثمي : والأكثر على توثيقه . (مجمع الزوائد ١/ ٢٦)

عمرو بن يحيى بن عمارة المازني الأنصاري المدني .

قال الحافظ ابن حجر : وثقه الجمهور . (فتح الباري ١/ ٤٣٢)

الفرج بن فضالة بن النعمان التنوخي الشامي .

قال العراقي : ضعفه الجمهور . (تخريج الإحياء ٣/ ٣٧٤)

القاسم بن عبد الرحمٰن، أبو عبد الرحمن الدمشقي .

قال العيني: والقاسم بن عبدالرحمٰن وثقه الجمهور وضعفه بعضهم .

(عمدة القاري ٧/ ١٤٦ ح ١١٠٣)

قزعة بن سويد الباهلي .

قال السيوطي : وقزعة وثقه الجمهور . (اللآلي المصنوعة ١/ ٢١٨)

مبارك بن فضالة ، أبو فضالة البصري.

قال الهيثمي: والأكثر على توثيقه (مجمع الزوائد ١/ ٥٤)

و للهيثمي قول مرجوح في مجمع الزوائد (٨/ ٢٠٢)

محمد بن إسحاق بن يسار، أبو بكر المطلبي المدني إمام المغازي.

قال الزيلعي: الأكثر على توثيقه (نصب الراية ٤/ ٧)

قال عبد الحق الإشبيلي : وثقه قوم وضعفه آخرون و من وثقه أكثر .

(الأحكام الشرعية الكبرىٰ ١/ ٧٩، المكتبة الشاملة)

قال العيني : و تعليل ابن الجوزي بابن إسحاق ليس بشيء لأن ابن إسحاق من الثقات الكبار عند الجمهور . (عمدة القاري ٧/ ٢٧٠)

محمد بن مسلم بن تدرس، أبو الزبير المكي .

قال ابن حجر : وثقه الجمهور ... (فتح الباري ١/ ٤٤٢)

معاوية بن يحيى، أبو مطيع الأطرابلسي الدمشقي .

قال الحافظ العراقي : وثقه الجمهور . (ذيل ميزان الاعتدال ١٩٣/١، الشاملة)

الوليد بن مسلم الدمشقي .

قال ابن حجر: ... وثقه الجمهور .... (فتح الباري ٤٥٠/١)

يحيى بن دينار، أبو هاشم .

قال المنذري : والأكثرون على توثيقه .

(الترغيب و الترهيب ٢٩٨/١ ح١٠٩٧)

يونس بن يزيد الأيلي .

قال ابن حجر : وثقه الجمهور . (فتح الباري ٤٥٥/١) .

تذکرۃ الراوی

محمد بن شجاع: ابن الثلجی

ابوعبداللہ محمد بن شجاع عرف ابن الثلجی کے بارے میں (معتدل) امام ابن عدی نے فرمایا: وہ تشبیہ کے بارے میں حدیث گھڑتا تھا (پھر) اسے اصحاب الحدیث سے منسوب کر دیتا تھا تاکہ اُن کی عیب جوئی (توہین) کرے... (الکامل لابن عدی ۲۲۹۳/۶، دوسرا نسخہ ۵۵۱/۷)

امام (عبیداللہ بن عمر بن میسرۃ) القواریری رحمہ اللہ نے اپنی وفات سے دس روز پہلے ابن الثلجی کے بارے میں فرمایا: "هو كافر" وہ کافر ہے۔ (تاریخ بغداد ۳۵۱/۵ وسندہ حسن)

امام اسماعیل بن اسحاق القاضی نے یہ فتویٰ سننے کے بعد اس فتوے پر کوئی رد نہیں کیا۔

حافظ ابن الجوزی نے ثلجی مذکور کو کتاب الضعفاء والمتروکین (۷۰/۳) میں ذکر کیا اور المنتظم میں کہا: مگر وہ قرآن کے بارے میں ردی مذہب رکھتا تھا۔ (المنتظم ۲۰۹/۱۲ وفیات ۲۶۶ھ)

حافظ مزی نے کہا: اور وہ جہمیوں میں سے ایک تھا... (تہذیب الکمال ۳۴۴/۶)

حافظ ابوبکر البیہقی نے کہا: اور وہ متعصبین میں سے تھا۔ (الاسماء والصفات ص ۵۶۰، دوسرا نسخہ ص ۴۴۵)

بیہقی نے ثلجی کی ایک روایت کو منکر موضوع کہا۔ (الاسماء والصفات ص ۴۷۱، دوسرا نسخہ ص ۳۷۲)

حافظ ابن حجر نے کہا: "متروك و رمي بالبدعة" (تقریب التہذیب: ۵۹۰۴)

حافظ ذہبی نے کہا: "وهو متروك الحديث" (العبر فی خبر من غبر ۳۸۲/۱ وفیات ۲۶۶ھ)

اس جرح کے مقابلے میں ثلجی کی توثیق کسی امام سے ثابت نہیں ہے اور نہ یہ ثابت ہے کہ اس کی موت نمازِ عصر کے دوران سجدے میں ہوئی تھی۔ موت والے اس قصے کے دو راوی ابوالحسن علی بن صالح بن احمد بن الحسن بن صالح البغوی اور ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الہروی دونوں نامعلوم (یعنی مجہول) تھے۔ اس کا اپنے گھر میں ختمِ قرآن کرنا بھی ثابت نہیں ہے۔ اس قصے میں احمد بن الحسن بن صالح بھی نامعلوم ہے۔ جس راوی پر جمہور محدثین کی جرح ثابت ہو، اُسے فقیہ یا تفقہ اور (نام نہاد) نیک ہونے کے الفاظ ذرا بھی فائدہ نہیں پہنچاتے۔

ابو مقاتل السمرقندی

ابو مقاتل حفص بن سلم السمرقندی الفزاری الخراسانی کے بارے میں جرح وتعدیل کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱) صالح بن عبداللہ بن ذکوان الترمذی الباہلی (ثقہ) رحمہ اللہ نے فرمایا:
ہم ابو مقاتل السمرقندی کے پاس تھے پھر وہ وصیتِ لقمان، قتلِ سعید بن جبیر اور اس جیسی لمبی حدیثیں عون بن ابی شداد سے بیان کرنے لگا، جو وہ بیان کیا کرتا تھا تو اس کے بھتیجے نے کہا: اے چچا! یہ نہ کہو کہ ہمیں عون نے یہ حدیثیں بیان کی ہیں، کیونکہ آپ نے ان میں سے کچھ بھی نہیں سنا، اس نے کہا: اے بیٹے! یہ اچھا کلام ہے۔

(العلل الصغیر للترمذی ص ۸۹۲ وسندہ صحیح، شرح علل ابن رجب ج ۱ ص ۷۸۔۷۹)

اس سچے قصے سے معلوم ہوا کہ ابو مقاتل السمرقندی کذاب تھا۔

۲) ابو معاویہ محمد بن خازم الضریر نے ابو مقاتل کی بیان کردہ ایک حدیث کے بارے میں کہا: ''ما أقول: إن صاحبکم کذاب ولکنّ هذا الحدیث کذب''
میں یہ نہیں کہتا کہ تمھارا ساتھی جھوٹا ہے لیکن یہ حدیث جھوٹ ہے۔

(العلل الصغیر ص ۸۹۲ وسندہ صحیح، شرح علل ابن رجب ج ۱ ص ۷۹)

معلوم ہوا کہ ابو معاویہ کے نزدیک ابو مقاتل کذاب نہیں لیکن جھوٹی حدیثیں بیان کرنے والا تھا۔

۳) حافظ ابن عدی نے ابو مقاتل کے بارے میں کہا: ''ولیس هو ممن یعتمد علی روایاته'' اور اس کی روایتوں پر اعتماد نہیں کیا جاتا۔ (الکامل ج ۲ ص ۸۰۱، دوسرا نسخہ ج ۳ ص ۲۹۶)

٤) حافظ ابن حبان نے کہا: وہ زاہدانہ طرزِ زیست اور عبادت والا تھا، لیکن وہ منکر چیزیں لے کر آتا تھا، جن کے بارے میں حدیث لکھنے والا جانتا ہے کہ ان کی کوئی اصل نہیں

ہے۔الخ (کتاب المجروحین ج ا ص ۲۵۶)

۵) ابواسحاق الجوزجانی (متوفی ۲۵۹ھ) نے کہا کہ مجھے بتایا گیا ہے: وہ اچھے کلام کے لئے سند بنالیتا تھا۔ (احوال الرجال ص ۲۰۳ فقرہ: ۳۷۴)

٦) مستدرک کے مصنف حاکم نیشاپوری نے کہا:

"أبو مقاتل حدّث عن عبيد الله بن عمر، و أيوب السختياني، و مسعر وغيره بأحاديث موضوعة..." ابومقاتل نے عبیداللہ بن عمر، ایوب سختیانی اور مسعر وغیرہم سے موضوع حدیثیں بیان کیں.... (المدخل الی الصحیح ص ۱۳۰۔۱۳۱ فقرہ: ۴۲)

۷) حلیۃ الاولیاء کے مصنف ابونعیم الاصبہانی نے کہا: اس نے ایوب سختیانی، عبیداللہ بن عمر اور مسعر سے منکر حدیثیں بیان کیں.... (کتاب الضعفاء ص ۷۵ فقرہ: ۵۲م)

۸) حافظ ذہبی نے کہا: "واہٍ" وہ ضعیف ہے۔ (دیوان الضعفاء ۱/۲۱۴ ت ۱۰۵۰)

اور مزید کہا: "واہٍ بمرۃ" وہ کلیتاً ضعیف ہے۔ (المغنی فی الضعفاء ۱/۲۷۴ ت ۱۶۱۴)

۹) امام دارقطنی نے ابومقاتل کو ضعیف کہا۔

دیکھئے لسان المیزان (۶/۱۰، دوسرا نسخہ ۶/۶۶۵ بحوالہ غرائب مالک)

۱۰) حافظ ابن حجر نے کہا کہ ابوسعید النقاش نے کہا: اس (ابومقاتل) نے مسعر، ایوب اور عبیداللہ بن عمر سے موضوع حدیثیں بیان کیں۔ (لسان المیزان ج ۲ ص ۳۲۳)

۱۱) ابوالفضل السلیمانی نے کہا: وہ حدیثیں گھڑنے والوں میں سے تھا۔

(میزان الاعتدال ج ا ص ۵۵۸)

۱۲) حافظ ابن الجوزی نے اسے کتاب الضعفاء والمتروکین (ج ا ص ۲۲۱ ت ۹۳۲) میں ذکر کیا۔

۱۳) برہان الدین الحلبی نے اسے الکشف الحثیث عمن رمی بوضع الحدیث (ص ۱۵۳ ت ۲۴۹) یعنی ان لوگوں میں ذکر کیا جن کے بارے میں محدثین نے بتایا ہے کہ وہ حدیثیں گھڑتے تھے۔

۱۴) ابو العباس احمد بن علی المقریزی نے ابو مقاتل کے بارے میں جوز جانی اور ابن عدی کا کلام نقل کیا اور کوئی دفاع نہیں کیا۔ (دیکھئے مختصر الکامل فی الضعفاء وعلل الحدیث ص ۲۲۷ فقرہ: ۵۱۵)

۱۵) ابن رجب حنبلی نے ابو مقاتل کی ایک حدیث کو جھوٹ قرار دیا اور کہا:

"متھم بالکذب" وہ جھوٹ کے ساتھ متہم ہے۔ (شرح علل الترمذی ج ۱ ص ۲۳۸)

ان جمہور محدثین وغیر محدثین کے مقابلے میں حافظ الخلیلی نے کہا:

"مشهور بالصدق والعلم، غير مخرّج في الصحيح... و له في العلم و الفقه محل" وہ سچائی اور علم کے ساتھ مشہور تھا، صحیح میں اس کی روایت درج نہیں کی جاتی....اور علم وفقہ میں اس کا ایک مقام تھا... (الارشاد ج ۳ ص ۹۷۵ ت ۹۰۴)

یہ توثیق دو وجہ سے مردود ہے:

اول: یہ جمہور کی جرح کے خلاف ہے۔

دوم: اس سے مراد یہ ہو سکتا ہے کہ وہ فی نفسہ کذاب نہیں تھا مگر صحیح روایت میں غیر مخرّج ہونے کی وجہ سے ضعیف ضرور تھا، اس طرح تمام اقوال میں تطبیق ہوتی ہے۔

ابو مقاتل ۲۰۸ھ میں فوت ہوا تھا۔ دیکھئے تاریخ الاسلام للذہبی (۱۱۵/۱۴)

ابو مقاتل کے بارے میں غیر ثابت و بے سند اقوال میں نے چھوڑ دیئے ہیں تاہم بطورِ فائدہ عرض ہے کہ حافظ ابن حجر نے اسے مقبول (یعنی مجہول الحال) لکھا ہے۔

دیکھئے تقریب التہذیب (مع التحریر ج ۴ ص ۲۷۶ ت ۸۳۸۹)

تحریر تقریب التہذیب والوں نے ابو مقاتل کو مقبول نہیں بلکہ متروک قرار دیا ہے۔

خلاصۃ التحقیق: ابو مقاتل السمرقندی ضعیف، متہم بالکذب اور سخت مجروح راوی ہے۔

نیز دیکھئے نور العینین (ص ۳۷)

ایسے مجروح راوی کے بارے میں عبد الغفار ....نے کہا: "امام حفص بن سلم ابو مقاتل السمرقندی الحنفی المظلوم ۲۰۸ھ" (قافلۂ باطل ج ۳ شمارہ ۴ ص ۳۰)

عرض ہے کہ کس نے ابو مقاتل پر ظلم کیا تھا اور حنفی کی بات بھی عجیب ہے کیونکہ حافظ

ابن عدی نے صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ ابو مقاتل رفع یدین کرتا تھا۔
دیکھئے الکامل (ج ۲ ص ۸۰۰ وسندہ صحیح، دوسرا نسخہ ج ۳ ص ۲۹۴)

ابو مقاتل کی جرح و تعدیل کی یہ تفصیل پڑھ کر آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ابن فرقد الشیبانی کی توثیق ثابت کرنے کے لئے عبدالغفار نے کن کن اکاذیب، افتراءات اور خیانتوں کا ارتکاب کر رکھا ہے۔ وما علینا إلا البلاغ (۲۲/ اکتوبر ۲۰۰۹ء)

قاضی یعقوب بن ابراہیم اور آلِ دیوبند کی بے بسی

الحمد للّٰہ ربّ العالمین و الصّلوۃ و السّلام علٰی رسولہ الأمین ، أما بعد:

قاضی یعقوب بن ابراہیم کے بارے میں درج ذیل علماء سے توثیق یا تعریف ثابت ہے:

(۱) نسائی (۲) ابن حبان (۳) محمد بن الصباح الجرجرائی

(۴) عمرو بن محمد بن بکیر الناقد (۵) یحییٰ بن معین

(۶) ابن عدی (۷) بیہقی (۸) حاکم

(۹) ذہبی (۱۰) ابن جریر طبری

اور درج ذیل علماء سے جرح ثابت ہے:

(۱) یحییٰ بن معین (۲) عبداللہ بن المبارک (۳) عبداللہ بن ادریس

(۴) یزید بن ہارون (۵) مالک بن انس (۶) سفیان ثوری

(۷) سفیان بن عیینہ (۸) بخاری (۹) وکیع

(۱۰) ابوزرعہ الرازی (۱۱) ابوحاتم الرازی (۱۲) احمد بن حنبل

(۱۳) شریک القاضی (۱۴) عمرو بن علی الفلاس (۱۵) دارقطنی

(۱۶) جوزجانی (۱۷) سعید بن منصور (۱۸) عقیلی

(۱۹) ابن سعد (۲۰) ذہبی (۲۱) ابوحنیفہ نعمان بن ثابت

دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو: ۱۹ (دسمبر ۲۰۰۵ء)

ہم چونکہ اسماء الرجال میں جمہور محدثینِ کرام کو ہمیشہ ترجیح دینے کے پابند ہیں، لہٰذا جمہور کے مقابلے میں مذکورہ توثیق مردود ہے۔

بعض الناس نے قاضی یعقوب کی توثیق و تعریف کے لئے درج ذیل حوالے پیش کئے ہیں:

ابن معین ،نسائی ،ابن خلکان، عمار بن مالک ، ابن عبدالبر ، ابن حبان، محمد بن صباح ، ابن عدی، حاکم ،بیہقی ، یزید بن ہارون، ابوحاتم ، ابراہیم الحربی ، عبدالرحمٰن ،عمرو بن محمد الناقد ، ھلال الرای ، ذہبی ، ابوحنیفہ ، ابن سماعہ ، عبدالحیٔ لکھنوی،عبدالکریم شہرستانی ، ابن القیم ،ابوحفص الفلاس ، احمد بن حنبل ، مزنی ، ابن تیمیہ ، ابوزرعہ الرازی، احمد بن کامل القاضی، ابن قتیبہ ، ابن المدینی، طلحہ بن محمد بن جعفر، اعمش ، ابوالاعلیٰ مودودی، عجلی

یہ کل چونتیس (۳۴) حوالے ہیں جن میں سے لکھنوی اور مودودی کے نام صرف نمبر بڑھانے کے لئے چودھویں صدی ہجری سے لئے گئے ہیں لہٰذا باقی بچے ۳۲ حوالے۔

ان میں سے درج ذیل حوالے مذکورہ علماء سے باسند صحیح یا حسن ثابت نہیں یا دوسری وجہ سے مردود ہیں:

(۱) عمار بن مالک (؟) کا قول (متن سے قطع نظر) احمد بن عمار بن ابی مالک (؟) کی وجہ سے غیر ثابت ہے۔

(۲) ابن عبدالبر ۴۶۳ھ میں فوت ہوئے اور ابن خلکان ۶۰۸ھ میں پیدا ہوئے لہٰذا ''کان حافظاً'' والا حوالہ بے سند ہونے کی وجہ سے مردود ہے اور یاد رہے کہ جمہور کی جرح کے بعد حافظ کا لفظ توثیق نہیں ہے لہٰذا اگر یہ لفظ کتاب الانتقاء میں بھی مل جائے تو آلِ دیوبند کے لئے کوئی فائدہ نہیں ہے۔

سعید بن بشیر الازدی الشامی ضعیف راوی تھا۔ (دیکھئے تقریب التہذیب:۲۲۷۶)

اُس کے بارے میں امام ابومسہر رحمہ اللہ نے فرمایا: ''لم یکن في جندنا أحفظ منه ، وھو ضعیف منکر الحدیث'' ہمارے لشکر میں اُس سے زیادہ حافظ کوئی نہیں تھا، اور وہ ضعیف منکر الحدیث ہے۔ (کتاب المعرفۃ والتاریخ ۲/ ۱۲۴، وسندہ صحیح)

(۳) یزید بن ہارون کی طرف منسوب میزان ولسان کا حوالہ بے سند ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

(۴) ابوحاتم کا کلام توثیق نہیں بلکہ جرح ہے۔

(۵) ابراہیم الحربی کا قول ''وکان من عقلاء الناس'' جمہور کی جرح کے مقابلے میں توثیق نہیں ہے۔

(۶) عبدالرحمٰن بن ابی حاتم کا کوئی علیحدہ حوالہ نہیں بلکہ وہی امام ابوحاتم الرازی والا حوالہ ہے جو کہ جرح ہے۔

(۷) ھلال الرای ضعیف تھا۔ دیکھئے تاریخ الاسلام للذہبی (۵۲۹/۱۸) المجروحین لابن حبان (۸۸/۳) اور لسان المیزان (۲۰۲/۶، ۲۰۳) وغیرہ۔

بکر بن محمد العمی کی توثیق بھی مطلوب ہے۔

(۸) ابوحنیفہ کی طرف منسوب حوالے البدایہ والنہایہ، سیر اعلام النبلاء اور وفیات الاعیان وغیرہ میں بے سند ہونے کی وجہ سے مردود ہیں۔

(۹) ابن سماعہ کا حوالہ بے سند ہونے کی وجہ سے باطل ہے۔

(۱۰) شہرستانی کا ثقہ وصدوق ہونا ثابت نہیں بلکہ وہ بذاتِ خود مجروح تھا۔

دیکھئے التحبیر فی المعجم الکبیر ۹۱/۲

(۱۱) جمہور کی جرح کے بعد کسی راوی کو ائمۃ الحدیث میں ذکر کرنا توثیق نہیں ہوتا لہٰذا ابن القیم کا حوالہ پیش کرنا فضول ہے۔

ابن بطہ العکبری الحنبلی کے بارے میں حافظ ذہبی نے لکھا ہے:

''إمام لکنه لین صاحب أوهام''

امام ہیں لیکن ضعیف (اور) اوہام والے ہیں۔ (المغنی فی الضعفاء ج ۲ص ۳۱ ت ۳۹۴۴)

(۱۲) الفلاس کا حوالہ توثیق نہیں بلکہ جرح ہے لہٰذا بعض الناس نے انھیں موثقین میں ذکر کر کے ان لوگوں کی پیروی کی ہے جنھیں خنزیر اور بندر بنا دیا گیا تھا۔

(۱۳) امام اہلِ سنت احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو بھی موثقین میں ذکر کرنا غلط ہے۔ انھوں نے قاضی یعقوب کے بارے میں فرمایا: ''و أنا لا أحدث عنه'' اور میں اُس سے حدیث بیان نہیں کرتا۔ (تاریخ بغداد ج ۱۴ص ۲۵۹ وسندہ صحیح)

(۱۴) مزنی کی طرف منسوب قول کا راوی جعفر بن یٰسینؔ نا معلوم ہے اور محمد بن ابراہیم بن حبیش البغوی مجروح ہے۔ قال الذهبي: " فيه ضعف " وقال الدارقطني :لم يكن بالقوي . (المغنی فی الضعفاء ۲/۲۵۲، لسان المیزان ۵/۲۵)

لہٰذا یہ قول بھی ثابت نہیں ہے۔

(۱۵) حافظ ابن تیمیہ سے صراحتاً یعقوب بن ابراہیم کی توثیق ثابت نہیں اور رجوع یعقوب وغیرہ کے حوالوں کا جمہور کی جرح کے بعد توثیق سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

(۱۶) ابوزرعہ الرازی سے یعقوب کی توثیق ثابت نہیں بلکہ جرح ثابت ہے۔

دیکھئے ابوزرعہ کی کتاب الضعفاء اور اقوالِ جرح نمبر ۱۰

(۱۷) ابن قتیبہ کا صاحبِ سنت اور حافظ لکھنا جمہور کی جرح کے بعد کوئی توثیق نہیں لہٰذا معارف کا حوالہ فضول ہے۔ جب قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم نے آخری عمر میں رجوع کر لیا تو اس کا روایتِ حدیث کی جرح یا تعدیل سے کیا تعلق ہے؟ کچھ تو غور کریں!

(۱۸) ابن المدینی کا قول ثابت نہیں ہے۔ دیکھئے الحدیث حضرو: ۱۹ ص ۴۷

(۱۹) طلحہ بن محمد بن جعفر الشاہد بذاتِ خود ضعیف تھا۔ دیکھئے الحدیث حضرو: ۱۹ ص ۴۶

(۲۰) اعمش کا حوالہ باسند صحیح ثابت نہیں ہے۔ جامع بیان العلم وفضلہ میں اس حوالے کی سند درج ذیل ہے:

" أخبرني خلف بن قاسم قال : حدثنا محمد بن القاسم بن شعبان قال : حدثنا إبراهيم بن عثمان بن سعيد قال: حدثنا علان بن المغيرة قال : حدثنا علي بن معبد بن شداد قال: حدثنا عبيد الله بن عمرو . . " (ج ۲ ص ۲۵۵ ح ۱۰۱۸)

اس سند کے ہر راوی کی توثیق اور روایت کے صحیح ہونے کے بعد ہی اسے بطورِ استدلال پیش کیا جا سکتا ہے لیکن یاد رہے کہ ہمارے نسخے میں یہاں قاضی ابو یوسف کا نام نہیں بلکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا نام لکھا ہوا ہے لہٰذا " ابو یوسفؒ کو فرمایا " والا جملہ محلِ نظر ہے۔

(۲۱) امام عجلی والا حوالہ تو آلِ دیوبند کا بہت بڑا جھوٹ ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے

کہ سرفراز خان کڑمنگی دیوبندی نے قاضی ابو یوسف کے بارے میں بحوالہ تہذیب التہذیب (ج ۱۱ص ۳۸۰) لکھا: ''امام عجلی'' ان کو ثقہ کہتے ہیں۔'' (طائفہ منصورہ ص ۵۲)

یہ حوالہ سرفراز خان کی جہالت کا بہت بڑا ''شاہکار'' ہے۔ قاضی یعقوب بن ابراہیم بن حبیب تو تہذیب التہذیب کے راویوں میں سے نہیں بلکہ وہ لسان المیزان کے راویوں میں سے ہیں۔ یعقوب بن ابراہیم بن سعد الزہری المدنی رحمہ اللہ دوسرے راوی ہیں، جن کا تہذیب التہذیب میں ذکر ہے اور ان کے بارے میں امام عجلی نے فرمایا: ثقہ

(تہذیب التہذیب ج ۱۱ص ۳۸۰)

یعقوب بن ابراہیم بن سعد اور یعقوب بن ابراہیم بن حبیب دونوں علیحدہ علیحدہ آدمی تھے اور دونوں کو ایک قرار دینے والا نہ صرف جاہل بلکہ محرف و ملبس ہے۔

اب جب قاضی ابو یوسف کی توثیق ثابت کرنے سے آلِ دیوبند عاجز، لاچار اور بے بس ہو گئے ہیں تو دوسرے ثقہ راویوں کی تعدیل استعارتاً لے کر یا چُرا کر قاضی صاحب کو ثقہ ثابت کرنے پر تُل گئے ہیں۔

جس شخص کو اپنے مشہور ترین ''امام و پیشوا'' کا نام و نسب ہی معلوم نہیں، آلِ دیوبند کس منہ سے اُس شخص کو ''امامِ اہلِ سنت'' بنانے اور منوانے کی کوشش کر رہے ہیں؟!

میری طرف سے تمام آلِ دیوبند کو چیلنج ہے کہ وہ امام عجلی سے قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم بن حبیب کی توثیق ثابت کر دیں اور اگر نہ کر سکیں تو علانیہ توبہ کریں۔

۳۲ میں سے ۲۱ حوالے نکل گئے تو باقی بچے: ۱۱

۱۱ کے مقابلے میں ۲۰+۱=۲۱ علماء کی جرح ثابت ہے لہٰذا جمہور کو ترجیح کی وجہ سے یہاں جرح راجح ہے۔ وما علینا إلا البلاغ

ہم نے ۸/ ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ میں اعلان کیا تھا: ''جن حنفی و دیوبندی و بریلوی حضرات کو اس تحقیق سے اختلاف ہے وہ ''الحدیث حضرو'' کے منہجِ تحقیق کو مدِ نظر رکھ کر اس کا جواب لکھ سکتے ہیں۔ ''الحدیث'' کے صفحات جوابی تحقیق کے لئے حاضر ہیں بشرطیکہ ہر دلیل

باحوالہ اور باسند صحیح وحسن لذاتہ ہو۔'' (ماہنامہ الحدیث حضرو:۱۹ص ۵۵)

اکیس (۲۱) جارحین کے مقابلے میں گیارہ (۱۱) حوالے پیش کر کے یہ دعویٰ کرنا کہ ہم نے مطالبہ پورا کر دیا ہے لہٰذا ہمارا مضمون شائع کیا جائے، اُسی طرح کی مکاری اور شرارت ہے، جس طرح قاری چن محمد دیو بندی نے ہمارے ساتھ عقائدِ علمائے دیو بند پر مناظرہ طے کیا تھا اور مناظرے کے موقع پر اپنی مکاری سے اس عنوان پر اتفاق کے باوجود مناظرے کو ''اہلِ حدیث کے اکاذیب!!'' پر تبدیل کر دیا اور اثنائے مناظرہ یہ مطالبہ کیا کہ عقائد علمائے دیو بند پر مناظرے کا انعام دیا جائے، حالانکہ عقائد علمائے دیو بند پر اُس نے مناظرہ ہی نہیں کیا بلکہ شور مچا کر راہِ فرار اختیار کی تھی۔

گیارہ مذکورہ حوالوں میں احمد بن کامل القاضی والا حوالہ بھی غیر ثابت ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔ اس کا راوی ابوعبید اللہ محمد بن عمران بن موسیٰ المرزبانی جمہورِ محدثین کے نزدیک مجروح ہے۔

عتیقی نے اسے ثقہ کہا لیکن ازہری نے کہا: وہ معتزلی تھا اور... وہ ثقہ نہیں تھا۔

ابوعبید اللہ بن الکاتب اسے کذاب سمجھتے تھے لیکن خطیب بغدادی کذاب نہیں سمجھتے تھے۔ ابن ابی الفوارس نے بھی اس پر جرح کی۔ (دیکھئے تاریخ بغداد ج ۳ ص ۱۳۶ ت ۱۱۵۹)

عضدالدولہ رافضی اس کا یار تھا۔

اب کل موثقین باقی بچے: ۱۰ دس عدد

امکانِ کذبِ باری تعالیٰ، امکانِ نظیر مصطفیٰ ﷺ، وحدت الوجود اور باطل و بدعتی عقائد رکھنے والے آلِ دیو بند سے ہمیں یہ شکایت ہے کہ یہ لوگ بہت بڑے جھوٹے ہیں۔ ان کی وجہ سے اُمت میں بدعات اور فسادات کا ایک بڑا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ یہ لوگ عدل و انصاف اور متانت و شرافت سے بات نہیں کرتے بلکہ کذب و افتراء، تحریفات اور خیانتیں ان کا خاص شعار ہے۔ ان لوگوں کے شر سے اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔ آمین

(۸/فروری ۲۰۱۰ء)

تصدیق تائیدِ ربانی فی جواب: مضمون فضل ربانی

اِبطال مزاعم توثیقاتِ ابن فرقد الشیبانی

الحمد للّٰہ رب العالمین و الصّلوٰۃ و السّلام علٰی رسولہ الأمین ، أما بعد:

ابن فرقد یعنی محمد بن الحسن الشیبانی نامی ایک راوی پر امام یحییٰ بن معین، احمد بن حنبل، عمرو بن علی الفلاس، ابراہیم بن یعقوب الجوزجانی، ابوزرعہ الرازی، نسائی، عقیلی، ابن حبان، ابن عدی اور ابن شاہین البغدادی (دس محدثین) نے جرح کی اور قاضی ابو یوسف نے فرمایا: اس کذاب یعنی محمد بن الحسن سے کہو۔ الخ (تاریخ بغداد ۲/ ۱۸۰، وسندہ حسن)

جمہور کی اس جرح کے مقابلے میں ایک جاہل دشنام طراز (دیوبندی) نے ''فضل ربانی'' کے نام سے مختلف اقساط میں ایک مضمون لکھا ہے جس میں بزعمِ خویش ابن فرقد کی توثیق ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ درج ذیل تحقیقی مضمون میں اس بعض الناس کے بیت العنکبوت کو تار تار کر کے اُس کے توثیقی مزاعم کا باطل و مردود ہونا براہینِ قاطعہ سے ثابت کر دیا گیا ہے۔ والحمد للہ

۱) بعض الناس نے کہا:

''امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ اس کو لازم پکڑے رکھو کیونکہ وہ (امام محمد بن حسنؒ) تمام لوگوں سے زیادہ عالم ہیں۔ دیکھئے (فضائل ابی حنیفہ و اخبارہ لابن ابی العوام ص ۱۲۰ قلمی و بلوغ الامانی لامام الکوثری ص ۵۷، ۶۳ وغیرہما)''

جواب: اس روایت کی سند مناقب الامام ابی حنیفہ وصاحبیہ ابی یوسف و محمد بن الحسن للذہبی کے حاشیے پر ایک متعصب تقلیدی ابوالوفاء الافغانی کے قلم سے موجود ہے:

''کتاب ابن أبی العوام ... قال: حدثني أحمد بن محمد بن سلامة قال: حدثني أحمد بن أبي عمران قال: حدثني محمد بن عبدالرحمٰن بن بکر

الطبري قال: سمعت معلى بن منصور يقول: لقيني أبو يوسف بهيئة القضاء ... ''(ص۵۳)

یہ روایت دو وجہ سے مردود ہے:

۱: اس کا راوی محمد بن عبدالرحمٰن بن بکر الطبری نامعلوم اور غیر موثق ہے۔

۲: ابن ابی العوام بھی غیر موثق (یعنی مجہول الحال) ہے۔

دیکھئے طلیعۃ التنکیل للشیخ المعلمی الیمانی رحمہ اللہ (ص ۲۷، التنکیل ج ۱ ص ۲۷)

فائدہ: اس ضعیف و مردود روایت کے مقابلے میں یہ ثابت ہے کہ قاضی ابو یوسف نے ابن فرقد کو کذاب کہا۔ (تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۸۰)

تاریخ بغداد والی روایت میں خطیب بغدادی رحمہ اللہ کے استاذ الحسن بن ابی بکر سے مراد ابو علی الحسن بن ابی بکر احمد بن ابراہیم بن شاذان البزار ہیں۔

دیکھئے خطیب بغدادی کی کتاب: الفصل للوصل المدرج فی النقل (۱/۲۵)

اور ابن شاذان رحمہ اللہ ثقہ تھے۔

۲) بعض الناس نے امام شافعی رحمہ اللہ سے نقل کیا:

''میں نے محمد بن حسن سے کتاب اللہ کا زیادہ عالم نہیں دیکھا گویا کہ قرآن اس پر نازل ہوا... میں نے ان سے ایک بختی اونٹ کے بوجھ کے برابر لکھا۔''

جواب: یہ کلام اگرچہ توثیق نہیں لیکن کوئی اسے توثیق باور کرانے پر مصر ہے تو عرض ہے کہ یہ منسوخ ہے، امام شافعی نے ابن فرقد کی کتاب الرد علیٰ اہل المدینہ کے بارے میں فرمایا:

''فنظرت في أولہ ثم و ضعته أو رميت به . ''میں نے اس کے شروع میں دیکھا پھر اُسے رکھ دیا یا پھینک دیا۔ (مناقب الشافعی للبیہقی ۱/۲۱۱، وسندہ صحیح)

امام شافعی رحمہ اللہ نے ابن فرقد سے کہا:

''قد نظرت في كتابك هذا فإذا بعد بسم الله الرحمٰن الرحيم خطأ كله . ''

میں نے تمھاری اس کتاب کو دیکھا ہے، اس میں تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد سب غلط

ہے۔ (مناقب الشافعی ۱/۱۲۲، وسندہ حسن)

نسخ کے دیگر دلائل بھی ہیں مثلاً ابن فرقد کے استاد پر امام شافعی رحمہ اللہ کی جرح وغیرہ۔

۳) بعض الناس نے ابوحفص الکبیر البخاری (متوفی ۲۱۷ھ) سے بحوالہ السمعانی فی الانساب اور مناقبِ ابی حنیفہ للکردری (۵۲/۲) نقل کیا:

"جس شخص نے محمد (بن الحسن الشیبانی) کو دیکھا تو اس نے پہچان لیا کہ وہ علم کیلئے ہی پیدا کئے گئے اور اس کے ساتھ بہت نیکی و زبان کی حفاظت اور اچھا اخلاق و محبت اور عمدہ اور پاکیزہ نفس اور کامل العقل پیدا کئے گئے ہیں۔" (ملخصاً)

جواب: یہ روایت کئی وجہ سے مردود ہے:

۱: کردری بزازی (متوفی ۸۲۷ھ) سے سمعانی تک سند نامعلوم ہے۔

۲: سمعانی کا تعین نامعلوم ہے۔

۳: اگر سمعانی سے مراد صاحب الانساب ابوسعد عبدالکریم بن محمد بن منصور السمعانی رحمہ اللہ (متوفی ۵۶۲ھ) ہیں تو یہ روایت نہ اُن کی کسی کتاب میں ثابت ہے اور نہ اُن تک کسی صحیح سند سے ثابت ہے۔

۴: ابوسعد السمعانی رحمہ اللہ سے ابوحفص الکبیر تک سند نامعلوم ہے۔

خلاصہ یہ کہ یہ بے سند و بے سروپا روایت مردود ہے۔

٤) ابومحمد عیسیٰ بن ابان بن صدقہ القاضی نامی ایک شخص تھا جو قرآن مجید کو مخلوق کہتا اور اس کی طرف دعوت دیتا تھا۔ (دیکھئے لسان المیزان ۳۹۱/۴ ز، دوسرا نسخہ ۳۶۰/۵)

بعض الناس نے بحوالہ کردری از سہل بن سہل الاسفرائنی عن سعد بن معاذ ابی عصمہ نقل کیا کہ عیسیٰ بن ابان سے پوچھا گیا: ابو یوسف زیادہ فقیہ ہیں یا محمد بن حسن زیادہ فقیہ ہیں؟ تو اس نے کہا: دونوں کی کتابوں کو دیکھا جائے گا یعنی محمد بن حسن زیادہ فقیہ ہیں۔

(مناقب کردری ۱۵۹/۲، النافع الکبیر ص ۳۷ ملخصاً)

جواب: یہ روایت کئی وجہ سے مردود اور باطل ہے:

ا: کردری (متوفی ۸۲۷ھ) سے سہل بن سہل الاسفرائنی تک سند نامعلوم ہے۔

۲: اسفرائینی بذاتِ خود نامعلوم ہے۔

۳: اسفرائنی سے سعد بن معاذ تک سند نامعلوم ہے۔

۴: ابوعصمہ سعد بن معاذ المروزی کے بارے میں حافظ ذہبی نے فرمایا:

''مجهول و حديثه باطل '' وہ مجہول ہے اور اس کی (بیان کردہ) حدیث باطل ہے۔

(میزان الاعتدال ج ۲ ص ۱۲۵، دوسرا نسخہ ج ۳ ص ۱۸۵)

۵) یحییٰ بن صالح الوحاظی نام کا ایک صدوق حسن الحدیث وثقہ الجمہور راوی تھا لیکن ثقہ ثبت امام اسحاق بن منصور بن بہرام الکوسج رحمہ اللہ نے فرمایا: '' حدثنا يحيى بن صالح و كان مرجئاً خبيثاً داعياً ، دعوه ليس بأهل ليروى عنه . ''

ہمیں یحییٰ بن صالح نے حدیث سنائی اور وہ مُرجی خبیث (ارجاء کی طرف) دعوت دینے والا تھا، اسے چھوڑ دو، وہ اس کا مستحق نہیں ہے کہ اُس سے روایت بیان کی جائے۔

(کتاب الضعفاء للعقیلی ۴/۴۰۹ وسندہ صحیح، دوسرا نسخہ ج ۴ ص 1519)

ایسے مُرجی بدعقیدہ راوی کی روایت تو مقبول ہو سکتی ہے بشرطیکہ اس کی توثیق جمہور محدثین سے ثابت ہو لیکن اس کی رائے مردود ہوتی ہے۔

فائدہ: جمہور کی جرح کے بعد کسی راوی کو فقیہ یا زیادہ فقیہ قرار دینا توثیق نہیں ہوتی بلکہ اس کا کچھ فائدہ نہیں ہوتا مثلاً احمد بن محمد بن عمرو بن مصعب بن بشر بن فضالۃ ابو بشر المروزی فقیہ تھا اور ساتھ ہی کذاب وضاع بھی تھا۔ دیکھئے میزان الاعتدال (۱/۱۴۹) اور لسان المیزان (۱/۲۹۰۔۲۹۱، دوسرا نسخہ ۱/۴۳۵۔۴۳۷)

٦) بعض الناس نے بحوالہ فضائل ابی حنیفہ واخبارہ لابن ابی العوام نقل کیا کہ ''امام مالکؒ نے فرمایا اور ان کے پاس اصحاب الحدیث بیٹھے تھے کہ کوئی بھی مشرق کی طرف سے ہمارے پاس فہم معنی جاننے والا نہیں آیا۔ اور اس جماعت میں محمد بن الحسن بھی تھے، امام مالک کی آنکھ ان پر جا ٹکی اور ان کے متعلق فرمایا: مگر یہ نوجوان۔'' (ص ۱۲۵، بتصرف یسیر)

جواب: یہ روایت دو وجہ سے مردود ہے:

۱: ابن ابی العوام مجہول اور غیر موثق ہے۔ دیکھئے یہی مضمون فقرہ:۱ جواب کا فقرہ نمبر ۲

۲: ابن ابی العوام سے امام مالک رحمہ اللہ تک سند نامعلوم ہے۔

۷) بعض الناس نے ثقہ وصدوق حسن بن ابی مالک سے نقل کیا کہ انھوں نے فرمایا:
محمد بن الحسن جس گہرائی کو پہنچا ہے وہاں ابو یوسف نہیں پہنچے۔

(فضائل ابی حنیفہ واخبارہ لابن ابی العوام ص ۲۲)

جواب: یہ روایت کئی وجہ سے مردود ہے۔ مثلاً:

۱: ابن ابی العوام مجہول ہے۔ دیکھئے فقرہ:۱

۲: ابن ابی العوام سے حسن بن ابی مالک تک سند نامعلوم ہے۔

۸) بعض الناس نے ابو مقاتل السمرقندی حفص بن سلم سے نقل کیا کہ ''میں نے ان (محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی) سے زیادہ فقیہ نہیں دیکھا۔'' (السمعانی بحوالہ مناقب کردری ۱۵۵/۲)

جواب: یہ روایت کئی وجہ سے مردود ہے۔ مثلاً:

۱: کردری سے سمعانی تک سند نامعلوم ہے۔

۲: سمعانی سے مراد اگر صاحب الانساب ہوں تو پھر یہ روایت اُن سے ثابت ہی نہیں ہے۔

۳: سمعانی سے ابو مقاتل تک سند نامعلوم ہے۔

۴: ابو مقاتل السمرقندی بذاتِ خود سخت ضعیف اور مجروح تھا۔

دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو: ۱۷ ص ۴۴۔ ۴۷، اور یہی کتاب ص ۳۶۴

۹) بعض الناس نے امام ابو عبید القاسم بن سلام رحمہ اللہ (متوفی ۲۲۴ھ) سے نقل کیا کہ ''میں نے محمد بن الحسن سے کتاب اللہ کا بڑا عالم نہیں دیکھا'' الخ

(اخبار ابی حنیفہ للصیمری ص ۱۲۴، مناقب کردری ۱۵۴/۲، ۱۵۶)

جواب: مناقب کردری (۱۵۶/۲) میں یہ روایت بغیر سند کے کسی الحلبی (؟) سے مذکور

ہے اور بے سند روایات مردود ہوتی ہیں۔

حلبی (؟) سے ابوعبید تک سند بھی نامعلوم ہے۔

کردری نے دوسرے الفاظ کے ساتھ سے اسے بغیر سند کے کسی سمعانی اور اسفرائنی سے نقل کیا ہے۔ سمعانی اور اسفرائنی سے ابوعبید تک سند نامعلوم یعنی ظلمات بعضها فوق بعض ہے۔ اخبار ابی حنیفہ واصحابہ للصیمری چونکہ باسند کتاب ہے لہٰذا وہاں اس روایت کی سند موجود ہے، جس پر تبصرہ درج ذیل ہے:

اس کا راوی ابن مغلس (احمد بن محمد بن الصلت بن المغلس عرف ابن عطیہ الحمانی) سخت کذاب تھا، اس کے بارے میں معتدل امام ابن عدی رحمہ اللہ نے فرمایا:

میں نے جھوٹے لوگوں میں اس سے زیادہ بے حیا دوسرا کوئی نہیں دیکھا۔

(الکامل لابن عدی ۱/۲۰۲، الحدیث حضرو: ۲۷ ص ۱۲)

امام ابن ابی الفوارس نے فرمایا: وہ (حدیثیں) گھڑتا تھا۔ (تاریخ بغداد ۴/۲۹ ت ۱۸۹۶، وسندہ صحیح)

حافظ ذہبی نے فرمایا: ''کان یضع الحدیث'' وہ حدیث گھڑتا تھا۔

(المغنی فی الضعفاء ۱/۸۹ ت ۴۲۶)

اور فرمایا: ''کذاب وضاع'' (میزان الاعتدال ۱/۱۴۰)

صیمری کا استاذ ابوالقاسم عبداللہ بن محمد الحلوانی البزاز بھی کذاب تھا۔

دیکھئے تاریخ بغداد (۱۰/۱۳۷ ت ۵۲۷۷) اور ماہنامہ الحدیث: ۲۷ ص ۱۶

یعنی یہ سند موضوع ہے اور اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ بے سند روایات میں اکثر موضوع اور مردود ہوتی ہیں۔

۱۰) امام ابن سعد (کاتب الواقدی) نے ابن فرقد کو الطبقات الکبریٰ میں ذکر کیا اور بتایا کہ اس نے کوفہ میں پرورش پائی، طلبِ حدیث کی اور مسعر، مالک بن مغول، عمر بن ذر، سفیان ثوری... وغیرہم سے حدیث کا بہت زیادہ سماع کیا، ابوحنیفہ کی مجالست اختیار کی اور اس سے سماع کیا، اس نے رائے میں دیکھا تو وہ اس پر غالب ہو گئی اور وہ اس (رائے) کے

ساتھ مشہور ہو گیا اور اس میں ماہر ہو گیا۔الخ (طبقات ابن سعد ۷/۳۳۶)

جواب: اس عبارت میں کسی قسم کی توثیق نہیں اور نہ مدح وثنا ہے بلکہ رائے میں غالبیت کے الفاظ میں جرح کی طرف اشارہ ہے۔ابن سعد نے ابن فرقد کے مشہور استاد کے بارے میں فرمایا:''وهو صاحب الرأي .. و كان ضعيفًا في الحديث ''اور وہ صاحب الرائے تھے ...اور وہ حدیث میں ضعیف تھے۔ (طبقات ابن سعد ۶/۳۶۸۔۳۶۹)

تنبیہ: ایک کذاب نے ایک قول''اس (امام) کے راوی سے (مجرد) روایت کرنے کے ساتھ (بھی) تعدیل ثابت ہو جاتی ہے۔''کو ماہنامہ الحدیث: ۵۵ ص ۳۷ سے منسوب کیا ہے، حالانکہ ماہنامہ الحدیث حضرو کے اسی صفحے پر اس قول کے بارے میں لکھا ہوا ہے:

''یہ آخری قول صحیح نہیں ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ان شاء اللہ'' (ص ۳۷ حاشیہ)

۱۱) بعض الناس نے اسد بن الفرات (متوفی ۲۱۳ھ) سے بذریعہ شذرات الذہب (۲/۱۷) وغیرہ نقل کیا کہ''محمد بن حسن (بن فرقد) الشیبانی امام ربانی ہیں...''الخ

(دیکھئے شذرات الذہب ج ۱ ص ۳۲۲ وفیات ۱۸۹ھ)

جواب: شذرات الذہب کا مصنف عبدالحئی بن العماد الحنبلی سنہ ۱۰۳۲ھ میں پیدا اور ۱۰۸۹ھ میں فوت ہوا تھا۔اُس سے لے کر ابن الفرات تک سند نا معلوم ہے لہٰذا یہ روایت مردود اور باطل ہے۔

بے سند اور بے سرو پا روایتیں پیش کر کے اپنے آپ کو ذلت اور رسوائی کی کھائیوں میں گرانے والوں کے پاس صحیح روایتیں ہیں ہی نہیں لہٰذا وہ بے چارے کیا کریں؟!

آخر انھیں اپنے مریدین کو بھی مطمئن کرنے کا بے فائدہ خیال مگر حقیقت میں محال ہے۔!

۱۲) بعض الناس نے محمد بن سماعہ الکوفی (متوفی ۲۱۳ھ) سے نقل کیا کہ''محمد بن الحسن الشیبانی اور حسن بن زیاد دونوں پوری دنیا کے فقیہ ہیں''

(فضائل ابی حنیفہ ص ۱۲۱، اخبار ابی حنیفہ واصحابہ ص ۱۲۶)

جواب: فضائل ابی حنیفہ کا مصنف ابن ابی العوام مجہول ہے (دیکھئے فقرہ:۱) جس کی کوئی

توثیق بذریعۂ محدثین ثابت نہیں اور ابن ابی العوام کی سند بھی نامعلوم ہے۔

اخبار ابی حنیفہ والی روایت دو وجہ سے مردود ہے:

۱: احمد بن عبیداللہ الثقفی سے مراد اگر حمار العزیز ہے تو وہ شیعہ قدری (گمراہ) تھا۔
دیکھئے لسان المیزان (۲۱۹/۱، دوسرا نسخہ ۳۲۸/۱۔۳۲۹)
اور اگر یہ کوئی دوسرا ہے تو اس کی توثیق و تعین نامعلوم ہے۔

۲: بکر بن خلف العمی یا بکر بن محمد العمی کی توثیق نامعلوم ہے۔

۱۳) بعض الناس نے امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ سے نقل کیا کہ میں نے محمد بن الحسن سے الجامع الصغیر کو لکھا ہے۔ (تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۷۵۔۱۷۶، اخبار ابی حنیفہ للصیمری ص ۱۲۵، وغیرہما)

جواب: یہ کوئی توثیق نہیں اور اس کے برعکس امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے ابن فرقد کے بارے میں فرمایا: جہمی کذاب ہے۔ (الضعفاء للعقیلی ۵۲/۴ وسندہ صحیح)

امام ابن معین کی اس جرح کو امام دارقطنی نے بھی نقل کیا ہے۔ دیکھئے تاریخ بغداد (۱۸۱/۲، و سنده صحيح إلى الدارقطني ثم قال: و عندي لا يستحق الترك.!)

امام ابن معین نے مزید فرمایا: ''ليس بشيءٍ فلا تكتب حديثه'' وہ کچھ چیز نہیں لہٰذا تم اس کی حدیث نہ لکھو۔ (تاریخ بغداد ۱۸۱/۲، واللفظ لہ وسندہ حسن، الکامل لابن عدی ۲۱۸۳/۶، باختلاف یسیر وسندہ صحیح، دوسرا نسخہ ۳۷۵/۷، علمی مقالات ج ۲ ص ۳۴۴۔۳۴۶)

۱۴) بعض الناس نے تاریخ بغداد (۱۱/۲، ہمارا نسخہ ۱۸۱/۲) وغیرہ سے امام علی بن المدینی رحمہ اللہ کا قول نقل کیا کہ محمد بن الحسن (الشیبانی) صدوق (سچے آدمی) تھے۔

جواب: اس روایت کا بنیادی راوی عبداللہ بن علی بن المدینی غیر موثق ہونے کی وجہ سے مجہول ہے لہٰذا یہ روایت مردود ہے۔

بطورِ الزامی دلیل عرض ہے کہ تاریخ بغداد کی اسی سند کے ساتھ علی بن المدینی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انھوں نے (امام) ابو حنیفہ کو بہت زیادہ ضعیف کہا اور فرمایا: اگر وہ میرے سامنے ہوتا تو میں کسی چیز کے بارے میں اُس سے کبھی نہ پوچھتا اور اس نے پچاس حدیثیں

بیان کیں جن میں غلطیاں کیں۔ (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۵۰)

اس روایت کے بارے میں کیا خیال ہے؟ نیز کوثری (جہمی) نے عبداللہ بن علی بن المدینی پر جو جرح نقل کر رکھی ہے اُسے بھی پڑھ لیں تا کہ کچھ تشفی ہو۔

۱۵) بعض الناس نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے نقل کیا کہ ''میں نے یہ مشکل اور پیچیدہ مسائل امام محمد بن حسن الشیبانیؒ سے حاصل کیے ہیں۔''

(اخبار ابی حنیفہ ص ۱۲۵، تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۸، اسماء الرجال ج ۲ ص ۳۶۰، مناقب کردری ج ۲ ص ۱۶۰، تبییض الصحیفہ ص ۸۲، الجواہر المضیہ ص ۳۲۳، النجوم الزاھرۃ ج ۲ ص ۱۶۴)

جواب: اس کا راوی ابو بکر محمد بن بشر بن موسیٰ بن مروان القراطیسی مجہول الحال ہے لہٰذا یہ روایت مردود ہے۔ (نیز دیکھئے علمی مقالات ج ۲ ص ۳۴۸)

اور بے سند کتابوں کے جتنے بھی حوالے ہوں، تحقیقی میدان میں مردود ہوتے ہیں۔

اس ضعیف و مردود روایت کے مقابلے میں وہ صحیح روایت ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے ابن فرقد کے بارے میں فرمایا: وہ کچھ چیز نہیں ہے اور اس کی حدیث نہ لکھی جائے۔ (الکامل لابن عدی ۲۱۸۳/۶ وسندہ صحیح)

تنبیہ: بعض الناس نے مذکورہ بالا عبارت اور دیگر عبارات میں ''امام'' اور ''رحہ'' کے الفاظ کا اپنی طرف سے اضافہ کیا ہے، جسے ہم نے بعض جگہ حذف کر دیا ہے۔

۱۶) بعض الناس نے ہشام بن عبیداللہ الرازی (ضعفہ الجمہور) سے نقل کیا کہ ''جب محمد بن الحسن کی وفات کا وقت آیا تو آپ اللہ کے دربار میں حاضری کے خوف سے رو رہے تھے۔'' (السمعانی بحوالہ مناقب کردری ج ۲ ص ۱۴۹)

جواب: یہ روایت کئی وجہ سے ضعیف و مردود ہے۔ مثلاً:

۱: کردری سے سمعانی تک سند نامعلوم ہے۔

۲: سمعانی سے ہشام بن عبیداللہ تک سند نامعلوم ہے۔

۳: ہشام الرازی بذاتِ خود ضعیف ہے۔

۱۷) بعض الناس نے محمد بن سلام البیکندی رحمہ اللہ سے نقل کیا کہ "الرجل الصالح محمد بن الحسن" نیک مرد محمد بن الحسن. (سمعانی بحوالہ مناقب کردری ج ۲ ص ۱۵۳)

جواب: یہ روایت دو وجہ سے مردود ہے:

۱: کردری سے سمعانی تک سند نامعلوم ہے۔

۲: سمعانی سے محمد بن سلام تک سند نامعلوم ہے۔

بے سند روایتیں پیش کرنے سے کچھ تو شرم وحیا کرنا چاہئے۔!

تنبیہ: راقم الحروف نے بعض الناس کی عبارات کو من وعن نقل نہیں کیا بلکہ کئی مقامات پر اس کے حوالوں کی غلطی کی اصلاح کر دی ہے۔ مثلاً:

۱: الرجل الصالح کے بدلے میں بعض الناس نے رجل الصالح لکھا ہے۔

۲: الرجل الصالح محمد بن الحسن کا ترجمہ "محمد بن الحسن نیک صالح آدمی تھے۔" نہیں بلکہ "نیک آدمی (یا نیک مرد) محمد بن الحسن" ہے۔ صفت موصوف کو مبتدا خبر بنا دینا محلِ نظر ہے۔

۱۸) بعض الناس نے محمد بن کامل المروزی رحمہ اللہ سے نقل کیا: "میں نے ... محمد سے زیادہ خوبصورت، ان کی مجلس سے زیادہ عالی شان مجلس اور ان سے زیادہ اچھی (حدیث و فقہ کی) املاء کرنے والا نہیں دیکھا اور وہ سب لوگوں سے زیادہ حجت ودلائل بیان کرنے والے اور سب سے زیادہ پرہیز گار تھے۔" (ابوالعلاء بحوالہ مناقب کردری ج ۲ ص ۱۶۲)

جواب: یہ روایت کئی وجہ سے مردود ہے۔ مثلاً:

۱: کردری سے ابوالعلاء (الہمدانی) تک سند نامعلوم ہے۔

۲: ابوالعلاء سے محمد بن کامل تک سند نامعلوم ہے۔

۳: ابوالعلاء کی توثیق مطلوب ہے۔

۱۹) بعض الناس نے ابن فرقد کے بارے میں خلیفہ بن خیاط البصری رحمہ اللہ سے نقل کیا کہ انھوں نے اُسے کتاب الطبقات (ص ۳۲۸) اور تاریخ خلیفہ بن خیاط (ص ۳۰۴، ہمارا نسخہ ص ۴۵۸) میں ذکر کیا ہے۔

جواب: ان کتابوں میں مجرد ذکر کیا جانا توثیق نہیں ہے۔ کتاب الطبقات کے اسی صفحے پر قاضی ابوالبختری وھب بن وھب (کذاب) اور محمد بن عمر بن واقد الواقدی وغیرہما کا بھی ذکر ہے تو کیا یہ بھی خلیفہ بن خیاط کے نزدیک ثقہ وصدوق تھے؟!

عجیب جہال سے واسطہ پڑا ہے جو اسماء الرجال اور اصولِ حدیث کی الف باء سے بھی ناواقف ہیں۔ غالباً وہ اسے ''تھوڑی سی گپ شپ'' سمجھتے ہیں۔!!

۲۰) بعض الناس نے اہلِ حدیث امام قتیبہ بن سعید البغلانی رحمہ اللہ سے نقل کیا کہ ''میں نے محمد بن حسن کی شاگردی حاصل کی اور... ان کی کتب میں سے بہت سی کتابوں کو لکھا اور میں نے کثرت عبادت میں ان سے زیادہ کسی کو نہیں دیکھا۔''

(سمعانی بحوالہ مناقب کردری ج ۲ص ۱۵۳)

جواب: یہ روایت کئی وجہ سے مردود اور باطل ہے۔ مثلاً:

۱: کردری سے سمعانی تک سند نا معلوم نہیں ہے۔

۲: سمعانی سے قتیبہ بن سعید تک سند نا معلوم ہے۔

۳: سمعانی کے تعین میں بھی نظر ہے۔

قارئین کرام!

آپ نے دیکھ لیا کہ بعض الناس نے ابن فرقد کی توثیق ثابت کرنے کے لئے بیس حوالے پیش کئے جن میں سے پندرہ حوالے ثابت نہیں اور باقی پانچ حوالے (۲، ۵، ۱۰، ۱۳، ۱۹) بغیر توثیق کے ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ دس محدثین اور قاضی ابو یوسف کے ثابت شدہ حوالوں کے مقابلے میں ان بے چاروں کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے لیکن پھر بھی ضد، تعصب اور عناد کی وجہ سے توثیقِ ابن فرقد الشیبانی کا شور مچا رہے ہیں اور ڈھنڈورا پیٹ رہے ہیں۔

وما علینا إلا البلاغ

(۱۶/اپریل ۲۰۱۰ء)

القول الميسور فيمن ضعفه الجمهور

إبراهيم بن إسماعيل بن أبي حبيبة .

قال الهيثمي: وضعفه الجمهور (مجمع الزوائد ٣١٦/٥)

إبراهيم بن عيينة بن أبي عمران الهلالي الكوفي، أبوإسحاق .

قال الهيثمي: وقد ضعفه الأكثرون . (مجمع الزوائد ٢٤/١)

قلت : لا، بل وثقه الجمهور ، انظر مسائل محمد بن عثمان بن أبي شيبة .

(بتحقيقي ص ٤٥ رقم ٤٣)

إبراهيم بن محمد بن أبي يحيى .

قال البيهقي : مختلف في ثقته ضعفه أكثر أهل العم بالحديث و طعنوا فيه ....

(السنن الكبرى ٢٤٩/١)

قال العيني : ضعفه الجمهور . (عمدة القاري ٨٢/١١)

قال ابن حجر : شيخ الشافعي، ضعفه الجمهور . (طبقات المدلسين ٥/١٢٩)

أبو حريز عبد الله بن الحسين الأزدي البصري قاضي سجستان.

قال الهيثمي: وضعفه جمهور الأئمة (مجمع الزوائد٢٤٣/٤)

أبو الحويرث عبد الرحمن بن معاوية .

قال الهيثمي: والأكثر على تضعيفه (مجمع الزوائد٣٢/١)

قلت : بل وثقه الجمهور .

أبو ظلال القسملي هلال بن أبي هلال .

قال الهيثمي: وضعفه الجمهور (مجمع الزوائد ٣٨٤/١٠)

وقال: والأكثر على تضعيفه . (أيضاً ٣٦/١)

أبو غوية محمد بن موسى القاضي المدني .

قال الهيثمي : ضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد٩/ ١٥٠)

قلت: وهو ضعيف جدًا متروك ، ترجمته في لسان الميزان (٥/ ٣٩٨)

أبو المهزم التميمي البصري .

قال الهيثمي: وضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد١٠/ ٢٨٧)

قلت: بل هو متروك (انظر تقريب التهذيب : ٨٣٩٧)

أبو واقد الصغير . [هو صالح بن محمد بن زائدة المدني]

أبو يحيى القتات .

قال الهيثمي: وضعفه الجمهور .(مجمع الزوائد١٠/ ٧٤وانظر٧/ ٢٠٠)

الأحوص بن حكيم.

قال الهيثمي: وضعفه الجمهور .(مجمع الزوائد٣/ ٤٢)

إسحاق بن إبراهيم الحنيني، أبو يعقوب المدني .

قال الهيثمي: وقد ضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد١٠/ ٢٤٢)

إسماعيل بن رافع بن عويمر الأنصاري المدني، أبو رافع نزيل البصرة.

قال الهيثمي: وضعفه جمهور الأئمة . (مجمع الزوائد٨/ ٦١)

إسماعيل بن عمرو بن نجيح البجلي الكوفي .

قال الهيثمي: وضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد١٠/ ٢٤٨)

أشعث بن سوار .

قال النووي : و قد ضعفه الأكثرون ووثقه بعضهم .

(المجموع شرح المهذب ٧/ ٢٢)

أيوب بن سويد الرملي.

قال الهيثمي: ولكن ضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد٥/ ١٣٠)

أيوب بن عتبة .

قال الهيثمي: ضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد٤/١٠٠، وانظر١/٢٤٠)

بشار بن موسى الخفاف .

قال العراقي : ضعفه الجمهور . (تخريج الإحياء ٣/١٢٣)

بكار بن محمد بن عبدالله بن محمد بن سيرين السيريني.

قال الهيثمي : وضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد٧/١٨٨، وانظر١٠/٣٢١)

بكير بن عامر البجلي .

قال الهيثمي : ضعفه جمهور الائمة . (مجمع الزوائد ٤/١١١)

جابر بن يزيد الجعفي.

قال ابن حجر في طبقات المدلسين: ضعفه الجمهور . (٥/١٣٣)

وقال العراقي: ضعفه الجمهور . (تخريج احياء علوم الدين ٤/٢٨٥)

جبارة بن مغلس.

قال الهيثمي: وضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد٩/٢١)

الحارث الأعور.

قال الهيثمي: ضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد٩/١٤٩)

و قال ابن الملقن : ضعفه الجمهور و وثقه بعضهم . (البدر المنير ٥/٤٥٣)

و قال العراقي : ضعفه الجمهور . (التقييد و الايضاح ص٣١١)

الحارث بن عبيد الأيادي .

قال العراقي : ضعفه الجمهور . (تخريج الإحياء ٤/٣٩٢)

حبة بن جوين العرني.

قال الهيثمي: وقد ضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد٥/٤٦)

حجاج بن أرطاة .

قال النووي : ضعيف عند الجمهور . (المجموع شرح المهذب ٢٧٤/١)

و قال ابن حجر : فإن الأكثر على تضعيفه . (التلخيص الحبير ٢٢٦/٢ ح٩٦٢)

حجاج بن نصير.

قال الهيثمي:و الأكثر ون على تضعيفه . (مجمع الزوائد ٢٢/١)

وقال : وقد ضعفه الجمهور (مجمع الزوائد ٨٤/١٠، وانظر ١٢١/٨)

الحسن بن عمارة الكوفي .

قال ابن حجر في طبقات المدلسين: ضعفه الجمهور(٥/١٣٤)

الحسن بن يحيى الخشني .

قال البوصيري : اتفق الجمهور على ضعفه . (زوائد سنن ابن ماجه :٥٤١)

حسين بن الحسن الأشقر الغزاري الكوفي.

قال الهيثمي: وضعفه الجمهور (مجمع الزوائد ١٠٢/٩)

وانظرالمجمع (٨٢/٦،١٢٨/٩)

الحسين بن أبي السري، هو الحسين بن المتوكل بن عبدالرحمٰن .

قال الهيثمي: وضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد ١٩٩/٨)

حسين بن عبد اللّٰہ بن عبيد اللّٰہ بن عباس بن عبدالمطلب الهاشمي .

قال الهيثمي : وهو متروك، ضعفه الجمهور .

(مجمع الزوائد ٦٠/٥، وانظر ٢٨١/٧)

و قال البيهقي : ضعفه أكثر أصحاب الحديث . (السنن الكبرى ٣٤٦/١٠)

الحسين بن عيسى بن مسلم الحنفي.

قال الهيثمي: وضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد ٥٥/١٠)

حصين بن عمر الأحمسي الكوفي.

قال الهيثمي: وضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد ٥٣/١٠)

قلت: بل هو متروك . (كما فی التقریب : ۱۳۷۸)

حفص بن سليمان القاري الأسدي ، أبو عمر البزاز الكوفي.

قال الهيثمي: وضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد ۱۶۳/۱۰)

حفص بن عمر بن ميمون العدني الصنعاني ، أبو إسماعيل ، لقبه : الفرخ .

قال العراقي : ضعفه الجمهور . (تخريج الإحياء ۴۰۱/۴)

الحكم بن سِنان الباهلي القربي ، أبو عون .

قال الهيثمي :وضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد ۱۸۶/۷)

حكيم بن جبير الأسدي الكوفي.

قال العيني : ضعفه الجمهور . (عمدة القاري ۹۵/۱۱)

قال الهيثمي : هومتروك ضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد ۳۲۰/۵، و فی المطبوع : حكيم بن عبيد، وهو خطأ و الصواب : حكيم بن جبير)

خارجة بن مصعب الخراساني .

قال ابن حجر في طبقات المدلسين: ضعفه الجمهور . (۱۳۶/۵)

قلت: بل هو متروك و كان يدلس عن الكذابين ، كما في تقريب التهذيب (۱۶۱۲)

خالد بن يزيد بن عبدالرحمٰن بن أبي مالك ، أبو هاشم الدمشقي .

قال الهيثمي: وضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد ۲۶۷/۱۰)

قلت: و حديثه عن أبيه ضعيف جدًا ، شبه الموضوع .

الخليل بن مرة.

قال الهيثمي: وضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد ۱۵۸/۱۰)

داود بن المحبر .

قال العراقي : و قد ضعفه الجمهور . (تخريج الإحياء ۳۶۵/۲)

قلت: وهو متروك كما في تقريب التهذيب (١٨١١)

رجاء بن صبيح الحرشي، أبو يحيى .

قال العراقي : ضعفه الجمهور . (تخريج الإحياء ١١٩/٣)

رشدين بن سعد.

قال العراقي : ضعفه الجمهور لسوء حفظه . (تخريج الإحياء ٨٤/٤)

قلت: في المطبوع : راشد بن سعد ، والصواب رشدين بن سعد كما في اتحاف السادة المتقين (٥٣/٩) وقال : ضعفه الجمهور لسوء حفظه .

قال الهيثمي : ضعفه الجمهور . (المجمع ٦٦/٥ وانظر ٥٨/١)

و قال : والأكثر على تضعيفه . (مجمع الزوائد ٢٠١/١)

رفدة بن قضاعة الغساني الدمشقي .

قال الهيثمي: وضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد ٢٦٩/٦)

روح بن أسلم .

قال الهيثمي: وضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد ١٩٩/٨)

زبان بن فائد.

قال الهيثمي: ضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد ١٠٥/١٠)

زكريا بن منظور بن ثعلبة القرظي ، أبو يحيى المدني .

قال الهيثمي: وضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد ١٤٦/١٠)

زمعة بن صالح.

قال الهيثمي: وقد ضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد ٩٨/٥وانظر ٨٣/٨)

و قال العراقي : ضعفه الجمهور . (تخريج الإحياء ٣٤١/٣)

و قال البوصيري: وقد ضعفه الجمهور . (زوائد سنن ابن ماجه :١٠٥)

زياد بن أبي زياد الجصاص ، أبو محمد الواسطي البصري.

قال الهيثمي: وقد ضعفه جمهور الأئمة .

(مجمع الزوائد ٥٧/٥ وانظر ٤٠٤/٩)

زياد بن عبدالله النميري البصري.

قال الهيثمي:وهو ضعيف عندالجمهور . (مجمع الزوائد ٣٨٨/١٠)

زيد بن الحواري، أبو الحواري العمي البصري، قاضي هراة .

قال الهيثمي : وضعفه الجمهور .

(مجمع الزوائد ١١٠/١٠ وانظر ٢٦٠/١٠، ١٦/٥)

سعد بن سنان ويقال سنان بن سعد .

قال محمد بن مفلح بن محمد بن مفرج المقدسي : ضعفه الأكثر .

(الفروع ٢٤٠/٤، المكتبة الشاملة)

قلت : بل، وثقه الجمهور وحديث يزيد بن أبي حبيب عنه منكر .

سعيد بن بشير الأزدي ، أبو عبدالرحمٰن الشامي .

قال ابن الملقن : و الأكثرون على تضعيفه . (البدر المنير ٨٥/٩)

سعيد بن خالد بن أبي طويل القرشي الصيداوى.

وقال الهيثمي: ضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد ١٤/١٠)

سعيد بن مسلمة بن هشام بن عبدالملك بن مروان الأموي .

قال الهيثمي: ضعفه الجمهور (مجمع الزوائد ٢٣٨/٥)

سعيد بن يوسف الرحبي .

قال الهيثمي: وضعفه جمهور الأئمة . (مجمع الزوائد ٢٩٧/٥)

سفيان بن حسين .

قال ابن عبد الهادي : الأكثر على تضعيفه في روايته عن الزهري .

(تنقيح التحقيق ١٠٦/٣ ح١٥٩٧و في نسخة ٢٣٦/٢، المكتبة الشاملة)

وقال الحافظ ابن حجر : ثقة في غير الزهري باتفاقهم . (التقريب : ٢٤٣٧)

سلم بن سالم . (لعله البلخي الزاهد)

قال الهيثمي : ضعفه جمهور الأمة . (مجمع الزوائد ٢٠٤/٧)

و قال ابن جوزي : و قد اتفق المحدثون على تضعيف رواياته .

(المنتظم ٩/١٠ وفيات ١٩٤ھ)

سليمان بن أحمد الواسطي الدمشقي.

قال الهيثمي: وضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد ٩٤/١٠)

قلت: وهو ضعيف جدًا متروك .

راجع ترجمته في لسان الميزان (٣/ ٧٢ت ٣٨٧٨)

سليمان بن داود الشاذكوني المنقري البصري ، أبو أيوب .

قال الهيثمي : والأكثرون على تضعيفه . (مجمع الزوائد ٥٥٧/١)

قلت: بل هو متروك متهم بالكذب .

راجع ترجمته في لسان الميزان (٨٤/٣ـ٨٨ ت ٣٩٠٤)

سليمان بن سفيان التيمي، أبو سفيان المدني .

قال ابن كثير الدمشقي : و قد ضعفه الأكثرون .

(تحفة الطالب ١٤٦/١ ح٣٦)

سويد بن إبراهيم الجحدري ،أبو حاتم الحناط البصري .

قال الهيثمي : ضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد ٢٨٧/١٠، وانظر ٢٣/٨)

سويد بن عبدالعزيز بن نمير السلمي الدمشقي.

قال الهيثمي: وضعفه جمهور الأئمة. (مجمع الزوائد ١٤٧/٣)

وقال أيضاً: وفيه سويد بن عبدالعزيز وقد أجمعوا على ضعفه..

(مجمع الزوائد ١٤١/١)!!

شبيب بن شيبة بن عبدالله التميمي المنقري ، أبو معمر البصري .

قال الهيثمي: وضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد ٨٤/٥)

وقال : والأكثرون على تضعيفه . (مجمع الزوائد ٣١١/٤، وانظر ٥٧٠/٤)

شرحبيل بن سعد .

قال الهيثمي: وضعفه جمهور الأئمة . (مجمع الزوائد ١١٥/٤)

و قال: و هو ضعيف عند الجمهور . (مجمع الزوائد ١٥٩/٢)

شريك بن عبد الله النخعي القاضي .

قال العيني : و قد ضعفه الأكثرون . (شرح أبي داود للعيني ٢٦٠/١)

قلت : لا، بل وثقه الأكثرون وهو حسن الحديث فيما حدث قبل اختلاطه وصرح بالسماع .

صالح بن أبي الأخضر اليمامي ، نزل البصرة .

قال البوصيري : لينه الجمهور (١٠٩٨)

و قال الهيثمي : و قد ضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد ١٥٠/٢)

صالح بن محمد بن زائدة المدني الليثي، أبو واقد الصغير .

قال الهيثمي: وضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد٦/ ٢٧٤)

و قال : ضعفه أكثرالناس . (مجمع الزوائد ٢١٠/٧)

صدقة بن عبدالله السمين ، أبو معاوية أو أبو محمد الدمشقي.

قال الهيثمي: وقد ضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد ٤١/٥)

وقال: والأكثر على تضعيفه . (مجمع الزوائد ٨٠/١)

صدقة بن موسى الدقيقي السلمي ، أبو المغيرة أو أبو محمد .

قال الهيثمي: ضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد ٢٨٦/٥)

وقال: وقد ضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد ٣٤٨/١٠)

الضحاك بن نبراس الأزدي الجهضمي ، أبو الحسن البصري .

قال الهيثمي: وضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد ٤٠/١)

عاصم بن عبيد الله بن عاصم بن عمر بن الخطاب العدوي المدني .

قال النووي : و قد ضعفه الجمهور . (خلاصة الأحكام ٨٧/١ ح ٩٨)

و قال العيني : و قد ضعفه الجمهور . (عمدة القاري ١٣/١١)

و قال الهيثمي:وضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد ١٥٠/٨)

عاصم بن عمر بن حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب العمري المدني .

وقال الهيثمي : وضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد ٣٤١/٤)

وقال: وقد ضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد ٩٩/٥)

عبد الأعلى بن عامر الثعلبي الكوفي .

قال الهيثمي : والأكثر على تضعيفه .(مجمع الزوائد ١٤٧/١)

عبد الأعلى بن أبي المساور الزهري ، أبو مسعود الجرار الكوفي .

قال الهيثمي : وقد ضعفه الجمهور ... (مجمع الزوائد ٥٦/٩)

قلت : بل متروك كما في تقريب التهذيب (٣٧٣٧)

عبد الجبار بن عمر الأيلى الأموي.

قال الهيثمي: عبدالجبار بن عمر الأيلى عن عبدالله بن عطاء بن إبراهيم وكلاهما وثق وقد ضعفهما الجمهور . (مجمع الزوائد ٨٥/٧)

عبد الرحمن بن إبراهيم القاص البصري عن محمد بن المنكدر .

قال الهيثمي: وضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد ٧٠/٩)

عبد الرحمن بن أبي الزناد.

قال الهيثمي: وضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد ٢٢٤/٤)

قلت: لا، بل وثقه الجمهور . انظر كتابي : نور العينين (ص١١٥)

عبد الرحمن بن إسحاق بن عبدالله بن الحارث بن كنانة الزرقى المدني القرشي ، لقبه : عباد .

قال الهيثمي: وضعفه مالك و جمهور الأئمة . (مجمع الزوائد ١٦٧/١٠)

قلت: لا بل وثقه جمهور الأئمة وهو حسن الحديث في غير ما أنكر عليه .

عبد الرحمن بن زياد بن أنعم الإفريقي.

قال العراقي : ضعفه الجمهور . (تخريج الإحياء ١٩٩/٢)

وقال الهيثمي: وقد ضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد ٥٦/٥)

وقال: وضعفه جمهور الأئمة . (مجمع الزوائد ٦٥/٨)

وقال: والجمهور على تضعيفه . (مجمع الزوائد ٢٥٠/١٠)

عبد الرحمن بن زيد بن أسلم العدوي .

قال الهيثمي: والأكثر على تضعيفه . (مجمع الزوائد ٢١/١)

وقال ابن الملقن : ضعفه الجمهور . (خلاصة البدرالمنير: ١١)

عبد الرحمن بن معاوية بن الحويرث الأنصاري الزرقي المدني .

[هو أبو الحويرث]

عبد الله بن بسر الحبراني السكسكي ، أبو سعيد الحمصي .

قال الهيثمي: وضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد ٤٠٥/٩ وانظر ٣٤٢/٥)

عبد الله بن الحسين الأزدي البصري . [هو أبو حريز، قاضي سجستان]

عبد الله بن خراش.

قال الهيثمي: وضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد ٢٥/٤)

وقال: وضعفه جمهور الأئمة . (مجمع الزوائد ١٢١/٥)

عبد الله بن زياد بن سليمان بن سمعان المخزومي ، أبو عبدالرحمٰن المدني القاضي .

قال ابن حجر فی طبقات المدلسین: ضعفه الجمهور . (٥/١٣٩)

قلت: بل هو متروك ، اتهمه بالكذب أبو داود وغيره كما فی تقريب التهذيب (٣٣٢٦)

عبد الله بن زيد بن أسلم العدوي المدني .

قال ابن التركماني : ضعفه الجمهور . (الجوهر النقي ١٧١/٤)

وقال الهيثمي: وضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد ١٨٥/٥)

عبد الله بن صالح بن محمد بن مسلم الجهني ، أبو صالح المصري ، كاتب الليث.

قال الهيثمي : ضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد ١٣،٧/٢)

قال ابن حجر : فمقتضى ذلك أن ما يجيء من روايته عن أهل الحذق كيحيى ابن معين والبخاري و أبي زرعة و أبي حاتم فهو من صحيح حديثه و ما يجيء من رواية الشيوخ عنه فيتوقف فيه . (هدي الساري ص ٤١٤)

عبد الله بن عبدالعزيز بن عبدالله بن عامر الليثي، أبو عبدالعزيز المدني .

قال الهيثمي: وقد ضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد ٨٩/٧،٣٦٢/٩، ٢٤٧/٨)

عبد الله بن عبد الله بن أبي أويس (بن مالك بن عامر الأصبحي ، ابوأويس المدني) .

قال النووي : و قد ضعفه الأكثرون و وثقه بعضهم .

(المجموع شرح المهذب ٢٠/٩)

قلت : حديثه في صحيح مسلم صحيح لأنه لم ينفرد به .

عبد الله بن عبد القدوس التميمي السعدي الكوفي .

قال الهيثمي: وقد ضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد ١١٠/٧)

وقال: وضعفه أحمد والجمهور . (مجمع الزوائد ٣٣٩/٩)

عبد اللّٰہ بن عطاء بن إبراهيم (مولٰی آل الزبیر) .

ضعفه الجمهور= انظر ترجمة عبدالجبار بن عمر

عبد اللّٰہ بن کیسان المروزي ، أبو مجاهد .

قال الحافظ العراقي : ضعفه الجمهور . (تخريج الإحياء ١/ ٢٢)

عبد اللّٰہ بن لهيعة .

قال الهيثمي : ضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد ١٠/ ٣٧٥)

قلت : هذا فيما رواه بعد اختلاطه، و فيما لم يصرح بالسماع . وانظر الفتح المبين (ص٧٧-٧٨)

عبد اللّٰہ بن مسلم بن هرمز .

قال العراقي : ضعفه الجمهور . (تخريج الإحياء ١/ ٢٥١)

عبد اللّٰہ بن ميسرة الحارثي ، أبو ليلٰی.

قال الهيثمي: وهو ضعيف عندالجمهور . (مجمع الزوائد ٥/ ٢١٣)

وقال: وضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد ٨/ ٢٨٠)

عبد اللّٰہ بن نافع مولى ابن عمر القرشي العدوي المدني .

قال الهيثمي: ضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد ٤/ ١٢)

عبد المهيمن بن عباس بن سهل بن سعد الساعدي المدني .

قال البوصيري: ضعفه الجمهور . (زوائد ابن ماجه : ٥٤٧)

عبد الواحد بن زيد الزاهد البصري ، شيخ الصوفية و واعظهم .

قال الهيثمي: وهو ضعيف عندالجمهور . (مجمع الزوائد ١٠/ ٢٥٤)

عبيد بن إسحاق العطار ، عطار المطلقات .

قال الهيثمي: وقد ضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد ١٠/ ٣٥١)

وقال: والجمهور على تضعيفه . (مجمع الزوائد ٥/ ٢٢)

عبيد الله بن زحر.

قال الهيثمي: وضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد ٥٤/٥)

وقال ابن حجر : اتفق الأكثر على توثيقه . (نتائج الأفكار ٣٠٣/٢) !

قلت : بل ضعفه الجمهور كما قال الهيثمي .

عثمان بن أبي العا تكة :سليمان ، الأزدي ، أبو حفص الدمشقي .

قال الهيثمي: وضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد ٢١٠/١٠)

عسل بن سفيان التميمي البصري ، أبو قرة .

قال الهيثمي: وضعفه جمهور الأئمة . (مجمع الزوائد ٢٦٧/٢)

علي بن أبي طلحة .

قال أبو القاسم المهراني : و علي ضعفه الجمهور .

(المهرانيات ٤٢/١، المكتبة الشاملة)

قلت: بل وثقه الجمهور و حديثه عن عبدالله بن عباس رضي الله عنه منقطع لأنه لم يدركه ، فلا يحتج به فيما يرويه عن ابن عباس رضي الله عنه .

علي بن زيد بن جدعان .

قال البوصيري: والجمهور على تضعيفه . (زوائد ابن ماجه:٢٢٨)

وقال الهيثمي: وضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد ٢٠٦/٨،٢٠٩)

قلت: تناقض الهيثمي فيه و قوله ههنا هو الصواب.

علي بن عاصم بن صهيب الواسطي .

قال محمد بن مفلح بن محمد بن مفرج المقدسي : ضعفه الأكثر .

(الفروع ٤١٦/٥، المكتبة الشاملة)

عمر بن راشد بن شجرة اليماني.

قال العراقي : ضعفه الجمهور . (تخريج الإحياء ٣٧٠/١)

و قال الهيثمي: وضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد ٤٦/١٠)

وقال: وضعفه جمهور الأئمة . (مجمع الزوائد ١١٧/٤)

عمر بن هارون بن يزيد البلخي.

قال الهيثمي: ضعفه أكثر الناس . (مجمع الزوائد ٢٧٣/١)

وقال الحافظ ابن حجر: متروك و كان حافظًا . (تقريب التهذيب: ٤٩٧٩)

عمرو بن واقد القرشي، أبو حفص الدمشقي مولى آل أبي سفيان.

قال الهيثمي: وقد ضعفه الجمهور .

(مجمع الزوائد ٢٨٦/١٠ وانظر ٥٣/٥، ٥٩/٩، ٦٣/١٠)

قلت: بل هو متروك كما في تقريب التهذيب (٥١٣٢)

عوبد بن أبي عمران الجوني البصري .

قال الهيثمي: وضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد ٣٣/٩)

قلت: بل هو منكر الحديث ، متروك .

راجع ترجمته في لسان الميزان (٣٨٦/٤-٣٨٧)

عيسى بن سنان القسملي الحنفي ، أبو سنان الفلسطيني، نزيل البصرة .

قال العراقي : ضعفه الجمهور . (تخريج الإحياء ٢٠٩/٢)

و قال الهيثمي: وضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد ٣٦/١)

عيسى بن المسيب البجلي .

قال المناوي : و هو ضعيف عند الجمهور . (فيض القدير ٥٦٤/٤ ح ٥٨٤٨)

الفضل بن مبشر الأنصاري ، أبو بكر المدني .

قال البوصيري : ضعفه الجمهور . (زوائد ابن ماجه : ٥١١)

فضيل بن سليمان النميري ، أبو سليمان البصري .

قال أبو زرعة بن العراقي : فقد ضعفه الجمهور . (طرح التثريب ٦٦/٢)

القاسم بن عبدالرحمٰن ، أبو عبدالرحمٰن عن أبي أمامة.

قال الهيثمي: وهو ضعيف عندالأكثرين . (مجمع الزوائد ١/ ٩٦) !

قلت: هذا خطاء، بل وثقه الجمهور كما حققته في التعليق على تهذيب التهذيب .

وقال العيني : والقاسم بن عبدالرحمٰن وثقه الجمهور و ضعفه بعضهم .

(عمدة القاري ٧/ ١٤٦ح ١١٠٣)

قزعة بن سويد بن حجير الباهلي، أبو محمد البصري .

وقال الهيثمي: وضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد ٦/ ٢٤٥)

قيس بن الربيع الأسدي ، أبو محمد الكوفي.

قال العراقي : ضعفه الجمهور . (تخريج الإحياء ٤/ ٨١)

وقال المناوي : ضعفه الجمهور . (فيض القدير ٣/ ١١٩ ح٢٨٣٥)

كثير بن عبد اللّٰه بن عمرو بن عوف المزني المدني .

قال الهيثمي: وهو ضعيف عندالجمهور . (مجمع الزوائد ٦/ ٦٨)

و قال: والجمهور على تضعيفه . (مجمع الزوائد ٦/ ٢٨٦)

و قال: وقد ضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد ٦/ ١٣٠، وانظر ٦/ ٢٢٠)

و قال ابن حجر: ضعيف عندالأكثر . (فتح الباري٤/ ٤٥١، ٥/ ١٩، ٧/ ٢٨٠)

قلت: بل هو متروك .

ليث بن أبي سليم .

قال البوصيري:ضعفه الجمهور . (زوائد ابن ماجه: ٢٠٨)

و قال : وقد ضعفه الجمهور وهو مدلس . (٢٣٠) وانظر (ح٢٠٨، ٤١٧، ١٩٠١، ٢١٨٩، ٢٩٧٢)

و قال ابن الملقن: وهو ضعيف عندالجمهور .(خلاصة البدرالمنير: ٧٨)

و قال : و قد ضعفه الجمهور . (البدر المنير ٧/ ٢٢٧)

مبارک بن فضالة، أبو فضالة البصري .

قال الهيثمي: ضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد ٢٠٢/٨)

و قال الهيثمي : و الأكثر على توثيقه . (مجمع الزوائد ٥٤/١)

قلت : و هذا هو الصواب بشرط تصريح سماعه من شيخه .

المثنى بن الصباح اليماني الأبناوي ، نزيل مكة .

وقال الهيثمي : وضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد ٢/٥)

وقال: وهو متروك عندالجمهور .

(مجمع الزوائد ٢٩٧/٤ وانظر ٧٠/٥، ١٢٣، ١٥٧/٤)

مجالد بن سعَيد.

قال الهيثمي: وضعفه الجمهور .

(مجمع الزوائد ٤١٦/٩ وانظر ٨٩/٩، ٣٣/٥، ١٩٠ ، ٦٧/٦)

محرر و يقال : محرز بن هارون.

قال الهيثمي: وقد ضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد ٢٧٢/٦)

قال الحافظ ابن حجر : متروك (وانظر تقريب التهذيب : ٦٤٩٩)

محمد بن أبي حميد: إبراهيم الأنصاري الزرقي ، أبو ابراهيم .

قال ابن حجر : وهو ضعيف عند الجمهور .

(الأمالي المطلقة ص ٣٨، المكتبة الشاملة)

محمد بن جابر بن سيار بن طارق اليمامي الحنفي .

قال الهيثمي: وهوضعيف عندالجمهور . (مجمع الزوائد ١٩١/٥)

محمد بن زكريا الغَلابي البصري الأخباري ، أبو جعفر .

قال الهيثمي: وقد ضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد ٨٣/٩)

محمد بن سنان .

قال العراقي : ضعفه الجمهور . (تخريج الإحياء ١١٦/٢)

محمد بن عبدالرحمٰن بن أبي ليلٰى .

قال البوصيري : ضعفه الجمهور . (زوائد ابن ماجه ٨٥٤)

وقال ابن حجر : وهو صدوق ، اتفقوا على ضعف حديثه من قبل سوء حفظه .

(فتح الباري ١٤٣/١٣)

و قال أنور شاه الكشميري الديوبندي :

فهو ضعيف عندي كما ذهب إليه الجمهور . (فيض الباري١٦٨/٣)

محمد بن عبيدالله بن أبي رافع الهاشمي الكوفي .

قال الهيثمي: ضعيف عندالجمهور.(مجمع الزوائد ١١٤/٦، وانظر ١٣٤/٩)

محمد بن عمر بن واقد الأسلمي الواقدي المدني القاضي .

وقال الهيثمي: ضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد ٢٥٥/٣)

و قال ابن الملقن : و قد ضعفه الجمهور ونسبه إلى الوضع الرازي والنسائي .

(البدر المنير ٣٢٤/٥)

قلت : بل هو كذاب متروك .

محمد بن قدامة الأنصاري الجوهري اللؤلؤي الأنصاري ، أبو جعفر البغدادي.

وقال الهيثمي: وقد ضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد ٢٧٥/١٠)

محمد بن كثير الكوفي القرشي، أبو إسحاق .

قال الهيثمي: وضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد ١٣٣/٩)

محمد بن معاوية بن أعين النيسابوري الخراساني .

وقال الهيثمي: وضعفه أكثر الناس . (مجمع الزوائد ٩٤/١)

وقال: وضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد ٣٣٤/٥)

قلت : بل هو كذاب متروك .

محمد بن موسى القاضي المدني . [هو أبو غزية]

مسلم بن خالد الزنجي المخزومي المكي .

وقال الهيثمي : والجمهور ضعفه . (مجمع الزوائد ٤٥/٥)

مسلم بن محمد بن زائدة .

قال الهيثمي: صوابه صالح بن محمد بن زائدة وقد وثقه أحمد وضعفه أكثر الناس . (مجمع الزوائد ٢١٠/٧) وانظر ترجمة صالح بن محمد بن زائدة .

مصعب بن ثابت بن عبد اللّٰه بن الزبير بن العوام الأسدي .

قال الهيثمي: والأكثر على تضعيفه . (مجمع الزوائد ٢٥/١)

معاوية بن يحيى الصدفي ، أبو روح الدمشقي ، سكن الريّ.

قال الهيثمي: وأحاديثه عن الزهري مستقيمة كما قال البخاري وهذا منها وضعفه الجمهور. (مجمع الزوائد ٨٤/٢)

مغيرة بن زياد البجلي الموصلي ، أبو هشام أو أبو هاشم .

قال العيني : ضعفه الجمهور ... (عمدة القاري ١٤٩/٧)

قلت : بل وثقه الجمهور .وقالوا في تحرير تقريب التهذيب : بل صدوق ، حسن الحديث ... (٤٠٧/٣ت ٦٨٣٤)

مؤمل بن إسماعيل البصري ، أبو عبدالرحمٰن .

قال الهيثمي: وضعفه الجمهور (مجمع الزوائد ٤٩/٥)

قلت: هذا خطاء ، والصواب وثقه الجمهور كما حققته في اثبات التعديل في توثيق مؤمل بن إسماعيل . انظر كتابي : علمي مقالات (المجلد الأول)

مينا بن أبي مينا الخراز .

قال الهيثمي: وضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد ٢٢/٩)

قلت: بل هو "متروك و رمي بالرفض و كذبه أبو حاتم"

انظر تقريب التهذيب (٧٠٥٩)

نجيح بن عبدالرحمٰن السندي، أبو معشر المدني، مولى بني هاشم .

قال أبو زرعة بن العراقي : و هو ضعيف عند الجمهور .

(طرح التثريب ٥/٣، باب السهو فی الصلاة)

وقال البوصيري : و قد ضعفه الجمهور . (اتحاف الخيرة ٤٩٤/٨ ح٨٤٧٧)

نصر بن باب .

قال الهيثمي: ضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد ٢٧٣/٦)

الوليد بن عبدالله بن أبي ثور الهمداني الكوفي .

قال الهيثمي: ضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد ٢٧٩/٥)

هلال بن أبي هلال. [هو أبو ظلال القسملي]

هلال بن زيد بن يسار، أبو عقال .

وقال الهيثمي: وضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد ٦١/١٠)

قلت: بل هو "متروك" كما فی التقريب (٧٣٣٦)

يحيى بن أبي حية ، أبو جناب الكلبي .

قال العراقي : ضعفه الجمهور . (تخريج الإحياء ٨١/٤)

يحيى بن سعيد العطار الأنصاري الشامي .

قال الهيثمي: والجمهور على تضعيفه . (مجمع الزوائد ٢٢/٥)

وقال: وضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد ٢٢/٥، ٣٦)

يحيى بن سلمة بن كهيل .

قال الهيثمي : ضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد ١٦١/٧)

وقال الحافظ : متروك و كان شيعيًا . (تقريب التهذيب : ٧٥٦١)

يحيى بن عبد الحميد بن عبدالرحمٰن الحماني الكوفي ، ابن بشمين .

قال البوصيري : و قد ضعفه الجمهور . (اتحاف الخيرة ٩/٤٩٦ ح٩٤٣٤)

يحيى بن عبد اللّٰه بن الحارث الجابر الكوفي .

قال الهيثمي: وهو ضعيف عندالجمهور . (مجمع الزوائد ٥/٦٣)

وقال : وقد ضعفه الجمهور ... (مجمع الزوائد ٥/٦٦)

يحيى بن عبيداللّٰه بن عبداللّٰه بن موهب التيمي المدني .

قال الهيثمي : وقد ضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد ١٠/ ٣١٩)

قلت: بل هو متروك كما في تقريب التهذيب (٧٥٩٩)

يحيى بن المتوكل، أبو عقيل المدني ، صاحب بُهيّة .

قال الهيثمي: وهو ضعيف عندالجمهور . (مجمع الزوائد ٥/٥٣)

يزيد بن أبان الرقاشي ، أبو عمرو البصري القاص.

قال الهيثمي : وقد ضعفه الأكثر . (مجمع الزوائد ١/١٠٧)

وقال : ضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد ٦/٢٢٦ وانظر ١٠/ ١٠٥)

يزيد بن أبي زياد الهاشمي الكوفي .

قال ابن حجر العسقلاني: والجمهور على تضعيف حديثه .

(هدي الساري ص٤٥٩)

و قال البوصيري : وضعفه الجمهور . (زوائد ابن ماجه :٢١١٦)

يزيد بن ربيعة الرحبي الدمشقي .

قال السيوطي : و قد ضعفه الأكثر . (اللآلى المصنوعة ١/٢١٣)

يزيد بن سنان بن يزيد الرهاوي التميمي ، أبو فروة .

قال الهيثمي : والأكثر على تضعيفه . (مجمع الزوائد ٤/ ٢١٧)

يزيد بن عبدالملك بن المغيرة بن نوفل بن الحارث النوفلي الهاشمي .

قال الهيثمي: وهو متروك ضعفه جمهور الأئمة . (مجمع الزوائد ٩١/٤)

وقال : وقد ضعفه أكثر الناس . (مجمع الزوائد ٢٤٥/١)

يعقوب بن حميد بن كاسب المدني ، نزيل مكة .

قال الهيثمي: وضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد ١١٠/٧ وانظر ٦/٦)

يعقوب بن عطاء بن أبي رباح المكي .

قال الهيثمي: ضعفه أحمد والجمهور .

(مجمع الزوائد ٢٦٣/٣ وانظر ١٣٤/٦، ٢٧٨/٨، ٣٠٩/٩)

يعقوب بن محمد بن عيسى بن عبدالملك بن حميد بن عبدالرحمٰن بن عوف الزهري المدني .

قال ابن حجر: وضعفه الجمهور . (هدي الساري ص ٤٥٩)

و قال الهيثمي : ضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد ١٣٤/٦)

اليمان بن المغيرة البصري ، أبو حذيفة .

قال الهيثمي: وهو ضعيف عندالجمهور . (مجمع الزوائد ١٢٤/٥)

يوسف بن محمد بن المنكدر التيمي .

قال العراقي: ضعفه الجمهور . (تخريج الإحياء ٢٤٤/٣)

يوسف بن ميمون الصباغ المخزومي الكوفي .

قال الهيثمي: وضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد ٢٠٠/١٠)

وقال : والأكثر على تضعيفه . (مجمع الزوائد ٥٥/١)

کتاب الفتن

دجال اکبر کا خروج

الحمدلله رب العالمین والصّلوٰة والسّلام علٰی رسوله الأمین ، أما بعد:

قیامت سے پہلے رُوئے زمین پر ایک ایسا وقت آنے والا ہے کہ بنی آدم میں سے ایک مرد: دجال اکبر کا خروج ہوگا، جیسا کہ صحیح اور متواتر احادیث سے ثابت ہے۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لا تقوم الساعة حتی ینبعث دجالون کذابون قریب من ثلاثین، کلھم یزعم أنه رسول الله .)) اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی جب تک تیس کے قریب جھوٹے دجالوں کا خروج نہ ہو جائے، ان میں سے ہر دجال یہی دعویٰ کرے گا کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔ (صحیفہ ہمام بن منبہ: ۲۴، صحیح بخاری: ۳۶۰۹)

اس صحیح اور مشہور حدیث سے ثابت ہوا کہ قیامت سے پہلے تیس دجال کذاب نکلیں گے، جن میں سے ہر دجال اپنے آپ کو رسول اللہ سمجھے گا اور یہ پیشین گوئی (غیب کی خبر) بالکل سچ اور حقیقت ہے۔ نبوت کا دعویٰ کرنے والے ان دجالوں میں مسیلمہ کذاب اور مرزا غلام احمد قادیانی وغیرہما بہت مشہور ہیں۔ لعنهم الله

سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((و إنه سیکون في أمتي کذابون ثلاثون کلھم یزعم أنه نبي و أنا خاتم النبیین لا نبيّ بعدي.)) اور میری اُمت میں تیس کذاب ہوں گے جن میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ نبی ہے اور (سُن لو!) میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

(سنن ابی داود: ۴۲۵۲ وسندہ صحیح، وأصلہ فی صحیح مسلم: ۲۸۸۹، ابوقلابہ بری من التدلیس)

ان تمام دجالوں کے آخر میں دجال اکبر (بڑا دجال) نکلے گا، جس کے فتنے سے بڑا فتنہ کوئی نہیں۔ دجال اکبر کے بارے میں بعض صحیح احادیث مع ترجمہ درج ذیل ہیں:

۱) سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:
((یخرج الدجال من قریة یقال لها: خراسان .)) دجال اُس بستی سے نکلے گا جسے خراسان کہا جاتا ہے۔ (مسند ابی بکر الصدیق للامام ابی بکر احمد بن علی بن سعید القاضی: ۵۹، وسندہ صحیح، البحر الزخار للبزار ۱/۱۱۲، ۱۱۳ ح ۴۷، مسند ابی یعلیٰ: ۳۴ وابو اسامہ حماد بن اسامہ صرح بالسماع عندہ وھو بری من التدلیس، وللحدیث طرق اخریٰ عند الترمذی: ۲۲۳۷ وابن ماجہ: ۴۰۷۲ واحمد ۱/۴، ۷ وغیرہم)

۲) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ قسم کھا کر ابن صیاد کو دجال قرار دیتے تھے۔
(دیکھئے صحیح بخاری: ۷۳۵۵، صحیح مسلم: ۲۹۲۹)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((إن یکنه فلن تسلّط علیه و إن لم یکنه فلا خیر لك في قتله .)) اگر یہ (دجال اکبر) ہوا تو تم اُس پر مسلط نہیں ہو سکتے اور اگر یہ وہ نہیں ہے تو اس کے قتل میں تمھارے لئے کوئی خیر نہیں ہے۔ (صحیح بخاری: ۱۳۵۴، صحیح مسلم: ۲۹۳۱)

۳) سیدنا حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
بے شک اُس (دجال) کے ساتھ پانی اور آگ ہوگی، اس کی آگ ٹھنڈا پانی ہے اور اُس کا پانی آگ ہے۔ (صحیح بخاری: ۷۱۳۰، صحیح مسلم: ۲۹۳۴)
یہ روایت صحیح مسلم میں تفصیل کے ساتھ درج ہے۔

۴) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کے درمیان کھڑے ہو کر فرمایا: بے شک وہ (دجال) کانا ہے اور اللہ کانا نہیں ہے۔
(صحیح بخاری: ۷۱۲۷، صحیح مسلم: ۱۶۹ بعد ۲۹۳۱)

۵) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: لوگو سن لو! بے شک وہ (دجال) کانا ہے اور تمھارا رب کانا نہیں ہے۔ اس (دجال) کی دونوں آنکھوں (ایک کانی اور دوسری جس سے دیکھے گا) کے درمیان کافر لکھا ہوا ہے۔ (صحیح بخاری: ۷۱۳۱، صحیح مسلم: ۲۹۳۳)

ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ مکے اور مدینے میں دجال داخل نہیں ہو سکے گا۔
دیکھئے صحیح بخاری (۱۸۸۱) وصحیح مسلم (۲۹۴۳) عن انس رضی اللہ عنہ

۶) سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دجال کے بارے میں لمبی حدیث سُنائی اور فرمایا: دجال آئے گا لیکن مدینے میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ الخ (صحیح بخاری: ۷۱۳۲، صحیح مسلم: ۲۹۳۸)

۷) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
مدینے کے راستوں پر فرشتے ہوں گے، مدینے میں نہ طاعون داخل ہو سکے گا اور نہ دجال داخل ہو سکے گا۔ (صحیح بخاری: ۷۱۳۳، ۱۸۸۰، صحیح مسلم: ۱۳۷۹)

۸) سیدنا ابو مسعود عقبہ بن عمرو الانصاری رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح کی حدیث بیان کی ہے، جس طرح کی حدیث سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بیان کی تھی۔ دیکھئے فقرہ: ۳

۹) سیدنا نواس بن سمعان الکلابی رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ مرفوع حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ کانا دجال شام اور عراق کے درمیان سے نکلے گا اور جو شخص اُسے پائے تو اس کے سامنے سورۃ الکہف کی پہلی آیات پڑھے۔ الخ (صحیح مسلم: ۲۹۳۷)

۱۰) سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری اُمت پر دجال نکلے گا پھر وہ چالیس (دن، مہینے یا سال) رہے گا پھر عیسیٰ بن مریم کو اللہ بھیجے گا تو وہ اسے قتل کر دیں گے۔ الخ (صحیح مسلم: ۲۹۴۰)

۱۱ تا ۲۷) دجال اکبر کے بارے میں درج ذیل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث بیان کیں:

☆ سیدنا اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ (مسند الطیالسی: ۵۴۴، مسند احمد ۱۲۳/۵، ۱۲۴، وسندہ صحیح)

۱۲: سیدنا سفینہ رضی اللہ عنہ (مسند احمد ۲۲۱/۵، ۲۲۲ وسندہ حسن، مسند الطیالسی: ۱۱۰۶)

۱۳: سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ
(مسند احمد ۱۶/۵، صحیح ابن حبان: ۲۸۴۵ وسندہ حسن وصححہ الحاکم ۳۲۹/۱۔ ۳۳۱ ووافقہ الذہبی واخطأ من ضعفہ)

۱۴: سیدنا تمیم الداری رضی اللہ عنہ (صحیح مسلم: ۲۹۴۲، نیز دیکھئے یہی مضمون فقرہ: ۲۹)

۱۵: سیدنا جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ (مسند احمد ۳۳۳/۳ وسندہ صحیح علیٰ شرط مسلم)

۱۶: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ (مسند احمد ۱/ ۲۷۴ وسندہ حسن وصححہ ابن کثیر فی تفسیرہ ۳/ ۱۷)

۱۷: سیدنا ہشام بن عامر رضی اللہ عنہ (صحیح مسلم: ۲۹۴۶)

۱۸: سیدنا محجن بن الادرع رضی اللہ عنہ (مسند احمد ۴/ ۳۳۸، ۵/ ۳۲ وسندہ حسن، مسند الطیالسی: ۱۲۹۵، ۱۲۹۶)

۱۹: سیدنا عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ (ابوداود: ۴۳۲۰ وھو حدیث حسن)

۲۰: سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ (ابوداود: ۴۳۱۹ وسندہ صحیح وصححہ الحاکم علیٰ شرط مسلم ۴/ ۵۳۱)

۲۱: سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ (صحیح مسلم: ۲۹۳۹)

۲۲: سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ (صحیح مسلم: ۸۰۹)

۲۳: سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ (صحیح بخاری: ۷۱۲۵)

۲۴: سیدنا مجمع بن جاریہ رضی اللہ عنہ

(سنن الترمذی: ۲۲۴۴ وقال: ''ھذا حدیث صحیح'' وسندہ حسن، نیز دیکھئے میری کتاب علمی مقالات ج ۱ ص ۱۲۲)

۲۵: سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

(سنن ابن ماجہ: ۴۰۸۱ وسندہ حسن وصححہ الحاکم ۲/ ۳۸۴ والذہبی والبوصیری واخطأ من ضعفہ)

۲۶: سیدنا ابوسریحہ حذیفہ بن اسید الغفاری رضی اللہ عنہ (صحیح مسلم: ۲۹۰۱)

۲۷: رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم (مسند احمد ۵/ ۳۷۲، ۳۷۹، ۴۱۰ وسندہ صحیح)

۲۸) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
اگر دجال نکلے اور میں زندہ ہوں تو میں تمھارے لئے کافی ہوں... حتیٰ کہ وہ شام فلسطین کے ایک شہر لُد کے دروازے کے پاس آئے گا، پھر عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے پس وہ اسے قتل کر دیں گے، اس کے بعد وہ زمین میں چالیس سال تک امام عادل اور حاکم منصف کی حیثیت سے رہیں گے۔ (مسند احمد ۶/ ۷۵ وسندہ حسن، صحیح ابن حبان: ۶۷۸۳، علمی مقالات ج ۱ ص ۱۲۰)

۲۹) سیدہ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا نے دجال کے بارے میں طویل حدیث بیان کی، جس میں سیدنا تمیم الداری رضی اللہ عنہ کا بھی ذکر ہے۔ دیکھئے صحیح مسلم (۲۹۴۲)

۳۰) سیدہ اسماء بنت یزید الانصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک

مجلس میں بیٹھ کر لوگوں کو دجال کے بارے میں بتایا، آپ نے فرمایا:
جو شخص میری مجلس میں حاضر ہے اور میری بات سُن رہا ہے تو دوسرے لوگوں تک پہنچا دے، جان لو کہ اللہ تعالیٰ کانا نہیں ہے اور دجال کانا ہے، اس کی ایک آنکھ نہیں ہے، اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان (یعنی ماتھے پر) کافر لکھا ہوا ہے جسے ہر مومن پڑھے گا، چاہے وہ پڑھا ہوا تھا یا ان پڑھ تھا۔ (مسند احمد ۴۵۶/۶ ح ۲۷۵۸۰ وسندہ حسن)

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث ہیں مثلاً حدیث عبداللہ بن حوالہ الازدی رضی اللہ عنہ
(دیکھئے مسند احمد ۲۸۸/۵ وسندہ صحیح وصححہ الحاکم ۱۰۱/۴، ووافقہ الذہبی)
سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث (سنن ابی داود: ۴۲۹۴ وسندہ حسن)
سیدہ ام شریک رضی اللہ عنہا کی حدیث (صحیح مسلم: ۲۹۴۵)

ان احادیث صحیحہ متواترہ سے ثابت ہوا کہ قیامت سے پہلے دجال کا خروج بالکل صحیح اور ثابت شدہ حقیقت ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہئے کہ وہ ہمیں دجال کے فتنے سے بچائے۔ آمین

علمائے کرام نے خروج دجال کے بارے میں مذکورہ احادیث کو متواتر قرار دیا ہے۔
دیکھئے نظم المتناثر من الحدیث المتواتر (ص ۲۴۰ ح ۲۹۰)

اب سلف صالحین کے بعض آثار پیشِ خدمت ہیں:

۱: سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس دجال کا ذکر کیا گیا تو انھوں نے فرمایا: لوگو! دجال کے خروج کے وقت تمھارے تین گروہ بن جائیں گے: ایک اس کی پیروی کرے گا، دوسرا اپنے باپ دادا کی زمین پر (یعنی دُور) چلا جائے گا اور تیسرا دجال سے قتال کرے گا۔
(مصنف ابن ابی شیبہ ۱۹۱/۱۵ ح ۳۷۶۲۶ و سندہ صحیح وفی الأثر لفظة منکرة لم أذکرها ولعلها متلقاة من أهل الکتاب)

۲: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایک مسلمان پر دجال کو تسلط دیا جائے گا تو وہ اسے قتل کرے گا اور پھر وہ زندہ کرے گا۔ الخ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱۵۶/۱۵، ۱۵۷ ح ۳۷۵۱۱ وسندہ صحیح)

۳: سیدنا حذیفہ (بن الیمان) رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دجال کا فتنہ چالیس راتیں رہے گا۔
دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ (۱۵/۱۴۳ ح ۳۷۴۷۹ وسندہ صحیح)

٤: سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خروجِ دجال کے بعد لوگ چالیس سال رہیں گے۔ الخ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱۵/۱۴۲ ح ۳۷۴۷۶ وسندہ حسن)

٥: سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کانے دجال کے بارے میں کسی شک میں نہ رہنا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱۵/۱۵۲ ح ۳۷۵۰۳ ملخصاً وسندہ حسن)

٦: امام ابووائل شقیق بن سلمہ رحمہ اللہ نے فرمایا: دجال کی پیروی کرنے والے اکثر لوگ یہودی اور زانیہ عورتوں کی اولاد ہوں گے۔ (کتاب العلل للامام احمد ۳/۶۳ ح ۴۱۸۱ وسندہ صحیح، حدیث سفیان الثوری فی روایۃ یحییٰ القطان محمول علی السماع ولو عنعن)

۷: ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دجال ایک گندے پلید گدھے پر نکلے گا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۱۵/۱۶۱، ۱۶۲ ح ۳۷۵۲۵ وسندہ حسن)

۸: سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''أول مصر من أمصار العرب یدخله الدجال البصرة'' عرب کے علاقے میں، دجال سب سے پہلے بصرے میں داخل ہوگا۔ (السنن الواردۃ فی الفتن للدانی ۵/۱۱۴۴، ۱۱۴۵ ح ۶۲۴ وسندہ صحیح)

۹: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''یتبع الدجال سبعون ألفًا من یهود أصبهان علیهم الطیالسة'' دجال کی پیروی اصبہان کے ستر ہزار یہودی کریں گے، جن پر کالی یا سبز چادریں ہوں گی۔ (السنن الواردۃ فی الفتن ۵/۱۱۵۷ ح ۶۳۰ وسندہ حسن)

تنبیہ: اس طرح کی روایت سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی سند کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہے۔ دیکھئے صحیح مسلم (۲۹۴۴، ترقیم دار السلام: ۷۳۹۲)

۱۰: ابومجلز (لاحق بن حمید) رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ جب دجال نکلے گا تو لوگوں کے تین فرقے ہوں گے۔ الخ (السنن الواردۃ ۵/۱۱۷۸ ح ۶۵۳ وسندہ حسن، نیز دیکھئے آثار فقرہ نمبر: ۱)

ان مذکورہ احادیث و آثار کی وجہ سے تمام علمائے اسلام اور اہلِ حق کا یہی عقیدہ رہا ہے

کہ قیامت سے پہلے دجال نامی ایک کانے شخص کا ظہور (خروج) ہوگا، جس کے ماتھے پر ک ف ر (کافر) لکھا ہوا ہوگا، جسے ہر مومن پڑھے گا اور سیدنا عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام، جو بنی اسرائیل کی طرف بھیجے گئے تھے) آسمان سے نازل ہو کر اس دجال کو قتل کریں گے۔
تفصیل کے لئے دیکھئے حافظ ابن کثیر کی کتاب: النہایہ فی الفتن والملاحم (بتحقیقی)

مرزا غلام احمد قادیانی (متنبی کذاب) اور بعض ملحدین نے دجال کے وجود کا انکار کیا ہے یا باطنی تحریفات کرتے ہوئے اس سے انگریز اور صلیبی اقوام مراد لی ہیں۔ صحیح احادیث اور آثارِ سلف صالحین کے خلاف ہونے کی وجہ سے یہ سب ملحدانہ نظریات و تحریفات ہیں جن کے غلط اور باطل ہونے میں قطعاً کوئی شک نہیں ہے۔

دجال کے بارے میں ابن منظور الافریقی اللغوی نے لکھا ہے:
" هو المسيح الكذاب: و إنما دجله سحره و كذبه " وہ مسیح کذاب ہے، اس کا دجل تو اُس کا جادو اور جھوٹ ہے۔ (لسان العرب ج ۱۱ ص ۲۳۶)

شبیر احمد از ہرمیرٹھی نامی ایک منکرِ حدیث نے اپنی کتاب "احادیث دجال کا تحقیقی مطالعہ" میں احادیثِ دجال پر اپنے خودساختہ اصولوں اور تحریف و تکذیب کی وجہ سے جو باطل و مردود جرح کی ہے، اس کی دس مثالیں مع ردپیشِ خدمت ہیں:

۱: اسماعیل بن ابی خالد، قیس بن وہب اور ابو التیاح یزید بن حمید وغیرہم کے استاذ ابو الوداک جبر بن نوف الہمدانی البکالی الکوفی رحمہ اللہ کے بارے میں اسماء الرجال کے امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے فرمایا: ثقة [یعنی سچا عادل اور صحیح الحدیث راوی] دیکھئے کتاب الجرح والتعدیل (۲/ ۵۳۳ وسندہ صحیح) اور تاریخ عثمان بن سعید الدارمی (۲۲۱)
حافظ ابن حبان نے انھیں کتاب الثقات میں (تابعین میں) ذکر کیا ہے۔ (ج ۴ ص ۱۱۶)
حافظ ابو حفص عمر بن شاہین نے انھیں ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے۔ (تاریخ اسماء الثقات: ۱۷۷)
حافظ ذہبی نے کہا: ثقہ (الکاشف ۱/ ۱۲۴ ت ۷۶۱)
درج ذیل اماموں نے ابو الوداک کی حدیث کو صحیح یا حسن کہا ہے:

حسین بن مسعود البغوی (شرح السنۃ ۱۵/ ۶۰ ح ۴۲۶۲ وقال: ھذا حدیث صحیح)

ترمذی (السنن: ۱۲۶۳، وقال: حدیث حسن)

حاکم (المستدرک ۴/ ۳۴۷ ح ۸۱۲۹ وقال: ''صحیح الاسناد'' ووافقہ الذہبی)

ابن الجارود (روی حدیثہ فی المنتقیٰ: ۹۰۰)

ابوعوانہ (روی حدیثہ فی مسندہ المستخرج (۲/ ۳۲۷ ح ۳۵۱۶)

حافظ المنذری نے ابوالوداک کی بیان کردہ حدیث کو ''وھذا إسناد حسن'' کہا۔

(مختصر سنن ابی داود ج ۴ ص ۱۲۰ ح ۲۷۱۰)

بوصیری نے ابوالوداک کی حدیث کے بارے میں کہا: ''ھذا إسناد صحیح''

(اتحاف الخیرۃ: ۴۹۳۹)

ابن دقیق العید نے ابوالوداک کی روایت کو صحیح کہا۔ (التلخیص الحبیر ۴/ ۱۵۷ ح ۲۰۰۹)

ان بارہ علماء کے مقابلے میں حافظ ابن حجر نے امام نسائی کی الجرح والتعدیل (؟) سے نقل کیا: ''لیس بالقوي'' (تہذیب التہذیب ۲/ ۶۰، دوسرا نسخہ ص ۵۳)

یہ جرح دو وجہ سے مردود ہے:

۱: جمہور کی توثیق کے خلاف ہے۔

۲: حافظ ابن حجر کے استاذ حافظ ابن الملقن نے امام نسائی سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے ابوالوداک کے بارے میں فرمایا: صالح (البدر المنیر ج ۹ ص ۳۹۱)

معلوم ہوا کہ امام نسائی کی جرح (اگر ثابت ہو تو) اُن کی توثیق و تعریف سے متعارض ہو کر بھی ساقط ہے۔ یاد رہے کہ تحریر تقریب التہذیب (۱/ ۲۰۹ ت ۸۹۴) میں (امام نسائی کی طرف منسوب) اس جرح کے ثبوت میں شک ظاہر کیا گیا ہے۔

حافظ ابن الملقن نے راوی مذکور کے بارے میں کہا: ''ولا أعلم فیه جرحًا''

مجھے اس میں کوئی جرح معلوم نہیں ہے۔ (ایضاً ج ۹ ص ۳۹۱)

حافظ ابن حجر نے (بذاتِ خود) کہا: ''فلم أر من ضعفه'' میں نے کسی کو بھی نہیں دیکھا

جس نے اسے ضعیف قرار دیا ہو۔ (التلخیص الحبیر ج ۴ص ۱۵۷ح ۲۰۰۹)

دوسری طرف حافظ ابن حجر نے ابوالوداک جبر بن نوف کے بارے میں کہا: ''صدوق یھم''
وہ سچا تھا، اُسے وہم ہوتا تھا۔ (تقریب التھذیب: ۸۹۴)

یہ کلام تین وجہ سے مردود ہے:

۱: جمہور کی توثیق کے خلاف ہے۔

۲: ایسا ''صدوق یھم'' راوی جس کی جمہور توثیق کریں، حسن الحدیث ہوتا ہے لہٰذا اس کی جس روایت میں کلام نہ کیا گیا ہو، وہ حسن لذاتہ ہوتی ہے۔

۳: تحریر تقریب التھذیب میں حافظ ابن حجر کے کلام کو رد کر کے ''بل: ثقة'' لکھا ہوا ہے۔ (ج ۱ص ۲۰۹)

اس تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ ابوالوداک جبر بن نوف ثقہ وصدوق راوی تھے۔ اُن کے بارے میں بشیر احمد از ہر میرٹھی (منکرِ حدیث) نے لکھا ہے: ''شروع سے آخر تک یہ گپ شپ ابوالوداک کی ہانکی ہوئی ہے۔'' (احادیث دجال کا تحقیقی جائزہ ص ۱۳)

میرٹھی نے مزید کہا: ''شاید ابوالوداک کوئی چانڈو پینے والا شخص تھا۔'' (ایضاً ص ۱۴)

مختصر یہ کہ جمہور کی توثیق کے مقابلے میں میرٹھی کی بلا دلیل و بلا ثبوت جرح باطل و مردود ہے اور ہوسکتا ہے کہ یہ جرح کرتے وقت میرٹھی نے ''چانڈو'' پی رکھی ہو۔ واللہ اعلم

۲: عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ عن ابی سعید الخدری والی ایک حدیث کے بارے میں میرٹھی نے کہا: ''لیکن کسی روایت کی اسناد میں یہ نہیں کہ عبیداللہ بن عبداللہ نے براہ راست حضرت ابوسعید خدری سے اس کو سنا تھا۔'' (احادیث دجال کا تحقیقی جائزہ ص ۱۶)

یہ میرٹھی جرح دو وجہ سے باطل ہے:

اول: عبیداللہ بن عبداللہ کا مدلس ہونا ثابت نہیں ہے لہٰذا اُن کی اپنے استاذ سے روایت سماع پر محمول ہے۔

دوم: عبیداللہ بن عبداللہ نے یہ حدیث (سیدنا) ابوسعید الخدری (رضی اللہ عنہ) سے سُنی تھی۔

دیکھئے صحیح ابن حبان (الاحسان: ۶۷۶۳، دوسرا نسخہ: ۶۸۰۱)

۳: قیس بن وہب الہمدانی الکوفی کے بارے میں از ہر میرٹھی نے لکھا:

''یہ راوی بھی چنداں لائق اعتماد نہیں ہے۔'' (احادیث دجال... ص ۱۳)

قیس بن وہب کے بارے میں امام احمد بن حنبل نے فرمایا: ''شیخ ثقة''

وہ سچے اور قابلِ اعتماد: عادل ضابط شیخ ہیں۔ (کتاب العلل ۲/ ۵۰۹ ح ۳۳۵۷)

امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: ثقة (الجرح والتعدیل ۷/ ۱۰۴، وسندہ صحیح)

امام عجلی نے کہا: کوفی ثقہ (تاریخ العجلی ۲/ ۲۲۲ ت ۱۵۳۷)

حافظ ابن حبان نے انھیں کتاب الثقات میں (تابعین میں) ذکر کیا۔ (۵/ ۳۱۴)

یعقوب بن سفیان الفارسی نے کہا: ثقہ (کتاب المعرفۃ والتاریخ ۳/ ۳۷۵)

حافظ ذہبی اور حافظ ابن حجر، دونوں نے کہا: ثقہ

(الکاشف ۲/ ۳۵۰ ت ۴۶۹۰، تقریب التہذیب مع التحریر ۳/ ۱۹۰ ت ۵۵۹۶)

حافظ ابن شاہین نے کہا: کوفی ثقہ (تاریخ اسماء الثقات: ۱۱۵۹)

امام مسلم وغیرہ نے قیس بن وہب کی حدیث کی تصحیح کے ذریعے سے اُن کی توثیق کی اور کسی نے بھی اُن پر کوئی جرح نہیں کی مگر میرٹھی کے نزدیک وہ ''چنداں قابل اعتماد'' نہیں تھے۔!

سوال یہ ہے کہ ائمہ جرح وتعدیل اور اجماعِ محدثین کے مقابلے میں میرٹھی کی کیا حیثیت ہے؟

۴: عبداللہ بن سالم الاشعری الوحاظی راوی کو ابن حبان، دارقطنی اور بخاری نے ثقہ وصدوق قرار دیا۔ ذہبی اور ابن حجر نے اس راوی کا صدوق (سچا) ہونا تسلیم کر کے اُس کی ناصبیت کی طرف اشارہ کیا۔ ابن خزیمہ، حاکم، بیہقی اور ابن القیم نے عبداللہ بن سالم کی حدیث کو صحیح قرار دے کر اُن کی توثیق کی ہے۔

دیکھئے میری کتاب: القول المتین فی الجہر بالتامین (ص ۲۷، ۲۸)

جمہور کی اس توثیق کے مقابلے میں ابوعبید الآجری عن ابی داود کی سند سے مروی ہے کہ عبداللہ بن سالم نے کہا: علی نے ابوبکر وعمر کے قتل پر اعانت کی ہے الخ

یہ جرح تین وجہ سے مردود ہے:

اول: عبداللہ بن سالم ۱۷۹ھ کو فوت ہوئے اور امام ابوداود ۲۰۲ھ کو پیدا ہوئے لہٰذا اُن کا یہ قول منقطع و بے سند ہونے کی وجہ سے ناقابلِ سماعت ہے۔

دوم: آجری بذاتِ خود مجہول الحال ہے۔

سوم: یہ جرح جمہور کی توثیق کے خلاف ہے۔

اس غیر ثابت جرح کو بنیاد بنا کر راز ہر میرٹھی نے کہا: ''یہ حدیث غریب و موضوع ہے صرف عبداللہ بن سالم وحاظی نے اس کی روایت کی ہے۔ سند اور متن دونوں اس کے تصنیف کئے ہوئے ہیں۔ یہ شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ سے انحراف کی بیماری میں مبتلا تھا۔ کھلم کھلا کہتا تھا کہ حضرت عمر و عثمان کو قتل کرانے میں علیؓ کا ہاتھ تھا۔'' (احادیث دجال... ص ۳۲)

یاد رہے کہ عبداللہ بن سالم کا ناصبی ہونا ثابت نہیں ہے۔

۵: زیاد بن ریاح القیسی المدنی البصری کے بارے میں امام عجلی نے فرمایا:

''**بصري تابعي ثقة**'' (تاریخ العجلی: ۵۰۷)

حافظ ابن حبان نے انھیں کتاب الثقات میں ذکر کیا۔ (۲۵۴/۴)

حافظ ذہبی اور ابن حجر دونوں نے کہا: ثقة (الکاشف ۲۵۹/۱ ت ۱۷۰۳، تقریب التہذیب: ۲۰۷۴)

امام مسلم وغیرہ نے اُن کی حدیث کو صحیح قرار دے کر اُن کی توثیق کی اور کسی نے بھی جرح نہیں کی مگر راز ہر میرٹھی نے کہا: ''پس یہ کوئی معروف شخص نہ تھا۔ ابوھریرہ سے اس کی ملاقات بھی مشتبہ ہے۔'' (احادیث دجال... ص ۳۷)

امام احمد نے صحیح سند کے ساتھ زیاد بن ریاح سے نقل کیا کہ ''**سمعت أبا هريرة قال** ''الخ

میں نے ابوہریرہ سے سنا، انھوں نے فرمایا: الخ

(مسند احمد ۴۸۸/۲ ح ۱۰۳۴۴، وسندہ صحیح وقال المحققون: إسنادہ صحیح)

معلوم ہوا کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے زیاد بن ریاح کی ملاقات مشکوک نہیں بلکہ ثابت ہے۔

٦: لیث بن سعد عن سعید بن ابی سعید المقبری عن عطاء بن میناء عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند

سے ایک روایت کے بارے میں میرٹھی نے کہا: ''یہ حدیث ابوھریرہ سے عطاء بن میناء مدنی نے جو عبدالرحمٰن بن ابی ذباب کا آزاد کیا ہوا غلام تھا اور اس سے سعید مقبری نے اور اس سے لیث بن سعد نے روایت کی ہے مگر نہ لیث نے یہ ذکر کیا کہ میں نے یہ حدیث سعید سے سنی تھی نہ سعید نے بتایا کہ میں نے عطاء سے سنی نہ عطاء نے یہ کہا کہ میں نے ابوھریرہ سے سنی تھی۔ سب نے لفظ عن استعمال کیا ہے۔'' (احادیث دجال...ص ۴۷، ۴۸)

عرض ہے کہ مسند احمد میں صحیح سند کے ساتھ لیث بن سعد سے روایت ہے کہ'' حدثني سعيد بن أبي سعيد عن عطاء بن ميناء مولى ابن أبي ذباب عن أبي هريرة ''الخ

(۴۹۴/۲ ح ۱۰۴۰۴)

معلوم ہوا کہ امام لیث نے یہ حدیث سعید المقبری سے سنی تھی۔

عطاء بن میناء کا مدلس ہونا ثابت نہیں اور حدیث جہاد میں انھوں نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سماع کی تصریح کی ہے۔ (دیکھئے مسند احمد ۴۹۴/۲ ح ۱۰۴۰۷، وسندہ صحیح، سنن النسائی ۱۷/۶ ح ۳۱۲۵)

۷: ایک حدیث کے بارے میں ازہر میرٹھی نے کہا: ''اس حدیث کی اسناد میں دو راوی ضعیف وغیر ثقہ ہیں ایک کثیر بن زید مدنی جو بنی اسلم کے آزاد کردہ غلاموں میں سے تھا دوسرا اس کا شیخ ولید بن رباح مدنی جو عبدالرحمٰن بن ابی ذباب دوسی کا آزاد کردہ تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ موالی (غلمٹے) جھوٹ بولنے میں عموماً زیادہ بے باک تھے۔'' (احادیث دجال...ص ۴۹)

ولید بن رباح کو حافظ ابن حبان نے کتاب الثقات میں ذکر کیا۔ ابو حاتم نے صالح اور بخاری نے حسن الحدیث کہا۔ حافظ ابن حجر اور حافظ ذہبی دونوں نے انھیں صدوق (سچا) کہا۔ دیکھئے میری کتاب علمی مقالات (ج ۱ ص ۱۰۹)

کسی نے بھی اُن پر جرح نہیں کی لہٰذا میرٹھی کا انھیں بغیر کسی دلیل کے ضعیف کہنا مردود ہے۔

تنبیہ اول: کثیر بن زید المدنی پر بھی میرٹھی کی جرح مردود ہے۔

تنبیہ دوم: میرٹھی نے قرآن، حدیث اور دلائل شرعیہ سے کوئی دلیل پیش نہیں کی کہ موالی

(غلام یا آزاد کردہ غلام) جھوٹ بولنے میں عموماً زیادہ بے باک تھے۔
صحابۂ کرام میں سے موالی مثلاً سیدنا ابورافع رضی اللہ عنہ وغیرہ کے بارے میں کیا خیال ہے؟!

۸: امام ابوعمرو عبدالرحمٰن بن عمرو الاوزاعی رحمہ اللہ نے اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ: حدثنی انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی سند سے ایک حدیث بیان کی، جس کے بارے میں میرٹھی نے لکھا ہے: ''سند کے لحاظ سے یہ بھی منقطع ہے کیونکہ اوزاعی کا اسحاق سے سماع ثابت نہیں۔''

(احادیث دجال... ص ۵۳)

عرض ہے کہ صحیح بخاری میں اسی حدیث کی سند میں لکھا ہوا ہے:
''حدثنا أبو عمرو :حدثنا إسحاق :حدثني أنس ... ''ہمیں ابوعمرو (الاوزاعی) نے حدیث بیان کی: ہمیں اسحاق (بن عبداللہ بن ابی طلحہ) نے حدیث بیان کی: مجھے انس نے حدیث بیان کی۔ (ح ۱۸۸۱، باب: لایدخل الدجال المدینۃ)

ثابت ہوا کہ یہ حدیث امام اوزاعی نے امام اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ سے سنی تھی لہٰذا میرٹھی نے یہ جھوٹ بولا ہے کہ اوزاعی کا اسحاق سے سماع ثابت نہیں۔

۹: حضرمی بن لاحق التمیمی السعدی الیمانی کو حافظ ابن حبان نے کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔ (۲۴۹/۶)

حاکم اور ذہبی دونوں نے اُن کی حدیث کی تصحیح کی۔ (المستدرک والتلخیص ۵۶۳/۱)

امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: ''لیس به بأس ''اس کے ساتھ کوئی حرج نہیں ہے۔

(الجرح والتعدیل ۳۰۲/۳ وسندہ صحیح)

امام یحییٰ بن معین نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا: ''إذا قلت :لیس به بأس فھو ثقة ... ''جب میں (کسی کے بارے میں) کہوں: لیس بہ بأس تو وہ (میرے نزدیک) ثقہ ہے.... (التاریخ الکبیر لابن ابی خیثمہ ص ۵۹۲ فقرہ: ۱۴۲۳، وسندہ صحیح)

ابن شاہین نے حضرمی مذکور کو کتاب الثقات میں ذکر کیا اور امام ابن معین سے اُن کے بارے میں ثقہ کا صریح لفظ نقل کیا۔ (تاریخ اسماء الثقات: ۳۰۸)

حافظ ابن حجر نے کہا: لا بأس به . (تقریب التہذیب:۱۳۹۶)
ان پر کسی قسم کی جرح نہیں ہے لیکن ازہر میرٹھی نے کہا: ''حضرمی بن لاحق کذاب خبیث نے کہا کہ ابو صالح ذکوان نے اسے بتایا... یہ حدیث حضرمی بن لاحق کی گھڑی ہوئی ہے جو ایک قصہ گو شخص تھا۔ جیسا کہ تہذیب التہذیب وغیرہ میں ہے۔'' (احادیث دجال...ص ۵۶، ۵۷)
تہذیب التہذیب میں حضرمی بن لاحق کی توثیق مروی ہے۔ (دیکھئے ج ۲ ص ۳۹۴۔۳۹۵، دوسرا نسخہ ص ۳۴۰) اور جرح نہیں ہے۔ جبکہ سلیمان التیمی کے استاذ ایک دوسرے حضرمی کے بارے میں لکھا ہوا ہے کہ وہ قاص تھا اور وہ حضرمی بن لاحق نہیں ہے۔ (ایضاً ص ۳۹۵)
حضرمی بن لاحق کے بارے میں تو تہذیب میں عکرمہ بن عمار سے روایت ہے کہ وہ فقیہ تھا، میں ۱۰۰ ہجری میں اس کے ساتھ مکہ گیا تھا۔ (ایضاً ص ۳۹۵)
یاد رہے کہ یہاں قاص سے مراد واعظ اور خطیب ہے کیونکہ لغت میں واعظ اور خطیب کو بھی قاص کہتے ہیں۔ دیکھئے القاموس الوحید (ص ۱۳۲۰)
یہاں قاص سے جھوٹا قصہ گو مراد لینا غلط ہے اور یہ واعظ وخطیب (یا میرٹھی: قصہ گو) دوسرا شخص تھا، حضرمی بن لاحق نہیں تھا لہٰذا میرٹھی کی جرح مردود ہے۔

۱۰: ابو مالک سعد بن طارق الاشجعی الکوفی رحمہ اللہ کے بارے میں امام احمد بن حنبل، امام یحییٰ بن معین اور امام عجلی نے کہا: ثقہ۔ ابو حاتم الرازی نے کہا: صالح الحدیث، ان کی حدیث لکھی جاتی ہے۔ نسائی نے کہا: لیس به بأس : ابن حبان نے انھیں کتاب الثقات میں ذکر کیا۔ امام المغازی محمد بن اسحاق بن یسار نے انھیں ثقہ کہا۔ ابن خلفون نے ابن نمیر وغیرہ سے (بغیر کسی سند کے) نقل کیا کہ وہ ثقہ ہیں۔ عقیلی نے (بغیر کسی سند کے) کہا کہ یحییٰ بن سعید نے اس سے روایت چھوڑ دی تھی۔ ابن عبدالبر نے کہا: اس میں مجھے کوئی اختلاف معلوم نہیں کہ وہ ثقہ عالم ہیں۔ دیکھئے تہذیب التہذیب (۳/ ۴۷۳ دوسرا نسخہ ص ۴۱۰ ملخصاً)
اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ابو مالک کے ثقہ ہونے پر اجماع ہے، صرف یحییٰ بن سعید نے اُن سے (بقول عقیلی) روایت کرنی چھوڑ دی تھی۔

از ہر میرٹھی نے لکھا ہے: ''اس کے راوی سعد بن طارق ابو مالک اشجعی کے متعلق تہذیب التہذیب میں ہے کہ یحییٰ بن سعید قطان نے اسے متروک الحدیث قرار دیا تھا۔''

(احادیث دجال.... ص ۶۰)

آپ نے دیکھ لیا کہ یحییٰ بن سعید القطان نے سعد بن طارق کو متروک الحدیث نہیں قرار دیا، صرف (بقول عقیلی) روایت ترک کردی۔ یہ جرح دو وجہ سے مردود ہے:

اول: جمہور کی توثیق کے بعد ایک دو علماء یا اقلیت کی جرح مردود ہوتی ہے۔

دوم: ابو مالک سے روایت کا ترک کرنا بھی باسند صحیح یحییٰ بن سعید القطان سے ثابت نہیں ہے۔

آپ نے دیکھ لیا کہ اسماء الرجال کی کتابوں کو غلط استعمال کر کے منکرینِ حدیث کس طرح صحیح حدیث کو ضعیف اور موضوع ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ از ہر میرٹھی کی طرح تمنا عمادی بھی اسی میدان کا فرد اور قلمکار تھا۔

راقم الحروف کی ایک تحریر بطورِ قندِ مکرر دوبارہ پیشِ خدمت ہے:

''بعض لوگوں نے میزان الاعتدال، تہذیب التہذیب، تقریب التہذیب اور تہذیب الکمال وغیرہ کتبِ اسماء الرجال میں سے صحیحین کے بعض مرکزی راویوں پر بعض جرحیں نقل کر کے ان کی روایات رد کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ حرکت حبیب الرحمٰن کاندھلوی، تمنا عمادی، شبیر احمد از ہر میرٹھی اور محمد ہادی تو رڈھیروی وغیرہ منکرینِ حدیث نے کی ہے۔ صحیحین کی اصولی روایتوں پر اسماء الرجال کی کتابوں میں یہ جرحیں دیکھ کر ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ یہ تمام جروح درج ذیل دو باتوں پر مشتمل ہیں:

① بعض جرحیں اصل جارحین سے ثابت ہی نہیں ہیں، مثلاً صحیحین کے بنیادی راوی ابن جریج کے بارے میں بعض الناس نے تذکرۃ الحفاظ للذہبی (۱/۱۷۰،۱۷۱ ت ۱۶۴) وغیرہ کے ذریعے سے لکھا ہے کہ ابن جریج نے نوے (۹۰) عورتوں سے متعہ کیا تھا۔ دیکھئے حبیب اللہ ڈیروی دیوبندی حیاتی کی کتاب ''نور الصباح فی ترک رفع الیدین بعد الافتتاح''

(مقدمہ ص ۱۸ابتر قیمی)

تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہوا ہے: '' وقال جرير: كان ابن جريج يرى المتعة تزوج ستين امرأة... قال ابن عبدالحكم: سمعت الشافعي يقول: استمتع ابن جريج بتسعين امرأة حتى أنه كان يحتقن في الليلة بأوقية شيرج طلبًا للجماع " (۱/۱۷۰، ۱۷۱)

جرح کے یہ دونوں اقوال بے سند ہونے کی وجہ سے باطل ہیں۔ جریر اور ابن عبدالحکم کی وفات کے صدیوں بعد حافظ ذہبی پیدا ہوئے لہٰذا انھیں کس ذریعے سے یہ اقوال ملے؟ یہ ذریعہ نامعلوم ہے۔ اسی طرح مؤمل بن اسماعیل پر امام بخاری کی طرف منسوب جرح (منکر الحدیث) امام بخاری رحمہ اللہ سے ثابت ہی نہیں ہے۔

② بعض جرحیں اصل جارحین سے ثابت ہوتی ہیں لیکن جمہور کی توثیق یا تعدیلِ صریح کے مقابلے میں مرجوح یا غیر صریح ہونے کی وجہ سے مردود ہوتی ہیں، مثلاً امام زہری، عبدالرزاق بن ہمام، بقیہ بن الولید، عبدالحمید بن جعفر، عکرمہ مولیٰ ابن عباس اور محمد بن اسحاق بن یسار وغیرہم پر تمام جرحیں جمہور کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہیں۔

تنبیہ: امام زہری کا ذکر بطورِ فرض کیا گیا ہے ورنہ وہ تو بالا جماع ثقہ ہیں۔ والحمدللہ

جب کسی راوی پر جرح و تعدیل میں محدثین کا اختلاف ہو تو جارحین مع جرح اور معدلین مع تعدیل جمع کر کے دیکھیں پھر اس حالت میں جس طرف جمہور ہیں وہی حق اور صواب ہے۔ تمنا عمادی، کاندھلوی اور شبیر احمد میرٹھی وغیرہ تمام لوگوں کی صحیحین کے بنیادی و اصولی راویوں پر جرحیں جمہور اور اجماع کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود و باطل ہیں۔

☆ بعض لوگ تدلیس یا اختلاط کی وجہ سے بھی جرح کرنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ ثقہ مدلس راوی کی روایت تصریحِ سماع یا معتبر متابعت و صحیح شاہد کے بعد صحیح و حجت ہوتی ہے اور مختلط کی اختلاط سے پہلے والی روایت بھی بالکل صحیح ہوتی ہے۔

تنبیہ: صحیحین میں تمام مدلسین کی روایات تصریحِ سماع، معتبر متابعات اور صحیح شواہد پر مبنی

ہیں۔ تفصیلی حوالوں کے لئے دیکھئے اصول حدیث کی کتابیں اور شرح صحیح مسلم للنووی (۱/۱۸ درسی نسخہ) وغیرہ .

محمد سرفراز خان صفدر دیوبندی حیاتی نے کہا: ''مدلس راوی عن سے رُوایت کرے تو وہ حجت نہیں اِلّا یہ کہ وہ تحدیث کرے یا اس کا کوئی ثقہ متابع ہو مگر یاد رہے کہ صحیحین میں تدلیس مضر نہیں۔ وہ دوسرے طرق سے سماع پر محمول ہے۔ (مقدمۂ نووی ص ۱۸، فتح المغیث ص ۷۷ وتدریب الراوی ص ۱۴۴)'' (خزائن السنن ۱/۱)

بعض جاہل لوگ ادراج اور مدرج کی جرح کر کے بعض ثقہ راویوں کو گرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس جرح کی علمی میدان میں کوئی حیثیت نہیں ہے، صرف مدرج کو غیر مدرج سے علیحدہ کر دیا جاتا ہے اور بس!'' (صحیح بخاری پر اعتراضات کا علمی جائزہ ص ۲۰۔۲۲ بتعدیل یسیر)

محمد ہادی نامی ایک منکرِ حدیث نے ''قرآن کی روشنی میں تجزیہ دجال کے کارنامے'' نامی پمفلٹ لکھا ہے، جس میں احادیثِ صحیحہ متواترہ کو پرویز کی طرح قرآن سے ٹکرا کر رد کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کے اعتراضات کے مختصر اور جامع جوابات درج ذیل ہیں:

۱: دجال کا مُردے کو زندہ کرنا.... درج بالا آیت میں تمام مخلوق میں سے کسی مردے کو زندہ کرنے کی نفی کی گئی ہے اسلئے دجال کے اس کام پر یقین رکھنا کفر ہے....''

(دجال کے کارنامے ص ۳)

دجال کے بارے میں ابن منظور لغوی کا قول گزر چکا ہے کہ اُس کا دجل اُن کا سحر (جادو) اور جھوٹ ہے۔ (دیکھئے لسان العرب ج ۱۱ ص ۲۳۶)

لہٰذا یہ مارنا اور زندہ کرنا دجال کا جادو ہوگا، جس طرح مداری لوگ جادو اور نظر بندی کے ذریعے سے ایک آدمی کو قتل کر کے زندہ کر دیتے ہیں۔ اس قسم کے بعض تماشے میں نے خود دیکھے ہیں۔ حضرو شہر میں ایک گنجا مداری آتا تھا پھر وہ ایک شخص پر چادر ڈال کر اس کا سر دھڑ سے جدا کر دیتا تھا بعد میں اس سر کو دھڑ سے ملا کر چادر سے زندہ شخص کو باہر نکال دیتا تھا۔

اگر اس میں حقیقی مارنا جلانا بھی مراد لیا جائے تو ایسا کام لوگوں کی آزمائش کے لئے

اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہوگا اور جب اللہ اُس سے اذن لے لے گا تو پھر دجال جس شخص کو قتل کرنا چاہے گا نہیں کر سکے گا جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے۔

صحیحین کی متفق علیہ (صحیح بخاری: ۱۸۸۲، ۷۱۳۲، صحیح مسلم: ۲۹۳۸) روایت (جس میں دجال کا ایک شخص کو قتل کرنا اور پھر زندہ کرنا مذکور ہے) کی سند پر تبصرہ کرتے ہوئے محمد ہادی نے کہا: ''درج بالا روایت قرآن مجید کے خلاف ہے اور اصول احادیث میں یہ اصول اظہر من الشمس ہے کہ اگر ایسی روایت جس کی اسناد بالکل صحیح ہو لیکن روایت کا متن خلاف قرآن ہو تو وہ روایت باوجود صحیح السند ہونے کے موضوع روایت ہوگی (المنار المنیف)''

(دجال کے کارنامے ص۴)

دجال والی روایت قرآن مجید کے خلاف نہیں ہے کیونکہ قرآن میں یہ کہیں بھی نہیں لکھا ہوا کہ دجال (جادو کی وجہ سے یا اللہ کی اجازت سے) مُردوں کو زندہ نہیں کرے گا۔

خاص دلیل کے مقابلے میں عام دلیل پیش کرنا غلط ہے۔

دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو (عدد: ۶۰ ص ۲۲۔ ۳۸)

اصولِ حدیث یا المنار المنیف میں ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے کہ اگر بالکل صحیح روایت کا متن خلاف قرآن ہو تو وہ روایت باوجود صحیح السند ہونے کے موضوع ہوگی۔

حافظ ابن القیم نے بعض موضوع روایات کی پہچان یہ بتائی ہے کہ

۱: اس میں ایسے الفاظ ہوں جن کا صدور نبی ﷺ سے ناممکن ہے۔

۲: حِس (حواس خمسہ) کے خلاف ہو۔

۳: صریح سنت کے خلاف ہو۔

۴: فی نفسہ باطل ہو۔

۵: تاریخ کے خلاف ہو۔

۶: جس کے باطل ہونے پر صحیح دلائل ہوں۔

۷: صریح قرآن کے خلاف ہو۔ وغیرہ (دیکھئے المنار المنیف ص ۴۳ تا ۸۰)

اس باب میں حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے ایک موضوع و بے اصل روایت (دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے اور ہم ساتویں میں ہیں) ذکر کر کے صریح قرآن و احادیثِ صحیحہ سے اس کا رد کیا۔

یاد رہے کہ قرآن میں صریحاً دجال کا نام نہیں ہے لہٰذا احادیثِ دجال کو قرآن کے خلاف قرار دینا حافظ ابن القیم کے نزدیک بھی غلط ہے۔ حافظ ابن القیم تو خروجِ دجال والی احادیث پر ایمان لانے والوں میں سے تھے۔ انھوں نے دجال کی حدیث مذکور (جس میں قتل کرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے کا ذکر ہے) سے اپنی مشہور کتاب: الطرق الحکمیہ فی السیاستہ الشرعیہ میں استدلال کیا۔ دیکھئے صفحہ ۲۹۴ (فصل: فی مواضع القرعۃ)

انھوں نے اصحاب الحدیث اور اہل سنت سے نقل کیا کہ وہ دجال کے ذکر والی احادیث کی تصدیق کرتے ہیں۔ دیکھئے حادی الارواح (ص ۴۲)

انھوں نے دجال کی اس حدیث کو ثابت کہا، جس میں آیا ہے کہ دجال کے پاس جنت اور آگ (جہنم) ہوگی۔ دیکھئے احکام اہل الذمہ (ج ۲ ص ۲/۶۵۶)

حافظ ابن القیم نے فرمایا: '' **و نقر بخروج الدجال كما جاءت به الرواية عن رسول الله** ''ہم خروجِ دجال کا اقرار کرتے ہیں، جیسا کہ رسول اللہ (ﷺ) سے روایت آئی ہے۔ (اجتماع الجیوش الاسلامیہ ج ۱ ص ۱۸۷، ائمۃ الکلام من اہل الاثبات المخالفین... بحوالہ المکتبۃ الشاملہ)

المنار المنیف میں بھی انھوں نے دجال کا ذکر اثباتاً کیا ہے۔

دیکھئے ص ۱۱۴ (فقرہ: ۲۳۱) وغیرہ

منکرینِ حدیث کا یہی طریقۂ واردات ہے کہ وہ جھوٹ بولتے، عبارتوں میں تحریف کرتے اور کتاب اللہ کو خود ساختہ معانی کا جامہ پہناتے ہیں۔ حافظ ابن القیم رحمہ اللہ تو دجال کے بارے میں وارد شدہ احادیثِ صحیحہ کا اقرار کرتے تھے مگر محمد ہادی نے جھوٹ بولتے ہوئے انھیں اُس صف میں کھڑا کرنے کی کوشش کی ہے جو احادیثِ صحیحہ صریحہ کو اپنے مفہوم القرآن اور مطالب القرآن وغیرہ سے ٹکرا کر رد کر دیتے ہیں۔ واللہ من ورائهم محيط

محمد ہادی نے صحیحین کی حدیث کو ضعیف قرار دے کر ابراہیم بن سعد پر جرح کر دی اور امام ابن شہاب زہری کے بارے میں لکھا: ''جو باوجود ثقہ ہونے کے مدلس ہے...''

(دجال کے کارنامے ص ۴، ۵)

ابراہیم بن سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف رحمہ اللہ کو امام احمد بن حنبل، امام ابن معین، امام عجلی اور جمہور محدثین نے ثقہ قرار دیا لہٰذا اُن پر بعض کی جرح مردود ہے۔

روایتِ مذکورہ میں شعیب بن ابی حمزہ اور عقیل بن خالد دونوں نے ابراہیم بن سعد کے استاذ صالح بن کیسان کی متابعت کر دی ہے لہٰذا ابراہیم مذکور پر اعتراض سرے سے مردود ہے۔

امام ابن شہاب الزہری نے اخبرنی عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ کہہ کر سماع کی تصریح کر دی ہے۔ دیکھئے صحیح بخاری (۱۸۸۲) لہٰذا تدلیس کا اعتراض باطل ہے۔

۲: دجال کا بارش برسانا اور غلہ اُگانا (دجال کے کارنامے ص ۵)

یہ سب جادو کی قسم سے ہے جیسا کہ نمبر ا کے جواب میں گزر چکا ہے۔

صحیح مسلم کی روایت کے دو راویوں ولید بن مسلم اور عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر پر محمد ہادی (منکر حدیث) نے جرح کی ہے جو جمہور کی توثیق کے مقابلے میں مردود ہے۔

۳: کیا دجال کے پاس خزانے ہیں؟ (دجال کے کارنامے ص ۷)

روایتِ مذکورہ کسی آیت کے خلاف نہیں ہے۔ قرآن مجید میں کہیں بھی نہیں آیا کہ دجال کے پاس خزانے نہیں ہوں گے۔ جیورج بش، ٹونی بلیئر اور طواغیت الارض کے پاس دنیاوی دولت کے خزانے ہی خزانے ہیں، جن کی وجہ سے بہت سے حکمران ان سے بھیک مانگنے کے لئے دُم ہلاتے ہوئے حالتِ سجدہ میں سر دھرے رہتے ہیں۔

۴: دجال کا عالم الغیب کا دعویٰ اور غیب کی خبریں دینا۔ (دجال کے کارنامے ص ۸۔۱۱)

کذاب اور دجال کا عالم الغیب ہونے کا دعویٰ، اس کی دلیل ہے کہ وہ کذاب اور دجال ہے۔ رہی غیب کی بعض خبریں تو بعض شیاطین کا الملاء الاعلیٰ کی بعض خبریں سن لینا

قرآن مجید سے ثابت ہے۔ دیکھئے سورۃ الصّٰفّٰت (آیت نمبر ۸تا۱۰)

۵: دجال زمین میں کتنی مدت ٹھہرے گا؟ (دجال کے کارنامے ص ۱۱)

زمین پر دجال کے ظہور پذیر ہونے کے بعد ایک دن کا سال کے برابر ہونا کسی آیت کے خلاف نہیں ہے مگر محمد ہادی نے اس کا انکار کرنے کے لئے عبیداللہ بن معاذ پر جرح کر دی ہے۔ یہ جرح دو وجہ سے مردود ہے:

اول: عبیداللہ بن معاذ کو ابو حاتم الرازی، ابن حبان اور جمہور محدثین نے ثقہ قرار دیا ہے لہٰذا اُن پر امام ابن معین رحمہ اللہ کی جرح مرجوح اور غلط ہے۔

دوم: عبیداللہ بن معاذ اس روایت میں منفرد نہیں بلکہ یہی روایت محمد بن جعفر نے بھی بیان کی ہے بلکہ انھوں نے کئی دفعہ یہ حدیث امام شعبہ سے سُنی تھی۔ دیکھئے صحیح مسلم (۲۹۴۰)

۶: دجال کے ہمراہ جنت اور دوزخ ہوگی۔ (دجال کے کارنامے ص ۱۳)

روایتِ مذکورہ سے حافظ ابن القیم (المنار المنیف کے مصنف) نے بھی استدلال کیا ہے جیسا کہ سابقہ صفحات پر گزر چکا ہے۔ محمد ہادی نے ابو معاویہ محمد بن خازم الضریر پر بذریعۂ آجری امام ابوداود کی جرح نقل کر دی جو کہ تین وجہ سے مردود ہے:

اول: آجری بذاتِ خود مجہول الحال ہے۔ کما تقدم ص ۴۱۹

دوم: یہ جرح جمہور کے خلاف ہے کیونکہ امام عجلی، نسائی، یعقوب بن شیبہ اور جمہور محدثین نے ابو معاویہ کی توثیق کی ہے۔

سوم: روایتِ مذکورہ میں ابو معاویہ کا تفرد نہیں بلکہ یہی روایت دوسری سند (ربعی بن حراش عن حذیفہ رضی اللہ عنہ) سے بھی ثابت ہے۔ دیکھئے صحیح مسلم (۲۹۳۴)

۷: دجال کہاں رہائش پذیر ہے؟ (دجال کے کارنامے ص ۱۴)

شک کے بعد یقین والی روایت ناسخ اور سابقہ روایت منسوخ ہے لہٰذا اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ حسین بن ذکوان پر اعتراض دو وجہ سے مردود ہے:

اول: جمہور محدثین نے اُن کی توثیق کی ہے۔

دوم: حسین بن ذکوان اس روایت میں منفرد نہیں بلکہ اسے سیار ابوالحکم اور غیلان بن جریر وغیرہمانے بھی امام شعبی سے روایت کیا ہے۔ دیکھئے صحیح مسلم (۲۹۴۲)

۸: ''عیسیٰ علیہ السلام ہی مسیح ہیں اور دجال مسیح نہیں ہیں'' (دجال کے کارنامے ص ۱۵)

اگر کمپوزنگ یا کتابت کی غلطی نہیں تو معلوم نہیں کہ محمد ہادی نے دجال کے لئے صیغۂ احترام کیوں استعمال کیا ہے؟ نیز عرض ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام مسیح ہدایت ہیں اور دجال مسیح ضلالت ہوگا۔

قرآن میں مسیح ہدایت کا ذکر ہے اور یہود جس کے منتظر ہیں وہ مسیح ضلالت ہوگا جس کا احادیث میں ذکر آیا ہے۔

ان اعتراضات کے بعد محمد ہادی نے ''دجال کے متعلق متضاد روایات'' کا باب باندھ کر اپنے خیال میں تضادات پیش کئے ہیں، ان تضادات کا جائزہ درج ذیل ہے:

۱: دجال دائیں آنکھ سے کانا ہوگا.... دجال بائیں آنکھ سے کانا ہوگا۔

(دجال کے کارنامے ص ۱۵، ۱۶)

دجال کی دونوں آنکھوں میں نقص ہوگا: ایک مطموسہ (مٹی ہوئی) اور دوسری ممسوحہ (نہ آنکھ نظر آئے اور نہ ابرو) دیکھئے شرح صحیح مسلم للنووی (ج ۱ ص ۹۶)

لہٰذا کسی کو دائیں آنکھ کانی نظر آئے گی اور کسی کو بائیں آنکھ کانی نظر آئے گی۔ بہت سے ایسے بدنصیب بھی ہوں گے جو دجال میں خدا یا رسول کی صفات سمجھ اُس کی پیروی کریں گے اور انھیں اس کا کفر یا کانا پن نظر ہی نہیں آئے گا۔

زمین پر چھ کا ہندسہ انگریزی میں لکھ کر دونوں مخالف طرفوں پر آدمی کھڑے کر دیں تو ایک گروہ کو 6 کا ہندسہ نظر آئے گا اور دوسرے گروہ کو 9 کا ہندسہ۔

اپنے اپنے ایمان وعقائد کے مطابق دجال کا نظارہ ہوگا۔

۲: عیسیٰ علیہ السلام کا امامت کرانا.... عیسیٰ علیہ السلام کا امامت نہ کرانا۔

(دجال کے کارنامے ص ۱۷، ۱۸)

جب سیدنا عیسیٰ علیہ السلام پہلی مرتبہ آسمان سے زمین پر تشریف لائیں گے تو آپ امامت نہیں کروائیں گے بلکہ اُمتی بن کر امام مہدی کے پیچھے نماز پڑھیں گے تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ آپ اُمتی کی حیثیت سے نازل ہوئے ہیں اور بعد میں آپؑ امامت کروائیں گے اور امام مہدی و مسلمین آپ کے پیچھے نمازیں پڑھیں گے، اس میں تضاد کی کیا بات ہے؟

۳: دجال کا مکہ میں داخل نہ ہونا.... دجال کا مکہ (بیت اللہ) میں داخل ہو کر طواف کرنا''

(دجال کے کارنامے ص ۱۹)

یہ بات بالکل صحیح ہے کہ مکہ اور مدینہ میں دجال (اپنے خروج کے بعد) داخل نہیں ہو سکے گا جیسا کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے اور جس حدیث میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ دجال بیت اللہ کا طواف کر رہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دجال اپنی فوجوں کے ساتھ سرزمین مکہ و مدینہ کو گھیر لے گا لیکن یاد رہے کہ وہ مکہ اور مدینہ میں داخل نہیں ہو سکے گا۔

خواب کی ہر بات ظاہر پر محمول نہیں ہوتی بلکہ بعض اوقات تعبیر کی جاتی ہے۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خواب میں دیکھا تھا کہ گائیں ذبح ہو رہی ہیں اور پھر اس کی تعبیر یہ نکلی کہ بہت سے صحابۂ کرام اُحد میں شہید ہوئے۔ (دیکھئے صحیح بخاری: ۷۰۳۵)

معلوم ہوا کہ عالم بیداری اور خواب والی احادیث میں کوئی تضاد نہیں ہے۔

۴: دجال کا مدینہ میں ہونا۔ (دجال کے کارنامے ص ۲۰)

دجال کے بارے میں بعض صحابۂ کرام کا قسمیں کھانا کہ ابن صیاد ہی دجال ہے، وحی کے نزول سے پہلے تھا۔ دوسرے یہ کہ اگر ابن صیاد ہی دجال اکبر ہوا تو یہ اس کی دلیل ہے کہ دجال دنیا میں اپنے خروج کے بعد مکہ اور مدینہ میں داخل نہیں ہو سکے گا اور اگر ابن صیاد دجال اکبر نہ ہوا تو منسوخ آثار سے استدلال غلط ہے۔

۵: ''ایمان کا قابلِ قبول نہ ہونا.... ایمان کا قابلِ قبول ہونا'' (دجال کے کارنامے ص ۲۱)

بعض لوگوں کا ایمان قابلِ قبول ہوگا، جو خلوص دل سے سچا ایمان لائیں گے اور بعض

لوگوں کا ایمان قابلِ قبول (مقبول) نہیں ہوگا کیونکہ یہ اوپر سے لا الٰہ (کہنے والے) اور اندر سے کالی بلا (یعنی منافق) ہوں گے۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ بعض اشراط الساعۃ کے ظہور کے وقت ایمان لانا قابلِ قبول ہو اور تمام اشراط کے واقع ہونے کے بعد قابلِ قبول نہ ہو۔

دومختلف حالتوں کی وجہ سے تضاد کشید کرنا غلط ہے۔

قیامت کے دن دوبارہ زندہ ہونے والے کفار کی دو حالتیں قرآن مجید میں مذکور ہیں:

اول: اندھے بہرے ہوں گے۔ (دیکھئے سورۂ بنی اسرائیل: ۹۷)

دوم: دیکھیں گے اور سنیں گے۔ (دیکھئے سورۃ السجدہ: ۱۲)

اگر کوئی ان آیات کی وجہ سے قرآن میں تضاد کا دعویٰ کر دے تو اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟ دو صحیح دلیلوں میں جمع وتوفیق اور تطبیق دینی چاہئے یا ایک دوسرے سے ٹکرا کر تضاد وتعارض ثابت کیا جائے؟

ان خودساختہ تضادات کے رد کے بعد محمد ہادی (سابق: ڈاکٹر مسعود عثمانی پارٹی) کے چند شبہات کا ازالہ پیشِ خدمت ہے:

۱: ''کیا عیسیٰ علیہ السلام کو یہ حق حاصل ہے کہ جہاد و جزیہ جو قرآن کا حکم ہے منسوخ کر دے؟'' (دجال کے کارنامے ص ۲۳)

عرض ہے کہ قرآنی حکم کے مطابق کفار سے جہاد کیا جاتا ہے اور یہ قیامت تک جاری رہے گا۔ جزیہ بھی کفار سے ہی وصول کرنا چاہئے لیکن جب سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان سے نزول کے بعد زمین پر کوئی کافر باقی نہیں رہے گا، سب مر جائیں گے یا مسلمان ہو جائیں گے تو پھر کس کے خلاف جہاد کیا جائے گا اور کس سے جزیہ لیا جائے گا؟

جہاد اور جزیہ کا ایک خاص وقت عارضی طور پر موقوف ہو جانا، جب پوری زمین پر ایک کافر بھی باقی نہ رہے، کس آیت کریمہ کے خلاف ہے؟

منکرینِ حدیث کو سمجھ ہی نہیں آتی کہ وہ اعتراض کس طرح کریں؟

۲: سابقہ نبی اور رسول اللہ ﷺ کے صحابی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا اُمتی کی حیثیت سے نازل ہونا کسی آیت کریمہ کے خلاف نہیں ہے مگر محمد ہادی نامی منکرِ حدیث اسے خلاف سمجھتا ہے۔

سبحان اللہ!

یاد رہے کہ عیسیٰ علیہ السلام پر جو وحی نازل ہوگی وہ یہ کہ مسلمانوں کو وہاں لے جاؤ، جہاد کرو، تمھارا جنت میں یہ مرتبہ ہے۔ وغیرہ، رہا مسئلہ دین کا تو دینِ اسلام مکمل ہے، دین کے بارے میں کوئی نئی وحی نازل نہیں ہوگی۔ صحیح مسلم میں لکھا ہوا ہے کہ

''فأمکم بکتاب ربکم تبارك و تعالىٰ و سنة نبیکم ﷺ''

پھر وہ تمھارے رب تبارک وتعالیٰ کی کتاب اور نبی ﷺ کی سنت سے تمھاری امامت کرائیں گے۔ (ح ۱۵۵، کتاب الایمان: ۲۴۶)

۳: سیدنا عیسیٰ علیہ السلام جسے یہ بتائیں گے کہ تمھارا جنت میں یہ یا اتنا مرتبہ ہے تو یہ اللہ کی وحی سے بتائیں گے۔

۴: ''عیسیٰ علیہ السلام کے بال سیدھے تھے... عیسی علیہ السلام کے بال گھونگریالے تھے''

(دجال کے کارنامے ص ۳۰، ۳۱)

یہ دو حالتیں ہیں: جب نازل ہوں گے بال سیدھے (اور کنگھی کیے ہوئے) ہوں گے، جیسے کہ (ابھی) غسل فرمایا ہے اور بعد میں دوسرے موقع پر بال گھونگریالے ہوں گے۔

اس قسم کے اعتراضات کے جوابات علمائے اسلام بہت عرصہ پہلے دے چکے ہیں۔

مثلاً دیکھئے محمدیہ پاکٹ بک (ص ۵۹۴۔ ۵۹۵) [ختم شد]

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا نزول اور امام ابن شہاب الزہری

متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ سیدنا عیسیٰ بن مریم علیہ السلام قیامت سے پہلے (آسمان سے) نازل ہوں گے اور دجالِ اکبر کو قتل کریں گے۔ ابوالحسن الاشعری رحمہ اللہ (متوفی ۳۲۹ھ) نے فرمایا:

''و أجمعت الأمة علٰی أن اللّٰہ عزوجل رفع عیسیٰ إلی السماء''

اور اُمت نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اُٹھا لیا ہے۔ (الابانہ عن اصول الدیانہ ص ۳۴)

مشہور مفسر ابن عطیہ (الغرناطی) نے کہا: حدیث متواتر کے اس مضمون پر اُمت کا اجماع ہو چکا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ موجود ہیں اور وہ آخری زمانے میں نازل ہوں گے۔ (تفسیر البحر المحیط لابی حیان الاندلسی ج ۲ ص ۴۹۷)

تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب: تحقیقی... اور علمی مقالات (ج ۱ ص ۸۷)

ان احادیث متواترہ کو بہت سے راویوں نے بیان کیا ہے، جن میں سے ایک امام ابن شہاب الزہری رحمہ اللہ بھی تھے۔ امام زہری اولیائے اہلِ سنت میں سے تھے اور آپ کے ثقہ وصادق ہونے پر اتفاق (اجماع) ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا:

ابن شہاب ایسے دور میں باقی رہے، جب دنیا میں اُن جیسا کوئی نہیں تھا۔

(الجرح والتعدیل ۸/۷۲ وسندہ صحیح)

امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز الاموی الخلیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا: تمھارے پاس زہری جو کچھ سند کے ساتھ لے کر آئیں تو اسے مضبوطی سے پکڑ لو۔ (تاریخ ابی زرعۃ الدمشقی: ۹۶۰ وسندہ صحیح)

تفصیل کے لئے دیکھئے تحقیقی مقالات (ج ۱ ص ۸۹ تا ۱۰۰)

بعض لوگ امام زہری کا نام لے کر نزولِ مسیح کی احادیث صحیحہ ومتواترہ کا انکار کر دیتے

ہیں لہٰذا امام ابن شہاب الزہری کی ثقاہت، عدالت، امانت اور امامت پر اتفاق کے باوجود وہ احادیث پیشِ خدمت ہیں جنھیں امام زہری کے علاوہ دوسرے راویوں نے بیان کیا ہے تاکہ منکرینِ حدیث پر حجت تمام کردی جائے اور اُن کا کوئی عذر و بہانہ باقی نہ رہے:

۱) امام مسلم رحمہ اللہ نے فرمایا:

"حدثنا قتيبة بن سعيد : حدثنا ليث عن سعيد بن أبي سعيد عن عطاء بن ميناء عِن أبي هريرة أنه قال قال رسول الله ﷺ : ((والله! لينزلنّ ابن مريم حكمًا عادلاً، فليكسرنّ الصليب وليقتلنّ الخنزير...)) إلخ

ہمیں قتیبہ بن سعید (الثقفی) نے حدیث بیان کی (کہا): ہمیں لیث (بن سعد المصری) نے حدیث بیان کی، وہ سعید بن ابی سعید (المقبری) سے، وہ عطاء بن میناء سے، وہ ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم! ابن مریم تمھارے درمیان عادل حاکم کی حیثیت سے ضرور نازل ہوں گے پھر وہ صلیب کو یقیناً توڑ دیں گے اور خنزیر کو قتل کردیں گے... الخ (صحیح مسلم: ۲۴۳/۱۵۵، دارالسلام: ۳۹۱)

اس سند کے راویوں کا مختصر اور مفید تعارف درج ذیل ہے:

۱: قتیبہ بن سعید الثقفی: ثقة ثبت (تقریب التہذیب: ۵۵۲۲)

۲: لیث بن سعد: ثقة ثبت فقيه إمام مشهور (تقریب التہذیب: ۵۶۸۴)

۳: سعید بن ابی سعید المقبری: ثقة إلخ (تقریب التہذیب: ۲۳۲۱)

لیث بن سعد کی سعید بن ابی سعید سے روایات سعید کے اختلاط و تغیر سے پہلے کی ہیں۔

۴: عطاء بن میناء المدنی: صدوق (تقریب التہذیب: ۴۶۰۲)

سیدنا عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے نزول والی روایات سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے درج ذیل تابعین نے بھی بیان کی ہیں:

۱: یزید بن الاصم رحمہ اللہ (مصنف عبدالرزاق: ۲۰۸۴۶، کتاب الایمان لابن مندہ: ۴۱۷ وسندہ حسن)

۲: کلیب بن شہاب رحمہ اللہ (کشف الاستار ۱۴۲/۴۔۱۴۳ ح ۳۳۹۶ وسندہ صحیح)

اس حدیث میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان سے نازل ہونے کی صراحت ہے۔

۳: ولید بن رباح رحمہ اللہ (مسند احمد ۲/ ۳۹۴ ح ۹۱۲۱ وسندہ حسن)

۴: ابو صالح ذکوان (صحیح مسلم: ۲۸۹۷، دارالسلام: ۷۲۷۸)

۵: عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج (الاوسط للطبرانی: ۵۴۶۰ وسندہ حسن)

نزولِ مسیح والی حدیث سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے متواتر ہے۔

☆ قادیانیوں پر بطورِ الزامِ حجت عرض ہے کہ مرزا غلام قادیانی (متنبی کذاب) نے لکھا ہے: "والقسم يدل على أن الخبر محمول على الظاهر لا تأويل فيه ولا استثناء" [اور قسم اس پر دلالت کرتی ہے کہ خبر (پیشین گوئی) ظاہر پر محمول ہے، نہ اس میں تاویل ہے اور نہ اس میں استثناء] (حمامۃ البشریٰ ص ۵۱، روحانی خزائن ج ۷ ص ۱۹۲)

نزولِ مسیح والی حدیث چونکہ قسم کے ساتھ مشروط ہے لہٰذا اس (قادیانی) اصول سے بھی ثابت ہوا کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام پیدا نہیں ہوں گے بلکہ آسمان سے نازل ہوں گے۔

فائدہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تم میں سے کوئی عیسیٰ بن مریم کو پائے تو انھیں ابو ہریرہ کی طرف سے سلام کہے، وہ سرخ اور روشن چہرے والے نوجوان ہیں۔ الخ

(مصنف ابن ابی شیبہ ۱۵/ ۱۵۶، ۱۵۷ ح ۳۷۵۱۱ وسندہ صحیح)

۲) امام مسلم رحمہ اللہ نے فرمایا: "حدثنا الوليد بن شجاع و هارون بن عبدالله و حجاج بن الشاعر قالوا: حدثنا حجاج وهو ابن محمد عن ابن جريج قال: أخبرني أبو الزبير أنه سمع جابر بن عبدالله يقول: سمعت النبي ﷺ يقول: ((لا تزال طائفة من أمتي يقاتلون على الحق ظاهرين إلى يوم القيامة، قال: فينزل عيسى بن مريم ﷺ فيقول أميرهم: تعال صلّ لنا، فيقول: لا، إن بعضكم على بعض أمراء، تكرمة الله هذه الأمة.))

(سیدنا) جابر بن عبداللہ (الانصاری رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: میری اُمت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قتال کرتا رہے گا، وہ قیامت تک

غالب رہیں گے، آپ نے فرمایا: پھر عیسیٰ بن مریم ﷺ نازل ہوں گے تو اس گروہ کا امیر (امام مہدی) انھیں کہے گا: آئیں! ہمیں نماز پڑھائیں، تو وہ (سیدنا عیسیٰ علیہ السلام) فرمائیں گے: نہیں، تم ایک دوسرے کے امراء ہو، اللہ نے اس اُمت کو تکریم (عزت) بخشی ہے۔

(صحیح مسلم: ۱۵۶، ترقیم دارالسلام: ۳۹۵)

۳) سیدنا نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((فبينما هو كذلك إذ بعث الله المسيح ابن مريم عليه السلام فينزل عند المنارة البيضاء شرقي دمشق ، بين مهروذتين واضعًا كفيه علٰى أجنحة ملكين ...)) إلخ

لوگ اسی حالت میں ہوں گے کہ اتنے میں اللہ (تعالیٰ) مسیح ابن مریم علیہ السلام کو بھیجے گا تو وہ دمشق کے مشرق میں سفید منارے کے پاس، زرد رنگ کی دو چادریں پہنے، دو فرشتوں کے پروں پر اپنی دونوں ہتھیلیاں رکھے ہوئے نازل ہوں گے .... الخ

(صحیح مسلم: ۲۹۳۷، دارالسلام: ۷۳۷۳)

اس روایت کو سیدنا نواس رضی اللہ عنہ سے جبیر بن نفیر الحضرمی، جبیر بن نفیر سے عبدالرحمٰن بن جبیر بن نفیر، عبدالرحمٰن بن جبیر سے عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر، عبدالرحمٰن بن یزید سے ولید بن مسلم، ولید سے ابوخیثمہ زہیر بن حرب اور محمد بن مہران الرازی نے بیان کیا ہے۔

اس حدیث کو ولید بن مسلم کے علاوہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر (صحیح مسلم: ۲۹۳۷) اور یحییٰ بن حمزہ (سنن ابن ماجہ: ۴۰۷۶) نے بھی عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر سے بیان کیا ہے اور المستدرک للحاکم (۴۹۲/۴۔۴۹۴ ح ۸۵۰۸) میں اس کی دوسری صحیح سند بھی ہے۔

٤) سیدنا ابوسریحہ حذیفہ بن اَسید الغفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اُس وقت تک قیامت نہیں آئے گی جب تک تم دس نشانیاں دیکھ لو۔ پھر آپ نے دجال، دابہ، مغرب کی طرف سے سورج کا طلوع ہونا، عیسیٰ بن مریم ﷺ کا نزول، یاجوج وماجوج

(کا خروج) اور .... کا ذکر کیا۔ الخ (صحیح مسلم: ۲۹۰۱، دارالسلام: ۷۲۸۵)

حدیث مذکور کو حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہ سے ابوالطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ نے، عامر بن واثلہ سے فرات القزاز اور فرات القزاز سے سفیان بن عیینہ نے بیان کیا۔

امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کے سماع کی تصریح مسند الحمیدی (بتحقیقی: ۸۲۹، نسخہ دیوبندیہ: ۸۲۷) میں موجود ہے۔ والحمد للہ

۵) امام مسلم رحمہ اللہ نے فرمایا: ’’حدثنا عبید اللّٰہ بن معاذ العنبري: حدثنا أبي: حدثنا شعبة عن النعمان بن سالم قال: سمعت یعقوب بن عاصم بن عروة ابن مسعود الثقفي یقول: سمعت عبداللّٰہ بن عمرو ... قال قال رسول اللّٰہ ﷺ: ((یخرج الدجال في أمتي فیمکث أربعین / لاأدري: أربعین یومًا أو أربعین شهرًا أو أربعین عامًا / فیبعث اللّٰہ عیسیٰ ابن مریم کأنه عروة ابن مسعود فیطلبه فیهلکه ...)) إلخ

(سیدنا) عبداللہ بن عمرو (بن العاص رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری اُمت پر دجال نکلے گا تو چالیس رہے گا / (راوی نے کہا:) مجھے پتا نہیں کہ چالیس دن یا چالیس مہینے یا چالیس سال / (آپ نے فرمایا:) پھر عیسیٰ بن مریم کو اللہ بھیجے گا گویا وہ عروہ بن مسعود (الثقفی رضی اللہ عنہ) سے مشابہ ہیں پھر وہ (عیسیٰ علیہ السلام) اسے (دجال کو) تلاش کر کے ہلاک کر دیں گے .... الخ (صحیح مسلم: ۲۹۴۰، دارالسلام: ۷۳۸۱)

٦) امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا: ’’حدثنا سلیمان بن داود قال: حدثنا حرب بن شداد عن یحي بن أبي کثیر قال: حدثني الحضرمي بن لا حق أن ذکوان أبا صالح أخبره أن عائشة أخبرته قالت .... فقال رسول اللّٰہ ﷺ: ((... حتی یأتي فلسطین باب لُدّ فینزل عیسیٰ علیه السلام فیقتله ثم یمکث عیسیٰ علیه السلام فی الأرض أربعین عامًا: إمامًا عدلاً و حکمًا مقسطًا .))

(سیدہ) عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: .... حتیٰ کہ وہ (دجال)

فلسطین میں لُد (ایک علاقے) کے دروازے پر آئے گا پھر عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے تو اُسے قتل کر دیں گے پھر عیسیٰ علیہ السلام زمین میں عادل امام اور عادل حاکم کی حیثیت سے چالیس سال رہیں گے۔ (مسند احمد ۷۵/۶ ح ۲۴۴۶۷ وسندہ حسن)

۷) امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے فرمایا:

''حدثنا محمد بن بشار : حدثنا يزيد بن هارون : حدثنا العوام بن حوشب: حدثني جبلة بن سحيم عن مؤثر بن عفازة عن عبدالله بن مسعود قال:لما كان ليلة أسري برسول الله ﷺ لقي إبراهيم و موسى و عيسى فتذاكروا الساعة فبدأوا بإبراهيم فسألوه عنها فلم يكن عنده منها علم ثم سألوا موسى فلم يكن عنده منها علم فرد الحديث إلىٰ عيسى ابن مريم فقال: قد عهد إليّ فيما دون و جبتها فأما و جبتها فلا يعلمها إلا الله ، فذكر خروج الدجال ، قال: فأنزل فأقتله ... '' إلخ

(سیدنا) عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ جس رات رسول اللہ ﷺ کو معراج کرائی گئی تو آپ نے ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) سے ملاقات کی، پھر انھوں نے قیامت کے بارے میں گفتگو کی تو انھوں نے (سیدنا) ابراہیم (علیہ السلام) سے ابتدا کر کے سوال کیا لیکن اُن کے پاس اِس (قیامت) کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا۔ پھر انھوں نے (سیدنا) موسیٰ (علیہ السلام) سے پوچھا تو اُن کے پاس بھی قیامت کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا پھر جب بات (سیدنا) عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) تک پہنچی تو انھوں نے فرمایا: قیامت کے آجانے کے علاوہ میرے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے، رہا قیامت کا آجانا تو اس کا علم اللہ کے سوا کسی کے پاس نہیں ہے۔ پھر انھوں (سیدنا عیسیٰ علیہ السلام) نے دجال کا ذکر کیا اور فرمایا: پھر میں نازل ہو کر اسے (دجال کو) قتل کروں گا.... الخ

(سنن ابن ماجہ: ۴۰۸۱ وسندہ صحیح وصححہ البوصیری والحاکم ۳۸۴/۲ ووافقہ الذہبی)

اس روایت کے راوی موثر بن عفازہ ثقہ تھے، انھیں امام عجلی، حافظ ابن حبان اور حاکم

وغیرہم نے ثقہ قرار دیا ہے لہٰذا شیخ البانی رحمہ اللہ کا انھیں مجہول قرار دینا غلط ہے۔

۸) امام طبرانی رحمہ اللہ نے فرمایا:

" حدثنا أحمد بن المعلى الدمشقي القاضي : ثنا هشام بن عمارة (ح) وحدثنا عبدان بن أحمد : ثنا هشام بن خالد قالا : ثنا محمد بن شعيب : ثنا يزيد ابن عبيدة عن أبى الأشعث الصنعاني عن أوس بن أوس عن النبي ﷺ قال :

((ينزل عيسى بن مريم عليه السلام عند المنارة البيضاء شرقي دمشق.))

(سیدنا) اوس بن اوس (الثقفی رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عیسیٰ بن مریم علیہ السلام دمشق کے مشرق میں سفید منارے کے پاس نازل ہوں گے۔

(المعجم الکبیر ج ۱ ص ۲۱۷ ح ۵۹۰ وسندہ صحیح ، وقال الہیثمی فی مجمع الزوائد ۸/۲۰۵: ورجالہ ثقات)

۹) امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا:

" سليمان : حدثنا الجراح بن مليح : حدثنا الزبيدي عن لقمان بن عامر عن عبدالأعلى بن عدي البهراني عن ثوبان رضي الله عنه عن النبي ﷺ :

((عصابتان من أمتي أحرزهما الله من النار : عصابة تغزو الهند و عصابة مع عيسى بن مريم عليه الصلوة والسلام .)) "

(سیدنا) ثوبان (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری اُمت کے دو گروہوں کو اللہ نے آگ (کے عذاب) سے بچالیا ہے: ایک گروہ جو ہند کے خلاف جہاد کرے گا اور دوسرا گروہ عیسیٰ بن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ہوگا۔

(التاریخ الکبیر للبخاری ۶/۷۲، ۷۳ وسندہ حسن لذاتہ، المجتبیٰ للنسائی ۶/۴۲۔۴۳ ح ۳۱۷۷ بسند آخر)

نیز دیکھئے الحدیث (عدد ۴۳ ص ۵۵)

۱۰) ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ ﴾ اور بے شک وہ (عیسیٰ علیہ السلام) قیامت کا علم ہے۔ (الزخرف: ۶۱)

اس آیت کی تشریح میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: " هو خروج عيسى ابن

مریم علیه السلام قبل یوم القیامة '' اس سے مراد قیامت کے دن سے پہلے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا خروج ہے۔ (مسند احمد ۱/ ۳۱۷، ۳۱۸ ح ۲۹۱۸ وسندہ حسن)

اس روایت کی سند درج ذیل ہے:

'' حدثنا هاشم بن القاسم :حدثنا شيبان عن عاصم عن أبي رزين عن أبي يحي مولى ابن عقيل الأنصاري قال قال ابن عباس ....))

تنبیہ: یہ روایت مرفوع حکماً ہے اور صحیح ابن حبان (الاحسان: ۸/ ۲۷۸/ ۶۸۱۷) میں صراحت کے ساتھ مرفوعاً ہے۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ﴿ قَبْلَ مَوْتِهِ ﴾ کی تفسیر میں ''موت عیسیٰ'' فرما کر یہ ثابت کر دیا کہ ابھی تک عیسیٰ علیہ السلام پر موت نہیں آئی۔

دیکھئے تاریخ دمشق لابن عساکر (ج ۵۰ ص ۳۵۹ وسندہ حسن)

۱۱) تابعی صغیر ابراہیم بن یزید النخعی رحمہ اللہ نے فرمایا:

'' إن المسيح خارج فيكسر الصليب و يقتل الخنزير ويضع الجزية . ''

بے شک مسیح (علیہ السلام) نکلیں گے پھر وہ صلیب کو توڑ دیں گے، خنزیر کو قتل کر دیں گے اور جزیہ موقوف کر دیں گے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱۵/ ۱۴۵ ح ۱۹۴۸۷ وسندہ حسن)

۱۲) تابعی ابو مالک غزوان الغفاری الکوفی رحمہ اللہ نے سورۃ الزخرف کی آیت نمبر ۶۱ (دیکھئے یہی مضمون، فقرہ: ۹) کی تشریح میں فرمایا:

''نزول عيسى بن مريم '' عیسیٰ بن مریم کا نزول

(تفسیر ابن جریر الطبری ج ۲۵ ص ۵۴ وسندہ صحیح)

یعنی قیامت کے علم میں سے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا نزول بھی ہے۔

۱۳) مشہور ثقہ تابعی امام قتادہ رحمہ اللہ نے فرمایا:

(سیدنا) عیسیٰ بن مریم کا نزول قیامت کا علم ہے۔ (تفسیر طبری ج ۲۵ ص ۵۴ وسندہ صحیح)

نیز امام قتادہ نے ﴿ قَبْلَ مَوْتِهِ ﴾ کی تشریح میں '' قبل موت عيسى '' فرمایا ہے۔

دیکھئے الحدیث (عدد ۴۳ ص ۵۶)

۱۴) مشہور ثقہ تابعی امام حسن بصری رحمہ اللہ نے بھی سیدنا عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے نزول کو قیامت کا علم (یعنی نشانی) قرار دیا ہے۔

دیکھئے تفسیر ابن جریر الطبری (ج ۲۵ ص ۵۴ وسندہ صحیح)

امام حسن بصری نے مزید فرمایا: اللہ کی قسم! وہ (عیسیٰ) اب اللہ کے پاس زندہ ہیں لیکن جب آپ نازل ہوں گے تو سب آپ پر ایمان لے آئیں گے۔

(تفسیر طبری ج ۶ ص ۱۴، وسندہ صحیح، دوسرا نسخہ ج ۹ ص ۳۸۰ ح ۱۰۷۹۸)

نیز دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو (عدد ۴۲ ص ۶۱)

۱۵) سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ عیسیٰ بن مریم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (حجرۂ نبویہ میں) دفن ہوں گے۔ (سنن الترمذی: ۳۶۱۷ وقال: ''حسن غریب'' وسندہ حسن)

۱۶) اسماعیل بن عبدالرحمٰن السدی (تابعی صدوق) رحمہ اللہ نے قیامت سے پہلے (سیدنا) عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کے خروج کو قیامت کی نشانی قرار دیا۔

(دیکھئے تفسیر ابن جریر طبری ج ۲۵ ص ۵۴ وسندہ حسن)

یہ وہ احادیث و آثار پیش کئے گئے ہیں جن کی سندوں میں امام ابن شہاب الزہری رحمہ اللہ کا نام ونشان نہیں ہے، حالانکہ اس بارے میں امام زہری رحمہ اللہ کی بیان کردہ روایتیں بھی صحیح ہیں جن میں انھوں نے سماع کی تصریح کر رکھی ہے۔ والحمدللہ

خلاصۂ تحقیق یہ ہے کہ سیدنا عیسیٰ بن مریم علیہ السلام آسمان پر زندہ موجود ہیں اور قیامت سے پہلے دجال کو قتل کرنے کے لئے آسمان سے زمین پر نازل ہوں گے اور یہ احادیث اپنے مفہوم کے ساتھ قطعی اور یقینی طور پر صحیح ہیں۔ جو شخص آسمان سے نزولِ مسیح کا منکر ہے وہ صرف امام بن شہاب الزہری کا مخالف نہیں بلکہ قرآن، احادیث صحیحہ، آثارِ صحابہ اور تمام آثارِ سلف صالحین کا سو فیصد مخالف اور منکرِ حدیث ہے۔ وما علینا إلا البلاغ

(۲۲/ جولائی ۲۰۰۹ء)

بعض شبہات اور باطل استدلالات کا رد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

احمد ممتاز دیوبندی کے اعتراضات کا جواب

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الأمین، أما بعد:

راقم الحروف نے ''تعدادِ رکعاتِ قیامِ رمضان کا تحقیقی جائزہ'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے (طبع اول جنوری ۱۹۹۷ء) جس کا دوسرا ایڈیشن مع زیادات مکتبہ اسلامیہ لاہور، فیصل آباد سے ستمبر ۲۰۰۶ء میں شائع ہوا ہے۔ والحمدللہ

اس تحقیقی کتاب کے مکمل جواب سے تمام آلِ تقلید عموماً اور تمام آلِ دیوبند خصوصاً عاجز ہیں۔ کسی احمد ممتاز دیوبندی نے اس کتاب کے صفحہ ۶۸ (طبع ۲۰۰۶ء) کی چار باتوں پر تبصرہ لکھا ہے جس کا جواب (اصل عبارت پر نمبر لگا کر) پیشِ خدمت ہے:

نمبر:۱) احمد ممتاز دیوبندی نے لکھا ہے:

''

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صرف صفحہ نمبر ۶۸ کی چار باتوں پر تبصرہ

① جناب محترم علی زئی صاحب رقمطراز ہیں: آل تقلید کا دعویٰ ہے کہ مسنون تراویح بیس رکعات ہیں لیکن ایک بھی صحیح حدیث بطور دلیل پیش کرنے سے قاصر ہیں۔

تبصرہ: محترم کی خدمت میں درجہ ذیل امور کی وضاحت کی درخواست ہے تاکہ مسئلہ واضح ہو جائے۔

نمبرا: جناب نے احناف کو ''آل تقلید'' کہا ہے بار بار۔ اس کا کیا مطلب ہے؟(۱) اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ احناف اجتہادی مسائل میں مجتہد کے اجتہاد پر عمل کرتے ہیں (۲) تو اس مطلب کے اعتبار سے تو یہ اچھا معنی ہے کیونکہ خود محترم نے ''الحدیث حضرو شمارہ نمبر ا'' میں اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ اجماع اور اجتہاد و قیاس شرعی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں لہٰذا مجتہد کے اجتہاد اور قیاس شرعی کو ماننا قرآن کریم اور احادیث مبارکہ کو ماننا ہوا اور یہ اچھی بات ہے، اس کو طعن و تشنیع کے انداز میں پیش کرنا کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مذاق اور ان کی بے حرمتی اور گستاخی ہے یا نہیں؟

محترم اس کا جواب دیں۔[۳] "

﴿الجواب﴾ ۱) میں نے احناف کو نہیں بلکہ تقلیدیوں، دیوبندیوں اور بریلویوں کو آلِ تقلید کہا ہے اور حقیقت میں بھی یہ لوگ آلِ تقلید ہیں۔

۲) دیوبندی و بریلوی حضرات مجتہد کے اجتہاد پر نہیں بلکہ اپنے اکابر علماء کے اجتہادات پر عمل کرتے ہیں اور یاد رہے کہ یہ لوگ حنفی نہیں بلکہ صرف تقلیدی ہیں۔

۳) غیر مجتہد کے اجتہادات اور کتاب وسنت کی مخالفت کرنے والے تقلیدی حضرات پر تنقید کرنا بے حرمتی اور گستاخی نہیں ہے بلکہ یہ تنقید عین حق اور صواب ہے اور اہلِ سنت کا یہی طریقہ ہے کہ وہ اہلِ بدعت پر رد کرتے ہیں۔

نمبر:۲) احمد ممتاز دیوبندی نے لکھا ہے:

" اگر مطلب یہ ہے کہ احناف اجتہادی مسائل میں غیر مجتہد کے اجتہاد اور قیاس پر چلتے ہیں تو جواب یہ ہے کہ یہ احناف پر الزام اور تہمت ہے[۱] اور سورج کو انگلی سے چھپانے کے مترادف ہے البتہ اس مطلب کے اعتبار سے غیر مقلدین کو ال تقلید کہا جا سکتا ہے۔[۲] کیونکہ جناب نے اپنے رسالے میں اجتہاد کو اسلیئے تسلیم کیا ہے کہ بعض مسائل شرعیہ ایسے ہیں جو نہ تو صراحتاً کتاب اللہ سے ثابت ہیں اور نہ سنت واجماع سے بلکہ اجتہاد اور قیاس شرعی سے ثابت ہیں۔اب ہم آپ سے پوچھتے ہیں کہ آپکی پارٹی کا ان مسائل شرعیہ اجتہادیہ میں کوئی مجتہد ہے یا نہیں؟[۳] میری ناقص تحقیق تو یہ ہے کہ نہیں، بلکہ یہ غیر مجتہد کی تقلید میں ان مسائل پر چلتے ہیں۔[۴] اگر محترم علی زئی صاحب کے خیال میں ہماری یہ تحقیق غلط ہے تو براہ کرم اس مجتہد کا نام باحوالہ بتا دیا جائے جسکی تقلید میں آپ کی پارٹی متفقہ طور پر مسائل شرعیہ اجتہادیہ پر عمل کرتے ہیں[۵] نیز اگر محترم کا دعویٰ اس کے سوا یہ ہو کہ ہمارے فرقہ غیر مقلدین کا تو ہر فرد خود مجتہد ہوتا ہے ہر ایک کو اجتہاد اور قیاس کا حق حاصل ہے کسی دوسرے مجتھد کی ضرورت ہی نہیں تو جناب سے درخواست یہ ہے کہ آپ اس عموم اجتھاد کے دعویٰ پر کوئی شرعی دلیل پیش فرمائیں۔[۶] بہر حال ال تقلید کے دونوں مطالب میں سے جو آپ کی مراد ہے اس پر جو اشکال ہے اس کا جواب دیجئے گا اگر کوئی تیسرا مطلب ہے تو جناب اس کو باحوالہ مدلل بیان فرمائیں۔[۷] "

﴿الجواب﴾ ۱) دیوبندی حضرات اجتہادی مسائل ومسائل منصوصہ میں غیر مجتہد

کے اجتہاد اور قیاس پر چلتے ہیں لہٰذا وہ اپنے دعویٔ تقلید ابی حنیفہ میں جھوٹے ہیں مثلاً:

مثالِ اول: امام ابوحنیفہ مجلّدین و منعلین کے علاوہ دیگر جرابوں پر مسح کے قائل نہیں تھے مگر بعد میں انھوں نے اس سے رجوع کرلیا۔ ملا مرغینانی لکھتے ہیں:

'' و عنه أنه رجع إلٰی قولهما و علیه الفتویٰ ''اور امام ابوحنیفہ سے روایت ہے کہ انھوں نے قاضی ابویوسف ومحمد بن الحسن الشیبانی کے قول (جوازِ مسح علی الجوربین) کی طرف رجوع کرلیا اور (حنفیوں کا) اس پر فتویٰ ہے۔ (الہدایہ اولین ص ۶۱ باب المسح علی الخفین)

امام ابوحنیفہ کے اس رجوع کے بعد دیوبندی حضرات اپنے اکابر کی وجہ سے جرابوں پر مسح کے قائل نہیں ہیں۔

مثالِ دوم: امام شافعی رحمہ اللہ اپنے آخری قول میں فرماتے ہیں کہ ''کسی آدمی کی نماز جائز نہیں ہے جب تک وہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھ لے۔ چاہے وہ امام ہو یا مقتدی، امام جہری قراءت کر رہا ہو یا سری، مقتدی پر یہ لازم ہے کہ سری اور جہری (دونوں نمازوں) میں سورۂ فاتحہ پڑھے۔'' (معرفۃ السنن والآثار للبیہقی ۲/ ۵۸ ح ۹۲۸ وسندہ صحیح، نصر الباری ص ۲۴۸)

مجتہد کا یہ قول دیوبندی حضرات بالکل نہیں مانتے۔

مثالِ سوم: امام مالک رحمہ اللہ عیدین کی نماز میں بارہ تکبیروں کے قائل ہیں۔ دیکھئے موطأ امام مالک (ج ۱ ص ۱۸۰ ح ۴۳۵ وقال: ''وھو الأمر عندنا '') سنن الترمذی (۵۳۶)

جبکہ دیوبندی حضرات بارہ تکبیروں پر عمل نہیں کرتے بلکہ مخالف ہیں۔

مثالِ چہارم: امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ آمین بالجہر کے بارے میں فرماتے ہیں کہ امام اور اس کے مقتدی آمین بالجہر کہیں۔ دیکھئے مسائل احمد روایۃ عبداللہ بن احمد (ج ۱ ص ۲۵۶ مسئلہ: ۳۵۸) اور سنن الترمذی (ح ۲۴۸)

حالانکہ اس مسئلے سے دیوبندی حضرات کو بہت چڑ ہے۔ معلوم ہوا کہ دیوبندی لوگ مجتہدین (اور کتاب وسنت و اجماع) کے خلاف اپنے غیر مجتہد اکابر کے اجتہاد و قیاس پر چلتے ہیں۔

۲) تقلید نہ کرنے والے کو غیر مقلد کہا جاتا ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ غیر مقلد تھے۔

دیکھئے مجالس حکیم الامت (ص ۳۴۵) حقیقۃ حقیقۃ الالحاد (ص ۷۰)

لہٰذا ثابت ہوا کہ غیر مقلدین کو آلِ تقلید کہنا غلط ہے۔

۳) مسائل اجتہادیہ میں ہر شخص اجتہاد کرے گا اور یہ اجتہاد عارضی و وقتی ہوگا، اسے دائمی قانون کی حیثیت نہیں دی جائے گی۔ دیوبندی حضرات بھی مسائل اجتہادیہ میں اجتہاد کرتے ہیں مثلاً روزے کی حالت میں ٹیکا لگانا، زخمی و مریض کو عندالضرورت اپنا بعض خون دینا، روزے کی حالت میں اِنُہیلَر کا مسئلہ اور جہاز میں نماز وغیرہ۔

۴) یہ کہنا کہ اہلِ حدیث (علماء وعوام) ان مسائل میں غیر مجتہد کی تقلید کرتے ہیں، ناقص د فاسد و باطل ''تحقیق'' ہے۔

۵) اہلِ حدیث کے دو گروہ ہیں: (۱) علماء (۲) عوام

علماء کتاب وسنت علیٰ فہم السلف الصالحین، اجماع اور اجتہاد پر عمل کرتے ہیں اور عوام ان علماء کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ یہ رجوع نوع من الاجتہاد ہے تقلید نہیں ہے۔

اہلِ حدیث کے نزدیک آلِ تقلید کی طرح صرف ایک اُمتی مجتہد کا کوئی تصور نہیں ہے بلکہ ہر شخص اپنی حسبِ استطاعت اجتہاد کرتا ہے۔

۶) اجتہاد میں تجزی ہوتی ہے اور عالم ہو یا عامی ہر شخص حسب استطاعت اجتہاد کرتا ہے۔ عامی کا اجتہاد یہ ہے کہ عالم سے جا کر مسئلہ پوچھے اور کہے کہ مجھے قرآن وحدیث سے جواب دیں۔ عالم حسبِ استطاعت ادلۂ اربعہ سے جواب دیتا ہے۔

جس دلیل سے آپ لوگ خصوصِ اجتہاد کا ثبوت لاتے ہیں اُسی سے عمومِ اجتہاد کا ثبوت ملتا ہے۔ نیز دیکھئے ایقاظ ہمم اولی الابصار (ص ۳۹ سطر ۸)

فرض کریں کہ ایک عامی ان پڑھ جنگل میں ہے اور سمتِ قبلہ بھول گیا ہے تو کیا یہ قبلہ معلوم کرنے کے لئے اجتہاد نہیں کرے گا؟ جن لوگوں نے عصر کی نماز (بنو قریظہ والے دن) شام سے پہلے راستے میں ہی پڑھ لی تھی، کیا انھوں نے اجتہاد نہیں کیا تھا؟

۷) ہم نے اپنا مفہوم ومطلب تو بیان کر دیا ہے مگر یاد رکھیں کہ تقلیدی حضرات یہ کہتے

پھرتے ہیں کہ حق اور انصاف یہ ہے کہ فلاں امام کو ترجیح حاصل ہے مگر ہم تو فلاں (دوسرے) کے مقلد ہیں اور ہم پر اس کی تقلید واجب ہے۔ سبحان اللہ!

نمبر: ۳) احمد ممتاز دیوبندی نے لکھا ہے:

"جناب نے فرمایا ہے کہ احناف گویا بیس رکعات تراویح کو مسنون کہتے ہیں پر بطور دلیل ایک بھی صحیح حدیث پیش نہیں کر سکتے۔ (۱)

اس سلسلے میں گزارش یہ ہے کہ کسی عمل کے مسنون ہونے کو ثابت کرنے کیلئے حدیث صحیح کا پیش کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ (۲) بدوں حدیث صحیح کے سنت ثابت ہو سکتی ہے یا نہیں؟ (۳) فرض، واجب سنت اور مستحب کے اصطلاحی نام آپ کے ہاں بھی مستعمل ہیں (۴) جناب واضح الفاظ میں بتائیں کہ فرض کے ثبوت کیلئے کس قسم کی آیت اور حدیث کی ضرورت ہے، واجب کیلئے کس قسم آیت اور حدیث کی ضرورت ہے اور سنت، مستحب اور نفل کیلئے کس قسم کی آیت وحدیث کی ضرورت ہے۔ جناب باحوالہ معیار بتائیے اِن شاء اللہ اسی کے مطابق آپ کو دلیل دی جائے گی ضرور معیار بتائیے گا ورنہ آپ کی شکست تصور کی جائے گی۔ (۵)

نمبر ۳: جواب سے قبل یہ بات بھی سامنے رکھیئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تو ایک خلیفہ راشد کے اس عمل کو بھی سنت فرماتے ہیں جو بظاہر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے خلاف ہے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ جلد النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابوبکر اربعین وعمر ثمانین وکل سنۃ۔ (مسلم ص ۷۲ ج ۲، ابن ماجہ ص ۱۸۵ ابوداؤد ص ۲۶۰ ج ۲)۔ (۶)"

الجواب ۱) دیوبندیوں کا یہ دعویٰ ہے کہ صرف بیس رکعات تراویح سنتِ مؤکدہ ہے اور اس سے کم یا زیادہ جائز نہیں ہے۔ اس دعویٰ پر وہ ایک بھی صحیح حدیث پیش نہیں کر سکتے۔ والحمدللہ

۲) ہر مسئلے کے لئے صحیح حدیث کا ہونا ضروری ہے چاہے حدیث مرفوع ہو یا موقوف یا کسی کا اثر۔

۳) سنت کے لئے بھی صحیح حدیث ضروری ہے چاہے رسول اللہ ﷺ سے پیش کریں یا خلفائے راشدین سے۔ ضعیف ومردود روایات کا وجود اور عدم وجود ایک برابر ہے۔

دیکھئے کتاب المجروحین لابن حبان (ج ا ص ۳۲۸ ترجمۃ سعید بن زیاد)

۴) اصطلاحات دو طرح کی ہیں: (۱) اجماعی (۲) اختلافی،
اختلاف میں راجح کو ترجیح دینا ضروری ہے۔

۵) ہر حوالے کے لئے چاہے حدیث مرفوع ہو یا کسی امام کا قول حدیثِ صحیح ضروری ہے اور اسی میں آلِ تقلید کی عبرت ناک شکست ہے۔

۶) یہ روایت ہمارے خلاف نہیں ہے کیونکہ اس سے آلِ تقلید کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا۔

نمبر:۴) احمد ممتاز دیوبندی نے لکھا ہے:

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرۃ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے شرابی کو چالیس کوڑے سزا دی اور حضرۃ عمر رضی اللہ عنہ نے اسی کوڑے سزا دی اور دونوں باتیں سنت ہیں۔ دیکھئے یہ روایت صحیح مسلم کی ہے اور ارشاد حضرۃ علی رضی اللہ عنہ کا ہے۔ جو خلیفہ راشد بھی ہیں اور سنت، بدعت وغیرہما کے مفہوم کو بخوبی جانتے بھی ہیں۔ محدّث امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔ هذا دليل ان عليًا كان معظما لآثار عمر و ان حكمه و قوله سنة و امره حق كذلك ابو بكر خلاف ما يكذبه الشيعة عليه (شرح مسلم ص ۷۱ ج ۲)۔

یہ روایت اس بات کی دلیل ہے کہ حضرۃ علی رضی اللہ عنہ، حضرۃ عمر رضی اللہ عنہ کے آثار کو عظمت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اور ان کے حکم اور قول کو سنت اور ان کے امر کو حق کہتے تھے اسی طرح حضرۃ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی وہ یہی رائی رکھتے تھے نہ کہ شیعہ شنیعہ، جب کہ ان کو جھٹلاتے ہیں۔ [1]

تنبیہ: مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ تعالیٰ نے اختلاف امت اور صراط مستقیم کے ص ۳۶ ج ۱ میں تحریر فرمایا ہے "اور اس اجماعی مسئلہ (تراویح) میں، میں نے بعض حضرات (غیر مقلدین) کو اپنے کانوں سے حضرۃ عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں ناروا الفاظ کہتے سنا ہے [2]

نمبر ۴: محترم ایک بات یہ بھی بتلایئے گا کہ "خیر القرون" جن کی خیریت بخاری ص ۳۶۲ ج ۱، مسلم ص ۳۰۹ ج ۲ کی صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ ان کے عمل کو سنت کہا جائے گا یا نہیں؟ [3] اور خیر القرون میں کسی ایک مسجد میں بیس رکعت سے کم تراویح پڑھنے کا معمول کوئی بتا سکتا ہے؟ [4] اگر جواب ہاں میں ہے تو باحوالہ حضرۃ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کہ "میں نے مکہ والوں کو تسلسل کے ساتھ بیس رکعات پڑھتے

ہوئے دیکھا ہے" کی طرح بتائے۔ (۵)

نمبر۵: محترم سے حدیث صحیح کے متعلق یہ پوچھنا ہے کہ جس حدیث کو تلقی بالقبول حاصل ہو جائے اس حدیث کو صحیح کہا جائے گا یا نہیں؟ نیز تلقی بالقبول کا مطلب کیا ہے۔ واضح اور صاف الفاظ میں بتایئے گا۔ (۶)"

الجواب ۱) اہلِ حدیث تو بحمد اللہ خلفائے راشدین کی سنت کو مانتے ہیں لیکن آلِ تقلید کئی مقامات پر اس سنت کو رد کر دیتے ہیں مثلاً:

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے پیشاب کیا پھر وضو کیا اور جرابوں پر مسح کیا۔

(الاوسط لابن المنذر ۱/۴۶۲ وسندہ صحیح)

اس کے مقابلے میں آلِ تقلید یہ کہتے ہیں کہ جرابوں پر مسح جائز نہیں ہے۔!

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نماز کی طرح وتر حتمی (واجب وفرض) نہیں ہے لیکن وہ سنت ہے پس اسے نہ چھوڑو۔ (مسند احمد ۱/۱۰۷ ح ۸۴۲ وسندہ حسن)

اس کے مقابلے میں آلِ تقلید کہتے ہیں کہ وتر واجب ہے۔!

۲) یوسف لدھیانوی دیوبندی کی یہ بات بالکل جھوٹ ہے۔

ہم یہ کہتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عزت وناموس کے لئے ہماری جانیں قربان ہیں۔ اے اللہ! ہمیں صحابۂ کرام اور ثقہ تابعین کے ساتھ اُٹھانا!

۳) خیر القرون کا ہر عمل سنت نہیں کہلاتا اور نہ تقلیدی حضرات اسے سنت سمجھتے ہیں مثلاً:

عکرمہ (تابعی) پاؤں پر مسح کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۱۸ ح ۱۷۸، وسندہ صحیح)

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ جب غسلِ جنابت کرتے تو اپنی دونوں آنکھوں میں پانی ڈالتے تھے۔

(موطأ امام مالک ج ۱ ص ۴۵ ح ۹۸ ملخصاً وسندہ صحیح)

حالانکہ دیوبندی حضرات انھیں سنت نہیں مانتے۔

۴) نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آٹھ رکعات تراویح باجماعت ثابت ہیں۔

دیکھئے صحیح ابن خزیمہ (۲/۱۳۸ ح ۱۰۷۰، وسندہ حسن لذاتہ، صحیح ابن حبان ۴/۶۲ ح ۲۴۰۱)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے گیارہ رکعات کا حکم ثابت ہے۔
دیکھئے موطا امام مالک (۱/۱۱۴ ح ۲۴۹ و آثار السنن: ۵۷۷ وقال:" و إسناده صحیح ")
معلوم ہوا کہ مسجد نبوی میں آٹھ رکعات تراویح ہوتی تھیں۔

۵) اہلِ مدینہ اکتالیس (۴۱) کے قائل تھے اور مدینہ میں اس پر عمل تھا۔
دیکھئے سنن الترمذی (ح ۸۰۶) کیا یہ بھی سنت ہے؟

امام محمد بن نصر المروزی اپنے استاذ (حسن بن محمد) الزعفرانی سے وہ امام شافعی سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے مدینہ میں لوگوں کو انتالیس (۳۹) رکعتیں پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ (مختصر قیام اللیل ص ۲۰۱)

اس طویل قول میں بیس رکعتوں کا ذکر ہے اور یہ بھی آیا ہے کہ" **فإن أطالوا القیام و أقلوا السجود فحسن و ھو أحب إلي** "پس اگر وہ لمبا قیام کریں اور تھوڑی رکعتیں پڑھیں تو اچھا ہے اور یہ میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے۔ (ایضاً ص ۲۰۲، ۲۰۳)

اس قول کے بارے میں کیا خیال ہے؟

داود بن قیس نے کہا: میں نے عمر بن عبدالعزیز (خلیفہ) اور ابان بن عثمان (بن عفان) کے دور میں مدینہ میں لوگوں کو چھتیس (۳۶) رکعتیں اور تین وتر پڑھتے ہوئے پایا ہے۔
(مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۳۹۳ ح ۷۶۸۸ وسندہ صحیح)

کیا خیال ہے؟

۶) تلقی بالقبول سے مراد تمام اُمت کا قبول کرنا ہے یا بعض کا؟ اول الذکر تو اجماع ہے اور ثانی الذکر حجت نہیں ہے۔

ہماری تحقیق میں تلقی بالقبول سے مراد تمام اُمت کا بالاتفاق و بالاجماع قبول کرنا ہے جو کہ شرعی حجت ہے۔ یاد رہے کہ بیس رکعات والی روایت کو تلقی بالقبول حاصل نہیں ہے۔

نمبر:۵) احمد ممتاز دیوبندی نے لکھا ہے:

"④ محترم علی زئی صاحب فرماتے ہیں اہل تقلید کا دعویٰ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بیس رکعات

تراویح پڑھنا ثابت ہے لیکن کسی ایک بھی صحابی کا باسند صحیح اثر بطور دلیل بیان کرنے سے عاجز ہیں۔

تبصرہ: درجہ ذیل امور ملاحظہ ہوں۔

نمبر۱: آپ کی پارٹی اور فرقہ کے عظیم مترجم اور امام علامہ وحید الزمان نے لکھا ہے: ''البتہ حضرۃ عمر رضی اللہ عنہ سے بسند صحیح بیس رکعتیں منقول ہے''۔ (تیسر الباری ص ۱۴۷ ج ۳!)(۱)

نمبر۲: امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب جامع ترمذی میں تقریباً ہر حدیث کے تحت حضرات صحابہ کرام، تابعین تبع تابعین وغیر ائمہ کرام رضی اللہ عنھم کے مذھب، عمل اور اقوال نقل فرماتے ہیں۔ تراویح کی حدیث کے بعد فرماتے ہیں۔ و اکثر اهل العلم علیٰ ماروی عن علی و عمرو غیرهما من اصحاب النبی صلی الله علیه و سلم عشرین رکعة الخ

اور اکثر اھل علم کا عمل حضرۃ علی اور حضرۃ عمر اور ان کے علاوہ دوسرے صحابہ رضی اللہ عنھم سے مروی بیس رکعات کے مطابق ہے(۲) اور یہی قول سفیان ثوری، ابن مبارک اور شافعی کا ہے اور اسی پر عمل پایا جاتا ہے ہمارے شہر مکہ مکرمہ میں کہ لوگ بیس رکعت ہی پڑھتے آئے ہیں۔ (جامع ترمذی ص ۱۶۶ ج ۱)(۳)

نمبر۳: ان کی اس نقل پر اعتماد کرتے ہوئے صحیح سمجھنا جائز ہے یا نہیں؟ نہیں تو کس اصول و دلیل سے؟ اور انہوں نے بدوں فائدہ اتنے اوراق کیونکہ سیاہ کیئے؟(۴)

نمبر۴: محترم صاحب! اگر کوئی رافضی قرآن کریم کی کسی آیت سے متعلق آپ سے سات قراءۃ کا سوال کرے کہ جب تک آپ اس کو اور اس کی ہر قراءۃ کو سندِ صحیح کیساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یا کسی صحابی رضی اللہ عنہ سے ثابت نہ کریں۔ ہم نہیں مانتے تو جناب کا جواب کیا ہوگا؟(۵) ''

الجواب ۱) وحید الزمان حیدر آبادی کا حوالہ فضول ہے۔

میرے استاذ مولانا بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''نواب وحید الزمان اهل حدیث نه هو'' (مروجہ فقہ جی حقیقت/ سندھی ص ۹۲)

جب وحید الزمان اہلِ حدیث نہیں تھا تو آپ اہلِ حدیث کے خلاف اس کا حوالہ کیوں پیش کرتے ہیں؟ امین اوکاڑوی دیوبندی نے وحید الزمان وغیرہ کی کتابوں کے بارے میں لکھا ہے کہ: ''لیکن غیر مقلدین کے تمام فرقوں کے علماء اور عوام بالاتفاق ان کتابوں کو غلط قرار دے کر مسترد کر چکے ہیں...'' (تحقیق مسئلہ تقلید ص ۶، مجموعہ رسائل ج ۲ ص ۲۲)

براہِ مہربانی اہلِ حدیث کے خلاف غیر مفتیٰ بہا اقوال اور بالاتفاق غلط حوالے پیش نہ کریں۔

۲) امام اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں کہ ''بل نختار احدی و أربعین رکعة علی ما روي عن أبي بن کعب '' بلکہ ہم ۴۱ رکعتوں کو اختیار کرتے ہیں جو کہ ابی بن کعب سے مروی ہیں۔ (سنن الترمذی:۸۰۶)

آپ لوگ اکتالیس (۴۱) رکعتیں کیوں نہیں پڑھتے؟ اور کیا بغیر سند کے رُوی کے ساتھ روایت صحیح ہوتی ہے۔؟ کچھ تو انصاف کریں!

اگر رُوِیَ وغیرہ کے بے سند اقوال حجت ہیں تو سنیں:

عبدالحق اشبیلی نے ابن مغیث سے نقل کیا ہے کہ امام مالک نے فرمایا:

''میں اپنے لئے قیام رمضان گیارہ رکعتیں اختیار کرتا ہوں، اسی پر عمر بن الخطاب نے لوگوں کو جمع کیا تھا اور یہی رسول اللہ ﷺ کی نماز ہے، مجھے پتا نہیں کر لوگوں نے یہ بہت سی رکعتیں کہاں سے نکال لی ہیں؟ (کتاب التہجد ص ۱۷۶ فقرہ:۸۹۰)

کیا خیال ہے؟

اگر یہ قول ثابت نہیں ہے تو ترمذی والا بے سند قول بھی ثابت نہیں ہے۔

۳) امام اسحاق بن راہویہ اور امام داود بن قیس وغیرہما کے اقوال کے بارے میں کیا خیال ہے؟ [دیکھئے عبارت نمبر۴ جواب نمبر۵، عبارت نمبر۵ جواب نمبر۲]

٤) روایت اگر کوئی تابعی پیش کرے یا امام بخاری، امام ترمذی اور امام مسلم وغیرہم، اگر اس کی سند صحیح متصل نہیں ہے تو حجت نہیں ہے۔ سورۃ الحجرات کی آیت نمبر۶ سے معلوم ہوتا ہے کہ بے سند بات مردود ہوتی ہے۔

محدثینِ کرام نے ضعیف، مردود اور موضوع روایات بھی لکھی ہیں۔ کیا انھیں حجت بنانا ضروری یا جائز ہے؟ اگر نہیں تو پھر بے سند اقوال کی کیا حیثیت ہے؟

۵) یہ ساتوں قراء تین بابِ روایت میں سے ہیں بابِ رائے میں سے نہیں اور ان کے جواز پر اہلِ حق کا اجماع ہے۔ اس اجماع کے خلاف روافض کا کوئی اعتبار نہیں۔ قرآن مجید

سندِ متواتر کے ساتھ ثابت ہے لہٰذا خبرِ واحد صحیح کا یہاں کوئی گزر نہیں۔ والحمد للہ

نمبر:٦) احمد ممتاز دیوبندی نے لکھا ہے:

"جو جواب دیا جائیگا وہ تراویح کے باب میں کیوں نہیں دیا جا سکتا؟(۱)

نمبر۵: اسمائے رجال اور جرح وتعدیل کی کتب میں بلا سند جرح وتعدیل معتبر ہے یا نہیں؟(۲) اگر کوئی کہے کہ حافظ ابن حجر اور حافظ ذہبی وغیرھما رحمھم اللہ تعالیٰ جن ائمہ حضرات سے جرح وتعدیل بدوں سند نقل کرتے ہیں۔(۳) اُن سے اِن کی سماع نہ ثابت نہ ممکن، اور یہ ائمہ حضرات جن رواۃ پر جرح کرتے ہیں یا ان کی توثیق کرتے ہیں وہ بلا سند اور سماع نہ ثابت نہ ممکن، لہٰذا جب تک بسندِ صحیح جرح وتعدیل نہ بتایا جائے قبول نہیں تو محترم کیا جواب دیں گے؟ وہ بھی بتایا جائے اور اس جواب کا تراویح کے باب میں درست نہ ہونا بھی واضح کر دیا جائے۔(۴)

نمبر۶: جناب زبیر علی زئی صاحب صفحہ نمبر ۸۰۔۷۹ پر لکھتے ہیں "اسد بن عمرو بذات خود مجروح ہے، جمہور محدثین نے اس پر جرح کی ہے اور حماد بن شعیب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "جمہور محدثین نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔" محترم آپ دونوں کی جرح کو سندِ صحیح سے ثابت کریں(۵) نیز جس نے جرح کی ہے اس کی ان سے ملاقات بھی ثابت کریں۔(۶)

نمبر۷: امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جہاں سند ذکر کی ہے وہاں صحت وضعف کی ذمہ داری دوسروں پر ڈالی، اور جہاں بدوں سند خود فرماتے ہیں کہ فلاں کا مذہب یہ ہے قول، عمل یہ ہے تو صحت کی ذمہ داری خود اپنے سر پر لے لی دیکھو معاشرہ میں آج بھی یہ بات عام ہے کہ جس بات کا کہنے والے کو یقین نہیں ہوتا تو نقل اور بیان کے وقت کہتا ہے کہ فلاں نے یہ بات کہی یا لکھی ہے لہٰذا صحت وقوت کا ذمہ دار وہ ہے اور جس بات کا یقین ہوتا ہے اس کو بدوں حوالہ بھی بیان کر دیتے ہیں کہ یہ بات ایسی ہے اور صحت وقوت کی پوری ذمہ داری اپنے سر لے لیتے ہیں۔(۷)"

الجواب ۱) قراءت سبعہ کی سند صحیح متواتر ہے جبکہ تراویح کے بارے میں زبردست اختلاف ہے۔ اختلاف کے لئے دیکھئے عینی حنفی کی کتاب عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۱۲۶، ۱۲۷ باب فضل من قام رمضان۔

لہٰذا یہ قیاسی سوال مع الفارق ہے۔

۲) بلا سند جرح وتعدیل معتبر نہیں ہے۔

۳) حافظ ذہبی ہوں یا حافظ ابن حجر یا کوئی اور، بے سند جرح وتعدیل معتبر نہیں ہے۔
یاد رہے کہ حافظ ذہبی اور حافظ ابن حجر وغیرہما کا اپنا جرح وتعدیل والا قول معتبر و قابلِ مسموع ہے بشرطیکہ جمہور محدثین کے خلاف نہ ہو۔
جرح وتعدیل کے لئے معاصر کا ہونا ضروری نہیں ہے۔

٤) تراویح کا مسئلہ ہو یا کوئی دوسرا مسئلہ ہو، ہر مسئلے میں جرح وتعدیل کا باسند صحیح و مقبول ہونا ضروری ہے۔

۵) اسد بن عمرو کے بارے میں باسند صحیح جرح درج ذیل ہے:

۱: امام بخاری نے فرمایا: ضعیف إلخ (کتاب الضعفاء الصغیر: ۲۴ بتحقیقی)

۲: امام نسائی نے فرمایا: لیس بالقوي (کتب الضعفاء والمتروکین: ۵۳)

۳: امام یزید بن ہارون نے فرمایا: لا یحل الأخذ عنه (الجرح والتعدیل ۳۳۷/۲ وسندہ صحیح)

۴: امام ابو حاتم الرازی نے فرمایا: ضعیف إلخ (الجرح والتعدیل ۳۳۷/۲)

۵: ابن حبان نے اسے کتاب المجروحین (۱۸۰/۱) میں ذکر کیا اور جرح کی۔

٦: امام عمرو بن علی الفلاس نے کہا: ضعیف الحدیث (تاریخ بغداد ۱۸/۷، وسندہ صحیح)

۷: جوزجانی نے اسد بن عمرو وغیرہ کے بارے میں کہا: قد فرغ الله منهم
(احوال الرجال: ۹۶ تا ۹۹)

۸: ابونعیم الاصبہانی نے کہا: لا یکتب حدیثه (کتاب الضعفاء للاصبہانی: ۲۴)

۹: عقیلی نے اسے کتاب الضعفاء (۲۳/۱) میں ذکر کیا۔

۱۰: ابن شاہین نے اسے کتاب تاریخ اسماء الضعفاء والکذابین (۲) میں ذکر کیا۔

مزید تحقیق کے لئے میدان وسیع ہے۔ ☆

....

☆ حماد بن شعیب کے بارے میں دیکھئے توضیح الاحکام ج ۲ ص ۳۵۸۔۳۶۰

٦) جواب نمبر ۳ میں عرض کر دیا گیا ہے کہ جرح وتعدیل میں معاصر کا ہونا ضروری نہیں ہے۔

۷) اگر کسی محدّث کے ثقہ ہونے کی وجہ سے اس کی بے سند روایات حجت ہیں تو پھر یہ تسلیم کریں کہ امام مالک گیارہ رکعات تراویح کے قائل تھے اور فرماتے تھے کہ ''مجھے پتا نہیں کہ لوگوں نے یہ بہت سی رکعتیں کہاں سے نکال لی ہیں؟'' دیکھئے عبارت نمبر ۵ کا جواب نمبر ۲

عینی حنفی نے لکھا ہے کہ کہا جاتا ہے کہ گیارہ رکعتیں اور اسے امام مالک نے اپنے لئے اختیار کیا ہے اور ابوبکر العربی (قاضی) نے بھی اسے اختیار کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۱۲۷)

سرفراز خان صفدر دیوبندی تقلیدی لکھتے ہیں: ''اور امام بخاریؒ نے اپنے استدلال میں ان کے اثر کی کوئی سند نقل نہیں کی اور بے سند بات حجت نہیں ہوسکتی۔''

(احسن الکلام ج ا ص ۳۲۷ طبع دوم)

جب امام بخاری کی بے سند بات حجت نہیں ہے تو امام ترمذی کی بے سند بات کس شمار وقطار میں ہے؟!

نمبر: ۷) احمد ممتاز دیوبندی نے لکھا ہے:

'' الحاصل جب امام ترمذی رحمہ اللہ نے بدوں سند وحوالہ کسی کا مذہب، عمل اور قول نقل کیا ہے تو گویا صحت وقوت کی ذمہ داری انہوں نے خود اپنے سر لے لی ہے۔ اب جب یہ بات مسلم ہے کہ امام ترمذی خود ثقہ اور با اعتماد ہیں تو ان کی نقل پر اعتماد کرنا چاہیئے ہاں یہ ضرور ہے کہ امتی ہیں اور غیر معصوم ہیں۔ نسیان وخطا کا احتمال موجود ہے اگر کوئی ان کی نقل کے خلاف کو کسی مضبوط دلیل سے ثابت کر دے تو ہم اس وقت ان کی نقل کر نسیان اور خطا پر محمول کر کے ان کو معذور وماجور کہیں گے اور مدلل بات کو قبول کر کے عمل کریں گے لیکن بدوں دلیل قوی کے صرف اتنی بات کہنے سے کہ بلاسند ہے ہرگز ہرگز ان کی نقل سے صرف نظر کسی کسی کے ہاں بھی درست نہیں۔ (۱)

جناب زبیر علی زئی صاحب: اگر ہمت ہو تو صحاح ستہ میں سے کسی ایک کتاب کے حوالے سے کسی ایک صحابی یا تابعی یا تبع تابعی یا مجتہد سے ایک دن اس کے (یعنی بیس رکعت کے) خلاف آٹھ رکعت تراویح پڑھنا ثابت کیجیے۔ (۲) دیدہ باید، اپنی طرف سے منگھڑت قیود وشروط لگا کر ان حضرات کی محنتوں کو

اور نقول کو بے حیثیت و بے قیمت بتلا کر رد کرنا کوئی عالمانہ اور دیانتدارانہ کارنامہ نہیں۔ (۳)
نمبر۸: کراچی گلستان جوہر کا باشندہ ''شاہ محمد'' اپنے رسالے ''قرآن عظیم سے اختلافات کیوں؟ میں لکھتا ہے'' ہر نماز حالت امن میں دو رکعت ہے اور خوف میں ایک رکعت'' (۴)
جناب زبیر علی زئی صاحب: اگر یہ آپ سے پوچھے کہ آپ ظہر کے چار فرض مانتے ہو اور چار سے کم پڑھنے والے کو بے نمازی کہتے ہو لہذا جس طرح ظہر کی نماز کی فرضیت ثابت ہے اسی طرح چار رکعت کی فرضیت یا تو قرآن سے ثابت کرو یا پھر اتنی حدیثوں سے ثابت کرو جن سے فرضیت ثابت ہوتی ہے (۵) جب سنت کے ثبوت کیلئے کئی حدیثوں کی ضرورت ہے تو فرضیت کے ثبوت کیلئے تو بیشمار حدیثوں کی ضرورت ہو گی لہذا جناب صرف ایسی دس حدیثیں سند صحیح سے بتائیں جن میں ظہر کے چار رکعت فرض کا بیان ہو۔ (۶)
تو آپ کیا جواب دیں گے؟ تعامل اور تواتر توارث سے جواب دیں گے یا نہیں؟ اگر دیں گے تو تراویح کا جواب تعامل و توارث سے قبول کیوں نہیں؟ (۷)''

الجواب ۱) بے سند بات حجت نہیں ہوتی۔

عبارت نمبر۶ کا جواب نمبر۷ دوبارہ پڑھ لیں۔

۲) صرف صحاح ستہ کی شرط باطل ہے۔ صحیح حدیث جہاں بھی ہو حجت ہے۔
سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا اُبی بن کعب اور سیدنا تمیم الداری رضی اللہ عنہما کو گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم دیا تھا۔ دیکھئے امام نسائی کی کتاب السنن الکبریٰ (ج۳ص۱۱۳ ح۴۶۸۷ وسندہ صحیح)
طحاوی حنفی نے اس اثر سے استدلال کیا ہے۔ صرف یہی ایک دلیل آپ لوگوں کے تمام اعتراضات کا گلا گھونٹ دیتی ہے۔ والحمد للہ

۳) ہماری شروط من گھڑت نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ سند صحیح کے ساتھ رسول اللہ ﷺ یا خلفائے راشدین سے بیس رکعات کا ثبوت پیش کریں یا پھر تابعین سے ثابت کریں کہ وہ بیس یا اکتالیس رکعتیں سنت مؤکدہ (نہ کم نہ زیادہ) سمجھ کر پڑھتے تھے۔ اذ لیس فلیس

۴) گلستان جوہر کے مجہول بے دین اور ملحد کی بات پیش کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟

۵) ظہر کے چار فرضوں کی فرضیت کا ثبوت صحیح احادیث سے بھی ہے اور اجماع سے بھی۔
فرضیت کے ثبوت کے لئے صرف ایک صحیح حدیث بھی کافی ہے۔ والحمد للہ

٦) دس حدیثوں کا مطالبہ فضول ہے کیونکہ خبر واحد صحیح بھی حجت ہے اور اس پر ایمان وعمل واجب وفرض ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ” **فرض الله الصلوٰة علٰى لسان نبيكم صلى الله عليه وسلم في الحضر أربعًا** “ إلخ اللہ تعالیٰ نے تمھارے نبی ﷺ کی زبان پر حضر میں چار رکعتیں فرض کی ہیں۔ (صحیح مسلم: ۶۸۷ وترقیم دارالسلام: ۱۵۷۵)

۷) جس طرح ظہر کے چار فرضوں پر اجماع ہے کیا بیس تراویح کے سنتِ مؤکدہ (نہ کم نہ زیادہ) ہونے پر اجماع ہے؟ **هاتوا برهانكم ان كنتم صادقين !**

عینی حنفی کے اس قول ” **و قد اختلف العلماء في العدد المستحب في قيام رمضان علٰى أقوال كثيرة ...** “☆ (عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۱۲۶) کا کیا مطلب ہے؟

خلیل احمد سہارنپوری دیوبندی لکھتے ہیں: ” اور سنت مؤکدہ ہونا تراویح کا آٹھ رکعت تو باتفاق ہے اگر خلاف ہے تو بارہ میں ہے...“ (براہینِ قاطعہ ص ۱۹۵)

سہارنپوری صاحب نے مزید لکھا ہے کہ ” البتہ بعض علماء نے جیسے ابن ہمام آٹھ کو سنت اور زائد کو مستحب لکھا ہے سو یہ قول قابل طعن کے نہیں “ (براہینِ قاطعہ ص ۸)

” تعدادِ رکعاتِ قیامِ رمضان کا تحقیقی جائزہ “ دوبارہ پڑھ لیں۔

نمبر: ۸) احمد ممتاز دیوبندی نے لکھا ہے:

” نمبر ۹: حدیث مرسل جس کے حجت ہونے پر خیر القرون میں اتفاق رہا ہے (۱) چنانچہ

(۱) امام سیوطی، علامہ قاسم بن قطلوبغا، محدث الجزائری اور مولانا عثمانی رحمہم اللہ تعالیٰ نقل فرماتے ہیں:

وقال ابن جرير اجمع التابعون باسرهم على قبول المرسل ولم يأت عنهم انكاره ولا عن احد من الائمة بعدهم الى راس المأتين قال ابن عبدالبر كانه يعني الشافعي اول من رده ....

(تدریب الراوی ۱۲۰، منیۃ الالمعی ۲۷، توجیہ النظر ۲۴۵ مقدمہ فتح الملہم ۳۴، بحوالہ احسن الکلام ۱/۲۶)

” امام ابن جریر نے فرمایا کہ تابعین سب کے سب اس امر پر متفق تھے کہ مرسل قابل احتجاج ہے، تابعین سے لیکر دوسری صدی کے آخر تک آئمہ میں سے کسی نے مرسل کے قبول کرنے کا انکار نہیں کیا۔ ابن عبدالبر

☆ ترجمہ: قیام رمضان (تراویح) کی مستحب تعداد کے بارے میں علماء کا کئی اقوال پر اختلاف ہے...

فرماتے ہیں کہ گویا امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ ہی وہ پہلے بزرگ ہیں جنھوں نے مرسل کے ساتھ احتجاج کا انکار کیا ہے۔"(۲)

(۲) امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ومذهب مالك و ابی حنيفة و احمد و اكثر الفقهاء انه يحتج به و مذهب الشافعي انه إذا انضم إلى المرسل ما يعضده احتج به و ذلك بأن يروى سندًا أو مرسلاً من جهة اخرى أو يعمل به بعض الصحابة أو اكثر العلماء۔ (مقدمہ نووی بشرح مسلم ۱۷)

"امام مالک، امام ابوحنیفہ امام احمد اور اکثر فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ مرسل قابل احتجاج ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب یہ ہے کہ اگر مرسل کے ساتھ کوئی تقویت کی چیز مل جائے تو وہ حجت ہوگا مثلاً یہ کہ وہ مسنداً بھی مروی ہو یا دوسرے طریق سے وہ مرسل روایت کیا گیا ہو یا بعض حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنھم یا اکثر علماء نے اس پر عمل کیا ہو"(۳) اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ مرسل معتضد کے حجت ہونے کے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی قائل ہیں۔

(۳) نواب صدیق حسن خان غیر مقلد لکھتے ہیں: و اما المراسيل فقد كان يحتج بها العلماء فيما مضى مثل سفيان الثوری و مالك و الاوزاعی حتى جاء الشافعی فكلم فيه (الحطہ فی ذکر الصحاح الستہ ۱۰۶، بحوالہ احسن الکلام ۱/۱۴۷)

"مراسیل کے ساتھ گزشتہ زمانے میں علماء احتجاج کیا کرتے تھے مثلاً سفیان ثوری امام مالک امام اوزاعی رحمہم اللہ تعالیٰ، پھر جب امام شافعی آئے تو انھوں نے مرسل کی حجیت میں کلام کیا۔"(۴)

ان حوالہ جات سے واضح ہوگیا کہ دوسری صدی کے آخر تک مرسل کے حجت ہونے پر اتفاق تھا تابعین سے لیکر دوسری صدی کے آخر تک آئمہ میں سے کوئی بھی مرسل حدیث سے احتجاج کا منکر نہ تھا۔(۵)

تعجب ہے کہ غیر مقلدین کے نزدیک یہ اجماع تو حجت نہیں لیکن دوسری صدی کے بعد کا نظریہ قابل قبول ہے۔ چونکہ ہم خیر القرون کے نظریے کو صحیح اور قابل تقلید سمجھتے ہیں اسلئے حدیث مرسل کو حجت مانتے ہیں(۶) جو لوگ سلف کی پیروی کی بات کرتے ہوئے اپنے کو سلفی کہتے ہیں ان کو ان خیر القرون کے اسلاف کی پیروی کرنا چاہئیے۔

اور تراویح کے باب میں ایک نہیں کئی صحیح مرسل احادیث ثابت ہیں۔

(۱) حدیث سائب بن یزید رضی اللہ عنہ: کہ ہم لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بیس رکعت اور وتر پڑھا کرتے تھے۔ امام نووی، علامہ سبکی اور ملا علی قاری رحمہم اللہ تعالیٰ اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ (التعلیق

الحسن ص ۵۴ ج ۲ بحوالہ لمعات المصابیح)[۷]

(۲) حدیث یحیی بن سعید الانصاری: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعتیں پڑھائے یہ روایت بھی سنداً اقوی ہے۔ (آثار السنن ص ۵۵ ج ۲)[۸]

(۳) شتیر بن شکل جو اصحاب علی رضی اللہ عنہ میں سے ہیں کہ وہ ان کو امامت کراتے تھے رمضان میں بیس رکعت اور تین وتر کا اور اس میں قوۃ ہے:۔ (بیہقی ص ۴۹۶ ج ۲)[۹]''

الجواب ۱) حدیثِ مرسل کے حجت ہونے پر خیر القرون میں کبھی اتفاق نہیں رہا ہے۔

۱: امام یحییٰ بن سعید القطان (پیدائش ۱۲۰ھ وفات ۱۹۸ھ) زہری اور قتادہ کی مرسل روایات کو کچھ چیز بھی نہیں سمجھتے تھے۔ (کتاب المراسیل لابن ابی حاتم ص ۳ فقرہ:۱، وسندہ صحیح)

یحییٰ بن سعید سے سعید بن المسیب عن ابی بکر (والی مرسل روایت) کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے اسے ہوا کی طرح (کمزور و بے حقیقت) قرار دیا۔ (المراسیل:۳ وسندہ صحیح)

۲: امام شعبہ بن الحجاج البصری (پیدائش ۸۲ھ وفات ۱۶۰ھ) ابراہیم نخعی کی علی رضی اللہ عنہ سے (مرسل) روایت کو ضعیف قرار دیتے تھے۔ (المراسیل:۱۲، وسندہ صحیح)

۳: بشیر بن کعب (ایک تابعی) نے جب سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے سامنے ''قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' کہہ کر روایات (مرسل روایتیں) بیان کیں تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ فرمائی۔ دیکھئے صحیح مسلم (ترقیم دار السلام:۲۱)

اس سے معلوم ہوا کہ خیر القرون میں وفات پانے والے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ مرسل روایت کو حجت نہیں سمجھتے تھے۔ نیز دیکھئے النکت علی ابن الصلاح للحافظ ابن حجر (۵۵۳/۲)

۴: ایک دفعہ عروہ بن الزبیر رحمہ اللہ نے سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے ایک منقطع (مرسل) حدیث بیان کی تو عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا: اے عروہ! کیا کہہ رہے ہو؟!

عروہ نے فرمایا: اسے بشیر بن ابی مسعود اپنے والد (ابو مسعود رضی اللہ عنہ) سے بیان کرتے تھے۔

یعنی سند متصل بیان کردی۔

دیکھئے الموطأ للامام مالک (۲۱/۳۱ ح۱) صحیح البخاری (۵۲۱) اور صحیح مسلم (۶۱۰/۱۶۷)

پھر عمر بن عبدالعزیز کا کوئی اعتراض مروی نہیں ہے یعنی وہ چپ ہو گئے۔

معلوم ہوا کہ ۱۰۱ھ میں فوت ہونے والے عمر بن عبدالعزیز مرسل احادیث کو حجت نہیں سمجھتے تھے۔ اب دو اقوال بطورِ الزام پیشِ خدمت ہیں:

۱: طحاوی حنفی کے ایک کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ منقطع (مرسل) روایت کو حجت نہیں سمجھتے تھے۔ دیکھئے شرح معانی الآثار (ج۲ ص۱۶۴، باب الرجل یسلم فی دار الحرب و عنده اکثر من اربع نسوة)

۲: حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ حاکم نے سعید بن المسیب (متوفی بعد ۹۰ھ) سے نقل کیا ہے کہ "إن المرسل لیس بحجة" بے شک مرسل حجت نہیں ہے۔

(النکت علی ابن الصلاح ۲/۵۶۸)

اتنی زبردست مخالفت و اختلاف کے باوجود یہ پروپیگنڈا کرنا کہ "مرسل بالاتفاق حجت ہے" کیا معنی رکھتا ہے۔؟!

۲) ابن جریر کی طرف منسوب قول کئی وجہ سے مردود ہے:

۱: جوابِ سابق میں ذکر کردہ ناقابلِ تردید چاروں حوالوں کے خلاف ہے۔

۲: اس قول کی ابن جریر تک صحیح متصل سند نا معلوم ہے۔ سیوطی، ابن عبدالبر، قاسم بن قطلوبغا اور الجزائری وغیرہم کے بے سند و بے ثبوت حوالے مردود ہیں۔

۳: ایسے دعویٔ اتفاق کے بارے میں حافظ ابن حجر نے فرمایا: "لکنه مردود علی مدعیه" لیکن یہ اس کے مدعی پر مردود ہے۔ (النکت علی ابن الصلاح ۲/۵۶۸)

۴: خود دیوبندی حضرات بہت سی مرسل روایتیں نہیں مانتے مثلاً طاوس تابعی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں سینے پر ہاتھ باندھتے تھے۔

(دیکھئے المراسیل لابی داود: ۳۳ وسندہ حسن)

تنبیہ: اس کے راوی سلیمان بن موسیٰ کے بارے میں سرفراز خان صفدر (دیوبندی) نے

کہا: " وو ثقه الجمهور " (خزائن السنن ۸۹/۲)
یعنی جمہور نے اس کی توثیق کی ہے۔

۳) یہ سارے بے سند اقوال ہیں جو نووی صاحب نے لکھے ہیں۔ جواب نمبر ۱ کے صحیح حوالوں کے مقابلے میں یہ مردود ہیں۔

٤) نواب صدیق حسن خان کا قول بھی کئی وجہ سے مردود ہے:

۱: یہ صحیح وثابت حوالوں کے خلاف ہے۔

۲: نواب صدیق حسن خان صاحب "غیر مقلد" ہونے کے ساتھ "حنفی" بھی تھے۔ نواب کا اپنا بیٹا سید محمد علی حسن خان لکھتا ہے: " سُنی خالص محمدی تھ موحد بحت متبع کتاب وسنت **حنفی مذھب نقشبندی مشرب** تھے اور ہمیشہ طریقۂ اسلاف پر مذہب حنفی کی طرف اپنے کو منسوب کرتے تھے مگر عملاً واعتقاداً اتباع سنت کو مقدم رکھتے تھے" (مآثر صدیقی حصہ چہارم ص ۱)
نیز دیکھئے "حدیث اور اہلحدیث" (ص ۸۴)

۵) یہ سارے بے سند حوالہ جات صحیح حوالوں کے مقابلے میں مردود ہیں۔ جھوٹے اجماع کا دعویٰ کرنا اہلِ علم کو زیب نہیں دیتا۔

٦) تقلیدی لوگ مرسل کو وہاں حجت سمجھتے ہیں جہاں وہ اُن کی اندھی تقلید کے مطابق ہو اور اگر مرسل ان کی تقلید کے مخالف ہو تو اللہ کی مخلوقات میں سب سے پہلے یہی لوگ مرسل کو ترک کر دیتے ہیں جس کی ایک مثال اوپر گزر چکی ہے۔ (دیکھئے یہی صفحہ | سابقہ صفحہ] جواب نمبر ۲)
سلفی بھائی بحمد اللہ قرآن وحدیث علیٰ فہم السلف الصالحین، اجماع اور اجتہاد پر مسلسل عمل کر رہے ہیں۔

۷) یہ روایت سنن سعید بن منصور (بحوالہ الحاوی للفتاوی ۳۴۹/۱ وحاشیہ آثار السنن ص ۲۵۰) کی صحیح حدیث کے مقابلے میں ہونے کی وجہ سے شاذ ہے۔ نیز دیکھئے "تعدادِ رکعاتِ قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ" (ص ۲۵)

شاذ روایت مردود ہوتی ہے لہٰذا نووی اور سبکی وغیرہما کا اسے صحیح کہنا غلط ہے اور سبکی د

باعث ہے۔

۸) یہ روایت منقطع ہونے کی وجہ سے مردود ہے کیونکہ یحییٰ بن سعید الانصاری کی ولادت سے پہلے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تھے۔

۹) شتیر بن شکل کی طرف منسوب روایت السنن الکبریٰ للبیہقی (۴۹۶/۲) میں بلا سند ہے لہٰذا اس میں قوت کہاں سے آ گئی؟

دوسرے یہ کہ کیا شتیر بن شکل رحمہ اللہ بیس رکعتیں سنتِ مؤکدہ (نہ کم نہ زیادہ) سمجھ کر پڑھتے تھے؟ صحیح سند سے ثبوت پیش کریں!

نمبر:۹) احمد ممتاز دیوبندی نے لکھا ہے:

''④ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ رمضان میں مدینہ میں لوگوں کے ساتھ بیس رکعتیں تین وتر پڑھتے تھے اس کی سند قوی ہے۔ (اثار السنن ص ۵۵ ج ۲)[1]

⑤ نافع بن عمر فرماتے ہیں کہ ابن ابی ملیکہ ہمیں رمضان میں بیس رکعتیں پڑھاتے تھے۔

(ابن ابی شیبہ واسنادہ حسن) بحوالہ لمعات المصابیح[2]

نمبر ۱۰: کئی حضرات نے بیس رکعات پر اجماع اور اتفاق نقل کیا ہے۔[3]

(۱) حافظ ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالیٰ ''مغنی'' میں فرماتے ہیں اور مختار ابوعبداللہ کے نزدیک اسمیں بیس رکعات ہیں اور ایسے ہی امام ثوری، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمھم اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ ۳۶ رکعات بتاتے ہیں (الی قولہ) اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ یزید بن رومان سے روایت کرتے ہیں کہ لوگ حضرۃ عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں رمضان المبارک میں تیئیس (۲۳) رکعات کے ساتھ قیام کرتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو رمضان میں بیس رکعت پڑھانے کا حکم دیا اور یہ اجماع کی طرح ہے۔[4] ... اور جس پر صحابہ کا اجماع ہے وہ اتباع کے زیادہ لائق ہے (اور وہ بیس رکعات تراویح ہے) (المغنی ص ۸۰۳ ج ۱ بحوالہ لمعات المصابیح)

② ابن حجر مکی شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنھم کا اس بات پر اجماع ہے کہ تراویح بیس رکعات ہیں (مرقاۃ)[5]

③ رمضان میں بیس رکعات تراویح سنت مؤکدہ ہیں اور اصل میں اس کی سنت ہونے پر اجماع ہے نیل

المآرب فی الفقہ الحنبلی)(٦)

④ علامہ قسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ بخاری کی شرح میں فرماتے ہیں اور تحقیق شمار کیا ہے انھوں نے ان چیزوں کو جو عمر رضی اللہ تعالیٰ کے زمانہ میں واقع ہوئی ہیں اجماع کی طرح ہیں۔"(٧)

الجواب ١) تقلیدی کتاب آثار السنن میں اس روایت کے حاشیے پر لکھا ہوا ہے کہ "عبدالعزیز بن رفیع لم یدرك أُبي بن كعب "عبدالعزیز بن رفیع نے اُبی بن کعب (رضی اللہ عنہ) کو نہیں پایا۔ (ص ٢۵٣ ح ٧٨١ کا حاشیہ: ٢٨٦)

معلوم ہوا کہ یہ روایت قوی نہیں بلکہ منقطع ہے۔

دوسرے یہ کہ اس روایت کی سند میں حسن کون ہے؟

٢) ابن ابی ملیکہ تابعی کا عمل سنتِ مؤکدہ (نہ کم اور نہ زیادہ) نہیں کہلاتا۔

کیا ابن ابی ملیکہ یہ رکعتیں سنتِ مؤکدہ سمجھ کر پڑھتے تھے؟ دلیل پیش کریں۔

کیا تابعین کے تمام اعمال واقوال آپ لوگوں کے نزدیک سنتِ مؤکدہ ہیں؟

اکتالیس رکعتیں پڑھنے والوں کا عمل کیا سنتِ مؤکدہ ہے؟

٣) زبردست اختلاف کے مقابلے میں اجماع کا دعویٰ باطل ومردود ہے، تفصیل کے لئے دیکھئے "تعدادِ رکعاتِ قیامِ رمضان کا تحقیقی جائزہ" (ص ٨٤۔٨٧)

اختلاف کے بارے میں عینی کا قول گزر چکا ہے۔ سیوطی نے کہا: "أن العلماء اختلفوا في عددها" بے شک علماء کا تراویح کی تعداد کے بارے میں اختلاف ہے۔

(الحاوی للفتاوی ١/٣٤٨)

قرطبی نے کہا: اور اکثر علماء نے کہا ہے کہ گیارہ پڑھنی چاہئیں۔ (المفہم ٢/٣٩٠)

قاضی ابوبکر بن العربی نے کہا: اور صحیح یہ ہے کہ گیارہ رکعات پڑھی جائیں...الخ

(عارضۃ الاحوذی ٤/١٩ تحت ح ٨٠٦، تعدادِ رکعاتِ قیامِ رمضان الخ ص ٨٣)

٤) اجماع کے یہ دعوے تو زبردست اختلاف کے مقابلے میں مردود ہیں۔

شدید اختلاف کے بعد ابن قدامہ کا دعویٰ کہ اجماع کی طرح ہے، غلط ہے۔

ابن قدامہ جرابوں پر مسح کے بارے میں لکھتے ہیں: '' فکان اجماعًا '' پس یہ اجماع ہے۔

(مغنی ابن قدامہ ج ۱ص ۱۸۱ مسئلہ: ۴۲۶)

دیوبندی حضرات ابن قدامہ کے اس اجماع کو نہیں مانتے اور ہم سے غلط دعویٰ اجماع منواتے ہیں۔ سبحان اللہ!

۵) ابن حجر مکی ایک بدعتی شخص تھا جس کا ثقہ وصدوق ہونا ثابت نہیں ہے۔

اس کے دعویٔ اجماع کی حقیقت کچھ بھی نہیں ہے۔

۶) نیل المآرب کس مولوی صاحب کی کتاب ہے؟ ذرا واضح تو کریں۔

یاد رہے کہ اختلاف کے زبردست حوالوں کے مقابلے میں نیل المآرب وغیرہ کے حوالے مردود ہیں۔

۷) قسطلانی کا قول کئی وجہ سے مردود ہے:

۱: بے حوالہ ہے۔

۲: اس میں بیس رکعات کی صراحت نہیں ہے۔

۳: شدید اختلاف کے بعد اجماع کا دعویٰ بالکل مردود ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: '' و اختلف أهل العلم في قيام رمضان ''

اور اہلِ علم کا قیامِ رمضان کے بارے میں اختلاف ہے۔ (سنن ترمذی: ۸۰۶)

امام ترمذی رحمہ اللہ تو تراویح کے بارے میں علماء کا اختلاف بیان کر رہے ہیں اور تقلیدی حضرات اس پر اجماع کا دعویٰ کر رہے ہیں۔!!

نمبر: ۱۰) احمد ممتاز دیوبندی نے لکھا ہے:

'' از

حضرت مولانا[۱] مفتی[۲] احمد ممتاز صاحب دامت برکاتہم رئیس جامعہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم

مدنی کالونی، گریکس ماریپور، کراچی فون: 0333-2226051 ''

الجواب ۱) احمد ممتاز دیوبندی تقلیدی کے اعتراضات وشبہات کا جواب مکمل

ہوا۔ یہ بڑی حیرت کی بات ہے کہ انھوں نے اپنے نام کے ساتھ ''حضرت مولانا....دامت برکاتہم'' لکھ رکھا ہے۔ اگر یہ کسی اور کی تحریر ہے تو تحریر لکھنے والے کا نام کیوں غائب ہے؟

۲) تقلیدیوں کی کتاب ''کشاف اصطلاحات الفنون'' میں لکھا ہوا ہے کہ

''رجوع العامی الی المفتی ای الی المجتهد'' (۱۱۷۸/۲)

معلوم ہوا کہ مفتی مجتہد کو کہتے ہیں اور ہمارا خیال ہے کہ احمد ممتاز دیوبندی مجتہد ہونے کے دعویدار نہیں ہیں لہٰذا ان کا اپنے آپ کو مفتی کہنا غلط ہے۔ وما علینا إلا البلاغ .

والحمد لله رب العالمین کتبہ بخط یدہ حافظ زبیر علی زئی

مدرسہ اہل الحدیث حضرو۔ ضلع اٹک (۱/ جولائی ۲۰۰۷ء)

تنبیہ: اس جواب کا ابھی تک جواب الجواب نہیں آیا۔ (۱۱/ مئی ۲۰۱۰ء)

الیاس گھمن کے پانچ اعتراضات اور اُن کے جوابات

الحمد لله ربّ العالمین و الصّلوٰة و السّلام علٰی رسوله الأمین ، أما بعد:

محمد الیاس گھمن دیوبندی نے اہلِ حدیث (اہلِ سنت) کے خلاف ایک کتاب: ''فرقہ اہلحدیث پاک و ہند کا تحقیقی جائزہ'' لکھی ہے، جس میں وحید الزمان حیدر آبادی، نواب صدیق حسن خان، نور الحسن، حافظ عنایت اللہ گجراتی اور فیض عالم صدیقی وغیرہم جیسے غیر اہلِ حدیث اشخاص کے حوالے اور بعض اہلِ حدیث علماء کے کچھ شاذ و غیر مفتیٰ بہا اقوال پیش کر کے مسلکِ حق کے خلاف پروپیگنڈا کیا ہے، حالانکہ ایسے تمام حوالوں سے اہلِ حدیث بری ہیں۔ نیز دیکھئے ماہنامہ الحدیث: ۲۳ ص ۴۰

لہٰذا اہلِ حدیث کے خلاف ایسے حوالے پیش کرنا اصولاً اور اخلاقاً غلط ہے۔ گھمن کی اس کتاب میں راقم الحروف پر پانچ اعتراضات کئے گئے ہیں، جن کے جوابات درج ذیل ہیں:

۱) راقم الحروف نے رکوع سے پہلے اور بعد والے رفع یدین کے مسئلے پر بحث کرتے ہوئے لکھا تھا: ''نبی ﷺ کی ساری زندگی میں صرف ایک نماز کا بھی ثبوت نہیں ہے کہ آپ نے رفع الیدین نہ کیا ہو۔ جب ترک ہی ثابت نہیں ہے تو نسخ کس طرح ثابت ہوگا؟''

(نور العینین ص ۱۵۶)

اس عبارت کو ذکر کرنے کے بعد گھمن نے لکھا ہے:

''حدیث ابو حمید الساعدیؓ [صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۱۴، صحیح ابن خزیمہ ج ۱ ص ۳۲۴ رقم الحدیث ۶۴۳ و ص ۳۲۷ رقم الحدیث ۶۵۲، صحیح ابن حبان ج ۳ ص ۱۷۲ رقم الحدیث ۱۸۶۶] وغیرہ میں ہے کہ آپ ﷺ تکبیر تحریمہ کی رفع الیدین کے علاوہ رکوع کی رفع الیدین کے بغیر نماز پڑھتے تھے۔ ان روایات سے ترک ثابت ہے۔'' (...اہلحدیث پاک و ہند کا تحقیقی جائزہ ص ۳۶۴)

عرض ہے کہ سیدنا ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ کی (محمد بن عمرو بن حلحلہ عن محمد بن عمرو بن عطاء والی)

روایت میں آیا ہے کہ ''میں نے حضورؐ کو دیکھا کہ جب آپ تکبیر کہتے تو دونوں ہاتھوں کو دونوں کندھوں کے برابر لے جاتے تھے رکوع کو جاتے تھے تو دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں پر خوب جما کر پشت کو ہموار کرتے تھے رکوع سے سر اٹھاتے تھے تو بالکل سیدھے کھڑے ہو جاتے تھے۔'' (صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۸۰ ح ۷۹۴، مشہور ترقیم: ۸۲۸، ترجمہ عبدالدائم جلالی دیو بندی)

اس روایت میں ترکِ رفع یدین قبل الرکوع و بعدہ کا نام ونشان تک نہیں ہے اور یہ مسلّم ہے کہ عدمِ ذکر نفیِ ذکر کو مستلزم نہیں ہوتا لہٰذا گھمن نے اس ایک حوالے میں پانچ جھوٹ بولے ہیں:

۱: امام بخاری پر جھوٹ

۲: امام ابن خزیمہ پر جھوٹ

۳: امام ابن حبان پر جھوٹ

حافظ ابن حبان نے اس حدیث پر درج ذیل باب باندھا ہے:

اس حدیث کا بیان جس سے اس شخص نے حجت پکڑی جسے حدیث کا علم صحیح نہیں آتا اور اس نے نماز میں مذکورہ مقامات پر رفع یدین کی نفی کی، جن کا ہم نے ذکر کیا ہے۔

(صحیح ابن حبان ج ۳ ص ۱۷۲ قبل ح ۱۸۶۶، ماہنامہ الحدیث حضرو: ۶۷ ص ۳۴)

۴: سیدنا ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ پر جھوٹ

۵: سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ

یاد رہے کہ سیدنا ابو حمید رضی اللہ عنہ کی (عبدالحمید بن جعفر عن محمد بن عمرو بن عطاء والی) روایت میں رکوع سے پہلے اور بعد والے رفع یدین کا ذکر صراحتاً آیا ہے۔

دیکھئے سنن الترمذی (ج ۱ ص ۶۷ ح ۳۰۴ وقال: ھذا حدیث حسن صحیح) صحیح ابن حبان (ج ۳ ص ۱۷۱ ح ۱۸۶۴) اور منتقی ابن الجارود (ح ۱۹۲)

اس روایت کے راوی عبدالحمید بن جعفر جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق تھے۔

دیکھئے نور العینین (ص ۱۰۷)

یہ تسلیم شدہ قاعدہ ہے کہ جس طرح قرآن قرآن کی تشریح کرتا ہے، اسی طرح حدیث بھی حدیث کی تشریح کرتی ہے۔

گھمن نے ایک غیر مستند کتاب: اخبار الفقہاء والمحدثین کا حوالہ بھی پیش کیا ہے، حالانکہ اس کتاب کے آخر میں لکھا ہوا ہے:

''کتاب مکمل ہوگئی....اور یہ (تکمیل) شعبان ۴۸۳ھ میں ہوئی ہے۔'' (اخبار الفقہاء ص ۲۹۴)

اخبار الفقہاء کے مذکور مصنف محمد بن الحارث القیروانی تو ۳۶۱ھ میں فوت ہو گئے تھے لہٰذا اُن کی وفات کے **۱۲۲** سال بعد اس کتاب (اخبار الفقہاء) کی تکمیل کرنے اور لکھنے والا کون تھا؟ یہ معلوم نہیں لہٰذا اس کتاب کا محمد بن حارث القیروانی کی کتاب ہونا ثابت نہیں ہے۔ دیکھئے نور العینین (ص ۲۰۶)

غیر ثابت کتاب کا ذکر کر کے گھمن نے ''وسندہ صحیح'' لکھ دیا ہے حالانکہ اسی غیر ثابت کتاب میں گھمن والی روایت کو شاذ (یعنی ضعیف و مردود) قرار دیا گیا ہے۔

دیکھئے اخبار الفقہاء (ص ۲۱۴)

اس کے بعد گھمن نے سنن نسائی (ج ۱ ص ۱۵۸، ۱۶۱) میں سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک روایت کا حوالہ پیش کیا ہے، حالانکہ اس روایت میں سفیان ثوری مدلس ہیں اور روایت عن سے ہے لہٰذا ضعیف ہے۔

ایک ضعیف، ایک شاذ و مردود اور ایک غیر متعلق روایت پیش کر کے گھمن نے نور العینین کی عبارت (جب ترک ہی ثابت نہیں...) کو ''صریح جھوٹ'' قرار دیا ہے، حالانکہ نور العینین کی یہ عبارت بالکل صحیح اور بے داغ ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے بہت سے علماء کے نام لے کر فرمایا: ''ان میں سے کسی ایک کے پاس بھی ترک رفع یدین کا علم نہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے (ثابت) ہے اور نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی سے کہ اس نے رفع یدین نہیں کیا۔''

(جزء رفع الیدین بتحقیقی: ۴۰ ص ۶۴)

۲) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے رکوع سے پہلے اور بعد والا رفع یدین باسند صحیح ثابت

ہے۔ دیکھئے نور العینین (طبع اول ص ۱۲۴، طبع اپریل ۲۰۰۲ء ص ۱۵۲، طبع مارچ ۲۰۰۴ء ص ۱۴۷) اور جزء رفع الیدین للبخاری (ح ۲۰ وسندہ صحیح)

نور العینین کے بعد والے نسخوں میں کمپوزر کی غلطی سے امام بیہقی والا حوالہ (جو کہ اصل میں سیدنا ابو بکر الصدیق اور سیدنا عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما کی حدیثوں کے ساتھ ہے) سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کے ساتھ کمپوزر کی طرف سے کاپی اور پیسٹ کرنے کی وجہ سے لگ گیا ہے، جسے الیاس گھمن نے جھوٹ قرار دیا ہے۔

کمپوزر اور پروف ریڈنگ کی غلطی کو جھوٹ قرار دینا گھمن جیسے لوگوں کا ہی کام ہے۔

قادیانی یہ کہتے ہیں کہ (سید) نذیر حسین دہلوی رحمہ اللہ نے ۱۸۸۴ء میں مرزا غلام احمد قادیانی کا ایک عورت سے نکاح پڑھایا تھا!

یہ وہ زمانہ تھا جب رشید احمد گنگوہی کے نزدیک مرزا قادیانی ''مرد صالح'' تھا۔

دیکھئے ابو القاسم دلاوری دیوبندی کی کتاب: رئیس قادیان (ج ۲ ص ۳) مرزا کا رسالہ فتح اسلام (ص ۶، دوسرا نسخہ ص ۷) اور میرا مضمون: مرزا غلام احمد قادیانی کون تھا؟ (ص ۱-۲)

الیاس گھمن نے مرزا قادیانی کے بیٹے کی کتاب سیرت المہدی (ج ۱ ص ۵۷) پر اعتماد کر کے اُس کے حوالے سے لکھا ہے:

''نکاح مولوی نذیر حسین نے پڑھایا تھا یہ ۲۷ محرم ۱۳۰۲ھ بمطابق نومبر 1894ء بروز پیر کی بات ہے...'' (...اہلحدیث پاک وہند کا تحقیقی جائزہ ص ۱۲۱)

1894ء والی بات تو بالکل جھوٹ ہے اور اب دو باتیں ہی ممکن ہیں:

اول: یہ کمپوزنگ کی غلطی ہے۔

عرض ہے کہ دوسروں کی کمپوزنگ والی یا نادانستہ غلطیوں اور سہو کو جھوٹ کہنے والو! اپنی اس غلطی کے بارے میں کیا خیال ہے؟!

دوم: یہ الیاس گھمن کی غلطی (یا جھوٹ) ہے۔

جب جزء رفع الیدین میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ والی حدیث کا حوالہ بالکل صحیح ہے اور سابقہ

مطبوعات (Editions) میں ایسا ہی چھپا ہے تو کمپوزنگ کی غلطی کو جھوٹ قرار دینا گھمن کا بذاتِ خود بہت بڑا جھوٹ ہے۔

۳) راقم الحروف نے اخبار الفقہاء والی ایک روایت کے بارے میں لکھا تھا:

''اس کے راوی عثمان بن محمد کا تعین ثابت نہیں ہے۔ بغیر کسی دلیل کے اس سے عثمان بن محمد بن احمد بن مدرک مراد لینا غلط ہے۔ اس ابن مدرک سے محمد بن حارث القیر انی کی ملاقات کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔'' الخ (نور العینین ص ۲۰۶)

اس عبارت کو گھمن نے جھوٹ قرار دے کر اخبار الفقہاء والی غیر مستند کتاب سے دو حوالے (ص ۱۰۳، ۱۰۵) پیش کر کے تعین کرانے کی کوشش کی ہے جو کہ مردود ہے۔

تنبیہ: اگر عثمان بن محمد کا ابن مدرک کے ساتھ تعین ثابت بھی ہو جائے تو دوسرے دلائل کی رُو سے اخبار الفقہاء والی روایت مردود ہے۔ دیکھئے نور العینین (ص ۲۰۵۔ ۲۱۱)

مشہور ثقہ امام اور اہل حدیث: سلیمان بن طرخان التیمی رحمہ اللہ کے بارے میں الیاس گھمن نے لکھا ہے: ''امام ابن ابی حاتم الرازی م ۳۲۷ھ نے امام سلیمان التیمی کو ائمہ جرح وتعدیل میں ذکر کیا ہے۔''

(...اہلحدیث پاک وہند کا تحقیقی جائزہ ص ۳۶۲ بحوالہ تقدمۃ الجرح والتعدیل ص ۱۴۳)

عرض ہے کہ تقدمۃ الجرح والتعدیل کے مذکورہ صفحے پر امام ابن ابی حاتم نے سلیمان التیمی کو ائمہ جرح وتعدیل میں ذکر نہیں کیا بلکہ اُن کے بارے میں امام شعبہ کا کلام نقل کیا ہے۔ اسی صفحے پر ابوبکر الہذلی کے بارے میں بھی امام شعبہ کا کلام مذکور ہے، تو کیا ابوبکر الہذلی (متروک) بھی ائمہ جرح وتعدیل میں سے تھا؟!

یہ لوگ ایسی واضح جہالتوں اور اکاذیب کے بل بوتے پر اہلِ حدیث کے خلاف نیش زنی کر رہے ہیں۔ کیا انھیں اللہ اور اُس کی پکڑ کا خوف نہیں ہے؟!

٤) راقم الحروف نے اپنے علم کے مطابق لکھا تھا:

''محمد بن حارث کی کتابوں میں ''اخبار القضاۃ والمحدثین'' کا نام تو ملتا ہے مگر ''اخبار الفقہاء

والمحدثین'' کا نام نہیں ملتا۔ دیکھئے الاکمال لابن ماکولا (۲۶۱/۳) اور الانساب للسمعانی (۳۸۲/۲)...'' (نور العینین ص ۲۰۸)

اس بات کو بھی گھمن نے جھوٹ بنا ڈالا ہے اور لکھا ہے کہ قدیم علماء مثلاً ابن حزم، ابن عبدالبر، ابومحمد الحمیدی اور احمد بن یحییٰ الضبی وغیرہم نے اسے محمد بن حارث کی تصنیف قرار دیا ہے۔ (...تحقیقی جائزہ ص ۳۶۶۔۳۶۷ ملخصاً)

عرض ہے کہ اسے جھوٹ نہیں کہتے بلکہ میں نے اپنے علم کے مطابق بات کہی اور آپ لوگوں نے اپنی کوشش سے جذوۃ المقتبس اور بغیۃ الملتمس کے حوالے تلاش کر لئے تو اس میں جھوٹ کی کیا بات ہے؟

تنبیہ: یہ دونوں کتابیں ابھی تک میرے پاس نہیں ہیں تاہم جذوۃ المقتبس مکتبہ شاملہ میں ضرور موجود ہے۔ یاد رہے کہ اخبار الفقہاء کا محمد بن حارث کی کتاب ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ یہ مطبوعہ نسخہ محمد بن حارث کا لکھا ہوا یا بیان کردہ ہی ہے۔ جب نسخے کی تکمیل کرنے والا محمد بن حارث کی وفات کے **۱۲۲** سال بعد گزرا ہے تو یہ اس کی دلیل ہے کہ یہ نسخہ غیر مستند اور غیر ثابت ہے۔

''گھمن اینڈ پارٹی'' کی ''خدمت'' میں عرض ہے کہ اخبار الفقہاء پر نور العینین میں میری پوری بحث پڑھ کر ہر شق کا جواب دیں، ورنہ اُن کی یہ کتاب اخبار الفقہاء اور ترکِ رفع یدین کی شاذ روایت دونوں غیر ثابت ہونے کی وجہ سے مردود ہی رہیں گی۔ ان شاء اللہ

۵) راقم الحروف نے لکھا تھا کہ ''اس ابن مدرک سے محمد بن حارث القیروانی کی ملاقات کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔'' (نور العینین ص ۲۰۶، نیز دیکھئے یہی مضمون فقرہ:۳)

گھمن نے اخبار الفقہاء اور قضاۃ قرطبہ للقیروانی سے ملاقات ثابت کرنے کو کوشش کی ہے۔ فرض کریں! اگر ملاقات ثابت بھی ہو جائے تو اخبار الفقہاء چونکہ غیر مستند اور غیر ثابت کتاب ہے لہٰذا یہ حوالہ فضول ہے۔

قضاۃ قرطبہ للقیروانی نامی کتاب میرے پاس موجود نہیں ہے لہٰذا اس کتاب کو دیکھنے کے

بعد ہی فیصلہ ہوسکتا ہے کہ کیا ابن مدرک کی صراحت کے ساتھ اس کتاب میں کوئی ذکر موجود ہے اور کیا یہ کتاب بھی اپنے مصنف سے صحیح ثابت ہے؟

معلوم ہوا کہ نور العینین کی عبارتِ مذکورہ کو گھمن کا جھوٹ قرار دینا غلط ہے۔

گھمن اور اس کی ساری پارٹی کی ''خدمت'' میں عرض ہے کہ آپ لوگوں کا اس طرح کی حرکتوں سے راقم الحروف کے خلاف پروپیگنڈا کرنا علمی میدان میں بالکل باطل ہے۔

آیئے! میں آپ کو آپ کی خیانت اور جھوٹ والے دو حوالے بتاؤں، جن کے جواب سے آپ لوگ ہمیشہ عاجز اور بے بس رہیں گے۔ اگر علانیہ توبہ کرلیں تو یہ اچھی بات ہے۔!

۱: حافظ ابن کثیر نے فرمایا:

''راوی کی عدالت اس کی نیک شہرت اور اچھی تعریف سے ثابت ہو جاتی ہے یا جسے ائمۂ حدیث یا دو امام یا ایک (امام) قولِ راجح میں جس کی تعدیل (توثیق) کرے، اس کی عدالت ثابت ہو جاتی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس (امام) کے راوی سے (مجرد) روایت کرنے کے ساتھ (بھی) تعدیل ثابت ہو جاتی ہے۔ (۱)'' (اختصار علوم الحدیث، قسم:۲۳)

اس پر راقم الحروف نے حاشیہ لکھا تھا:

''(۱) یہ آخری قول صحیح نہیں ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ ان شاء اللہ''

(دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو: ۵۵ ص ۳۷)

ابن فرقد کی ناکام توثیق ثابت کرنے کے لئے عبدالغفار... نے کمپوزنگ کی غلطیوں کے ساتھ حافظ ابن کثیر کی مذکورہ عبارت میری طرف منسوب کر کے بغیر حاشیے کے نقل کی ہے اور لکھا ہے: ''دیکھئے الحدیث ۵۵ ص ۳۷'' (دیوبندی رسالہ ''قافلۂ حق'' ج ۳ شمارہ ۴ ص ۳۲)

عبدالغفار... نے مذکورہ حاشیے کو چھپا کر اُس قوم کی یاد تازہ کر دی ہے، جن میں سے بعض کو بندر اور خنزیر بنا دیا گیا تھا۔

چونکہ الیاس گھمن اس رسالے کا مدیر اعلیٰ ہے لہٰذا وہ بھی اس خیانت میں برابر کا شریک ہے۔

۲: کسی مدرسہ ''حسین بخش'' کے مدرس ''محمد وصیت'' نامی نے مجیب بن کر ایک سوال کے جواب میں ایک فتویٰ لکھا تھا:

''....لیکن زمانہ حضرت عمرؓ میں عمرؓ کے ارشاد کے موافق بیس رکعت، پر اجماع ہو گیا...''

(فتاویٰ نذیریہ ج۱ ص ۶۳۴)

اس فتوے کا رد کرتے ہوئے سید نذیر حسین رحمہ اللہ نے فرمایا:

''سوال مذکور کا یہ جواب جو مجیب نے لکھا ہے بالکل غلط ہے'' (فتاویٰ نذیریہ ج۱ ص ۶۳۵)

دوسری طرف گھمن کے چہیتے سیف اللہ سیفی دیوبندی نے محمد وصیت تقلیدی کے فتوے کو سید نذیر حسین رحمہ اللہ کی طرف منسوب کر کے نقل کیا:

''بیس تراویح پر صحابہؓ کا اجماع ہو گیا..'' (قافلۂ باطل ج۱ شمارہ۴ ص ۵۵)

پھر کہا: ''اس کے جواب میں آج کا غیر مقلد کہتا ہے کہ کیا میں ان کا مقلد ہوں؟''

(ایضاً ص ۵۵، اصل میں ''کو مقلد'' لکھا ہوا ہے جو کہ کمپوزنگ کی غلطی ہے۔)

دیکھئے! کتنا بڑا دھوکا اور فراڈ ہے، جس کا سیف اللہ سیفی نے ارتکاب کیا ہے اور اس رسالے کا مدیر گھمن اس جرم میں برابر کا شریک ہے۔

جس فتوے کو سید نذیر حسین محدث دہلوی نے ''بالکل غلط'' قرار دے کر رد کر دیا، اسی فتوے کو ان دیوبندیوں نے سید نذیر حسین رحمہ اللہ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔

أليس منكم رجل رشيد؟ (۲۲/ اکتوبر ۲۰۰۹ء)

کشف والہام کے باطل دعوے اور وحی کا انقطاع

سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"إنّ أناسًا كانوا يؤخذونَ بالوحي في عهد رسول الله ﷺ ، و إنّ الوحي قد انقطع ، و إنما نأخذكم الآن بما ظهر لنا من أعمالكم ، فمن أظهر لنا خيرًا أمنّاه و قرّبناه و ليس إلينا من سريرته شيءٌ، الله يحاسب في سريرته ، ومن أظهرلنا سوءًا لم نأمنه ولم نصدّقه، و إن قال: إن سريرته حسنة . "

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لوگوں کا وحی کے ذریعہ [سے] مؤاخذہ ہو جاتا تھا۔لیکن اب وحی کا سلسلہ ختم ہو گیا اور ہم صرف انھیں اُمور میں مؤاخذہ کریں گے جو تمھارے عمل سے ہمارے سامنے ظاہر ہوں گے۔اس لیے جو کوئی ظاہر میں ہمارے سامنے خیر کرے گا، ہم اسے امن دیں گے اور اپنے قریب رکھیں گے۔اس کے باطن سے ہمیں کوئی سروکار نہ ہو گا۔اس کا حساب تو اللہ تعالیٰ کرے گا اور جو کوئی ہمارے سامنے ظاہر میں بُرائی کرے گا تو ہم بھی اسے امن نہیں دیں گے اور نہ ہم اس کی تصدیق کریں گے' خواہ وہ یہی کہتا رہے کہ اس کا باطن اچھا ہے۔" (صحیح بخاری:۲۶۴۱، طبع مکتبہ اسلامیہ ج ۴ ص ۲۷ واللفظ لہ)

اس فاروقی اثر سے کئی مسئلے ثابت ہوئے:

۱: جو لوگ کتاب وسنت پر عمل نہیں کرتے مثلاً داڑھیاں منڈاتے یا منڈواتے ہیں، منشیات استعمال کرتے ہیں، قسما قسم کے گناہوں میں غرق ہیں، جب انھیں کہا جاتا ہے کہ نماز پڑھو، داڑھی منڈوانا حرام ہے اور تمام گناہوں سے بچ جاؤ تو بدمعاش بدکار فاسق کہتے ہیں: ظاہری اعمال سے کیا ہوتا ہے بلکہ دل اچھا ہونا چاہئے اور ہمارے دلوں میں ایمان ہے۔ یہ روایت ان فساق و فجار پر زبردست رد ہے، کیونکہ اگر دل اچھا ہوتا تو پھر اعمال بھی اچھے

ہوتے اور مسلسل بُرے اعمال اس کی دلیل ہیں کہ دل سیاہ اور داغدار ہو چکا ہے۔أعاذنا الله منه

۲: شریعت میں باطنیت کی کوئی حیثیت نہیں بلکہ ظاہر کا اعتبار ہے۔

۳: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو الہام یا کشف نہیں ہوتا تھا ورنہ وہ لوگوں کے دلوں کے حالات معلوم کر لیتے۔ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو کشف والہام نہیں ہوتا تھا تو پھر دوسرے اولیاء اور نام نہاد صوفیاء کس شمار وقطار میں ہیں؟!

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں وحدت الوجودی تصوف والوں نے مختلف جھوٹے قصے مشہور کر رکھے ہیں مثلاً کہتے ہیں کہ ایک دفعہ انھوں (سیدنا عمر رضی اللہ عنہ) نے بہت دور سے کہا تھا: ''یا ساریةُ الجبلَ '' اے ساریہ! پہاڑ کی طرف ہو جا۔

یہ سب قصے اصولِ حدیث اور علم اسماء الرجال کی رُو سے غیر ثابت اور مردود ہیں۔

۴: وحی (اور الہام) کا سلسلہ اب ہمیشہ کے لئے منقطع ہو گیا ہے۔

۵: کتاب وسنت پر عامل شخص ہی ثقہ اور عادل ہوتا ہے، شریعت میں اسے زبردست حقوق حاصل ہیں بلکہ ہر ممکن طریقے سے اس کا احترام اور دفاع کرنا چاہئے۔

٦: فاسق مثلاً داڑھی منڈے کی گواہی نا قابلِ اعتبار اور مردود ہوتی ہے۔

۷: اہلِ ایمان کے بارے میں ہر وقت حسنِ ظن اور اُمیدِ خیر رکھنی چاہئے اور ان کی نجی زندگی و پوشیدہ اُمور کے بارے میں کسی قسم کی جاسوسی کبھی نہیں کرنی چاہئے۔

۸: ہر زمانے میں مسلمان حکمرانوں کی یہ ذمہ داری ہے بلکہ اُن پر فرض ہے کہ قرآن و حدیث کا نظام اپنے ممالک میں نافذ کریں بلکہ پوری دنیا میں اسلام کو غالب کرنے کی کوشش میں مسلسل مشغول رہیں۔ نیز دیکھئے سورۃ المائدہ (۴۴)

۹: گواہی صرف ثقہ و عادل کی ہی مقبول ہوتی ہے۔

۱۰: جو لوگ کہتے ہیں کہ ''فلاں فلاں پیر غیب جانتے ہیں'' ان کی یہ بات بالکل جھوٹ اور باطل ہے، وحی کے بغیر غیب کا علم محال ہے اور وحی کا دروازہ قیامت تک کے لئے بند ہو چکا ہے۔ و ماعلینا إلا البلاغ (۷/اپریل ۲۰۱۰ء)

باطل مذاہب اور اہلِ باطل کا رد

ختمِ نبوت کی احادیثِ صحیحہ پر قادیانیوں کے حملے

اور اُن کا جواب

الحمد للّٰہ ربّ العالمین والصّلوٰۃ والسّلام علٰی محمد رسول اللّٰہ ﷺ آخر النبیین و رضي اللّٰہ عن أصحابہ أجمعین ومن تبعھم بإحسان إلٰی یوم الدین . أما بعد :

دنیاوی اُمور میں جھوٹ بولنا اور خیانت کرنا گناہِ کبیرہ ہے لیکن قرآن وحدیث پر جھوٹ بولنا اور خیانت کرنا جُرمِ عظیم اور کفر ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّمَا یَفْتَرِی الْکَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ ۚ وَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰذِبُوْنَ﴾ جھوٹ تو صرف وہ لوگ بولتے ہیں جو اللہ کی آیات پر ایمان نہیں لاتے اور یہی لوگ جھوٹے ہیں۔ (النحل:۱۰۵)

ابوالعطاء اللہ دتا جالندھری قادیانی کی کتاب: ''القول المبین في تفسیر خاتم النبیین'' سے بیس (۲۰) خیانتیں باحوالہ اور ردپیشِ خدمت ہیں، یہ وہ خیانتیں ہیں جن کا جالندھری نے نبی ﷺ کی احادیث مبارکہ کے بارے میں ارتکاب کیا اور مسلمانوں کو دھوکا دینے کی کوشش کی تھی:

۱) سنن الترمذی (۲۲۷۲) اور مسند احمد (۳/۲۶۷ ح ۱۳۸۲۴) وغیرہما میں سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((إنّ الرسالۃ والنبوۃ قد انقطعت فلا رسول بعدي ولا نبي .)) بے شک رسالت اور نبوت منقطع (یعنی ختم) ہوگئی، پس میرے بعد نہ کوئی رسول ہے اور نہ کوئی نبی۔ الخ

اس حدیث کے بارے میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''ھذا حدیث صحیح

غريب من هذا الوجه من حديث المختار بن فلفل ''

(قلمی نسخہ مصورہ ص ۱۴۹/ ب، تحفۃ الاحوذی ۳/ ۲۴۸)

حاکم اور ذہبی دونوں نے اس حدیث کو (امام) مسلم کی شرط پر صحیح قرار دیا۔

(دیکھئے المستدرک ۴/ ۳۹۱ ح ۸۱۷۸ وتلخیصہ)

ہمارے علم کے مطابق زمانۂ تدوینِ حدیث کے محدثین کرام میں سے کسی نے بھی اس حدیث کو ضعیف قرار نہیں دیا مگر اللہ دتا جالندھری نے اس پر جرح کرتے ہوئے لکھا ہے:

''**جواب نمبر ا:۔** یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ اس کے چاروں راوی (۱) حسن بن محمد عنبر (۲) عفان بن مسلم (۳) عبدالواحد بن زیاد (۴) المختار بن فلفل ضعیف ہیں۔ گویا سوائے حضرت انسؓ کے شروع سے لیکر آخر تک تمام سلسلہ ء اسناد ضعیف راویوں پر مشتمل ہے۔

حسن بن محمد عنبر کے متعلق علامہ ذہبی لکھتے ہیں:۔

'' ضعفه ابن قانع وقال الدار قطني تكلموا فيه ''

(میزان الاعتدال زیر نام الحسن بن محمد بن عنبر جلد ۲ ص ۴۳ دار الفکر العربی)

یعنی ابن قانع کہتے ہیں کہ حسن بن محمد ضعیف تھا۔ دار قطنی کہتے ہیں کہ محدثین کے نزدیک اس راوی کی صحت کے بارے میں کلام ہے۔'' (القول المبین فی تفسیر خاتم النبیین ص ۵۶)

جواب الجواب: سنن الترمذی کی روایت میں حسن بن محمد بن عنبر نہیں بلکہ الحسن بن محمد الزعفرانی ہیں۔ (دیکھئے سنن الترمذی کے عام نسخے اور تحفۃ الاحوذی ۳/ ۲۴۸)

الحسن بن محمد بن الصباح الزعفرانی امام عفان بن مسلم کے شاگرد اور امام ترمذی کے استاذ تھے۔ دیکھئے تہذیب الکمال للمزی (۲/ ۱۶۴)

انھیں نسائی، ابن حبان، ابو الحسین ابن المنادی، ابن ابی حاتم الرازی اور ابن عبدالبر وغیرہم نے ثقہ قرار دیا اور حافظ ابن حجر العسقلانی نے کہا: ''ثقة '' (تقریب التہذیب: ۱۲۸۱)

حافظ ذہبی نے اُن کی بہت تعریف کی اور فرمایا: ''وكان مقدمًا فى الفقه والحديث . ثقة جليلاً ... '' وہ فقہ وحدیث میں مقدم (اور) جلیل القدر ثقہ تھے...

(سیر اعلام النبلاء ۱۲/ ۲۶۲۔۲۶۳)

ایسے ثقہ جلیل القدر امام کو قادیانی کا دوسرے راوی حسن بن محمد بن عنبر سے بدل کر ابن عنبر پر جرح نقل کر دینا اُس کی بہت بڑی خیانت کی دلیل ہے۔

۲) امام ترمذی کے استاذ حسن بن محمد الزعفرانی رحمہ اللہ پر قادیانی کی جرح کا مطلب یہ ہے کہ اُس کے علاوہ کسی اور راوی نے اس حدیث کو بیان نہیں کیا تھا، حالانکہ یہی حدیث امام احمد بن حنبل اور الحسین بن الفضل دونوں نے عفان بن مسلمؒ سے بیان کی ہے۔

دیکھئے مسند احمد (۳/ ۲۷۶، دوسرا نسخہ ۲۱/ ۳۲۶ ح ۱۳۸۲۴) اور اتحاف المہرہ لابن حجر (۲/ ۳۲۹ ح ۱۸۰۹، بحوالہ المستدرک للحاکم)

لہٰذا یہ جالندھری کی دوسری خیانت ہے۔

۳) جالندھری قادیانی نے اسی حدیث پر جرح کرتے ہوئے مزید لکھا ہے:

''اسی طرح دوسرے راوی عفان بن مسلم کے متعلق ابوخیثمہ کہتے ہیں ''انکرنا عفان'' (میزان الاعتدال زیر نام عفان بن مسلم ج ۴ ص ۱۔۲ دار الفکر العربی) کہ ہم اس راوی کو قابل قبول نہیں سمجھتے۔'' (القول المبین ص ۵۶)

امام عفان کے بارے میں حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال کے مذکورہ مقام پر لکھا ہے:

'' و قد قال أبو خیثمة :أنکرنا عفان قبل موته بأیام . قلت : هذا التغیر هو من تغیّر مرض الموت و ما ضرّهُ لأنه ما حدّث فیه بخطأ . ''

ابوخیثمہ نے کہا: ہم نے عفان کی موت سے کچھ دن پہلے اُن پر انکار کیا۔ (یعنی اُن کی حالت کو بدلا ہوا پایا۔) میں (ذہبی) نے کہا: یہ تغیر (تبدیلی) مرضِ موت کا تغیر ہے، جس نے انھیں نقصان نہیں پہنچایا کیونکہ اس حالت میں انھوں نے کوئی غلط روایت بیان نہیں کی۔

(میزان الاعتدال ج ۳ ص ۸۲، دوسرا نسخہ ج ۵ ص ۱۰۴)

حافظ ذہبی نے تو امام عفان کا دفاع کیا کہ مرض الموت کی حالتِ تغیر میں اُنھوں نے کوئی غلط روایت بیان نہیں کی جبکہ قادیانی نے خیانت کرتے ہوئے میزان کے حوالے کو جرح میں

بدل دیا اور کتر بیونت کرتے ہوئے آدھا حوالہ لکھ کر باقی سے آنکھیں بند کر لیں۔

امام عفان بن مسلم بن عبداللہ الصفار رحمہ اللہ کی بیان کردہ احادیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں موجود ہیں اور انھیں ابو حاتم الرازی، ابن سعد، ابن حبان اور یعقوب بن شیبہ وغیرہم نے ثقہ قرار دیا۔ دیکھئے تہذیب الکمال (۱۸۹/۵۔۱۹۰، مع الحواشی)

امام حسن بن محمد الزعفرانی نے امام احمد بن حنبل سے ایک حدیث کے بارے میں پوچھا: اس حدیث میں کس نے عفان کی متابعت کی ہے؟ تو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا: کیا عفان کو کسی متابعت کی ضرورت ہے؟ (تاریخ بغداد ۲۷۴/۱۲ ت ۶۷۱۵ وسندہ صحیح)

٤) جالندھری قادیانی نے لکھا ہے:

''تیسرے راوی عبدالواحد بن زیاد کے متعلق لکھا ہے'' قال یحیٰ لیس بشی ءٍ''
(میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۲۷۴ زیر نام عبدالواحد بن زیاد دار الفکر العربی) کہ یحیٰ کہتے ہیں کہ یہ راوی کسی کام کا نہیں ہے۔'' (القول المبین ص ۵۶)

عرض ہے کہ اس مذکورہ مقام پر حافظ ذہبی نے لکھا ہے:'' و روی عثمان أیضًا عن یحیی :ثقة ''اور عثمان (بن سعید الدارمی) نے یحییٰ (بن معین) سے یہ بھی روایت کیا کہ (عبدالواحد بن زیاد) ثقہ ہیں۔ (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۶۷۲، دوسرا نسخہ ج ۴ ص ۴۲۴)

اس توثیق کو قادیانی نے چھپا کر خیانت کا ارتکاب کیا ہے اور اُن لوگوں کی یاد تازہ کر دی ہے جنھیں بندر اور خنزیر بنا دیا گیا تھا۔

جب ایک ہی راوی کے بارے میں ایک ہی محدث سے جرح اور تعدیل ثابت ہو تو اس کے تین حل ہیں:

اول: جرح اور تعدیل باہم ٹکرا کر دونوں ساقط ہیں لہٰذا دوسرے محدثین کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

دوم: جرح اور تعدیل میں سے جو بھی جمہور محدثین کی تحقیق اور گواہیوں کے موافق ہوگی اُسے قبول کیا جائے گا۔

سوم: خاص اور عام کی تفصیل تلاش کر کے تطبیق دی جائے گی۔ :

عبدالواحد بن زیاد البصری رحمہ اللہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہما کے راوی تھے اور انھیں ابن سعد، ابوزرعہ الرازی، ابوحاتم الرازی اور ابن حبان وغیرہم جمہور محدثین نے ثقہ قرار دیا ہے لہٰذا اُن پر یہاں جرح باطل اور مردود ہے۔

۵) جالندھری قادیانی کی جرح سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس حدیث کو عبدالواحد بن زیاد کے علاوہ کسی دوسرے راوی نے مختار بن فلفل سے بیان نہیں کیا تھا، حالانکہ یہی حدیث اس مفہوم اور الفاظ کے معمولی اختلاف کے ساتھ امام عبداللہ بن ادریس رحمہ اللہ نے بھی مختار بن فلفل سے بیان کی ہے۔ دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ (۱۱/۵۳ ح ۳۰۴۴۸، دوسرا نسخہ ۳۲۲/۱۰ ح ۳۰۹۷۵، عوامہ والا نسخہ ۱۶/۲۸۔۲۹ ح ۳۱۰۹۷) مسند ابی یعلیٰ (۷/۳۸ ح ۳۹۴۷) الامالی لابن بشران (۲۲۳ یا ۲۲۴)

صحیحین کے بنیادی راوی امام عبداللہ بن ادریس بن یزید بن عبدالرحمٰن الاودی الکوفی کے بارے میں حافظ ابن حجر نے فرمایا: ''ثقة فقيه عابد'' (تقریب التہذیب: ۳۲۰۷)

معلوم ہوا کہ عبدالواحد بن زیاد پر اس روایت میں اعتراض کرنا سرے سے باطل اور خیانت ہے۔

۶) مختار بن فلفل القرشی المخزومی رحمہ اللہ (ثقہ تابعی) کے بارے میں جالندھری نے لکھا ہے:

''اسی طرح چوتھے راوی مختار بن فلفل کے متعلق لکھا ہے ''یخطیء کثیرا تکلم فیه سلیمان فعدهٗ وفی روایات المناکیر عن انسٍ'' (تہذیب التہذیب جلد ۱۰ ص ۶۲ زیر نام مختار بن فلفل طبعہ عبدالتواب اکیڈمی ملتان) کہ یہ راوی روایات میں اکثر غلطی کرتا تھا۔ سلیمان نے کہا ہے کہ یہ راوی حضرت انسؓ سے ناقابل قبول روایات بیان کرنے والوں میں سے ہے۔ چنانچہ روایت زیر بحث بھی اس راوی نے انسؓ سے ہی روایت کی ہے لہٰذا محدثین کے نزدیک یہ روایت قابل انکار ہے اور حجت نہیں۔'' (القول المبین ص ۵۶۔۵۷)

الجواب: مختار بن فلفل رحمہ اللہ کو جمہور محدثین نے ثقہ وصدوق قرار دیا، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱: ابوخالد الدقاق یزید بن الہیثم بن طہمان البادی نے کہا: ''سمعت یحیی و ذکر له حدیث المختار بن فلفل الذي یروی عن أنس بن مالك فی النبیذ فقال : مختار ثقة . ''میں نے یحییٰ (بن معین) سے سنا، اور اُن کے سامنے مختار بن فلفل کی حدیث کا ذکر کیا گیا، جو وہ انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) سے نبیذ کے بارے میں روایت کرتے تھے، تو انھوں نے فرمایا: مختار ثقہ ہیں۔ (کلام یحییٰ بن معین فی الرجال، روایۃ الدقاق:۲۹)

اور امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: مختار بن فلفل ثقہ ہیں۔

(کتاب الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ۳۱۰/۸ وسندہ صحیح)

۲: امام احمد بن حنبل نے مختار بن فلفل کے بارے میں فرمایا: ''لا أعلم به بأسًا ، لا أعلم إلا خیرًا ... ''میرے علم کے مطابق اُس (کی روایت) میں کوئی حرج نہیں ہے، میں اُس کے بارے میں صرف خیر ہی جانتا ہوں...

(کتاب العلل ومعرفۃ الرجال ج ۲ ص ۵۰۴ فقرہ:۳۳۲۱)

۳: امام عبداللہ بن ادریس الکوفی نے فرمایا: ''سمعت مختار بن فلفل و کان من خیار المسلمین یحدثنا و عیناہ تھملان . ''میں نے مختار بن فلفل سے سنا، اور وہ بہترین مسلمانوں میں سے تھے، وہ ہمیں حدیث سناتے اور اُن کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہوتے تھے۔ (کتاب العلل ومعرفۃ الرجال ج ۳ ص ۵۰۲ فقرہ:۶۱۵۸ وسندہ حسن)

۴: امام ابوالحسن العجلی نے فرمایا: ''کوفي تابعي ثقة''

(معرفۃ الثقات/ التاریخ ۲۶۷/۲ ت ۱۶۹۳)

۵: امام یعقوب بن سفیان الفارسی نے مختار بن فلفل کے بارے میں فرمایا:

''وھو ثقة کوفي'' (کتاب المعرفۃ والتاریخ ۱۵۱/۳)

۶: محمد بن عبداللہ بن عمار الموصلی نے فرمایا: ''المختار بن فلفل ثقة ، روی عنه

الخلق '' (تاریخ دمشق لابن عساکر ج ۶۰ ص ۱۳۶، وسندہ صحیح)

۷: حافظ ابوحفص عمر بن شاہین نے کہا: ''والمختار بن فلفل الذي يروي عن أنس بن مالك ثقة '' اور مختار بن فلفل جوانس بن مالک سے روایت کرتے تھے، ثقہ ہیں۔ (تاریخ اسماء الثقات: ۱۳۹۵)

۸: مختار بن فلفل کی سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کے بارے میں امام ترمذی نے فرمایا: ''هذا حديث حسن صحيح ''

(ح ۳۳۵۲، کتاب تفسیر القرآن باب ومن سورۃ: لم یکن)

۹: ابومحمد حسین بن مسعود البغوی نے مختار کی انس رضی اللہ عنہ سے روایت کے بارے میں کہا: ''هذا حديث صحيح '' (شرح السنہ ۳/۵۰ ح ۵۷۹)

نیز دیکھئے الانوار فی شمائل النبی المختار للبغوی (۶۵)

۱۰: سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مختار کی روایت کے بارے میں حاکم نیشاپوری نے فرمایا: ''هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه '' (المستدرک ۳/۷۷ ح ۴۴۶۰)

۱۱: حافظ ذہبی نے مختار بن فلفل کی سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت کو ''صحیح'' کہا۔

(تلخیص المستدرک ۳/۷۷ ح ۴۴۶۰)

اور فرمایا: ''ثقة '' (الکاشف ۳/۱۱۲ ت ۵۴۲۸)

۱۲: امام ابن خزیمہ نے مختار عن انس کی روایات کو صحیح ابن خزیمہ میں بیان کر کے کوئی جرح نہیں کی لہٰذا ابن خزیمہ کے نزدیک انس رضی اللہ عنہ سے مختار بن فلفل کی روایات صحیح ہیں۔

دیکھئے صحیح ابن خزیمہ (۱۶۰۲، ۱۷۱۵، ۱۷۱۶، ۱۷۱۷...)

۱۳: ابوعوانہ الاسفرائنی نے مختار بن فلفل سے صحیح ابی عوانہ میں روایات بیان کیں۔ مثلاً دیکھئے ج ۱ ص ۸۲ (ح ۱۷۸) ج ۱ ص ۱۰۹ (ح ۲۴۲) ج ۱ ص ۱۵۸ (ح ۳۱۲)...

۱۴: حافظ ضیاء المقدسی نے اپنی مشہور کتاب المختارہ میں مختار بن فلفل کی روایات درج کیں اور کوئی جرح نہیں کی، جو اُن کی طرف سے مختار کی توثیق ہے۔

دیکھئے الاحادیث المختارہ (ج ۷ص ۲۰۴۔۲۰۶۔ح ۲۶۴۱۔۲۶۴۵)

۱۵: امام مسلم نے مختار بن فلفل کی سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے بہت سی روایتوں کو صحیح مسلم میں درج کیا یعنی انھیں صحیح قرار دیا۔

دیکھئے صحیح مسلم (ح ۱۳۶۲[ترقیم دارالسلام: ۳۵۱]۱۹۶[۴۸۳]۴۰۰[۸۹۴]...)

۱۶: حافظ ابن الملقن نے مختار عن انس والی روایت کے بارے میں کہا: ''هذا الحديث صحيح .. '' (البدر المنیر ج ۴ص ۲۹۲)

۱۷: قاری ابوالخیر محمد بن محمد الدمشقی عرف ابن الجزری نے اپنی سند سے المختار بن فلفل عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ والی روایت بیان کر کے فرمایا: ''هذا حديث صحيح ... ''

(النشر فی القراءات العشر ج ۱ص ۱۹۶طبع دارالکتاب العربی، بیروت لبنان)

۱۸: احمد بن ابی بکر بن اسماعیل البوصیری (متوفی ۸۴۰ھ) نے مختار عن انس والی روایت کے بارے میں کہا: ''هذا إسناد صحيح '' (اتحاف الخیرۃ المہرۃ ج ۵ص ۴۳۸ح ۵۱۱۹)

۱۹: حافظ ابن حبان نے مختار عن انس والی روایات کو اپنی کتاب صحیح ابن حبان میں درج کر کے زبانِ عمل سے مختار کو ثقہ اور صحیح الحدیث قرار دیا۔

دیکھئے الاحسان (۶۲۱۰[دوسرا نسخہ: ۶۲۴۳]۶۴۴۷[۶۴۸۱])

معلوم ہوا کہ حافظ ابن حبان کی جرح منسوخ یا ساقط ہے، جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ ان شاء اللہ

۲۰: مختار بن فلفل نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت بیان کی، جس کے بارے میں حافظ ابن حجر نے فرمایا: ''أخرجه ابن أبي شيبة بسند صحيح ''

اسے ابن ابی شیبہ نے صحیح سند سے روایت کیا ہے۔

(فتح الباری ج ۱۰ص ۴۸تحت ح ۵۵۸۸۔۵۵۸۹باب ماجاء فی أن الخمر ماخامر العقل من الشراب)

اس عظیم الشان توثیق کے مقابلے میں بعض کی جرح کا جائزہ درج ذیل ہے:

☆ حافظ ابن حبان کا ''يخطئ كثيرًا '' کہنا خود ان کی توثیق اور تصحیح سے معارض ہونے

کی وجہ سے ساقط یا منسوخ ہے۔

☆ حافظ ابن حجر کا ''صدوق لہ أوھام'' کہنا شدید جرح نہیں بلکہ ایسا راوی اُن کے نزدیک حسن الحدیث ہوتا ہے اور دوسرے یہ کہ اُن کی جرح خود اُن کی تصحیح سے معارض ہو کر ساقط ہے۔

فائدہ: جب ایک عالم کے دو متضاد اقوال ہوں اور اُن میں تطبیق و توفیق ممکن نہ ہو تو دونوں ساقط ہو جاتے ہیں۔

دیکھئے میزان الاعتدال (ج ۲ ص ۵۵۲ ترجمۃ: عبدالرحمٰن بن ثابت بن الصامت)

☆ ابوالفضل السلیمانی کی جرح دو وجہ سے مردود ہے:

اول: یہ جمہور کی توثیق و تصحیح اور توثیقِ خاص کے خلاف ہے۔

دوم: حافظ ابن حجر سے سلیمانی تک صحیح متصل سند نا معلوم ہے۔

خلاصہ یہ کہ مختار بن فلفل ثقہ و صدوق تھے اور سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے اُن کی بیان کردہ حدیث صحیح ہوتی ہے لہٰذا اُن پر قادیانیوں کی جرح مردود ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ صرف ایک حدیث پر جرح کرنے میں اللہ دتا جالندھری قادیانی نے چھ (۶) خیانتیں کی ہیں۔

۷) امام بخاری اور امام مسلم نے عبداللہ بن دینار عن ابی صالح عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((**إن مثلي و مثل الأنبياء من قبلي كمثل رجل بنى بيتاً فأحسنه و أجمله إلا موضع لبنة منْ زاوية فجعل الناس يطوفون به و يعجبون له ويقولون: هلا و ضعت هذه اللبنة ؟**)) قال: ((**فأنا اللبنة و أنا خاتم النبيين .**)) میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال اُس آدمی کی طرح ہے جو حسین و جمیل گھر بنائے، سوائے ایک طرف کی ایک اینٹ کے، پھر لوگ اس کے ارد گرد پھریں اور تعجب کرتے ہوئے کہیں: یہ اینٹ کیوں نہیں رکھی گئی؟

آپ نے فرمایا: پس میں وہ اینٹ ہوں اور میں خاتم النبیین (آخری نبی) ہوں۔

(صحیح بخاری: ۳۵۳۵، صحیح مسلم: ۲۲/۲۲۸۶، دارالسلام: ۵۹۶۱)

اسی صحیح حدیث پر جرح کرتے ہوئے اللہ دتا جالندھری نے لکھا ہے:

''اس حدیث کے دوسرے طریقہ میں عبداللہ بن دینار، مولیٰ عمر، اور ابوصالح الخوزی ضعیف ہیں۔ عبداللہ بن دینار کی روایت کو عُقیلی نے مخدوش قرار دیا ہے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۱۷۷، طبعہ عبدالتواب اکیڈمی ملتان) اور ابوصالح الخوزی کو ابن معین ضعیف قرار دیتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱۲ ص ۱۴۵ طبعہ عبدالتواب اکیڈمی ملتان و میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۳۶۵ مطبع حیدر آباد)'' (القول المبین ص ۵۳۔۵۴)

عبداللہ بن دینار مذکور کو امام احمد بن حنبل، ابن معین، ابوزرعہ الرازی، ابو حاتم الرازی، محمد بن سعد اور عجلی وغیرہم نے ثقہ کہا۔

(تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۱۷۷، دوسرا نسخہ ج ۵ ص ۲۰۲)

ان جمہور محدثین کے مقابلے میں محدث عقیلی کی جرح مردود ہے۔

حافظ ذہبی نے عبداللہ بن دینار کے بارے میں فرمایا: ''أحد الأئمة الأثبات''

وہ ثقہ اماموں میں سے ایک تھے۔ (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۴۱۷)

حافظ ذہبی نے ''صح'' کے ساتھ اپنے نزدیک اُن کی توثیق کو راجح اور جرح کو مردود قرار دے کر فرمایا: ''فلا يلتفت إلى فعل العقيلي فإن عبد الله حجة بالإجماع ...''

پس عقیلی کی حرکت کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہئے کیونکہ عبداللہ بالاجماع (روایتِ حدیث میں) حجت ہیں۔ (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۴۱۷ ت ۴۲۹۷)

۸) ابوصالح کے بارے میں قادیانی نے عجیب حرکت کی۔ سنن ترمذی اور سنن ابن ماجہ وغیرہما کے ایک ضعیف راوی ابوصالح الخوزی پر جرح نقل کر دی، حالانکہ ہماری بیان کردہ حدیث میں الخوزی راوی نہیں بلکہ ابوصالح السمان ہیں۔

دیکھئے صحیح مسلم (ترقیم دارالسلام: ۵۹۶۱) اور مسند الامام احمد (ج ۲ ص ۳۹۸ ح ۹۱۶۷)

ابوصالح السمان ذکوان الزیات ثقہ ثبت تھے۔ دیکھئے تقریب التہذیب (۱۸۴۱)

ثقہ راوی کو ضعیف سے بدل دینا بہت بڑی خیانت ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ابو صالح کے علاوہ دوسرے راویوں نے بھی بیان کی ہے۔ مثلاً:

(۱) ہمام بن منبہ (الصحیفۃ الصحیحۃ لھمام بن منبہ: ۲، صحیح مسلم، دارالسلام: ۵۹۶۰)

(۲) عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج (صحیح مسلم: ۲۲۸۶، مسند الحمیدی بتحقیقی: ۱۰۴۳، مسند احمد ۲/ ۲۴۴)

(۳) موسیٰ بن یسار (مسند احمد ۲/ ۲۵۶ وسندہ صحیح)

یاد رہے کہ یہی حدیث اس مفہوم کے ساتھ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ درج ذیل صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے بھی بیان کی ہے:

(۱) سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ

(۲) سیدنا جابر رضی اللہ عنہ

اس حدیث میں ذکر کردہ مثال کا یہ مطلب ہے کہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا لہٰذا اس حدیث میں آپ کی ہتک نہیں بلکہ عزت اور شان ہے۔

۹) سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((و أنا العاقب))

اور میں عاقب (سب کے اخیر میں آنے والا) ہوں۔

(صحیح بخاری: ۳۵۳۲، ۴۸۹۶، صحیح مسلم: ۲۳۵۴)

اس حدیث کے راوی امام معمر بن راشد نے فرمایا کہ میں نے (امام) زہری سے پوچھا: العاقب کسے کہتے ہیں؟ اُنھوں نے فرمایا: ''الذي لیس بعدہ نبي'' جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو۔ (صحیح مسلم ترقیم دارالسلام: ۶۱۰۷)

اس حدیث پر جرح کرتے ہوئے قادیانی نے لکھا ہے:

''یہ روایت قابل حجت نہیں۔ کیونکہ اس کا ایک راوی سفیان بن عینیہ ہے جس نے یہ روایت زہری سے لی ہے۔ سفیان بن عینیہ کے متعلق لکھا ہے:۔

" كان يدلس قال احمد يخطئ فی نحو من عشرين حديثاً عن الزهری عن يحیٰ بن سعيد القطان قال اشهد ان سفيان بن عيينه اختلط سنة سبع و تسعين و مائة فمن سمع منه فيها فسماعه لاشئ "

(میزان الاعتدال جلد۲ص ۱۷۰، زیر نام سفیان بن عیینہ دارالفکر العربی)

یعنی یہ راوی تدلیس کیا کرتا تھا۔ امام احمد کہتے ہیں کہ زہری سے قریباً بیس روایات میں اس نے غلطی کی (یہ عاقب والی روایت بھی اس نے زہری سے لی ہے) یحیٰ بن سعید کہتے ہیں کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ سفیان بن عیینہ کے حواس ۱۹۷ھ میں بجا نہ رہے تھے۔ پس جس نے اس سال (یا اس کے بعد) اس سے روایت لی ہے وہ بے حقیقت ہے"

(القول المبین ص ۵۷۔۵۸)

عرض ہے کہ مسند الحمیدی (بتحقیقی: ۵۵۵) وغیرہ میں سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کے سماع کی تصریح موجود ہے لہٰذا یہاں تدلیس کا اعتراض باطل ہے۔

حافظ ذہبی نے بتایا کہ غالب ظن یہ ہے کہ کتب ستہ کے مصنفین کے اساتذہ نے سفیان بن عیینہ سے ۱۹۷ھ سے پہلے احادیث سنی تھیں۔ دیکھئے میزان الاعتدال (۱۷۱/۲)

یعنی زہیر بن حرب، اسحاق بن ابراہیم عرف ابن راہویہ اور حمیدی وغیرہم کا سفیان بن عیینہ سے سماع اختلاط سے پہلے کا ہے لہٰذا یہاں اختلاط کا الزام مردود ہے۔

امام سفیان بن عیینہ کے علاوہ یہی حدیث درج ذیل راویوں نے بھی امام زہری سے سنی ہے:

(۱) شعیب بن ابی حمزہ (صحیح بخاری: ۴۸۹۶)

(۲) مالک بن انس (صحیح مسلم: ۲۳۵۲)

(۳) معمر بن راشد (صحیح مسلم، دارالسلام: ۶۱۰۷)

(۴) یونس بن یزید الایلی (صحیح مسلم، دارالسلام ۶۱۰۶) وغیرہم

لہٰذا امام سفیان بن عیینہ پر قادیانی کا اعتراض سرے سے مردود بلکہ خیانت ہے۔

۱۰) اللہ دتا جالندھری قادیانی نے لکھا ہے:

''اس روایت کے دوسرے راوی زہری کے متعلق بھی لکھا ہے'' کان یدلس فی النادر ''

(میزان الاعتدال جلد۴ زیر نام محمد بن مسلم الزہری دار الفکر العربی وانوار محمد کی جلد۲ ص ۴۴۸)

کہ راوی کبھی کبھی تدلیس بھی کرتا تھا۔ پس اس روایت میں بھی اس راوی نے ازراہ تدلیس'' والعاقب الذی لیس بعدہ نبیؐ ''کے الفاظ بڑھا دئے۔''

(القول المبین ص ۵۸)

عرض ہے کہ صحیح بخاری میں امام ابن شہاب الزہری کی اس حدیث میں سماع کی تصریح موجود ہے۔ (کتاب التفسیر، سورۃ الصف ح ۴۸۹۶)

لہٰذا یہاں تدلیس کا اعتراض مردود ہے۔

دوسرے یہ کہ'' والعاقب الذی لیس بعدہ نبیؐ '' یعنی العاقب اسے کہتے ہیں جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو، کے الفاظ امام زہری نے ایک سوال کے جواب میں حدیث کی تشریح کے طور پر فرمائے تھے اور راویٔ حدیث کی تشریح بعد میں آنے والے تمام لوگوں کے مقابلے میں راجح ہے بلکہ یہ تشریح قرآن و حدیث کی موافقت اور سلف صالحین کے متفقہ فہم ہونے کی وجہ سے حجت ہے۔

۱۱) ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((أنا آخر الأنبياء و أنتم آخر الأمم .)) میں آخری نبی ہوں اور تم آخری اُمت ہو۔

اس حدیث کو سنن ابن ماجہ سے نقل کر کے قادیانی نے دو راویوں عبدالرحمٰن بن محمد المحاربی اور اسماعیل بن رافع ابو رافع پر جرح کی ہے۔ دیکھئے القول المبین (ص ۵۹)

عرض ہے کہ امام ابوبکر احمد بن عمرو بن ابی عاصم رحمہ اللہ (متوفی ۲۸۷ھ) نے فرمایا:

'' حدثنا أبو عمير: ثنا ضمرة عن يحى بن أبي عمرو السيباني عن عمرو بن عبدالله الحضرمي عن أبي أمامة الباهلي قال: خطبنا رسول الله ﷺ ذات يوم ... ((و أنا آخر الأنبياء و أنتم آخر الأمم ..)) '' ہمیں ابو عمیر (عیسیٰ بن محمد

بن اسحاق النحاس الرملی) نے حدیث بیان کی ، انھوں نے ضمرہ (بن ربیعہ) سے ، انھوں نے یحییٰ بن ابی عمرو السیبانی سے ، انھوں نے عمرو بن عبداللہ الحضرمی سے ، انھوں نے ابوامامہ الباھلی (رضی اللہ عنہ) سے ، انھوں نے فرمایا: ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا...آپ نے فرمایا: اور میں آخری نبی ہوں اور تم آخری اُمت ہو۔

(کتاب السنۃ لابن ابی عاصم: ۳۹۱ وسندہ صحیح ، دوسرا نسخہ: ۴۰۰)

اس حدیث کی سند حسن لذاتہ ہے اور راویوں کا مختصر تذکرہ درج ذیل ہے:

(۱) ابوعمیر النحاس: ثقة فاضل (تقریب التہذیب: ۵۳۲۱)

(۲) ضمرہ بن ربیعہ کو امام ابن معین اور جمہور محدثین کرام نے ثقہ وصدوق قرار دیا لہٰذا وہ حسن الحدیث تھے۔

(۳) یحییٰ بن ابی عمرو السیبانی: ثقة إلخ (تقریب التہذیب: ۷۶۱۶)

(۴) عمرو بن عبداللہ کو امام عجلی اور حافظ ابن حبان وغیرہما نے ثقہ اور صحیح الحدیث قرار دیا ہے لہٰذا وہ ثقہ تھے۔

(۵) ابوامامہ رضی اللہ عنہ مشہور صحابی تھے۔

ہماری اس روایت میں وہ راوی ہی نہیں جن پر قادیانی نے جرح کر رکھی ہے لہٰذا یہ جرح مردود ہے۔

۱۲) ابوالزناد عبداللہ بن ذکوان القرشی المدنی رحمہ اللہ (تبع تابعی) کو امام احمد بن حنبل ، یحییٰ بن معین اور ابو حاتم الرازی وغیرہم نے ثقہ کہا بلکہ امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ انھیں "أمیر المؤمنین فی الحدیث" کہتے تھے۔

(کتاب الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ۵/۴۹ وسندہ حسن)

امام ربیعہ نے امام ابوالزناد پر ذاتی دشمنی کی وجہ سے جرح کی تھی ، جسے قادیانی نے درج ذیل الفاظ میں نقل کیا ہے:

" ابوالزناد کے متعلق ربیعہ کا قول ہے کہ 'لیس بثقةٍ ولا رضیً' " (میزان الاعتدال جلد

۳ص۱۳۲ از یر نام عبداللہ بن ذکوان دارالفکر العربی) کہ یہ راوی نہ ثقہ ہے اور نہ پسندیدہ۔ پس یہ روایت قابل استناد نہیں رہی۔" (القول المبین ص ٦٧)

عرض ہے کہ میزان الاعتدال کے اسی مقام پر ربیعہ رحمہ اللہ کے مذکورہ قول کے فوراً بعد حافظ ذہبی نے لکھا ہے: "قلت : لا يُسمع قول ربيعة فيه فإنه كان بينهما عداوة ظاهرة . " میں نے کہا: اُن کے بارے میں ربیعہ کا قول قابلِ سماعت نہیں کیونکہ دونوں کے درمیان واضح دشمنی تھی۔ (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۴۱۸ ت ۴۳۰۱، دوسرا نسخہ ج ۴ ص ۹۵)

مذکورہ مقام پر حافظ ذہبی کے ضروری تبصرے کو چھپانا خیانت اور ایک دو کے شاذ اقوال کو جمہور کے مقابلے میں پیش کرنا باطل و مردود ہے۔

۱۳) سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لا تقوم الساعة حتى تلحق قبائل من أمتي بالمشركين و حتى يعبدوا الأوثان و إنه سيكون في أمتي ثلاثون كذابون كلهم يزعم أنه نبي و أنا خاتم النبيين لا نبي بعدي .)) قیامت اُس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک میری اُمت کے کچھ قبائل مشرکوں کے ساتھ مل نہ جائیں اور حتیٰ کہ وہ اَوثان (بتوں) کی عبادت کریں گے۔

اور میری اُمت میں تیس (۳۰) کذاب ہوں گے جن میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ نبی ہے اور (یاد رکھو) میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

(سنن الترمذی کتاب الفتن باب ماجاء لاتقوم الساعۃ حتی یخرج کذابون ح ۲۲۱۹ وقال: ھذا حدیث صحیح)

اس حدیث کو حافظ ابن حبان نے اپنی صحیح میں درج کیا ہے یعنی اسے صحیح قرار دیا ہے۔

(الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان: ۷۱۹۴، دوسرا نسخہ: ۷۲۳۸)

اس صحیح حدیث پر جرح کرتے ہوئے اللہ دتا قادیانی نے لکھا ہے:

"(ب) تیس دجالوں والی حدیث کو ترمذی نے جس طریقہ سے نقل کیا ہے اس کو اسناد میں ابوقلابہ اور ثوبان دو راوی ناقابل اعتبار ہیں ابوقلابہ کے متعلق تو لکھا ہے کہ لیس ابو قلابة

من فقهاء التابعين وهو عند الناس معدودٌ فی البله انه مدلّسٌ عمن لحقهم و عمن لم یلحقهم ''(میزان الاعتدال زیر نام عبداللہ بن زید بن عمرو الجرمی البصری دارالفکر العربی۔ نیز تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۱۹۹ عبدالتواب اکیڈمی ملتان) کہ ابو قلابہ فقہاء میں سے نہ تھا بلکہ وہ ابلہ مشہور تھا اور جو اسے ملا اس کے بارے میں جو اسے نہیں ملا اس کے بارے میں وہ تدلیس کیا کرتا تھا۔'' (القول المبین ص ٦٧)

امام ابو قلابہ عبداللہ بن زید الجرمی کو ابن سعد، عجلی اور ابن حبان (ذکرہ فی کتاب الثقات ۲/۵) وغیرہم نے ثقہ قرار دیا بلکہ حافظ ابن عبدالبر نے فرمایا: '' أجمعوا علی أنه من ثقات العلماء '' اس پر اجماع ہے کہ وہ ثقہ علماء میں سے ہیں۔ (کتاب الاستغناء فی معرفۃ المشہورین من حملۃ العلم بالکنیٰ لابن عبدالبر ۲/۸۹۵۔ ۸۹۶ ت ۱۰۶۳، واللفظ لہ، کتاب الاستغناء فی اسماء المشہورین بالکنیٰ من حملۃ الحدیث، تالیف ابن عبدالبر تلخیص محمد بن ابی الفتح البعلی، مصورہ من المخطوط ص ۹۳)

اس اجماع کے مقابلے میں ابن التین شارح البخاری (متوفی ٦١١ھ) نے بغیر سند کے اپنی وفات سے دوسو آٹھ (۲۰۸) سال پہلے فوت ہو جانے والے ابو الحسن علی بن محمد القابسی (متوفی ۴۰۳ھ) سے جو جرح (بلکہ وہ ابلہ مشہور تھا) نقل کی ہے، دو وجہ سے مردود ہے:

اول: یہ بے سند ہونے کی وجہ سے ثابت نہیں ہے لہٰذا مردود ہے۔

دوم: امام ابو قلابہ کے شاگرد رشید امام ایوب السختیانی رحمہ اللہ نے فرمایا:

'' کان واللّٰه أبو قلابة من الفقهاء ذوی الألباب. ''

اللہ کی قسم! ابو قلابہ عقل مند فقہاء میں سے تھے۔ (کتاب الجرح والتعدیل ۵/۵۸ وسندہ صحیح)

تنبیہ: ابن التین کی مذکورہ بے سند جرح میزان الاعتدال میں نہیں ملی لہٰذا اس سلسلے میں میزان کا حوالہ وہم وغلط ہے۔

رہا ابو قلابہ کی روایت پر حافظ ذہبی کی طرف سے تدلیس کا اعتراض تو یہ دو وجہ سے مردود ہے:

اول: حافظ ذہبی سے زیادہ بڑے امام اور متقدم محدث ابو حاتم الرازی نے ابو قلابہ کے

بارے میں فرمایا: ''لا یعرف لہ تدلیس '' اور اُن کا تدلیس کرنا معروف (معلوم) نہیں ہے۔ (کتاب الجرح والتعدیل ۵/۵۸)

دوم: حافظ ذہبی کا یہ کہنا کہ ''إلا أنہ یدلس عمن لحقهم و عمن لم یلحقهم .. '' مگر وہ تدلیس کرتے تھے اُن سے جن سے اُن کی ملاقات ہوئی تھی اور اُن سے (بھی تدلیس کرتے تھے) جن سے ملاقات نہیں ہوئی... (میزان الاعتدال ۲/۴۲۶)

اس بات کی دلیل ہے کہ حافظ ذہبی تدلیس اور ارسال میں کوئی فرق نہیں کرتے تھے اور یہ اصولِ حدیث کے عام طالب علموں کو بھی معلوم ہے کہ تدلیس اور ارسال میں فرق ہے۔ جن سے ملاقات نہ ہو، اُن سے روایت مرسل ہوتی ہے، نہ کہ تدلیس والی روایت لہٰذا حافظ ذہبی کا ابوقلابہ رحمہ اللہ پر تدلیس کا الزام غلط ہے۔

تنبیہ: سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ پر جرح کا جواب متصل بعد آرہا ہے۔ دیکھئے فقرہ نمبر ۱۴

۱۴) اللہ دتا قادیانی نے سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جرح کرتے ہوئے لکھا ہے: ''اسی طرح ثوبان کے متعلق ازدی کا قول ہے کہ 'یتکلمون فیہ '' (میزان الاعتدال جلد ا ص ۳۷۳ زیر نام ثوبان دار الفکر العربی) کہ اس راوی کی صحت میں اہل علم کو کلام ہے۔'' (القول المبین ص ۶۷)

عرض ہے کہ جس ثوبان پر بقول ازدی (اہلِ علم کو) کلام ہے، اس کا نام ثوبان بن سعید ہے جس سے ابوحاتم الرازی نے عباداان (ایک شہر) میں ۲۴۵ھ میں حدیثیں لکھی تھیں اور ابوزرعہ (الرازی) نے فرمایا: ''لا بأس بہ '' اس کے ساتھ کوئی حرج نہیں ہے۔

دیکھئے لسان المیزان (ج ۲ ص ۸۵) اور کتاب الجرح والتعدیل (ج ۲ ص ۴۷۰)

ابوزرعہ الرازی کے مقابلے میں ازدی (بذاتِ خود ضعیف و مجروح) کی جرح مردود ہے، تاہم عرض ہے کہ سنن ترمذی وغیرہ میں ثوبان (رضی اللہ عنہ) سے اس حدیث کے راوی ابواسماء عمرو بن مرثد الرحبی ہیں جو عبدالملک (بن مروان) کی حکومت کے زمانے میں فوت ہوگئے تھے۔ (دیکھئے تقریب التہذیب: ۵۱۰۹)

عبدالملک بن مروان بن الحکم الاموی ۸۶ ہجری میں مرا تھا، تو کیا قادیانی علم الکلام کے مطابق ابو اسماء الرحبی اپنی وفات کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر تیسری صدی ہجری یعنی ۲۴۵ھ میں ایک محدث کے پاس پڑھنے کے لئے آگئے تھے؟!

حدیثِ مذکور میں ازدی والا ثوبان بن سعید راوی نہیں بلکہ ۵۴ ہجری میں فوت ہونے والے مشہور صحابی سیدنا ثوبان بن بُجدُ د الہاشمی رضی اللہ عنہ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، جیسا کہ تہذیب الکمال اور کتب الاطراف وغیرہ سے صاف ظاہر ہے۔

تنبیہ: سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ پر عبدالرحمٰن خادم قادیانی نے بھی اللہ دتا والی جرح کی ہے کہ ''ازدی کا قول ہے.... اس راوی کی صحت میں کلام ہے۔'' (پاکٹ بک ص ۳۱۲)

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ علم اسماء الرجال اور علمِ حدیث سے قادیانی حضرات بالکل کورے اور جاہل ہیں بلکہ صحابۂ کرام پر حملہ کرنے سے بھی نہیں چوکتے، مثلاً مرزا غلام احمد قادیانی نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھا ہے:

''اور معلوم ہوتا ہے کہ بعض ایک دو کم سمجھ صحابہ کو جن کی درائیت عمدہ نہیں تھی۔ عیسائیوں کے اقوال سنکر جو اردگرد رہتے تھے۔ پہلے کچھ یہ خیال تھا کہ عیسیٰ آسمان پر زندہ ہے جیسا کہ ابو ہریرہ جو غبی تھا اور درایت اچھی نہیں رکھتا تھا لیکن جب حضرت ابو بکر نے...''

(قادیانی: روحانی خزائن ج ۱۹ ص ۱۲۶۔۱۲۷)

اس عبارت میں مرزا نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی توہین کی ہے اور صحابۂ کرام پر جھوٹ بولا ہے۔

تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی وفات کا جھوٹا دعویٰ کرتے ہوئے مرزا غلام احمد نے لکھا ہے:

''معلوم ہوتا ہے کہ اس اجماع سے پہلے جو تمام انبیاء علیہم السلام کی وفات پر ہوا بعض نادان صحابی جن کو درایت سے کچھ حصہ نہ تھا وہ بھی اس عقیدہ سے بے خبر تھے کہ کل انبیاء فوت ہو چکے ہیں۔'' الخ (قادیانی روحانی خزائن ج ۲۱ ص ۲۸۵)

صحابۂ کرام کو غبی، نادان اور اسلامی عقیدے سے بے خبر کہنے والا بذاتِ خود بڑا

کذاب اور دجال ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: اے اللہ! اپنے اس بندے (ابو ہریرہ) اور اس کی ماں کو مومنوں کا محبوب بنادے...الخ (صحیح مسلم:۲۴۹۱)
سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہر مومن جو میرے بارے میں سن لیتا ہے تو بغیر دیکھے ہی مجھ سے محبت کرتا ہے۔ (ایضاً ملخصاً)
سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جن صحابہ سے حدیث پوچھتے تھے اُن میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔
(دیکھئے صحیح بخاری:۵۹۴۶)
سیدنا ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو (حجۃ الوداع میں) منادی کرنے والا مقرر کر کے بھیجا تھا۔ (صحیح بخاری:۳۶۹)

ایک دفعہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث بیان کی تو ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''صدق أبو هريرة'' ابو ہریرہ نے سچ کہا ہے۔ (طبقات ابن سعد ۳۳۲/۴ وسندہ صحیح)
حافظ ذہبی نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا: ''**الإمام الفقيه المجتهد الحافظ صاحب رسول الله** صلی اللہ علیہ وسلم ...'' (سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۵۷۸)

ایسے جلیل القدر فقیہ مجتہد صحابی کو ''غبی، کم سمجھ، نادان اور اچھی درایت نہ رکھنے والا'' کہنے والا شخص بہت بڑا شیطان اور دجال ہے۔

اے اللہ! ہمارے دلوں کو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی محبت سے بھر دے اور اس میں مزید اضافہ فرما۔ آمین

فائدہ: نبوت کا دعویٰ کرنے والے تیس کذابوں والی حدیث سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ کے علاوہ درج ذیل صحابہ سے بھی ثابت ہے:

(۱) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ (صحیح بخاری:۳۶۰۹)

(۲) سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ (صحیح ابن خزیمہ:۱۳۹۷، صحیح ابن حبان، الاحسان:۲۸۴۵، دوسرا نسخہ: ۲۸۵۶ وصححہ الحاکم علی شرط الشیخین ۳۳۰/۱ ح ۱۲۳۰، ووافقه الذهبي وسنده حسن، ثعلبه بن عباد ليس

بمجهول بل و ثقه ابن خزيمة و الترمذي و ابن حبان و غيرهم و أخطأ من ضعفه)

۱۵) جالندھری نے لکھا ہے:

''ترمذی کے دوسرے طریقہ میں عبدالرزاق بن ہمام اور معمر بن راشد دو راوی ضعیف ہیں۔ عبدالرزاق بن ہمام تو شیعہ تھا۔ قال النسائی فیه نظرٌ، قال العباس العنبری .. انه لکذابٌ والواقدی اصدق منه . کان عبدالزراق کذاباً یسرق الحدیث''

(تہذیب التہذیب جلد ۶ ص ۲۷۸ زیر نام عبدالرزاق بن ہمام عبدالتواب اکیڈمی ملتان)

کہ نسائی کے نزدیک وہ قابل اعتبار نہیں اور عباس عنبری کہتے ہیں کہ وہ کذّاب تھا اور واقدی سے بھی زیادہ جھوٹا تھا۔ یہ شخص کذّاب تھا اور حدیث چوری کیا کرتا تھا۔''

(القول المبین ص ۶۷۔۶۸)

امام عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی الیمنی رحمہ اللہ کو امام یحییٰ بن معین، عجلی، یعقوب بن شیبہ، ابن حبان، ابن شاہین، دارقطنی، بیہقی اور جمہور محدثین نے ثقہ وصدوق قرار دیا۔

دیکھئے میری کتاب: تحقیقی، اصلاحی اور علمی مقالات (ج ۱ ص ۴۰۴۔۴۰۸)

جمہور کے مقابلے میں عباس بن عبدالعظیم سے کذاب والی جو جرح مروی ہے (الضعفاء للعقیلی ۳/۱۰۹، الکامل لابن عدی ۵/۱۹۴۸، دوسرا نسخہ ۶/۵۳۸) اسے حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب (ج ۶ ص ۲۸۱) میں بغیر کسی سند کے نقل کیا ہے، عقیلی اور ابن عدی والی سند میں محمد بن احمد بن حماد الدولابی بذاتِ خود قولِ راجح میں ضعیف راوی ہے (و أخطأ من زعم خلافه) لہٰذا یہ جرح عباس مذکور سے ثابت ہی نہیں ہے۔

حدیث چوری کرنے والی جرح کا راوی ابوعبداللہ البلخی حسین بن محمد بن خسرو بذاتِ خود ضعیف تھا لہٰذا یہ جرح بھی غیر ثابت و مردود ہے۔

امام نسائی نے فرمایا: ''فیه نظر لمن کتب عنه بآخرةٍ''

جس نے اُن سے آخر دور میں لکھا ہے اُس میں نظر ہے۔ (کتاب الضعفاء: ۳۷۹)

یعنی اس جرح کا تعلق اختلاط سے ہے اور ترمذی والی روایت میں اختلاط کا نام ونشان

نہیں، اسے عبدالرزاق سے محمود بن غیلان نے روایت کیا ہے۔

(سنن الترمذی: ۲۲۱۸ وقال: ھذا حدیث حسن صحیح)

محمود بن غیلان کی عبدالرزاق بن ہمام سے روایت اختلاط سے پہلے کی ہے، جس کی دلیل یہ ہے:

بخاری اور مسلم نے محمود سے عبدالرزاق کی روایات صحیحین میں بیان کیں اور کسی محدث نے محمود عن عبدالرزاق کی روایات پر جرح نہیں کی۔

تیس دجالوں والی روایت امام عبدالرزاق سے امام احمد بن حنبل نے بھی بیان کی۔

(دیکھئے مسند احمد ۲/ ۳۱۳ ح ۸۱۲۷)

اور محدث اَبناسی نے فرمایا کہ ''و ممن سمع منه قبل الإختلاط أحمد و إسحاق ابن راهويه و علي بن المديني و يحيى بن معين و وكيع بن الجراح في آخرين.. '' اُن کے اختلاط سے پہلے احمد (بن حنبل) اسحاق بن راہویہ، علی بن المدینی، یحییٰ بن معین، وکیع بن الجراح اور دوسرے لوگوں نے سنا ہے۔ الخ

(الکواکب النیرات فی معرفۃ من اختلط من الرواۃ الثقات لابن الکیال ص ۵۳)

لہٰذا یہاں اختلاط کا الزام سرے سے باطل ہے۔

تنبیہ: عبدالرزاق کی بیان کردہ روایت اُن کی پیدائش سے بہت عرصہ پہلے لکھے جانے والے الصحیفۃ الصحیحہ للامام ہمام بن منبہ (ح ۲۴) میں بھی موجود ہے۔ والحمدللہ

جمہور کے نزدیک ثقہ وصدوق راوی پر شیعہ وغیرہ کے الفاظ والی جرح بھی مردود ہوتی ہے۔ دیکھئے میری کتاب: علمی مقالات (ج ۱ ص ۴۰۹۔ ۴۱۱)

۱۶) امام معمر بن راشد الازدی البصری الیمنی رحمہ اللہ کو قادیانی کا ضعیف کہنا بھی باطل ہے۔ معمر بن راشد کو امام یحییٰ بن معین، عجلی، یعقوب بن شیبہ، نسائی، ابن حبان اور جمہور محدثین نے ثقہ وصدوق قرار دیا۔

دیکھئے حافظ مزی کی کتاب: تہذیب الکمال (ج ۷ ص ۱۸۱۔ ۱۸۳)

بخاری اور مسلم نے صحیحین کے اصول میں اُن سے حدیثیں بیان کیں لہٰذا ایسے راوی پر بعض کی جرح مردود ہوتی ہے۔

۱۷) جالندھری قادیانی نے کہا:

''ان کے علاوہ سلیمان بن حرب اور محمد بن عیسیٰ بھی ضعیف ہیں۔ سلیمان بن حرب کے متعلق خود ابوداؤد کہتے ہیں کہ یہ راوی ایک حدیث کو پہلے ایک طرح بیان کرتا تھا لیکن جب کبھی دوسری دفعہ اسی حدیث کو بیان کرتا تھا تو پہلی سے مختلف ہوتی تھی اور خطیب کہتے ہیں کہ یہ شخص روایت کے الفاظ میں تبدیلی کر دیا کرتا تھا۔'' (تہذیب التہذیب جلد ۴ص ۱۵۷۔ زیرنام سلیمان بن حرب عبدالتواب اکیڈمی ملتان)'' (القول المبین ص ۶۸)

عرض ہے کہ صحیحین کے بنیادی راوی امام سلیمان بن حرب البصری رحمہ اللہ کو یعقوب بن شیبہ، نسائی، ابن سعد، ابن حبان اور جمہور محدثین نے ثقہ قرار دیا ہے۔

دیکھئے تہذیب التہذیب (ج ۴ص ۱۵۸)

اس توثیق کو چھپا کر قادیانی نے کتمانِ حق کیا ہے۔

امام سلیمان بن حرب پر امام ابوداود کی طرف منسوب جرح ابوعبید الآجری کی وجہ سے ثابت نہیں، وجہ یہ ہے کہ یہ آجری بذاتِ خود مجہول تھا۔

خطیب بغدادی کا روایت بالمعنیٰ والی جرح کرنا دو وجہ سے مردود ہے:

اول: یہ جمہور کی توثیق کے خلاف ہے۔

دوم: روایت بالمعنیٰ جرم نہیں بلکہ جائز ہے، بشرطیکہ راوی ثقہ وصدوق ہو اور اس کی روایت میں کوئی علتِ قادحہ یا شذوذ ثابت نہ ہو۔ یاد رہے کہ اس روایت میں امام سلیمان بن حرب رحمہ اللہ منفرد نہیں بلکہ دوسرے ثقہ راویوں نے بھی یہی روایت بیان کی ہے۔ دیکھئے فقرہ: ۱۸

تنبیہ: محمد بن عیسیٰ بن نجیح رحمہ اللہ کو ابوحاتم الرازی اور ابن حبان وغیرہم نے ثقہ قرار دیا ہے اور میرے علم کے مطابق کسی نے بھی اُن پر جرح نہیں کی لہٰذا انھیں ضعیف کہنا باطل اور مردود ہے۔

۱۸) قادیانی نے کہا: ''محمد بن عیسی کے متعلق خود ابوداؤد کہتے ہیں'' ربما یدلس ''
(تہذیب التہذیب جلد۹ص ۳۴۸ زیر نام محمد بن عیسیٰ عبدالتواب اکیڈمی ملتان)
کہ کبھی کبھی تدلیس کرلیا کرتا تھا۔'' (القول المبین ص ۶۸)
عرض ہے کہ روایتِ مذکورہ میں ابوجعفر محمد بن عیسیٰ بن نجیح البغدادی ابن الطباع نے ''حدثنا '' کہہ کر سماع کی تصریح کردی ہے لہٰذا یہاں تدلیس کا اعتراض کرنا خیانت ہے۔
دوسرے یہ کہ یہی روایت امام حماد بن زید سے محمد بن عیسیٰ کے علاوہ درج ذیل راویوں نے بھی بیان کی ہے:
(۱) سلیمان بن حرب (سنن ابی داود: ۴۲۵۲)
(۲) قتیبہ بن سعید (سنن ترمذی: ۲۲۱۹)
(۳) حجاج بن منہال الانماطی (دلائل النبوۃ للبیہقی ۶/ ۵۲۷) وغیرہم.
۱۹) اللہ دتا قادیانی جالندھری نے لکھا ہے: ''ابوداؤد کے دوسرے طریقہ میں عبدالعزیز بن محمد اور العلاء بن عبدالرحمٰن ضعیف ہیں۔ عبدالعزیز بن محمد کو امام احمد بن حنبل نے خطا کار۔ ابوذرعہ نے ''سئی الحفظ '' اور نسائی نے کہا ہے کہ ''لیس بالقوی '' (قوی نہیں) ابن سعد کے نزدیک ''کثیر الغلط '' تھا (تہذیب التہذیب جلد۶ص ۳۱۵ زیر نام عبدالعزیز بن محمد عبدالتواب اکیڈمی ملتان)'' (القول المبین ص ۶۸)
عرض ہے کہ امام عبدالعزیز بن محمد الدراوردی رحمہ اللہ کو امام یحییٰ بن معین، عجلی، امام مالک اور جمہور محدثین نے ثقہ قرار دیا ہے۔ دیکھئے تہذیب التہذیب (ج۶ص ۳۱۵۔۳۱۶، دوسرا نسخہ ج۶ص ۳۵۴۔۳۵۵) اور ہمارا رسالہ ماہنامہ الحدیث حضرو (۶۹ص ۳۷۔۴۴)
لہٰذا اُن پر بعض علماء کی جرح مرجوح اور غلط ہے۔
دوسرا یہ کہ امام احمد اور امام نسائی دونوں سے عبدالعزیز کی توثیق بھی مروی ہے اور ابن سعد نے انھیں ثقہ بھی لکھا ہے لہٰذا جمہور علماء کی توثیق کے مقابلے میں یہ تین اقوال پیش نہیں کئے جاسکتے۔ تیسرا یہ کہ سنن ابی داود (۴۳۳۴) والی یہی حدیث درج ذیل اماموں نے بھی

العلاء بن عبدالرحمٰن بن یعقوب رحمہ اللہ سے بیان کی ہے:

(۱) شعبہ بن الحجاج (مسند احمد ج ۲ ص ۴۵۷ ح ۹۸۹۷)

(۲) اسماعیل بن جعفر بن ابی کثیر (مسند ابی یعلیٰ الموصلی ج ۱۱ ص ۳۹۴ ح ۶۵۱۱)

۲۰) العلاء بن عبدالرحمٰن کے بارے میں قادیانی معترض نے لکھا ہے:

''اسی طرح ابوداؤد والی روایت کا دوسرا راوی العلاء بن عبدالرحمٰن بھی ضعیف ہے کیونکہ اس کے متعلق ابن معین کہتے ہیں ''ھٰؤ لاء الاربعة لیس حدیثھم حجةً (۱) سھل بن ابی صالح (۲) العلاء بن عبدالرحمن (۳) عاصم بن عبید الله (۴) ابن عقیل (تہذیب التہذیب جلد ۶ ص ۱۳۔۱۵) ان چاروں کی حدیث حجت نہیں ہے۔ پس جہاں تک راویوں کا تعلق ہے یہ روایت قابل استناد نہیں۔'' (القول المبین ص ۶۸۔۶۹)

عرض ہے کہ علاء بن عبدالرحمٰن کے حالات تہذیب التہذیب کی آٹھویں جلد میں ہیں۔ انھیں امام احمد بن حنبل، ابن حبان، ابن سعد، ترمذی اور جمہور محدثین نے ثقہ قرار دیا۔

(دیکھئے تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۱۶۶۔۱۶۷)

لہٰذا اُن پر جرح مردود ہے۔

امام ابن معین نے ایک قول میں علاء بن عبدالرحمٰن کو ''لیس به بأس'' کہا۔

(تاریخ عثمان بن سعید الدارمی: ۶۲۳، اور تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۱۶۶)

لہٰذا اُن کا علاء کو ضعیف کہنا مطلقاً نہیں بلکہ سعید المقبری کے مقابلے میں ہے۔

دیکھئے تہذیب التہذیب (ج ۸ ص ۱۶۷)

اور اگر کوئی شخص اسے مطلق سمجھتا ہے تو یہ قول جمہور کے خلاف ہونے اور بذاتِ خود توثیق سے معارض ومتناقض ہونے کی وجہ سے مرجوح وغلط ہے۔

فائدہ: امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ''إذا قلت: لیس به بأس فھو ثقة'' جب میں لیس به بأس کہوں تو وہ (راوی) ثقہ ہوتا ہے۔

(التاریخ الکبیر لابن ابی خیثمہ ص ۵۹۲ فقرہ: ۱۴۲۳، الکفایہ للخطیب البغدادی ص ۲۲ وسندہ صحیح)

قارئین کرام! آپ نے دیکھ لیا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہما کی صحیح احادیث پر جرح کرتے ہوئے اللہ دتا قادیانی جالندھری نے کتنی خیانتیں کی ہیں اور مسلمانوں کو دھوکا دینے کی کوشش کی ہے، حالانکہ یہ احادیث بلاشک وشبہ صحیح اور حجت ہیں۔ والحمد للہ

رہ گیا مسئلہ آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ صحیحہ کے بارے میں قادیانیوں کی باطنی تحریفاتِ معنویہ تو یہ سلف صالحین کے متفقہ فہم کے مقابلے میں سرے سے مردود اور باطل ہیں۔

خاتم النبیین کا معنی آخری نبی ہی ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((و أنا آخر الأنبياء)) اور میں آخری نبی ہوں۔ (السنہ لابن ابی عاصم: ۳۹۱ وسندہ صحیح)

اور اسی پر اُمتِ مسلمہ کا اجماع ہے۔

عیسیٰ بن مریم علیہ السلام جو ہمارے نبی ﷺ سے پہلے نبی تھے، قیامت سے پہلے آسمان سے نازل ہوں گے۔

آسمان سے نزول کے حوالے کے لئے دیکھئے کشف الاستار عن زوائد البزار (۴/ ۱۴۲۔ ۱۴۳ ح ۳۳۹۶ وسندہ صحیح) اور میری کتاب: علمی مقالات (ج ۱ ص ۱۱۱۔ ۱۱۲)

قیامت سے پہلے تیس (۳۰) دجال آئیں گے، جن کی متعین وموسوم بالاسماء تعداد کا علم اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے اور مسلمانوں کے اجماع سے یہ ثابت ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی بھی ان تیس دجالوں میں سے ایک دجال تھا۔ و ما علینا إلا البلاغ

(۴/ مارچ ۲۰۱۰ء)

[ختم شد]

''حدیث اور اہلحدیث'' نامی کتاب کے تیس (30) جھوٹ

الحمد لله رب العالمین و الصلوٰة و السلام علیٰ رسوله الأمین ، أما بعد :

جھوٹ بولنا کبیرہ گناہ ہے۔ نبی ﷺ نے ''قول الزور'' جھوٹے قول کو ((أکبر الکبائر)) کبیرہ گناہوں میں بڑا گناہ قرار دیا ہے۔

دیکھئے صحیح البخاری (۲۶۵۴) وصحیح مسلم (۸۷، دارالسلام: ۲۵۹)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((إنّ کذبًا عليّ لیس ککذب علی أحد ، من کذب عليّ متعمدًا فلیتبوأ مقعده من النار .))

مجھ پر جھوٹ بولنا کسی دوسرے آدمی پر جھوٹ بولنے کی طرح نہیں ہے۔ جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولا تو وہ اپنا ٹھکانا (جہنم کی) آگ میں بنالے۔

(صحیح بخاری: ۱۲۹۱، واللفظ له، وصحیح مسلم: ۴)

آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ((إنّ الذي یکذب عليّ یبنی له بیت فی النار .))

جو شخص مجھ پر جھوٹ بولتا ہے (تو) اس کے لئے (جہنم کی) آگ میں ایک گھر بنایا جاتا ہے۔ (مسند احمد ۲/ ۲۲ ح ۴۷۴۲ وسندہ صحیح)

نبی ﷺ نے فرمایا: ((من روی عني حدیثًا و هو یری أنه کذب فهو أحد الکاذبین .)) جس نے مجھ سے ایک حدیث بیان کی اور وہ جانتا ہے کہ یہ روایت جھوٹی ہے تو یہ شخص جھوٹوں میں سے ایک یعنی کذاب ہے۔ (مسند علی بن الجعد: ۱۴۰، وسندہ صحیح، صحیح مسلم: ۱)

سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: '' یا أیها الناس! إیاکم و الکذب فإن الکذب مجانب للإیمان . '' اے لوگو! جھوٹ سے بچو کیونکہ جھوٹ ایمان کے منافی ہے۔

(مسند احمد ۱/ ۵ ح ۱۶، وسندہ صحیح)

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''كل الخلال يطبع عليها المؤمن إلا الخيانة و الكذب .'' مومن میں ہر (بُری) خصلت ہوسکتی ہے سوائے خیانت اور جھوٹ کے۔ (ذم الکذب لابن ابی الدنیا: ۲۵ وسندہ صحیح)

حافظ ذہبی فرماتے ہیں: ''قد ذهب طائفة من العلماء إلى أن الكذب على النبي صلی اللہ علیہ وسلم كفر ينقل عن الملة ، و لا ريب أن تعمد الكذب على الله ورسوله في تحليل حرام أو تحريم حلالٍ كفر محض .''

علماء کے ایک گروہ کا یہ مذہب ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولنا کفر ہے جو (آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولنے والے کو) ملت (اسلامیہ) سے خارج کر دیتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حرام کو حلال یا حلال کو حرام کرنے کے لئے اللہ اور اس کے رسول پر جھوٹ بولنا کفرِ محض ہے۔ (کتاب الکبائر ص ۲۳ باب ۹ مطبوعہ مکتبۃ المعارف، الریاض)

اس تمہید کے بعد انوار خورشید دیوبندی کی کتاب ''حدیث اور اہلحدیث'' سے تیس موضوع و باطل روایتیں مع تبصرہ پیشِ خدمت ہیں، جن میں سیدنا و محبوبنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابۂ کرام اور تابعین پر جھوٹ بولا گیا ہے۔

جھوٹ نمبر ۱: انوار خورشید دیوبندی لکھتے ہیں:

''حضرت عمار بن یاسرؓ فرماتے ہیں کہ میں کنوئیں پر اپنی چھاگل میں پانی کھینچ رہا تھا کہ میرے پاس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے اور فرمایا کہ عمار کیا کر رہے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں میں اپنا کپڑا دھو رہا ہوں اسے تھوک لگ گیا ہے، آپ نے فرمایا عمار کپڑے کو پانچ چیزیں لگ جانے کی وجہ سے دھونا چاہئے۔ پیشاب، پاخانہ، قئے، خون اور منی۔ عمار تمہارا تھوک، تمہاری آنکھوں کے آنسو اور وہ پانی جو تمہاری چھاگل میں ہے سب برابر ہیں (یعنی سب پاک ہیں)'' (حدیث اور اہلحدیث ص ۱۴۷ نمبر ۱۱ بحوالہ دارقطنی ج ۱ ص ۱۲۷)

تبصرہ: اس روایت کے راوی ثابت بن حماد کے بارے میں امام دارقطنی نے فرمایا:

''لم يروه غير ثابت بن حماد و هو ضعيف جدًا'' إلخ اسے ثابت بن حماد کے سوا

کسی نے روایت نہیں کیا اور وہ سخت ضعیف ہے۔ (سنن الدارقطنی ۱/۱۲۷ ح ۴۵۲)

بیہقی نے فرمایا: ''فهذا باطل لا أصل له . . . وثابت بن حماد متهم بالوضع''
پس یہ (روایت) باطل ہے اس کی کوئی اصل نہیں... اور ثابت بن حماد وضعِ حدیث کے ساتھ متہم ہے۔ (السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۱۴) یعنی یہ شخص حدیثیں گھڑتا تھا۔

حافظ ابن تیمیہ نے اس روایت کے بارے میں فرمایا: ''هذا الحديث كذب عند أهل المعرفة'' یہ حدیث اہلِ معرفت (ماہر محدثین) کے نزدیک جھوٹ ہے۔

(لسان المیزان ج ۲ ص ۷۶، دوسرا نسخہ ج ۲ ص ۱۳۳)

تنبیہ: ابراہیم بن زکریا (ایک ضعیف شخص اور باطل روایات بیان کرنے والے) نے کہا:
''نا ثابت بن حماد و كان ثقة'' (البحر الزخار ۴/۲۳۴ ح ۱۳۹۷)

موضوع روایات بیان کرنے والے اس ابراہیم بن زکریا پر شدید جروح کے لئے دیکھئے لسان المیزان (۱/۵۸، ۵۹ دوسرا نسخہ ۱/۸۵، ۸۶) لہٰذا ابراہیم مذکور کا ثابت بن حماد کو ثقہ کہنا مردود ہے۔ یہاں پر یہ بات بڑی عجیب و غریب ہے کہ ابراہیم بن زکریا کی توثیق کو زیلعی نے بزار کی طرف منسوب کر دیا ہے۔! (دیکھئے نصب الرایہ ۱/۲۱۱)

حافظ برہان الدین الحلبی (متوفی ۸۴۱ھ) نے یہ روایت اپنی کتاب ''الكشف الحثيث عمن رمي بوضع الحديث'' میں ذکر کی ہے۔ (ص ۱۱۸ ت ۱۸۱)

جھوٹ نمبر ۲: حدیث اور اہلحدیث (ص ۱۶۸ نمبر ۵ بحوالہ دار قطنی ج ۱ ص ۱۲۷)

تبصرہ: یہ وہی موضوع روایت ہے جو جھوٹ نمبر ۱ میں مع تبصرہ گزر چکی ہے۔

جھوٹ نمبر ۳: انوار خورشید لکھتے ہیں:

''حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب تم میں سے کوئی وضو کرے تو اسے چاہئے کہ اللہ کا نام لے لے (بسم اللہ پڑھ لے) اس طرح سارا جسم پاک ہوگا اور اگر کسی نے دورانِ وضو اللہ کا نام نہ لیا تو جس عضو پر پانی جائے گا وہی پاک ہوگا۔'' (حدیث اور اہلحدیث ص ۱۸۰ نمبر ۴ بحوالہ بیہقی ج ۱ ص ۴۴)

تبصرہ: اس روایت کا ایک راوی ابوزکریا یحییٰ بن ہاشم السمسار ہے جس کے بارے میں ابن عدی نے کہا: ''یضع الحدیث ویسرقه'' وہ حدیثیں گھڑتا تھا اور حدیثیں چوری کرتا تھا۔ (الکامل ۲۷۰۶/۷، دوسرا نسخہ ۱۲۰/۹)

ابوحاتم الرازی نے کہا: ''کان یکذب'' إلخ وہ جھوٹ بولتا تھا۔ (الجرح والتعدیل ۱۹۵/۹)

محدث شہیر ابویحییٰ محمد بن عبدالرحیم البزاز عرف صاعقہ نے فرمایا: ''وکان یضع الحدیث'' اور وہ (یحییٰ بن ہاشم) حدیثیں گھڑتا تھا۔ (تاریخ بغداد ۱۶۵/۱۴، وسندہ صحیح)

حافظ ابن حبان اور عقیلی نے کہا: وہ ثقہ راویوں پر حدیثیں گھڑتا تھا۔

(المجروحین ۱۲۵/۳، الضعفاء للعقیلی ۴۳۲/۴)

جھوٹ نمبر ۴: انوار خورشید لکھتے ہیں:

''حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے وضوء کیا اور وضو کرتے وقت اللہ کا نام لیا تو یہ اس کے (سارے) بدن کی طہارت ہوگا، فرمایا جس نے وضو کیا اور وضو کرتے ہوئے اللہ کا نام نہ لیا تو یہ صرف اس اعضاء وضو کی طہارت ہوگا۔''

(حدیث اور اہلحدیث ص ۱۸۰ نمبر ۵ بحوالہ دارقطنی ج ۱ ص ۷۴)

تبصرہ: اس روایت کی سند میں ایک راوی عبداللہ بن حکیم (الداہری) ہے جس کے بارے میں جوزجانی نے کہا: ''کذاب'' جھوٹا ہے۔ (احوال الرجال: ۲۱۸)

ابونعیم الاصبہانی نے کہا: ''حدّث عن إسماعیل بن أبي خالد والأعمش والثوري بالموضوعات'' اس نے اسماعیل بن ابی خالد، اعمش اور ثوری سے موضوع روایتیں بیان کی ہیں۔ (کتاب الضعفاء: ۱۰۹)

عقیلی نے کہا: ''یحدّث بأحادیث لا أصل لها'' وہ ایسی حدیثیں بیان کرتا ہے جن کی کوئی اصل نہیں ہوتی۔ (کتاب الضعفاء ۲۴۱/۲، دوسرا نسخہ ۶۳۴/۲)

حافظ ذہبی نے کہا: ''واہٍ، متھم بالوضع'' کمزور ہے، متہم بالوضع ہے یعنی اس پر (محدثین کی طرف سے) حدیثیں گھڑنے کی جرح ہے۔ (دیکھئے المغنی فی الضعفاء: ۳۱۴۴)

جھوٹ نمبر۵: انوار خورشید لکھتے ہیں:

"حکیم بن سلمہ بنو حنیفہ کے ایک شخص سے جسے جری کہا جاتا ہے۔ روایت کرتے ہیں کہ ایک صاحب نبی علیہ الصلوٰۃ السلام کے پاس آئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ بسا اوقات میں نماز میں مشغول ہوتا ہوں اور میرا ہاتھ شرمگاہ پر پڑ جاتا ہے؟ آپ نے فرمایا نماز جاری رکھا کرو۔"

(حدیث اور اہلحدیث ص ۱۹۸ نمبر ۲ بحوالہ ابن مندہ واعلاء السنن ج ۱ ص ۱۱۹)

تبصرہ: اس روایت کی سند کا دارومدار سلام الطویل پر ہے جس کے بارے میں ابن حبان نے کہا: "یروي عن الثقات الموضوعات کأنه کان المتعمد لها"

وہ ثقہ راویوں سے موضوع روایتیں بیان کرتا تھا گویا کہ وہ جان بوجھ کر ایسا کرتا تھا۔

(المجروحین ۱/۳۳۹، نصب الرایہ ۲/۴۱۲ واللفظ لہ)

جھوٹ نمبر۶: انوار خورشید نے لکھا ہے:

"حضرت علی کرم اللہ وجہ فرماتے ہیں کہ تیمم میں دو ضربیں ہوتی ہیں ایک ضرب چہرہ کے لئے اور ایک کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں کے لئے۔"

(حدیث اور اہلحدیث ص ۲۲۳ نمبر ۷ بحوالہ مسند امام زید ص ۷۷)

تبصرہ: مسند زید کا بنیادی راوی ابو خالد عمرو بن خالد الواسطی ہے۔ (دیکھئے مسند زید ص ۴۸)

اس عمرو بن خالد کے بارے میں امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: کذاب.

(الجرح والتعدیل ۶/۲۳۰ وسندہ صحیح، تاریخ ابن معین: ۱۵۰۲ واللفظ لہ)

امام اسحاق بن راہویہ نے فرمایا: عمرو بن خالد الواسطی حدیث گھڑتا تھا۔

(الجرح والتعدیل ۶/۲۳۰ وسندہ حسن)

ابو زرعہ الرازی نے کہا: "وکان یضع الحدیث" اور وہ حدیثیں گھڑتا تھا۔

(الجرح والتعدیل ۶/۲۳۰)

امام وکیع بن الجراح نے کہا: "کان کذاباً" وہ کذاب (جھوٹا) تھا۔

(کتاب المعرفۃ والتاریخ للامام یعقوب بن سفیان الفارسی ج ۱ ص ۷۰۰ وسندہ صحیح)

دارقطنی نے کہا: کذاب (الضعفاء والمتروکون للدارقطنی: ۴۰۳)

جھوٹ نمبر ۷: انوارخورشید نے لکھا ہے:

''حضرت ابوامامہؓ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا حیض کی کم ازکم مدت ۳ دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے۔''

(حدیث اور اہلحدیث ص ۲۲۶ نمبر ۱، بحوالہ الکبیر والاوسط للطبرانی، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۸۰)

تبصرہ: اس روایت کا ایک راوی العلاء بن کثیر ہے جس کے بارے میں حافظ ابن حبان نے فرمایا: ''یروي الموضوعات عن الأثبات''

یہ ثقہ راویوں سے موضوع روایات بیان کرتا تھا۔ (المجروحین ۲/۱۸۱، ۱۸۲)

جھوٹ نمبر ۸: انوارخورشید نے لکھا ہے:

''حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ آیت کریمہ و اذا قرئ القرآن کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔'' (حدیث اور اہلحدیث ص ۳۰۰ نمبر ۴ بحوالہ کتاب القراءۃ للبیہقی ص ۸۷)

تبصرہ: اس روایت کا دارومدار ہشام بن زیاد پر ہے جس کے بارے میں ابن حبان نے کہا: ''کان ممن یروي الموضوعات عن الثقات'' إلخ وہ ان لوگوں میں تھا جو ثقہ راویوں سے موضوع روایتیں بیان کرتے ہیں۔ (المجروحین ۳/۸۸)

تنبیہ: کذاب، متروک، جمہور کے نزدیک مجروح راوی اور موضوع روایتیں بیان کرنے والے کو بعض محدثین کا ضعیف وغیرہ کہنا چنداں مفید نہیں ہوتا بلکہ وہ کذاب کا کذاب ہی رہتا ہے۔

جھوٹ نمبر ۹: انوارخورشید دیوبندی نے لکھا ہے:

''حضرت عمرؓ بن خطاب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ظہر کی نماز پڑھائی تو ایک صاحب اپنے جی ہی جی میں آپ کے ساتھ قرأت کرنے لگے۔ نماز پوری ہوئی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا کہ کیا تم میں سے کسی نے میرے ساتھ قراءت کی ہے۔ تین دفعہ آپ نے یہ سوال کیا، ایک صاحب بولے جی ہاں یارسول اللہ میں سبح اسم ربك الاعلٰی پڑھ رہا تھا۔

آپ نے فرمایا کیا ہو گیا کہ مجھے قرآن کی قرأت میں کشمکش میں ڈالا جاتا ہے کیا تمہیں امام کی قراءۃ کافی نہیں ہے۔ امام تو بنایا ہی اس لئے جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے لہٰذا جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہا کرو۔''

(حدیث اور اہلحدیث ص ۳۰۵، ۳۰۶ نمبر ۱۵، بحوالہ کتاب القرأۃ للبیہقی ص ۱۱۴)

تبصرہ: اس موضوع روایت کا ایک راوی عبدالمنعم بن بشیر ہے جس کے بارے میں امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: '' أتيته فأخرج إلينا أحاديث أبي مودود نحو مائتي حديث كذب '' میں اس کے پاس گیا تو اس نے ہمارے سامنے ابومودود کی تقریباً دوسو جھوٹی روایتیں پیش کیں۔ (سوالات ابن الجنید الختلی: ۸۰۷)

محدث خلیلی نے کہا: '' وهو وضاع على الأئمة''

اور وہ (عبدالمنعم بن بشیر) اماموں پر جھوٹ گھڑنے والا ہے۔ (الارشاد ۱/۱۵۸)

امام احمد بن حنبل نے اسے '' الكذاب '' کہا۔

(لسان المیزان ۴/۷۵ دوسرا نسخہ ۴/۷۹، الارشاد للخلیلی ۱/۱۵۹)

امام احمد نے ابومودود کو ثقہ کہا: (میزان الاعتدال ۲/۶۶۹، کتاب العلل ومعرفۃ الرجال لاحمد ۱/۲۱۲ فقرہ: ۱۱۵۳)

بعض ناسمجھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ توثیق عبدالمنعم کی ہے حالانکہ یہ توثیق ابومودود کی ہے۔

عبدالمنعم بن بشیر کے بارے میں حاکم نے کہا: اس نے مالک اور عبداللہ بن عمر سے موضوع روایتیں بیان کی ہیں الخ (المدخل ص ۱۷۷، فقرہ: ۱۴۲)

لہٰذا یعقوب بن سفیان کا اس کذاب سے روایت کرنا چنداں مفید نہیں ہے۔

اس سند کا دوسرا راوی عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم عن ابیہ الخ ہے۔ حاکم نے کہا: عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے اپنے ابا سے موضوع روایتیں بیان کی ہیں۔ الخ (المدخل ص ۱۵۴ ت ۹۷)

خلاصہ یہ کہ یہ سند موضوع ہے۔

جھوٹ نمبر ۱۰: انوار خورشید لکھتے ہیں:

'' حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی علیہ الصلوٰۃ السلام سے پوچھا کہ میں امام کے پیچھے

قرأت کروں یا خاموش رہوں۔ آپ نے فرمایا خاموش رہو کیونکہ تمہیں امام کی قرأت ہی کافی ہے۔'' (حدیث اور اہلحدیث ص ۳۰۶ نمبر ۱۷، بحوالہ کتاب القرأۃ للبیہقی ص ۱۶۳)

تبصرہ: یہ روایت بیان کر کے امام بیہقی نے حارث بن عبداللہ الاعور (اس روایت کے راوی) پر شدید جرح کر رکھی ہے۔ مشہور تابعی امام شعبی رحمہ اللہ نے فرمایا: مجھے حارث الاعور نے حدیث بیان کی اور وہ کذاب (جھوٹا) تھا۔ (صحیح مسلم، ترقیم دارالسلام: ۴۴)

امام شعبی گواہی دیتے تھے کہ حارث الاعور جھوٹوں میں سے ایک ہے۔

(صحیح مسلم، دارالسلام: ۴۵ وسندہ صحیح)

ایک دفعہ مشہور تابعی مرہ الہمدانی رحمہ اللہ حارث الاعور کو قتل کرنا چاہتے تھے لیکن وہ بھاگ گیا۔ (صحیح مسلم: ۴۹)

ابراہیم (نخعی) اسے متہم سمجھتے تھے۔ (صحیح مسلم: ۴۸)

امام علی بن عبداللہ المدینی نے کہا کہ حارث (الاعور) کذاب ہے۔

(احوال الرجال للجوزجانی: ۱ اص ۴۶ وسندہ صحیح)

امام ابوخیثمہ زہیر بن حرب نے فرمایا: ''الحارث الأعور کذاب''

حارث اعور کذاب ہے۔ (الجرح والتعدیل ۳/ ۷۹ وسندہ صحیح)

ان کے علاوہ جمہور محدثین نے حارث الاعور پر جرح کر رکھی ہے لہٰذا بعض کی طرف سے اس کی توثیق مردود ہے اور یہ کہنا کہ شعبی نے اسے اس کی رائے میں جھوٹا کہا ہے، صحیح نہیں ہے۔ نیز دیکھئے حاشیہ تہذیب الکمال (ج ۲ ص ۲۰ تحقیق بشار عواد معروف)

جھوٹ نمبر ۱۱: انوار خورشید نے لکھا ہے:

''نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھی۔ میری داہنی طرف ایک انصاری صحابی تھے۔ انہوں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیچھے قرأت کی اور میری بائیں طرف قبیلہ مزینہ کے ایک صاحب تھے جو کنکریوں سے کھیل رہے تھے جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے پوچھا کہ میرے پیچھے کس نے قراءت کی ہے۔ انصاری

بولے میں نے یارسول اللہ: آپ نے فرمایا ایسا مت کرو کیونکہ جو امام کی اقتداء کرے، تو امام کی قراءت ہی مقتدی کی قراءت ہوتی ہے، جو صاحب کنکریوں سے کھیل رہے تھے ان سے فرمایا تمھیں نماز سے یہی حصہ ملا ہے۔''

(حدیث اور اہلحدیث ص ۳۱۸، ۳۱۹ نمبر ۴۲ بحوالہ کتاب القراءۃ للبیہقی ص ۱۷۶)

تبصرہ: یہ روایت بیان کرنے کے بعد امام بیہقی نے لکھا ہے: ''هذا إسناد باطل ....'' یہ سند باطل ہے۔ (کتاب القراءت ص ۱۷۷ ح ۴۱۸)

اس کا ایک راوی محمد بن اسحاق الاندلسی ہے جس کے بارے میں امام دارقطنی نے فرمایا: ''محمد بن محصن ويقال ابن إسحاق الأندلسى العكاشي عن الثوري والأوزاعي وابن عجلان و ابن أبي عبلة متروك يضع''

محمد بن محصن اور کہا جاتا ہے ابن اسحاق اندلسی اور عکاشی: ثوری، اوزاعی، ابن عجلان اور ابن ابی عبلہ سے روایت کرتا ہے، متروک ہے، روایتیں گھڑتا ہے۔ (سوالات البرقانی: ۴۵۹)

محمد بن محصن العکاشی الاسدی کے شاگردوں میں سلیمان بن سلمہ الخبائری ہے۔ (تہذیب الکمال ۴۹۶/۵) اور کتاب القراءت میں بھی اس کا شاگرد سلیمان بن سلمہ ہے۔

محمد بن اسحاق العکاشی کے بارے میں امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: کذاب

(کتاب الضعفاء للعقیلی ۲۹/۴ وسندہ حسن)

ابن حبان نے کہا: ''شيخ يضع الحديث على الثقات ، لا يحل ذكره فى الكتب إلا على سبيل القدح فيه'' شیخ، ثقہ راویوں پر حدیث گھڑتا تھا، کتابوں میں اس پر جرح کے بغیر اس کا ذکر حلال نہیں ہے۔ (المجروحین ۲۷۷/۲)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے محمد بن اسحاق الاندلسی اور محمد بن محصن کو علیحدہ علیحدہ قرار دیا ہے لیکن حافظ صاحب کی یہ بات محلِ نظر ہے۔

اس روایت کا دوسرا راوی سلیمان بن سلمہ (الخبائری) ہے جس کے بارے میں امام علی بن الحسین بن جنید نے کہا: كان يكذب وہ جھوٹ بولتا تھا الخ (الجرح والتعدیل ۱۲۲/۴ وسندہ صحیح)

ابن حبان نے کہا: ''كان يروي الموضوعات عن الأثبات''
وہ ثقہ راویوں سے موضوع روایتیں بیان کرتا تھا۔ (المجروحین ۳۲/۳ ترجمۃ مؤمل بن سعید الرحبی)
جو مردود روایتیں امام بیہقی اپنی کتاب القراءت میں بطورِ رد بیان کرتے ہیں اور ان پر جرح کرتے ہیں تو ان سے یہ تقلیدی حضرات استدلال کرتے ہیں۔ سبحان الله !
کیا انصاف ہے؟!

جھوٹ نمبر ۱۲: انوار خورشید لکھتے ہیں:

''حضرت بلال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں امام کے پیچھے قرأت نہ کروں۔'' (حدیث اور اہلحدیث ص ۳۲۰ نمبر ۷ بحوالہ کتاب القرأۃ للبیہقی ص ۱۷۵)

تبصرہ: یہ روایت بیان کرنے کے بعد امام بیہقی نے فرمایا کہ ابو عبداللہ الحافظ (حاکم نیشاپوری) نے کہا: ''هذا باطل'' إلخ یہ باطل ہے۔ (کتاب القراءت ص ۱۷۶)
اس کا راوی ابو حامد احمد بن محمد بن القاسم السرخسی متہم ہے۔ (لسان المیزان ۲۹۰/۱)
یعنی وہ وضعِ حدیث کے ساتھ متہم ہے۔ (الکشف الحثیث عمن رمی بوضع الحدیث ص ۸۲ رقم: ۱۰۵)
اس کا دوسرا راوی اسماعیل بن الفضل ہے۔ سیوطی نے کہا: ''وإسماعيل كذاب''
اور اسماعیل بن الفضل کذاب ہے۔ (ذیل اللآلی المصنوعۃ ص ۱۱۳)

جھوٹ نمبر ۱۳: انوار خورشید دیوبندی نے لکھا ہے:

''حضرت علقمہؒ سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا مجھے جنڈ درخت کے جلتے کوئلوں کو منہ میں لے لینا اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں امام کے پیچھے قرأت کروں۔''

(حدیث اور اہلحدیث ص ۳۳۱ نمبر ۳ بحوالہ کتاب القراءت للبیہقی ص ۱۴۵، وموطأ محمد بن الحسن الشیبانی ص ۹۸)

تبصرہ: موطأ شیبانی میں تو یہ روایت ان الفاظ یا مفہوم کے ساتھ مجھے نہیں ملی اور شیبانی مذکور بذاتِ خود مجروح ہے۔ اس کے بارے میں اسماء الرجال کے مشہور امام یحییٰ بن معین نے گواہی دی: ''جهمي كذاب'' وہ جہمی کذاب (جھوٹا) ہے۔

(کتاب الضعفاء للعقیلی ۵۲/۴ وسندہ صحیح)

اور فرمایا: ''ليس بشئ ولا تكتب حديثه''
وہ کوئی چیز نہیں ہے اور تم اس کی حدیث نہ لکھو۔ (تاریخِ بغداد ۲/۱۸۰، ۱۸۱، وسندہ حسن)
امامِ اہلِ سنت احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا: ''ليس بشئ ولا يكتب حديثه''
وہ کوئی چیز نہیں ہے اور اس کی حدیث نہ لکھی جائے۔ (الکامل لابن عدی ۶/۲۱۸۳ وسندہ صحیح)
کتاب القراءت للبیہقی میں اس کا راوی عمرو بن عبدالغفار ہے جس کے بارے میں ابن عدی نے کہا: وہ جب فضائل میں کچھ بیان کرے تو متہم ہے اور سلف (صالحین) اسے متہم قرار دیتے تھے کہ وہ فضائل اہلِ بیت میں حدیثیں گھڑتا ہے۔ الخ

(الکامل ۵/۱۷۹۷، دوسرا نسخہ ۶/۲۵۳)

ذہبی نے کہا: ''هالك'' عمرو بن عبدالغفار ہلاک کرنے والا ہے۔ (المغنی فی الضعفاء: ۴۶۷۸)
جھوٹ نمبر ۱۴: انوار خورشید دیوبندی نے لکھا ہے:
'' حضرت امام ابوحنیفہؒ حضرت حمادؒ سے اور وہ حضرت ابراہیم نخعیؒ سے اور وہ حضرت اسودؒ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پہلی تکبیر میں رفع یدین کرتے تھے۔ اس کے بعد نماز میں کسی اور جگہ رفع یدین نہیں کرتے تھے اور وہ اس عمل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے تھے۔'' (حدیث اور اہلحدیث ص ۳۹۷ نمبر ۱۵، بحوالہ جامع المسانید ج ۱ ص ۳۵۵)
تبصرہ: جامع المسانید میں اس کا بنیادی راوی ابومحمد عبداللہ بن محمد بن یعقوب البخاری الحارثی ہے جس کے بارے میں ابواحمد الحافظ اور ابوعبداللہ الحاکم نے فرمایا:
''كان .... ينسج الحديث'' وہ حدیثیں بناتا تھا۔

(کتاب القراءت للبیہقی ص ۱۵۴، دوسرا نسخہ ص ۱۷۸ ح ۳۸۸ وسندہ صحیح)

برہان الدین الحلبی نے اسے ''الكشف الحثيث عمن رمي بوضع الحديث'' میں ذکر کیا ہے۔ (ص ۲۴۸ رقم: ۴۱۱) اس روایت کی باقی سند بھی مردود ہے۔ مفصل تحقیق کے لئے دیکھئے نور العینین طبع دسمبر ۲۰۰۶ء (ص ۴۳)
جھوٹ نمبر ۱۵: انوار خورشید نے لکھا ہے:

''حضرت جابرؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سالم بن عبداللہ بن عمرؒ کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا کہ انہوں نے اپنے والد (حضرت عبداللہ بن عمرؓ) کو دیکھا کہ انہوں نے رفع یدین کیا، تکبیرِ تحریمہ کہتے وقت اور رکوع میں جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت میں نے اُن سے اس کے متعلق سوال کر دیا۔ انہوں نے بتلایا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا تھا۔''

(حدیث اور اہلحدیث ص ۴۰۸ بحوالہ مسند احمد ج ۲ ص ۴۶)

تبصرہ: جابر سے مراد جابر بن یزید الجعفی ہے جس کے بارے میں امام ابوحنیفہ نے فرمایا:
''ما رأیت أحدًا أکذب من جابر الجعفي ولا أفضل من عطاء بن أبي رباح''
میں نے جابر جعفی سے زیادہ جھوٹا اور عطاء بن ابی رباح سے زیادہ افضل کوئی نہیں دیکھا۔

(العلل الصغیر للترمذی مع السنن ص ۸۹۱ وسندہ حسن، تاریخ ابن معین روایۃ الدوری: ۱۳۹۸ مختصراً وسندہ حسن)

امام یحییٰ بن معین نے کہا: ''وکان جابر کذابًا'' اور جابر (جعفی) کذاب تھا۔

(تاریخ ابن معین، روایۃ الدوری: ۱۳۹۷)

زائدہ بن قدامہ نے کہا: ''کان جابر الجعفي کذابًا یؤمن بالرجعة''
جابر جعفی کذاب تھا، (شیعہ کے خود ساختہ نظریہ) رجعت (سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دنیا میں دوبارہ آنے) کا عقیدہ رکھتا تھا۔ (روایۃ الدوری: ۱۳۹۹، وسندہ صحیح)

جوزجانی نے کہا: ''کذاب'' (احوال الرجال: ۲۸) ابن حبان نے کہا: وہ سبائی (رافضی) تھا۔ (المجروحین ۱/۲۰۸) ان کے علاوہ جمہور نے اس پر جرح کی ہے لہٰذا بعض محدثین کی طرف سے اس کی توثیق مردود ہے۔

اس موضوع روایت پر انوار خورشید نے باب باندھا ہے: ''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو رفع یدین کرتے دیکھ کر حضرت سالمؒ اور قاضی محارب بن دثارؒ کا اعتراض کرنا۔''

(حدیث اور اہلحدیث ص ۴۰۸)

یہ عنوان سراسر غلط اور جھوٹ ہے۔ استاد سے شاگرد کا علم حاصل کرنے کے لئے دلیل پوچھنا اعتراض نہیں کہلاتا۔ مشہور محدث ابو العباس محمد بن اسحاق بن ابراہیم السراج فرماتے ہیں:

''ثنا محمد بن علي بن شقيق قال :سمعت أبي :أنا أبو حمزة عن سليمان الشيباني قال :رأيت سالم بن عبدالله إذا افتتح الصلوٰة . رفع يديه فلما ركع رفع يديه فلما رفع رأسه رفع يديه فسألته فقال :رأيت أبي يفعله فقال : رأيت رسول الله ﷺ يفعله .''سلیمان الشیبانی سے روایت ہے کہ میں نے سالم بن عبداللہ (بن عمر) کو دیکھا، جب انھوں نے نماز شروع کی رفع یدین کیا پھر جب رکوع کیا تو رفع یدین کیا، پھر جب (رکوع سے) سر اٹھایا تو رفع یدین کیا۔پس میں نے ان سے پوچھا تو انھوں نے فرمایا: میں نے اپنے ابا (ابن عمر رضی اللہ عنہ) کو ایسا کرتے دیکھا، پھر انھوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا کرتے دیکھا۔

(حدیث سراج ج ۲ ص ۳۴، ۳۵ ح ۱۱۵، وسندہ صحیح، قلمی ص ۱۰، الف)

ابوحمزہ السکری کی بیان کردہ اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ رفع یدین منسوخ نہیں ہوا بلکہ اس پر رسول اللہ ﷺ نے عمل کیا پھر آپ کی وفات کے بعد ابن عمر رضی اللہ عنہ نے عمل کیا اور ان کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے سالم بن عبداللہ رحمہ اللہ نے عمل کیا۔ نبی ﷺ، صحابی اور تابعی کے مسلسل عمل کے بعد بھی اسے منسوخ قرار دینا بہت بڑا ظلم ہے جس کا منکرینِ رفع یدین کو جواب دینا پڑے گا۔ان شاءاللہ

سلیمان الشیبانی کے سوال کو اعتراض قرار دینا ان لوگوں کا کام ہے جو دن کو رات اور حق کو باطل ثابت کرنے کی کوشش میں مسلسل مگن ہیں۔

کیا روئے زمین پر کوئی ایسا منکرِ رفع یدین موجود ہے جو سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے سالم بن عبداللہ سے ترکِ رفع یدین ثابت کردے؟ جب سالم سے ترکِ رفع یدین ثابت نہیں تو ان کے والد سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی ترکِ رفع یدین ثابت نہیں ہے۔ والحمدللہ

جھوٹ نمبر ۱۶: انوار خورشید نے لکھا ہے:

''حضرت جابر سے مروی ہے کہ حضرت اسود بن یزید اور حضرت علقمہ نماز کے شروع میں رفع یدین کرتے تھے پھر نہیں کرتے تھے۔'' (حدیث اور اہلحدیث ص ۴۱۳ بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۳۶)

تبصرہ: اس کی سند میں جابر جعفی مشہور کذاب ہے جس کا ذکر جھوٹ نمبر ۱۵ کے تحت گزر چکا ہے۔امام ابوحنیفہ نے بھی جابر جعفی کو کذاب قرار دیا ہے۔

جھوٹ نمبر ۱۷: انوار خورشید نے لکھا ہے:

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا، ہر نماز کے بعد جو بندہ بھی اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر یہ دعا مانگتا ہے۔ اَللّٰھُمَّ اِلٰھِیْ.... تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہو جاتا ہے کہ وہ ان ہاتھوں کو ناکام نہ لوٹائیں۔''

(حدیث اور اہلحدیث ص ۴۷۳ نمبر ۱۱، بحوالہ عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی ص ۴۶)

تبصرہ: عمل الیوم واللیلہ (ح ۱۳۸) کی اس روایت کا راوی عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن ہے جس کے بارے میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا: ''اضرب علی أحادیثه، هي كذب'' إلخ اس کی حدیثوں کو کاٹ دو، یہ جھوٹی ہیں۔

(کتاب العلل ومعرفۃ الرجال ۲/۲۶۹ فقرہ: ۱۹۳۳، کتاب الجرح والتعدیل ۵/۳۸۸ وسندہ صحیح)

تنبیہ: مفتی رشید احمد لدھیانوی دیوبندی نے علانیہ لکھا ہے:

''نماز کے بعد اجتماعی دعاء کا مروجہ طریقہ بالاجماع بدعت قبیحہ شنیعہ ہے۔

دعاء بعد الفرائض میں رفع یدین نہیں، الاان یدعو احیانا لحاجة خاصة۔''

(نمازوں کے بعد دعاء ص ۱۹، احسن الفتاویٰ ج ۱۰)

جھوٹ نمبر ۱۸: انوار خورشید دیوبندی نے لکھا ہے:

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب عورت نماز میں بیٹھے تو اپنی ایک ران دوسری ران پر رکھے اور جب سجدہ کرے تو اپنے پیٹ کو رانوں سے چپکا لے اس طرح کہ اس کے لئے زیادہ سے زیادہ پردہ ہو جائے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر (رحمت) فرما کر ارشاد فرماتے ہیں کہ اے فرشتوں میں تمہیں گواہ بناتا ہوں اس بات پر کہ میں نے اسے بخش دیا ہے۔''

(حدیث اور اہلحدیث ص ۴۸۱ نمبر ۵ بحوالہ کنز العمال ج ۷ ص ۵۴۹)

تبصرہ: یہ روایت کنز العمال میں بحوالہ بیہقی (۲/۲۲۳) اور ابن عدی (الکامل ۲/۵۰۱)

مذکور ہے۔ اس کے راوی محمد بن قاسم البلخی کی ایک روایت کے بارے میں ابن حبان نے کہا: اس سے اہلِ خراسان نے ایسی چیزیں روایت کی ہیں جن کا کتابوں میں ذکر کرنا حلال نہیں ہے۔ الخ (المجروحین ۲/۳۱۱)

اس روایت کے دوسرے راوی ابو مطیع الحکم بن عبداللہ البلخی کے بارے میں حافظ ذہبی نے کہا: ''فھٰذا وضعه أبو مطیع علی حماد'' یہ روایت ابو مطیع نے حماد بن سلمہ پر گھڑی ہے۔ (میزان الاعتدال ۳/۴۲ ترجمۃ عثمان بن عبداللہ الاموی)

جھوٹ نمبر ۱۹: انوار خورشید نے لکھا ہے:

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عورتیں کیسے نماز پڑھتی تھیں آپ نے فرمایا چہار زانوں بیٹھ کر پھر انہیں حکم دیا گیا کہ وہ خود سمٹ کر بیٹھا کریں۔''

(حدیث اور اہلحدیث ص ۴۸۲ نمبر ۱۰، بحوالہ جامع المسانید ج ۱ ص ۴۰۰)

تبصرہ: جامع المسانید میں اس کی دو سندیں ہیں:

پہلی سند: اس میں ابو محمد البخاری الحارثی کذاب ہے جیسا کہ جھوٹ نمبر ۱۴ کے تبصرہ میں باحوالہ گزر چکا ہے۔ ابن خالد، زر بن نجیح اور ابراہیم بن مہدی نامعلوم ہیں۔ ایک ابراہیم بن مہدی کذاب تھا۔ دیکھئے تقریب التہذیب (۲۵۷ ولفظہ: کذبوہ)

دوسری سند: اس میں قاضی عمر بن الحسن بن علی الاشنانی جمہور کے نزدیک ضعیف ہے۔ دارقطنی نے کہا: ''وکان یکذب'' اور وہ جھوٹ بولتا تھا۔ (سوالات الحاکم للدارقطنی: ۲۵۲)

برہان الدین الحلبی نے اسے واضعینِ حدیث میں ذکر کیا ہے اور کوئی دفاع نہیں کیا۔ دیکھئے الکشف الحثیث عمن رمی بوضع الحدیث (ص ۳۱۱، ۳۱۲ ت ۵۴۱)

اس میں بھی ابن خالد، زر بن نجیح اور ابراہیم بن مہدی نامعلوم ہیں۔

جھوٹ نمبر ۲۰: انوار خورشید دیوبندی نے لکھا ہے:

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہمیں امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس بات سے منع کیا ہے کہ ہم لوگوں کو امامت کروائیں قرآن میں دیکھ کر اور اس بات سے بھی کہ ہماری

امامت کرائے نابالغ۔'' (حدیث اوراہلحدیث ص۴۹۱ نمبر۳ بحوالہ کنز العمال ج۸ص۲۶۳)

تبصرہ: کنز العمال میں یہ روایت بحوالہ ابن ابی داود مذکور ہے۔ ابن ابی داود کی کتاب المصاحف (ص ۲۱۷) میں یہ روایت موجود ہے لیکن اس کی سند میں نہشل بن سعید راوی ہے جس کے بارے میں امام اسحاق بن راہویہ نے فرمایا: ''نهشل كذاب''

نہشل کذاب (جھوٹا) ہے۔ (الجرح والتعدیل ۲۹۶/۸ وسندہ صحیح)

ابوعبداللہ الحاکم نے کہا: ''روى عن الضحاك بن مزاحم الموضوعات'' إلخ

اس نے ضحاک بن مزاحم سے موضوع روایتیں بیان کی ہیں۔ (المدخل الی الصحیح ص۲۱۸ ت۲۰۹)

یادرہے کہ روایتِ مذکورہ کو نہشل نے ضحاک (بن مزاحم) سے بیان کررکھا ہے۔

جھوٹ نمبر۲۱: انوار نے لکھا ہے:

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ہمیں اس سے منع فرمایا ہے کہ ہم قرآن میں دیکھ کر لوگوں کی امامت کریں اور اس سے منع فرمایا ہے کہ ہماری امامت بالغ کے علاوہ کوئی اور کرائے۔''

(حدیث اوراہلحدیث ص۵۳۲ نمبر۳ بحوالہ کنز العمال ج۸ص۲۶۳)

تبصرہ: یہ بھی موضوع روایت ہے جو کہ انوار خورشید کے جھوٹ نمبر۲۰ کے تحت گزرچکی ہے، اس کا راوی نہشل بن سعید کذاب ہے۔

جھوٹ نمبر۲۲: انوار خورشید لکھتے ہیں:

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا وتر واجب ہیں ہر مسلمان پر۔''

(حدیث اوراہلحدیث ص۵۴۸ نمبر۱۱، بحوالہ کشف الاستار عن زوائد البزار ج۱ص۳۵۲)

تبصرہ: اس کا بنیادی راوی جابر الجعفی ہے۔

(دیکھئے کشف الاستار: ۷۳۳، الدرایہ ص۱۱۳، حاشیہ نصب الرایہ ج۲ص۱۱۲)

جابر جعفی کو امام ابوحنیفہ نے جھوٹا قرار دیا ہے۔ دیکھئے انوار خورشید کا جھوٹ نمبر۱۵

جھوٹ نمبر۲۳: انوارخورشید نے لکھا ہے:

''حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ وتر تین رکعات ہیں جن میں صرف آخری رکعت ہی میں سلام پھیرا جائے گا۔''

(حدیث اور اہلحدیث ص ۵۷۴ بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ ج۲ص ۲۹۴)

تبصرہ: حسن بصری سے اس جعلی اجماع کا راوی عمرو بن عبید المعتزلی ہے جس کے بارے میں عوف الاعرابی نے کہا: ''كذب والله عمرو'' اللہ کی قسم عمرو نے جھوٹ بولا ہے۔

(الجرح والتعدیل ۲۴۷/۳ وسندہ صحیح)

یونس نے کہا: عمرو بن عبید حدیث میں جھوٹ بولتا تھا۔ (الجرح والتعدیل ۲۴۶/۳ وسندہ حسن)

حمید نے کہا: وہ حسن (بصری) پر جھوٹ بولتا ہے۔ (ایضاً ص ۲۴۶ وسندہ صحیح)

ایوب سختیانی نے کہا: (عمرو نے حسن پر) جھوٹ بولا۔ (التاریخ الصغیر للبخاری ۶۷/۲ وسندہ صحیح)

ایسے کذاب راوی کی روایت پیش کر کے صرف تین وتر پر اجماع ثابت کیا جا رہا ہے۔ سبحان اللہ

تنبیہ: نبی کریم ﷺ، صحابۂ کرام اور تابعینِ عظام سے ایک وتر کا قولاً و فعلاً ثبوت بہت سی صحیح روایات میں آیا ہے۔ خلیل احمد سہارنپوری دیوبندی لکھتے ہیں:

''وتر کی ایک رکعت احادیث صحاح میں موجود ہے اور عبداللہ بن عمرؓ اور ابن عباس وغیرہما صحابہؓ اس کے مقر اور مالکؒ و شافعیؒ و احمدؒ کا وہ مذہب پھر اس پر طعن کرنا مؤلف کا ان سب پر طعن ہے کہو اب ایمان کا کیا ٹھکانا....'' (براہینِ قاطعہ ص ۷)

جھوٹ نمبر۲۴: انوارخورشید نے لکھا ہے:

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے اہل مکہ تم چار برید سے کم کے سفر میں قصر نہ کیا کرو چار برید مکہ مکرمہ سے عسفان تک ہوتے ہیں۔''

(حدیث اور اہلحدیث ص ۷۲۰، ۷۲۱ نمبر ۱۵، بحوالہ مجمع الزوائد ج۲ص ۱۵۷)

تبصرہ: یہ روایت مجمع الزوائد میں بحوالہ الکبیر للطبرانی مذکور ہے اور المعجم الکبیر للطبرانی (۹۶/۱۱، ۹۷ ح ۱۱۱۶۲) سنن الدارقطنی (۳۸۷/۱ ح ۱۴۳۲) اور السنن الکبریٰ للبیہقی

(۳/۱۳۷، ۱۳۸) میں عبدالوہاب بن مجاہد کی سند سے مذکور ہے۔ عبدالوہاب بن مجاہد مذکور کے بارے میں حاکم نیشاپوری نے کہا: عبدالوہاب اپنے باپ سے موضوع حدیثیں بیان کرتا تھا۔ (المدخل الی الصحیح ص ۱۷۱)

ابن معین نے کہا: لا شيء وہ کوئی چیز نہیں ہے۔ (سوالات ابن الجنید: ۲۶۴)

جھوٹ نمبر ۲۵: انوار نے لکھا ہے:

''حضرت مجاہد رحمہ اللہ حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا جب تم پندرہ دن اقامت کا ارادہ کرلو تو پھر نماز پوری پڑھو۔''

(حدیث اور اہلحدیث ص ۴۴۷ نمبر ۴ بحوالہ جامع المسانید ج ۱ ص ۴۰۴)

تبصرہ: اس کا ایک راوی ابو مطیع البلخی کذاب ہے جیسا کہ انوار خورشید کے جھوٹ نمبر ۱۸ میں گزر چکا ہے۔ دوسرا راوی ابن عقدہ چور تھا۔ دیکھئے الکامل لابن عدی (۱/۲۰۹ وسندہ صحیح) یہ شخص صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف روایتیں لکھوایا کرتا تھا۔ (دیکھئے سوالات حمزۃ السہمی: ۱۶۶ وسندہ صحیح)

اس روایت کی باقی سند بھی مردود ہے۔

جھوٹ نمبر ۲۶: انوار خورشید نے لکھا ہے:

''حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں ایک دن خطبہ دیا تو فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر جمعہ فرض فرمایا ہے میری اس جگہ میں اس گھڑی میں، میرے اس مہینے میں اس سال میں قیامت تک کے لئے جس نے بلا عذر جمعہ چھوڑا امامِ عادل یا امام جائر (ظالم) کے ہوتے ہوئے تو اللہ تعالیٰ اسے دلجمعی اور استحکام نصیب نہ فرمائے اور اس کے کاروبار میں برکت نہ ہو، خبردار ایسے شخص کی نماز قبول نہیں، خبردار ایسے شخص کا حج قبول نہیں، خبردار ایسے شخص کی کوئی نیکی قبول نہیں، خبردار ایسے شخص کا کوئی صدقہ قبول نہیں۔''

(حدیث اور اہلحدیث ص ۷۶۷ نمبر ۴ بحوالہ مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۶۹)

تبصرہ: مجمع الزوائد میں یہ روایت بحوالہ الاوسط للطبرانی مذکور ہے۔ الاوسط (۸/۱۲۱ ح ۷۴۴۲) میں اس کی سند ''فضیل بن مرزوق عن عطیة عن أبي سعید الخدري''

مذکور ہے۔ عطیہ بن سعد العوفی جمہور کے نزدیک ضعیف راوی ہے۔ یہ ابوسعید محمد بن السائب الکلبی سے تدلیس کرتا تھا۔ دیکھئے المجروحین لابن حبان (۱۷۶/۳) والعلل لاحمد (۲۲۲/۱ فقرہ: ۱۲۲۵) اور طبقات المدلسین لابن حجر (۱۲۲/۴) وغیرہ

حافظ ابن حبان نے کہا: ''ویروي عن عطیة الموضوعات'' إلخ

اور فضیل بن مرزوق عطیہ سے موضوع روایتیں بیان کرتا تھا۔ (المجروحین ۲۰۹/۲)

اس روایت کا راوی موسیٰ بن عطیہ الباہلی کون ہے؟ کوئی اتا پتا نہیں ہے۔

جھوٹ نمبر ۲۷: انوار دیوبندی نے لکھا ہے:

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چار رکعات جمعہ سے پہلے پڑھتے تھے اور چار رکعات جمعہ کے بعد اور ان دو رکعتوں میں (درمیان میں دو رکعتوں پر سلام پھیر کر) فصل نہیں کرتے تھے۔'' (حدیث اور اہلحدیث ص ۸۲۴ نمبر ۲ بحوالہ مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۹۵)

تبصرہ: مجمع الزوائد میں یہ روایت بحوالہ الکبیر للطبرانی مذکور ہے۔ المعجم الکبیر (۱۲۹/۱۲ ح ۱۲۶۷۳) میں اس کا راوی مبشر بن عبید ہے جس کے بارے میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا: اس سے بقیہ اور ابوالمغیرہ نے موضوع (جھوٹی) حدیثیں روایت کی ہیں۔ (الجرح والتعدیل ۳۴۳/۸ وسندہ صحیح) اور فرمایا: ''لیس بشيء یضع الحدیث''

وہ کوئی چیز نہیں ہے، وہ حدیثیں گھڑتا تھا۔ (العلل ومعرفۃ الرجال ۱/۴۰۱ رقم: ۲۶۰۴)

ابوزرعہ الرازی نے کہا: وہ میرے نزدیک جھوٹ بولتا تھا۔ (کتاب الضعفاء لابی زرعۃ الرازی ص ۳۲۲) دارقطنی نے کہا: وہ جھوٹ بولتا تھا۔ (الضعفاء والمتروکون: ۵۰۰) اور کہا: وہ متروک الحدیث ہے، حدیثیں گھڑتا تھا۔ (السنن للدارقطنی ۲۳۷/۴ ح ۴۵۲۵)

اس روایت کی باقی سند بھی بہت سی علتوں کے ساتھ مردود ہے۔

جھوٹ نمبر ۲۸: انوار دیوبندی نے لکھا ہے:

''حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جس نے وضو کیا اور دونوں ہاتھوں سے اپنی گردن (گدی) پر مسح کیا تو وہ قیامت کے دن طوق (پہنائے جانے) سے بچالیا

جائے گا۔" (حدیث اور اہلحدیث ص۸۳ انمبر ۱، بحوالہ التلخیص الحبیر ج اص ۹۳)
تبصرہ: التلخیص الحبیر (ح ۹۸) میں تو اس کی پوری سند مذکور نہیں ہے لیکن ابن دقیق العید کی کتاب الامام (۵۸۵/۱۔ ۵۸۶) میں پوری سند موجود ہے جیسا کہ البدر المنیر لابن الملقن (۲۲۳/۲، ۲۲۴) کے حاشیے میں لکھا ہوا ہے۔ اس کے راوی مسلم بن زیاد الحنفی کے بارے میں حافظ ذہبی نے کہا: "مسلم بن زیاد الحنفي عن فلیح . أتی بخبر کذب في مسح الرقبة." مسلم بن زیاد الحنفی فلیح (بن سلیمان) سے گردن کے مسح کے بارے میں جھوٹی روایت لایا ہے۔ (میزان الاعتدال ۱۰۳/۴)

جھوٹ نمبر ۲۹: انوار خورشید لکھتے ہیں:

"حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جس نے وضو کیا اور دونوں ہاتھ اپنی گردن (گدی) پر پھیرے تو وہ قیامت کے دن طوق (پہنائے جانے) سے مامون رہے گا۔" (حدیث اور اہلحدیث ص۸۳ انمبر ۲ بحوالہ مسند فردوس مع تسدید القوس ج ۴ ص ۴۴)

تبصرہ: مسند فردوس میں تو یہ روایت بے سند ہے لیکن نیچے حاشیے میں اس کی سند لکھی ہوئی ہے جس کا ایک راوی عمرو بن محمد بن الحسن المکاتب ہے۔ حافظ ابن حبان نے عمرو بن محمد کی احادیث کے بارے میں کہا: یہ ساری روایتیں موضوع ہیں. الخ

(المجروحین ۷۵/۲، لسان المیزان ۳۷۵/۴ دوسرا نسخہ ۳۲۷/۵)

حاکم نے کہا: "ساقط روی أحادیث موضوعة" الخ وہ ساقط (گراہوا) ہے، اس نے موضوع حدیثیں بیان کیں۔ (المدخل الی الصحیح ص ۱۶۰ ت ۱۰۸)

اس روایت کی باقی سند بھی مردود ہے۔

جھوٹ نمبر ۳۰: انوار خورشید دیوبندی نے لکھا ہے:

"حضرت ابو امامہؓ سے مروی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا پیشاب سے بچو کیونکہ قبر میں بندہ کا سب سے پہلے اسی پر محاسبہ ہوتا ہے۔"

(حدیث اور اہلحدیث ص ۱۶۷ انمبر ۱ بحوالہ مجمع الزوائد ج اص ۲۰۹)

تبصرہ: مجمع الزوائد میں یہ روایت بحوالہ الطبرانی فی الکبیر مروی ہے۔ المعجم الکبیر للطبرانی (۸/۱۵۷ ح ۷۶۰۵) میں بکر بن سہل کی سند کے ساتھ یہ "عن رجل عن مكحول عن أبي أمامة" سے مروی ہے۔ یہ رجل کون ہے؟ اس کی تفصیل طبرانی کی اگلی روایت میں ہے۔ "أيوب بن مدرك عن مكحول عن أبي أمامة" (ح ۷۶۰۷)

ایوب بن مدرک کے بارے میں امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: ایوب بن مدرک جو مکحول سے روایت کرتا ہے، کذاب ہے۔ (تاریخ ابن معین روایۃ الدوری: ۴۶۶۰)

ابن حبان نے کہا: "روى عن مكحول نسخة موضوعة ولم يره" ایوب بن مدرک نے مکحول سے موضوع نسخہ بیان کیا ہے اور اس نے مکحول کو نہیں دیکھا۔ (المجروحین ۱/۱۶۸)

قارئین کرام! انوار خورشید دیوبندی کی کتاب "حدیث اور اہلحدیث" سے یہ تیس جھوٹی روایات مع تبصرہ اس لئے پیش کی گئی ہیں تاکہ آپ کے سامنے آلِ دیوبند کا اصلی چہرہ واضح ہو جائے۔ یہ لوگ دن رات جھوٹ اور افتراء کو مسلمانوں میں پھیلانے کی شدید کوشش میں اندھا دھند مصروف ہیں۔

حدیث اور اہلحدیث نامی کتاب میں ان کے علاوہ اور بھی بہت سے اکاذیب وافتراءات ہیں۔ یہ کتاب ضعیف، سخت ضعیف، شاذ، مرسل، منقطع، مدلّس، مردود، بے اصل اور غیر متعلقہ روایات واستدلالات سے بھری ہوئی ہے۔

انوار خورشید نے بعض جھوٹی باتیں بذاتِ خود گھڑ رکھی ہیں مثلاً اس نے لکھا ہے:

"نیز غیر مقلدین کو چاہئے کہ گردن سے گردن بھی ملایا کریں کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس کا بھی تذکرہ ہے۔" (حدیث اور اہلحدیث ص ۵۱۹)

حالانکہ کسی ایک حدیث میں بھی صف بندی کے دوران میں گردن سے گردن ملانا مذکور نہیں ہے۔

نادانستہ تحریر وزبانی سہو اور کتابت وکمپوزنگ کی غلطیوں سے کوئی بھی محفوظ نہیں ہے مثلاً حافظ محمد عبداللہ درخواستی دیوبندی صاحب نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہے کہ

''اما تفکرا فی قول الله وان تنازعتم فی شيءٍ فردوه الی الله والی الرسول ان کنتم تؤمنون بالله والیوم الآخر ذلك خیر واحسن تاویلا''.

(تذکرہ حافظ محمد عبداللہ درخواستی تصنیف خلیل الرحمٰن درخواستی ص ۱۸۱)

حالانکہ آیتِ مذکورہ صحیح طور پر درج ذیل ہے:

﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ط ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا﴾ (النساء:۵۹)

کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ حافظ عبداللہ درخواستی صاحب نے قرآن پر جھوٹ بولا ہے بلکہ صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ جس طرح حافظ اپنی تلاوت میں بعض اوقات بھول جاتا ہے تو اسی طرح حافظ درخواستی صاحب اپنی تحریر میں بھول گئے ہیں اور انھیں نادانستہ غلطی لگ گئی ہے۔

اسی طرح کمپوزنگ اور پروف ریڈنگ سے رہ جانے والی غلطیوں کو کوئی بھی جھوٹ نہیں کہہ سکتا کیونکہ ان سے محفوظ رہنا بہت مشکل بلکہ تقریباً ناممکن ہے۔

جھوٹ تو وہ ہے جو ذاتی مفاد کے لئے جان بوجھ کر بطورِ استدلال بولا جائے جیسے انوار خورشید دیوبندی نے صف بندی کا مذاق اُڑاتے ہوئے گردن سے گردن ملانے والی ''حدیث'' گھڑلی ہے اور اپنی کتاب ''حدیث اور اہلحدیث'' کو جھوٹی اور مردود روایات سے استدلال کرتے ہوئے بھر دیا ہے۔

یاد رکھیں کہ صحیح احادیث پر عمل کرنے والے اور تحقیق کرنے والے اہلِ حدیث کو یہ کتابیں کوئی نقصان پہنچا نہیں سکیں اور نہ نقصان پہنچا سکیں گی۔ان شاءاللہ

اہلِ حدیث کو چاہئے کہ تحقیقی راستہ اختیار کرتے ہوئے ہمیشہ سلف صالحین کے فہم کی روشنی میں قرآن مجید، احادیثِ صحیحہ، اجماع ثابت اور اجتہاد مثلاً آثار سلف صالحین پر عمل کرتے رہیں، ضعیف اور مردود روایات کو دُور پھینک دیں۔ادلۂ اربعہ کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہر بات باتحقیق و باحوالہ پیش کریں تو دیوبندی ہوں یا غیر دیوبندی، آلِ تقلید ہوں یا کوئی بھی غیر اہلِ حدیث ہو وہ اہلِ سنت یعنی اہلِ حدیث۔اہلِ حق کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے گا اور یہ

دعوت دن رات پھیلتی جا رہی ہے اور پھیلتی ہی چلی جائے گی۔ ان شاء اللہ العزیز

تنبیہ: اہلِ حق کے نزدیک قرآن و حدیث اور اجماع کے خلاف ہر شخص کی بات مردود ہے چاہے کہنے والا کوئی بھی ہو۔ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ماکنت لأدع سنة النبي ﷺ لقول أحد.''

میں کسی کے قول پر نبی ﷺ کی سنت کو نہیں چھوڑ سکتا۔ (صحیح بخاری: ۱۵۶۳)

کتاب و سنت کے خلاف ہر شخص کا خود ساختہ عقلی اعتراض مردود ہے۔ والحمد للہ

میں کوئی پیدائشی اہلِ حدیث نہیں ہوں بلکہ میرا تعلق پٹھانوں کے اس خاندان سے ہے جو اپنے آپ کو حنفی سمجھتے ہیں اور تقلید پر گامزن ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت دی اور تقلید کے اندھیروں سے نکال کر کتاب و سنت کی روشن شاہراہ پر چلا دیا۔ والحمدللہ

اہلِ حدیث بھائیوں سے درخواست ہے کہ قرآنِ مجید، صحیح بخاری، صحیح مسلم، صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان اور صحیح ابن الجارود کا کثرت سے مطالعہ کریں۔ اگر کوئی مخالفت کرے یا مذاق اُڑائے تو آیت یا صحیح حدیث سنا دیں اور اگر وہ زبان درازی کی کوشش کرے تو دو صحیح حدیثیں اور سنا دیں۔ آپ دیکھیں گے کہ ان شاء اللہ اس کا بڑا اثر ہوگا۔ ان بے چاروں کے پاس موضوع، مردود اور ضعیف و غیر متعلق روایات یا غیر ثابت و غیر متعلق اقوال کے سوا ہے ہی کیا؟!

بعض کو اگر ضعیف و مردود روایات پر تنبیہ کی جائے تو جھٹ بہانہ تراش لیتے ہیں کہ فضائل میں ضعیف روایت معتبر ہے۔ حالانکہ ضعیف روایت سے ان کا استدلال عقائد اور احکام میں ہوتا ہے اور یاد رہے کہ فضائل میں بھی قولِ راجح میں ضعیف روایت معتبر نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر العسقلانی ایک قول میں لکھتے ہیں:

''ولا فرق فی العمل بالحدیث فی الأحکام أو فی الفضائل إذ الکل شرع''

احکام ہوں یا فضائل، حدیث پر عمل کرنے میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ یہ سب شریعت ہے۔ (تبیین العجب بما ورد فی فضائل رجب ص ۲۶، دوسرا نسخہ ص ۷۳)

[۳۱ مئی ۲۰۰۷ء]

''حدیث اوراہلحدیث'' کتاب کی تیس (۳۰) خیانتیں

الحمد للّٰه ربّ العالمین و الصّلوٰۃ و السّلام علٰی خاتم النبیین و رضي اللّٰه عن أصحابه أجمعین و رحمة اللّٰه علٰی ثقات التابعین و من تبعهم إلٰی یوم الدین ، أما بعد :

خیانت کرنا کبیرہ گناہ ہے۔ (دیکھئے الکبائر للذہبی مع تحقیق مشہور حسن ص ۲۸۰ کبیرہ: ۳۴)

رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: ((لا إیمان لمن لا أمانة له ولا دین لمن لا عهد له .)) اس کا ایمان نہیں جس کی کوئی امانت نہیں اور اس کا دین نہیں جس کا کوئی وعدہ نہیں۔ (صحیح ابن حبان، الاحسان: ۱۹۴، وسندہ حسن لذاتہ، واوردہ الضیاء المقدسی فی المختارۃ ۵/۴۷ ح ۱۶۹۹، وھو صحیح بالشواھد)

نیز آپ ﷺ نے فرمایا: منافق کی تین نشانیاں ہیں: (۱) جب بات کرے جھوٹ بولے، (۲) جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے (۳) اور جب امانت سپرد کی جائے تو خیانت کرے۔ (صحیح بخاری: ۳۳، صحیح مسلم: ۵۹)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا: اور خیانت ہر چیز میں بُری ہے...الخ (کتاب الکبائر ص ۲۸۲)

لیکن اللہ اور رسول کے ساتھ خیانت کرنا تو بہت بڑا جرم ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَ تَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴾ اے ایمان والو! اللہ اور رسول کے ساتھ خیانت نہ کرو اور آپس کی امانتوں میں خیانت نہ کرو اور تم جانتے ہو۔ (الانفال: ۲۷)

ان دلائل کے باوجود بہت سے بدنصیب ایسے ہیں جو قرآن و حدیث میں خیانت کرنے سے بھی باز نہیں آتے، حالانکہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو دنیا میں بھی ذلیل کر دیتا ہے اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی شدید ہے۔

اس تحقیقی مضمون میں انوار خورشید دیوبندی (نعیم الدین) کی کتاب ''حدیث اور اہلحدیث'' سے تیس (۳۰) خیانتیں باحوالہ ورد پیشِ خدمت ہیں:

۱) نعیم الدین دیوبندی نے لکھا ہے:

''۴۔عن الاعرج عن ابی ھریرۃ عن النبی ﷺ فی الکلب یلغ فی الاناء انه یغسله ثلثا او خمسا او سبعا ، (دار قطنی ج ۱ ص ۶۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ (آپ نے فرمایا) کتا برتن میں منہ ڈال دے تو برتن کو تین یا پانچ یا سات دفعہ دھودیا جائے۔''

(حدیث اور اہلحدیث ص ۱۶۴)

اس حدیث کے بعد عبدالوہاب بن الضحاک (راوی) والی یہی سند لکھ کر امام دارقطنی نے فرمایا: ''تفرد به عبدالوهاب عن إسماعيل هو متروك الحديث، وغيره يرويه عن إسماعيل بهذا الإسناد فاغسلوه سبعًا وهو الصواب'' اس حدیث کے ساتھ اسماعیل (بن عیاش) سے عبدالوہاب (بن ضحاک) نے تفرد کیا (اور) وہ متروک الحدیث ہے، اُس کے علاوہ دوسرے اسے اسماعیل سے: پس سات دفعہ دھوؤ روایت کرتے ہیں اور یہی صحیح ہے۔ (سنن دارقطنی ج ۱ ص ۶۵ ح ۱۹۱)

سنن دارقطنی کا حوالہ دے کر اور امام دارقطنی کی جرح کو چھپا کر نعیم الدین نے ان لوگوں کی پیروی کی ہے جنھیں بندر اور خنزیر بنا دیا گیا تھا۔

یہ عبدالوہاب بن ضحاک وہی راوی ہے جس کے بارے میں امام ابوحاتم الرازی رحمہ اللہ نے گواہی دی: ''کان یکذب'' وہ جھوٹ بولتا تھا۔ (کتاب الجرح والتعدیل ج ۶ ص ۷۴)

۲) نعیم الدین دیوبندی نے بحوالہ دارقطنی (ج ۱ ص ۱۲۷) لکھا ہے کہ

''حضرت عمار بن یاسرؓ فرماتے ہیں کہ میں کنوئیں پر اپنی چھاگل میں پانی کھینچ رہا تھا کہ میرے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا کہ عمار کیا کر رہے ہو۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں میں اپنا کپڑا دھو رہا ہوں اسے

تھوک لگ گیا ہے۔آپ نے فرمایا عمار کپڑے کو پانچ چیزیں لگ جانے کی وجہ سے دھونا چاہیئے ۔پیشاب، پاخانہ، قے ،خون اورمنی ،عمارتمہاراتھوک ،تمہاری آنکھوں کے آنسواور وہ پانی جوتمہاری چھاگل میں ہےسب برابر یعنی پاک ہیں۔'' (حدیث اوراہلحدیث ص ۱۶۸)

اس روایت کےفوراًبعدامام دارقطنی رحمہ اللہ نے لکھاہے:''لم یروہ غیر ثابت بن حماد وھو ضعیف جدًا ، و إبراھیم و ثابت ضعیفان ''اسے ثابت بن حماد کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کیا اور وہ سخت ضعیف ہے، ابراہیم (بن زکریا ابواسحاق الضریر) اورثابت(بن حماد)دونوں ضعیف ہیں۔ (سنن دارقطنی ج۱ص ۱۲۷ح ۴۵۲)

اس جرح کونعیم الدین نے چھپا کرلوگوں کودھوکا دینے کی کوشش کی ہے۔

۳) نعیم الدین عرف انوارخورشید نے امام بیہقی کی السنن الکبریٰ (ج۱ص ۴۴) سے ایک روایت نقل کی:''حضرت عبداللہ بن مسعودؓفرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ جب تم میں سے کوئی وضوکرےتو اسے چاہئے کہ اللہ کا نام لے لے (بسم اللہ پڑھ لے)اس طرح ساراجسم پاک ہوگااوراگرکسی نے دورانِ وضواللہ کا نام نہ لیا توجس عضو پر پانی جائے گا وہی پاک ہوگا۔'' (حدیث اوراہلحدیث ص ۱۸۰)

اس روایت کےفوراًبعدامام بیہقی نے لکھاہے:''و ھذا ضعیف ، لا أعلمه رواہ عن الأعمش غیر یحیی بن ھاشم و یحیی بن ھاشم متروك الحدیث ... ''
اور یہ ضعیف ہے، میں نہیں جانتا کہ اسے اعمش سے یحییٰ بن ہاشم کے علاوہ کسی اور نے روایت کیاہےاوریحییٰ بن ہاشم متروک الحدیث ہے۔ (السنن الکبریٰ ج۱ص ۴۴)

روایتِ مذکورہ پراس جرح کوچھپاکرنعیم الدین نے خیانت کی ہے۔

فائدہ: حافظ ابوعمرو بن الصلاح الشہر زوری نے کہا:'' لأن الضعف یتفاوت فمنه ما لا یزول بالمتابعات '' کیونکہ ضعف کے مختلف درجے ہوتے ہیں،پس اُن میں سے ایسا ضعف بھی ہوتاہے جومتابعات سے زائل نہیں ہوتا۔

اس کی تشریح میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا:''یعني لا یؤثر کونه تابعًا أو متبوعًا

کروایة الکذابین والمتروکین ''یعنی وہ (راوی یا ضعیف روایت) تابع ہو یا متبوع کوئی اثر نہیں کرتا جیسے کذابین اور متروکین کی روایت۔ الخ

(اختصار علوم الحدیث ص ۳۸، النوع الثانی)

معلوم ہوا کہ کذاب اور متروک کی روایت بالکل مردود ہوتی ہے اور شواہد و متابعات میں بھی اس کا پیش کرنا جائز نہیں ہے۔

٤) نعیم الدین نے لکھا ہے:

''۴۔عن عمر بن عبدالعزیز قال قال تمیم الداری قال رسول اللّٰہ ﷺ " الوضؤ من کل دم سائل " (دارقطنی ج۱ ص ۱۵۷)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ حضرت تمیم داریؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ہر بہنے والے خون (کے نکلنے) سے وضوء (لازم ہوجاتا) ہے۔''

(حدیث اور اہلحدیث ص ۱۸۸۔۱۸۹)

اس روایت کے فوراً بعد امام دارقطنی نے فرمایا:

''عمر بن عبدالعزیز لم یسمع من تمیم الداري ولا رآہ ، یزید بن خالد و یزید بن محمد مجھولان ''عمر بن عبدالعزیز نے تمیم داری (رضی اللہ عنہ) سے نہیں سنا اور نہ انھیں دیکھا، یزید بن خالد اور یزید بن محمد دونوں مجہول ہیں۔ (سنن دارقطنی ج۱ ص ۱۵۷ ح ۵۷۱)

مذکورہ جرح چھپا کر نعیم الدین نے دھوکا دیا ہے۔

فائدہ: سرفراز خان صفدر دیوبندی کرمنگی گکھڑوی نے ثقہ تابعی نافع بن محمود رحمہ اللہ پر مجہول مجہول کی باطل جرح کرکے لکھا ہے:

''امام بیہقیؒ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس امر کا ہرگز مکلف نہیں ٹھہرایا کہ ہم اپنا دین مجہول اور غیر معروف راویوں سے اخذ کریں (کتاب القراءۃ ص ۱۲۷)

امام خطابیؒ فرماتے شرھا الموضوع ثم المقلوب ثم المجھول (تدریب الراوی ص ۱۹۴) کہ بدترین حدیث جعلی ہے پھر مقلوب اور پھر مجہول اور...''

(احسن الکلام ج ۲ ص ۹۰، دوسرا نسخہ ج ۲ ص ۱۰۰۔۱۰۱)

تنبیہ: نماز میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھنے والے کی نماز باطل ہے یا نہیں؟ اس کی تحقیق کے لئے درج ذیل کتابیں پڑھیں:

۱: جزء القراءۃ للبخاری (تحقیق: نصر الباری)

۲: الکواکب الدریہ فی وجوب الفاتحہ خلف الامام فی الجہریہ

۵) نعیم الدین نے لکھا ہے:

"۴۔ **عن سهل بن سعد قال قال رسول الله ﷺ اذا ذهب احدكم الخلاء فلا يستقبل القبلة ولا يستدبرها،** (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۰۵)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی بیت الخلاء جائے تو قبلہ کی طرف نہ رُخ کرے نہ پشت۔" (حدیث اور اہلحدیث ص ۲۰۸)

اس روایت کے فوراً بعد حافظ ہیثمی (صاحبِ مجمع الزوائد) نے لکھا ہے:

"**رواه الطبراني في الكبير و فيه محمد بن عمر الواقدي وهو ضعيف**"

اسے طبرانی نے الکبیر میں روایت کیا اور اس میں محمد بن عمر الواقدی ہے اور وہ ضعیف ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۰۵)

اس جرح کو کیوں چھپایا گیا ہے؟!

۶) نعیم الدین نے لکھا ہے:

"۲۔ **عن واثلة بن الاسقع قال قال رسول الله ﷺ اقل الحيض ثلثة ايام واكثره عشرة ايام** (دارقطنی ج ۱ ص ۲۱۹)

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حیض کی کم از کم مدت ۳ دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے۔" (حدیث اور اہلحدیث ص ۲۲۶)

اس روایت کے فوراً بعد امام دارقطنی رحمہ اللہ نے فرمایا:

"**ابن منهال مجهول و محمد بن أحمد بن أنس ضعيف**" (حماد) ابن المنہال

(البصری) مجہول ہے اور محمد بن احمد بن انس ضعیف ہے۔ (سنن دارقطنی ج ا ص ۲۱۹ ح ۸۳۶)
صاحب کتاب کی یہ جرح چھپا کر نعیم الدین نے خیانت کا ارتکاب کیا ہے۔ نیز دیکھئے نمبر ۲۹
۷) نعیم الدین نے سنن دارقطنی (ج ا ص ۱۲۳) سے ایک روایت نقل کی ہے:
''حضرت انسؓ بن مالک فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ تلوار لٹکا کر نکلے آپ سے کہا گیا کہ آپ کے بہنوئی اور بہن صابی ہو گئے ہیں۔ آپ سیدھے بہن بہنوئی کے پاس آئے ان کے پاس مہاجرین میں سے ایک صاحب جنہیں خبابؓ کہا جاتا ہے موجود تھے یہ سب سورۃ طٰہٰ پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ وہ کتاب دو جو تم پڑھ رہے تھے میں بھی پڑھوں اور کتاب پڑھنے لگے۔ آپ سے آپ کی بہن نے کہا کہ تم تو ناپاک ہو اور کتاب اللہ کو پاک لوگ ہی چھوتے ہیں اس لیے کھڑے ہو اور غسل یا وضو کرو حضرت عمر اُٹھے وضو کیا پھر کتاب لے کر سورۃ طٰہٰ پڑھی۔'' (حدیث اور اہلحدیث ص ۲۳۰)
یہ روایت بیان کرنے کے متصل بعد امام دارقطنی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''القاسم بن عثمان لیس بالقوی '' قاسم بن عثمان (اس کا راوی) القوی نہیں ہے۔
(سنن دارقطنی ج ا ص ۱۲۳ ح ۴۳۵)

حوالہ سنن دارقطنی کا دینا اور پھر جرح کو چھپا لینا خیانت ہے۔
۸) نعیم الدین نے لکھا ہے:
''۷۔عن ابن عباس عن النبی ﷺ قال من جمع بین الصلوتین من غیر عذر فقد اتی بابا من الکبائر ۔ (ترمذی ج ا ص ۴۸، مستدرک حاکم ج ا ص ۲۵۷)
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جس نے بغیر کسی عذر کے دو نمازوں کو اکٹھا کر کے پڑھا وہ کبیرہ گناہوں کے دروازوں میں سے ایک دروازے میں داخل ہوا۔'' (حدیث اور اہلحدیث ص ۲۵۴)
سنن ترمذی کے اسی صفحے پر اس روایت کے متصل بعد لکھا ہوا ہے کہ (امام ترمذی نے فرمایا:)
''و حنش هذا هو أبو علي الرحبي وهو حنش بن قيس وهو ضعيف عند

أهل الحديث ضعفه أحمد وغيره والعمل علٰى هذا عند أهل العلم أن لا يجمع بين الصلاتين إلا في السفر أو بعرفة ''اور یہ (اس کا راوی) حنش ابو علی الرجبی حنش بن قیس ہے اور وہ اہلِ حدیث (محدثین) کے نزدیک ضعیف ہے، اسے احمد وغیرہ نے ضعیف کہا ہے، اور اہلِ علم کا اس (مسئلے) پر عمل ہے کہ سفر اور عرفات کے علاوہ دو نمازیں جمع نہیں کرنی چاہئیں۔ (سنن ترمذی ج۱ ص۴۸ ح۱۸۸)

امام ترمذی کی اس جرح کو چھپا کر اور لوگوں کے سامنے ترمذی کا نام لے کر یہ روایت بیان کرنا بڑا افراڈ ہے۔

تنبیہ: حاکم نے حنش بن قیس کو ثقہ کہا لیکن ذہبی نے فرمایا: ''بل ضعفوه'' بلکہ اسے انھوں (محدثین) نے ضعیف کہا ہے۔ (تلخیص المستدرک ج۱ ص۲۷۵ ح۱۰۲۰)

۹) انوار خورشید یعنی نعیم الدین نے لکھا ہے:

''۴۔عن عبد اللّٰه بن المغفل في هذه الآية و اذا قرئ القرآن فاستمعوا له و انصتوا قال في الصلوٰة . (کتاب القراءۃ للبیہقی ص۸۷)

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ آیت کریمہ و اذا قرئ القرآن کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔'' (حدیث اور اہلحدیث ص۳۰۰)

اس روایت کے فوراً بعد امام بیہقی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''هذا حديث مداره على هشام بن زياد ابن المقدام و اختلف عليه في إسناده و ليس بالقوي '' إلخ اس حدیث کا دارومدار ہشام بن زیاد ابن المقدام (ابوالمقدام) پر ہے اور اس کی سند میں اُس پر اختلاف ہے اور یہ القوی نہیں ہے۔ الخ (کتاب القراءۃ ص۸۷ ح۲۱۸)

امام بیہقی کی اس جرح کو چھپانا خیانت ہے۔

تنبیہ: ہشام بن زیاد ابوالمقدام متروک راوی ہے۔ دیکھئے تقریب التہذیب (۷۲۹۲)

۱۰) نعیم الدین نے بحوالہ کتاب القراءۃ للبیہقی (ص۱۱۴) سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی:

''حضرت عمرؓ بن خطاب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن ظہر کی نماز پڑھائی تو ایک صاحب اپنے جی ہی جی میں آپ کے ساتھ قرأت کرنے لگے۔ نماز پوری ہوئی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا کہ کیا تم میں سے کسی نے میرے ساتھ قراءت کی ہے۔ تین دفعہ آپ نے یہ سوال کیا، ایک صاحب بولے جی ہاں یا رسول اللہ میں سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھ رہا تھا۔ آپ نے فرمایا کیا ہو گیا کہ مجھے قرآن کی قرأت میں کشمکش میں ڈالا جاتا ہے کیا تمھیں امام کی قراءۃ کافی نہیں ہے۔ امام تو بنایا ہی اس لیے جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے لہٰذا جب وہ قراءت کرے تو تم خاموش رہا کرو۔'' (حدیث اور اہلحدیث ص ۳۰۵۔۳۰۶)

اس روایت کے بعد اس کے راوی عبدالمنعم بن بشیر کے بارے میں امام بیہقی نے فرمایا:

''و عبدالمنعم بن بشير ذكره أبو أحمد بن عدي الحافظ رحمه الله في كتاب الضعفاء و قال له أحاديث مناكير لا يتابع عليها و عبدالرحمن بن زيد بن أسلم من الضعفاء المشهورين الذين جرحهم مذكو الأخبار مالك ابن أنس فمن بعده من أهل العلم بالحديث .''

اور عبدالمنعم بن بشیر کو حافظ ابو احمد بن عدی رحمہ اللہ نے کتاب الضعفاء میں ذکر کیا اور فرمایا: اس کی روایتیں منکر ہیں جن میں اس کی متابعت نہیں کی جاتی اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم مشہور ضعیف راویوں میں سے ہے، جن پر ناقدین حدیث (امام) مالک بن انس اور بعد میں آنے والے علمائے حدیث نے جرح کی ہے۔ (کتاب القراءت ص ۱۱۴۔۱۱۵)

یہ جرح چھپانا خیانت نہیں تو کیا ہے؟

عبدالمنعم بن بشیر کے بارے میں حافظ ابو یعلیٰ الخلیلی رحمہ اللہ (متوفی ۴۴۶ھ) نے فرمایا:

''وهو وضاع على الأئمة'' اور اماموں سے موضوع روایتیں بیان کرنے والا ہے۔

(الارشاد ج ا ص ۱۵۸)

۱۱) نعیم الدین نے کتاب القراءۃ للبیہقی (ص ۱۱۵) سے ایک روایت نقل کی:

''حضرت عطاء خراسانیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ کو لکھا

کہ جب تم نماز کے لیے کھڑے ہوتو اس کی طرف کان لگائے رہو اور خاموش رہو کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص خاموش رہے اور اسے سنائی نہ دے اس کے لیے ایسا ہی اجر ہے جیسا اس شخص کے لیے جسے سنائی دے اور وہ خاموش رہے۔''

(حدیث اور اہلحدیث ص ۳۰۶)

امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس روایت کو بغیر سند کے ذکر کیا اور فرمایا:

''و هذا حديث منقطع وراويه غير محتج به و الصحيح هذا الخبر عن عثمان بن عفان رضي الله عنه في الخطبة موقوفًا عليه . '' یہ حدیث منقطع ہے اور اس کے راوی سے حجت نہیں پکڑی جاتی ، اور صحیح یہ ہے کہ یہ خبر عثمان رضی اللہ عنہ سے خطبہ کے بارے میں موقوف (یعنی غیر مرفوع) ہے۔ (کتاب القراءت ص ۱۱۶)

اس جرح کو چھپانا اور اسی مقام سے بے سند روایت کو نقل کر کے عام لوگوں کو دھوکا دینا بہت بڑا جرم ہے۔

تنبیہ: میرے پاس ''حدیث اور اہلحدیث'' کتاب کے تین نسخے ہیں اور ان تینوں میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کلماتِ ترضی یعنی دعا (رضی اللہ عنہ) موجود نہیں بلکہ جگہ خالی چھوڑ دی گئی ہے۔ معلوم نہیں کہ یہ کاتب کی حرکت ہے یا نعیم الدین نے جان بوجھ کر ایسا کیا ہے؟!

۱۲) نعیم الدین دیوبندی نے کتاب القراءۃ للبیہقی (ص ۱۶۳) سے نقل کیا:

''حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا کہ میں امام کے پیچھے قرأت کروں یا خاموش رہوں۔ آپ نے فرمایا خاموش رہو کیونکہ تمہیں امام کی قراءت ہی کافی ہے۔'' (حدیث اور اہلحدیث ص ۳۰۶)

امام بیہقی نے اس روایت کو ضعف کے بیان کے ساتھ ذکر کیا اور امام ابو احمد ابن عدی رحمہ اللہ سے نقل کیا کہ اسے شعبی سے محمد بن سالم کے سوا کسی نے بیان نہیں کیا اور یہ محفوظ نہیں ہے، اسے قیس بن الربیع بھی بیان کرتا تھا، انھوں نے فرمایا: محمد بن سالم کی روایتوں پر ضعف واضح ہے۔ ہمیں ابو عبداللہ (الحاکم صاحب المستدرک) نے بتایا کہ اس کی سند میں

کئی لحاظ سے وہم ہے۔

اسے ہمارے علم کے مطابق حارث بن عبداللہ الہمدانی کے سوا کسی دوسرے راوی نے بیان نہیں کیا۔

حاکم نے اپنی سند کے ساتھ (امام) شعبی رحمہ اللہ سے نقل کیا کہ حارث کذابین میں سے تھا...اللہ کی قسم! وہ جھوٹا تھا...الخ (کتاب القراءۃ للبیہقی ص ۱۶۳)

اس شدید جرح کو چھپا کر نعیم الدین نے یہود کی یاد تازہ کر دی ہے۔

۱۳) نعیم الدین عرف انوار خورشید نے کہا:

"۳۴۔ عن جابر بن عبداللہ قال قال رسول اللہ ﷺ من کان له امام فقراءة الامام له قراءة. (کتاب القراءۃ للبیہقی ص ۱۳۸)

حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے امام کی اقتداء کی تو امام کی قرأت ہی مقتدی کی قراءت ہے۔" (حدیث اور اہلحدیث ص ۳۱۵)

اسی مقام پر امام احمد بن الحسین البیہقی رحمہ اللہ نے حاکم کا کلام نقل کیا اور فرمایا:

"خلط يحيى بن نصر في هذا الحديث من وجهين أحدهما في رفعه والأخر في تغيير لفظه و له من ذلك أخوات كثيرة و لأجل ذلك سقط عن حد الاحتجاج برواياته"

اس حدیث میں یحییٰ بن نصر نے دو طرح سے خلط کیا ہے یعنی غلطی کی ہے: ایک اس کے مرفوع بیان کرنے میں اور دوسرا اس کا لفظ بدلنے میں اور اسی طرح کی کئی حرکتیں اس نے کی ہیں اور اس وجہ سے وہ روایات میں حجت ہونے کی حد سے ساقط ہو چکا ہے۔

(کتاب القراءۃ ص ۱۳۸)

امام بیہقی نے تو اس روایت کے راوی کو ساقط الاحتجاج (یعنی سخت ضعیف) قرار دیا جبکہ "حدیث اور اہلحدیث" والے نے اسے بحوالہ بیہقی بطورِ حجت پیش کر دیا ہے۔!!

۱۴) نعیم الدین نے لکھا ہے:

"۳۸۔ عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال من کان له امام فان قراء ة الامام لهٗ قراء ة (کتاب القراءه للبیہقی ص ۱۵۶)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جس کے لیے امام ہوتو امام کی قراءۃ ہی اس کی قراءۃ ہے۔" (حدیث اور اہلحدیث ص ۳۱۷)

یہ روایت لکھنے کے بعد بیہقی نے حاکم سے اس پر جرح نقل کی، حاکم نے کہا: خارجہ بن مصعب السرخسی کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ غیاث بن ابراہیم جیسے کذابین کی ایک جماعت سے تدلیس کرتا تھا، اس وجہ سے اس کی روایتوں میں منکر روایتوں کی کثرت ہوگئی۔

امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: خارجہ بن مصعب کوئی چیز نہیں ہے۔ الخ (کتاب القراءۃ ص ۱۵۶)

اس مقام سے یہ روایت نقل کرنا اور جرح کو چھپالینا بہت بڑی خیانت اور جرمِ عظیم ہے۔

۱۵) نعیم الدین نے لکھا ہے:

"۴۰۔ عن انس بن مالك ان النبی ﷺ قال من کان له امام فقراء ة الامام له قراء ة. (کتاب القراءۃ للبیہقی ص ۱۵۳)" (حدیث اور اہلحدیث ص ۳۱۷۔۳۱۸)

اس روایت کو بغیر متصل سند کے ذکر کرنے سے پہلے بیہقی نے فرمایا: "باسناد مظلم" یعنی اندھیرے والی سند کے ساتھ۔ (کتاب القراءت ص ۱۵۳)

بعد میں بیہقی نے ان روایات کو موضوع قرار دیا اور فرمایا: "وضعها بعض المجهولین من رواتها.." "انھیں ان کے بعض مجہول راویوں نے گھڑا ہے...

(کتاب القراءت ص ۱۵۴)

اس موضوع روایت کو بحوالہ بیہقی لوگوں کے سامنے پیش کرنا اُن لوگوں جیسا دھوکا ہے جنھوں نے تورات کی عبارت پر اپنا ہاتھ رکھ کر اسے چھپادیا تھا۔

۱۶) انوار خورشید یعنی نعیم الدین دیوبندی نے امام بیہقی رحمہ اللہ کی مشہور کتاب القراءت (ص ۱۷۶) سے ایک روایت نقل کی ہے:

"نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ظہر کی نماز

پڑھی۔ میری داہنی طرف ایک انصاری صحابی تھے۔ انہوں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیچھے قرأت کی اور میری بائیں جانب قبیلہ مزینہ کے ایک صاحب تھے جو کنکریوں سے کھیل رہے تھے جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے پوچھا کہ میرے پیچھے کس نے قراءت کی ہے۔ انصاری بولے میں نے یارسول اللہ: آپ نے فرمایا ایسامت کرو کیونکہ جو امام کی اقتداء کرے، تو امام کی قراءت ہی مقتدی کی قراءت ہوتی ہے، جو صاحب کنکریوں سے کھیل رہے تھے ان سے فرمایا تمہیں نماز سے یہی حصہ ملا ہے۔''

(حدیث اور اہلحدیث ص ۳۱۸۔۳۱۹)

یہ روایت بیان کرنے کے فوراً بعد امام بیہقی نے فرمایا:

'' هذا إسناد باطل ، فيه من لا يعرف و محمد بن إسحاق هذا إن كان هو العكاشي فهو كذاب يضع الحديث على الأوزاعي وغيره من الأئمة ... ''

یہ سند باطل ہے، اس میں غیر معروف (مجہول) راوی ہیں اور اگر یہ محمد بن اسحاق (راوی) عکاشی تھا تو وہ کذاب ہے، وہ اوزاعی وغیرہ اماموں پر جھوٹی حدیثیں گھڑتا تھا....

(کتاب القراءت ص ۱۷۷)

۱۷) نعیم الدین نے لکھا ہے:

''۴۵۔عن جابر قال قال رسول الله ﷺ كل صلوة لا يقرأ فيها بام الكتاب فهي خداج الا وراء الامام . (کتاب القرأۃ للبیہقی ص ۱۳۶، دارقطنی ج ۱ ص ۳۲۷)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر وہ نماز جس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہے سوائے اس نماز کے جو امام کے پیچھے پڑھی گئی ہو۔''

(حدیث اور اہلحدیث ص ۳۲۰)

یہ روایت بیان کرنے کے بعد بیہقی نے ابوعبداللہ (الحاکم) سے نقل کیا: ''وهم الراوي عن إسماعيل السدي في رفعه بلا شك فيه ... '' اسماعیل السدی سے اس کے مرفوع بیان کرنے میں راوی نے بے شک غلطی کی ہے... (کتاب القراءت ص ۱۳۶)

امام دارقطنی نے اس روایت کے بعد فرمایا: ''یحیی بن سلام ضعیف والصواب موقوف ''یحییٰ بن سلام ضعیف ہے اور صحیح یہ کہ یہ موقوف ہے۔

(سنن دارقطنی ج۱ص ۳۲۷ ح ۱۲۲۸)

اس جرح کو چھپانے میں کیا مقصد ہے؟

امام ابوعبداللہ بن یعقوب نے روایتِ مذکورہ کے بارے میں فرمایا: ''ھذا کذب''

اور یہ جھوٹ ہے۔ (کتاب القراءت ص ۱۳۷)

تنبیہ: اس کا ایک راوی ابوسعید محمد بن جعفر الخصیب الہروی نامعلوم ہے۔

۱۸) نعیم الدین نے کتاب القراءۃ للبیہقی (ص ۱۲۴) کے حوالے سے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا: ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نماز میں امام جہر سے قراءت کررہا ہو اس میں کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ امام کے ساتھ قراءت کرے۔'' (حدیث اور اہلحدیث ص ۳۲۱)

یہ روایت لکھنے کے بعد اس کے راوی امام بیہقی رحمہ اللہ نے فرمایا:

''ھذہ روایۃ منکرۃ ... ''یہ روایت منکر ہے۔ (کتاب القراءت ص ۱۲۲)

اس جرح کو چھپانا دھوکا ہے۔

۱۹) نعیم الدین نے زیلعی حنفی کی کتاب نصب الرایہ (ج۱ص ۴۰۴) سے خلافیات بیہقی کی ایک روایت نقل کی:

'' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز شروع فرماتے وقت رفع یدین کرتے پھر دوبارہ نہ کرتے۔'' (حدیث اور اہلحدیث ص ۳۹۲)

نصب الرایہ کے اسی صفحے پر اس روایت کے فوراً بعد بحوالہ بیہقی لکھا ہوا ہے کہ

''قال البیھقي: قال الحاکم :ھذا باطل موضوع ... ''بیہقی نے کہا: حاکم نے کہا: یہ (روایت) باطل موضوع ہے... (نصب الرایہ ج۱ص ۴۰۴)

اس جرح کو چھپانا بہت بڑی خیانت ہے۔

۲۰) نعیم الدین نے لکھا ہے:

"۷۔ **عن انس ان النبی ﷺ نھی عن الاقعاء والتورك فی الصلوٰۃ**

(مجمع الزوائد ج۲ ص ۸۶) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نماز میں اقعاء اور تورک سے منع فرمایا ہے۔" (حدیث اور اہلحدیث ص ۴۵۸)

اس روایت کے فوراً بعد حافظ ہیثمی نے فرمایا: "**رواہ البزار عن شیخہ ھارون بن سفیان ولم أجد من ذکرہ و بقیۃ رجالہ رجال الصحیح**" اسے بزار نے اپنے استاد ہارون بن سفیان سے بیان کیا اور مجھے معلوم نہیں کہ کسی نے اس کا ذکر کیا ہے اور اس کے باقی راوی صحیح کے راوی ہیں۔ (مجمع الزوائد ج۲ ص ۸۶)

بزار (کشف الاستار ج۱ ص ۲۶۶ ح ۵۴۹) اور مسند احمد (۲۳۳/۳) وغیرہما والی روایت کی سند میں (حافظ ابن حجر کے نزدیک) طبقۂ ثالثہ کے مدلس قتادہ موجود ہیں اور روایت عن سے ہے لہٰذا ضعیف ہے۔ قتادہ کا مدلس ہونا ماسٹر امین اوکاڑوی نے بھی تسلیم کیا ہے۔

دیکھئے حاشیہ جزء رفع الیدین (ص ۲۸۹ ح ۲۹ تا ۳۱)

ماسٹر امین اوکاڑوی نے کہا: "اور مدلس جو روایت عن سے کرے، وہ منقطع ہوتی ہے۔"

(تجلیاتِ صفدر ج۲ ص ۱۷۹)

فائدہ: مسند احمد میں اس روایت کے بعد لکھا ہوا ہے کہ عبداللہ (بن احمد بن حنبل) نے فرمایا: میرے والد (امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ) نے اس حدیث کو ترک کر دیا تھا۔

(مسند احمد ۲۳۳/۳)

مدلس کے عنعنہ والی جس ضعیف روایت کو امام احمد متروک قرار دیں، اسے سلسلہ صحیحہ میں ذکر کرنا غلط اور مردود ہے۔!

۲۱) نعیم الدین دیوبندی نے لکھا ہے:

"**عن سمرۃ ان النبی ﷺ نھٰی عن التورك والاقعاء، الحدیث۔**

(مجمع الزوائد ج۲ ص ۸۶)

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تورک اور اقعاء سے منع فرمایا ہے۔" (حدیث اور اہلحدیث ص ۴۵۸)

مجمع الزوائد میں اس روایت کے فوراً بعد لکھا ہوا ہے کہ "رواه البزار والطبراني في الأوسط و فيه سعيد بن بشير و فيه كلام" اسے بزار اور طبرانی نے الاوسط میں روایت کیا اور اس میں سعید بن بشیر ہے اور اس میں کلام (یعنی جرح) ہے۔ (ج۲ص۸۶)

سعید بن بشیر کے بارے میں حافظ ابن حجر نے فرمایا: "ضعیف" (تقریب التہذیب:۲۲۷۶)

اس سعید بن بشیر الازدی الشامی کے بارے میں حافظ ابن الملقن نے فرمایا:

"والأكثرون على تضعيفه" اور اکثریت نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

(البدر المنیر ج۹ص۸۵)

جمہور کی اس جرح کو چھپا کر بحوالہ مجمع الزوائد یہ روایت لوگوں کے سامنے پیش کر دینا فراڈ ہے، جس کا حساب دینا پڑے گا۔ ان شاء اللہ

تنبیہ: اس روایت میں ایک اور بھی وجہ ضعف ہے۔

۲۲) نعیم الدین نے دارقطنی (ج۲ص۲۸) سے نقل کیا کہ

"حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رات کے وتر تین ہیں دن کے وتر یعنی نمازِ مغرب کی طرح۔" (حدیث اور اہلحدیث ص ۵۶۴)

اس روایت کے فوراً بعد امام دارقطنی نے فرمایا: "يحيى بن زكريا هذا يقال له ابن أبي الحواجب ضعيف و لم يروه عن الأعمش مرفوعًا غيره."

اس یحییٰ بن زکریا کو ابن ابی الحواجب بھی کہا جاتا ہے، وہ ضعیف ہے، اُس کے علاوہ کسی نے اسے اعمش سے مرفوعاً روایت نہیں کیا۔ (سنن دارقطنی ج۲ص۲۸ ح۱۶۳۷)

اس جرح کو چھپانا دھوکا ہے۔

تنبیہ: روایتِ مذکورہ میں اعمش مدلس اور دولابی ضعیف فی التحقیق الراجح ہے۔

۲۳) نعیم الدین نے لکھا ہے: "۲۵۔ عن عائشة قالت قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم

الوتر ثلٰث كثلاث المغرب ،(مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۴۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وتر کی تین رکعتیں ہیں، مغرب کی تین رکعتوں کی طرح'' (حدیث اور اہلحدیث ص ۵۶۴)

مجمع الزوائد میں المعجم الاوسط للطبرانی (۸۳۱۸) کی اس روایت کے فوراً بعد لکھا ہوا ہے:

''و فيه أبو بحر البكراوي و فيه كلام كثير '' اور اس میں ابو بحر البکراوی (عبدالرحمٰن بن عثمان بن امیہ بن عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ الثقفی) ہے اور اس میں بڑا کلام (یعنی اس پر بڑی جرح) ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۴۲)

ابو بحر البکراوی کے بارے حافظ ابن حجر نے فرمایا:''ضعيف '' (تقریب التہذیب:۳۹۴۳)

۲۴) انوار خورشید کے پردے میں نعیم الدین نے لکھا ہے:

''۱۸۔عن ابن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم كان يوتر بثلاث و يجعل القنوت قبل الركوع ، (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۳۸)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام وتر تین رکعات پڑھتے تھے اور دعاء قنوت رکوع میں جانے سے پہلے پڑھتے تھے۔'' (حدیث اور اہلحدیث ص ۵۸۶)

اس روایت کو حافظ ہیثمی نے الاوسط للطبرانی کے حوالے سے نقل کرنے کے بعد اس کے راوی سہل بن العباس الترمذی کے بارے میں فرمایا:''قال الدارقطني :ليس بثقة '' دارقطنی نے کہا: وہ ثقہ نہیں ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۳۸)

اس جرح کو چھپانا خیانت ہے۔

اگر یہ جرح غلط تھی تو دلائل کے ساتھ اس کا جواب دینا چاہئے تھا۔

۲۵) نعیم الدین نے مصنف ابن ابی شیبہ (ج ۲ ص ۲۹۴) بیہقی (ج ۲ ص ۴۹۶) معجم طبرانی کبیر (ج ۱۱ ص ۳۹۳) اور مسند عبد بن حمید (ص ۲۱۸) سے نقل کیا:

'' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں بیس رکعتیں اور وتر پڑھا کرتے تھے۔'' (حدیث اور اہلحدیث ص ۶۳۵)

اس روایت کے فوراً بعد امام بیہقی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''تفرد به أبو شیبة إبراهیم بن عثمان العبسي الکوفي وهو ضعیف '' اس روایت کے ساتھ ابو شیبہ ابراہیم بن عثمان العبسی الکوفی منفرد ہے اور وہ ضعیف ہے۔ (السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۱۹۶)

اس جرح کو چھپانا خیانت نہیں تو کیا ہے؟

۲۶) انوار خورشید کے نقاب میں ملبوس نعیم الدین دیوبندی نے امام دارقطنی (کی سنن ج ۲ ص ۷) سے نقل کیا: ''حضرت ام عبداللہ دوسیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جمعہ واجب ہے ہر قریہ والوں پر اگرچہ اس میں چار ہی آدمی کیوں نہ ہوں اور قریہ سے مراد شہر ہے'' (حدیث اور اہلحدیث ص ۷۶۹) .

اس روایت کے متصل بعد امام دارقطنی نے فرمایا: ''لا یصح هذا عن الزهري '' یہ زہری سے صحیح (ثابت) نہیں ہے۔ (سنن دارقطنی ج ۲ ص ۷ ح ۱۵۷۶)

اس جرح کو چھپانے کا یہی مقصد معلوم ہوتا ہے کہ لوگ اس روایت کو صحیح سمجھیں اور نعیم الدین کا مسئلہ مان لیں۔

۲۷) نعیم الدین نے حافظ ہیثمی کی کتاب مجمع الزوائد (ج ۲ ص ۱۸۴) سے نقل کیا:

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تم میں سے کوئی شخص جب مسجد میں اس وقت داخل ہو جبکہ امام منبر پر ہو تو اس صورت میں نہ نماز جائز ہے نہ کلام جب تک کہ امام (خطبہ سے) فارغ نہ ہو جائے۔''

(حدیث اور اہلحدیث ص ۸۱۰)

اس روایت کے فوراً بعد حافظ ہیثمی نے فرمایا: ''رواه الطبراني في الکبیر وفیه أیوب ابن نهیك وهو متروك ضعفه جماعة و ذکره ابن حبان في الثقات و قال : یخطئ '' اسے طبرانی نے الکبیر میں روایت کیا اور اس میں ایوب بن نہیک ہے اور وہ متروک ہے، ایک جماعت نے اسے ضعیف کہا اور ابن حبان نے الثقات میں ذکر کر کے کہا: وہ غلطیاں کرتا ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۸۴)

جمہور کے نزدیک اس مجروح راوی کو کتاب الثقات میں ذکر کرنا غلط ہے۔

تنبیہ: ایوب بن نہیک تک سند بھی نامعلوم ہے۔

۲۸) نعیم الدین نے مجمع الزوائد (ج ۲ ص ۱۹۵) سے نقل کر کے لکھا ہے:

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چار رکعات جمعہ سے پہلے پڑھتے تھے اور چار رکعات جمعہ کے بعد اور ان رکعتوں میں (درمیان میں دو رکعتوں پر سلام پھیر کر) فصل نہیں کرتے تھے۔'' (حدیث اور اہلحدیث ص ۸۲۴)

اس روایت کو المعجم الکبیر للطبرانی (ج ۱۲ ص ۱۲۹ ح ۱۲۶۷۴) سے نقل کر کے حافظ ہیثمی نے لکھا ہے: ''و فیه الحجاج بن أرطاة و عطیة العوفي و کلاهما فیه کلام ''

اور اس میں حجاج بن ارطاۃ اور عطیہ العوفی ہیں اور دونوں میں کلام (جرح) ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۹۵)

حجاج بن ارطاۃ جمہور کے نزدیک ضعیف ہے۔ (دیکھئے المجموع شرح المہذب ج ۱ ص ۲۷۴)

اسے اکثر نے ضعیف قرار دیا ہے۔ (التلخیص الحبیر ج ۲ ص ۲۲۶ ح ۹۶۲)

عطیہ العوفی بھی جمہور کے نزدیک ضعیف ہے لیکن طبرانی کی سند میں مبشر بن عبید کذاب راوی ہے جس کا ذکر حافظ ہیثمی سے سہواً رہ گیا ہے لہٰذا یہ سند موضوع ہے۔

۲۹) نعیم الدین نے لکھا ہے:

''۱۔ عن ابی امامة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اقل الحیض ثلاث و اکثره عشر .

(رواہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۸۰)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا حیض کی کم از کم مدت ۳ دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے۔'' (حدیث اور اہلحدیث ص ۲۲۶)

اس روایت کے فوراً بعد حافظ ہیثمی نے فرمایا: ''و فیه عبدالملك الكوفي عن العلاء ابن کثیر لا ندري من هو ''اور اس میں علاء بن کثیر سے عبدالملک الکوفی راوی ہے اور ہم نہیں جانتے کہ وہ کون ہے؟ (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۸۰)

اس جرح کو چھپانا خیانت ہے۔ نیز دیکھئے فقرہ نمبر ۶

فائدہ: امام دارقطنی نے اس روایت کے بعد فرمایا:

''و عبدالملك هذا رجل مجهول والعلاء هو ابن كثير وهو ضعيف الحديث و مكحول لم يسمع من أبي أمامة شيئاً .''

اور یہ عبدالملک مجہول آدمی ہے، علاء بن کثیر ضعیف الحدیث ہے اور مکحول نے ابو امامہ (رضی اللہ عنہ) سے کچھ نہیں سنا۔ (سنن دارقطنی ج ۱ ص ۲۱۸ ح ۸۳۵)

۳۰) انوار خورشید کے بھیس میں چھپے ہوئے نعیم الدین دیوبندی نے امام بیہقی کی کتاب القراءۃ (ص ۱۷۰) سے نقل کیا کہ

''حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے امام کی اقتداء کی تو امام کی قراءت ہی مقتدی کی قرأت ہے۔'' (حدیث اور اہلحدیث ص ۳۱۷)

یہ روایت لکھنے کے بعد امام بیہقی نے امام دارقطنی (علی بن عمر الحافظ) سے نقل کیا:

''أبو يحيى التيمي يعني إسماعيل بن إبراهيم و محمد بن عباد الرازي ضعيفان'' ابو یحییٰ التیمی یعنی اسماعیل بن ابراہیم اور محمد بن عباد الرازی دونوں ضعیف ہیں۔

(کتاب القراءت خلف الامام ص ۱۷۰ ح ۴۰۳)

اس جرح کو چھپا کر نعیم الدین نے اپنی تیس (۳۰) خیانتوں کی تعداد پوری کر دی ہے۔

میری طرف سے نعیم الدین دیوبندی اور اس کی کتاب: حدیث اور اہلحدیث کا دفاع کرنے والوں سے مطالبہ ہے کہ مرنے سے پہلے توبہ کر لیں ورنہ سوچ لیں کہ اللہ تعالیٰ کی عدالت میں کیا جواب دیں گے؟!

فائدہ: ''حدیث اور اہلحدیث'' کتاب کے تیس (۳۰) جھوٹوں اور اُن کے رد کے لئے دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو (عدد ۳۹ ص ۲۶۔۴۸)

اس مضمون کا جواب ہمارے علم کے مطابق اب تک نہیں آیا۔ و ما علینا إلا البلاغ

(۱۰/ مارچ ۲۰۱۰ء)

پچاس (50) غلطیاں: سہو یا جھوٹ؟

تحریر لکھتے وقت مصنف سے بعض اوقات سہواً غلطیاں ہو ہی جاتی ہیں اور کاتب، کمپوزر اور ناسخ سے بھی بہت سی اخطاء واوہام کا صدور ہوتا ہے اور اس طرح جتنی بھی کوشش کریں، کتاب اور تحریر میں کچھ نہ کچھ غلطیاں باقی رہ جاتی ہیں۔ بعض دیوبندی حضرات ایسی غلطیوں کو جھوٹ، اکاذیب اور افتراءات کا نام دیتے ہیں لہٰذا بعض دیوبندی علماء کی کتابوں سے پچاس اخطاء، اوہام اور غلطیاں باحوالہ پیشِ خدمت ہیں تاکہ ان لوگوں کو ان کے آئینے میں ان کا چہرہ دکھایا جاسکے۔ وما علینا إلا البلاغ

۱) عبدالقدیر دیوبندی نے کہا:

''قال فی التقریب نافع بن محمود بن الربیع مجھول من الثالثۃ''

(تدقیق الکلام ج ۲ ص ۴۸)

(حافظ ابن حجر نے) تقریب میں کہا: نافع بن محمود بن الربیع مجہول ہے، طبقۂ ثالثہ سے۔

نیز دیکھئے تدقیق الکلام (ج ۱ ص ۱۹۲)

عبدالقدیر کے اس حوالے کے برعکس حافظ ابن حجر نے لکھا ہے: ''مستور من الثالثۃ''

(تقریب التہذیب ص ۴۹۰ رقم: ۷۰۸۲)

مستور کو (مطلقاً) مجہول سے بدل دینا خطا ہے اور یاد رہے کہ عبدالقدیر مذکور دیوبندیوں کے مدرسہ تعلیم القرآن راولپنڈی میں شیخ الحدیث تھا۔

۲) عبدالقدیر دیوبندی نے کہا: ''حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے مکحول کے متعلق فرمایا ہے یُدلِّس کثیرًا و یرسل کثیرًا۔'' (تدقیق الکلام ج ۲ ص ۶۳)

یہ قول حافظ ابن حجر سے ثابت نہیں ہے۔ بلکہ تقریب التہذیب میں انھوں نے ''ثقۃ فقیہ کثیر الإرسال مشھور'' لکھا ہے اور تدلیس کا ذکر تک نہیں کیا۔

۳) سرفراز خان صفدر دیوبندی کڑمنگی نے موطأ ابن فرقد الشیبانی سے ایک روایت نقل کی:
''وہ عبداللہ بن شدادؒ سے اور وہ حضرت جابرؓ سے روایت کرتے ہیں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں...'' (احسن الکلام طبع دوم ج۱ ص ۲۸۰ سولہویں حدیث)
موطأ ابن فرقد میں یہ روایت سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کے واسطے کے بغیر ہے۔
دیکھئے ص ۱۰۰، ۱۰۱ (ح ۱۲۴)

احسن الکلام کے جون ۲۰۰۶ء کے مطبوعہ نسخے سے سرفراز نے جابر رضی اللہ عنہ کا واسطہ ختم کر دیا ہے۔ دیکھئے ج۱ ص ۲۴۵

۴) حبیب اللہ ڈیروی دیوبندی نے کہا: ''علامہ ذھبیؒ ترجمہ ھشام بن سعد میں فرماتے ہیں: فالجمهور على انه لا يحتج بهما (میزان ص ۲۹۶ ج ۴)'' (توضیح الکلام پر ایک نظر ص ۲۹۱)
حافظ ذہبی نے یہ بات ہشام بن سعد کے ترجمے میں نہیں بلکہ ہشام بن حسان کے ترجمے میں لکھی ہے۔ دیکھئے میزان الاعتدال (ج ۴ ص ۲۹۶ ت ۹۲۲۰، سطر ۷، ۸)

۵) سرفراز خان صفدر نے سنن ابی داود ج۱ ص ۴۸ سے ایک روایت نقل کی:
''فامِسَّهٗ جلدك و شعرك'' (خزائن السنن ج۱ ص ۹۰)
سنن ابی داود (ج۱ ص ۴۸ ح ۳۳۲) مطبع مجتبائی پاکستان لاہور کے محولہ صفحے پر ''و شعرك'' کے الفاظ نہیں ہیں۔

٦) ایک ضعیف روایت میں آیا ہے کہ ''... إن لله ملكًا أعطاه ...''
دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو: ٦ ص ٥٦

اس روایت کو ابوسعد شیرازی (دیوبندی) نے بحوالہ الحدیث حضرو ان الفاظ میں نقل کیا ہے:
''... إن الله ملكًا اعطاه ...'' دیکھئے الیاس گھسن کا رسالہ: قافلہ ج ۳ شمارہ ۲ ص ۲٦
إن لله کو کتابت یا کمپوزنگ کی غلطی سے إن الله کر دیا گیا ہے۔ اس قسم کی غلطیاں اس رسالے میں اور بھی ہیں۔ مثلاً دیکھئے یہی صفحہ ''لا يتابع عليه'' کے بجائے ''لا ينابع عليه'' لکھا ہوا ہے۔

۷) انور شاہ کاشمیری نے کہا:

"ومنها ما في ابي داوٗد عن عليؓ ان وقت الاشراق من جانب الطلوع مثل بقاء الشمس بعد العصر" (العرف الشذی ج ۱ ص ۴۴، باب ماجاء فی تاخیر صلوٰۃ العصر)

ایسی کوئی روایت سنن ابی داود میں موجود نہیں ہے۔

نیز دیکھئے تحفۃ الاحوذی (ج ۱ ص ۱۴۹ تحت ح ۱۵۲، ترقیم احمد شاکر: ۱۵۹)

۸) محمد عبداللہ درخواستی دیوبندی نے اپنے ہاتھ سے لکھا:

"اما تفكرا في قول الله و ان تنازعتم في شئ فردوه الى الله ..." إلخ

(تذکرہ درخواستی از خلیل الرحمٰن درخواستی ص ۱۸۱)

اصل آیت وان تنازعتم نہیں بلکہ فان تنازعتم ہے۔ دیکھئے سورۃ النسآء: ۵۹

۹) عبداللہ درخواستی نے لکھا:

"اما تفكرا في قول الله و ان تنازعتم في شئ فردوه الى الله و الى الرسول ان كنتم تؤمنون بالله واليوم الاخر ذلك خيرواحسن تاويلا" (تذکرہ درخواستی ص ۱۸۱)

حالانکہ قرآن میں یہاں الی اللہ و الی الرسول نہیں بلکہ الی اللہ والرسول ہے۔ دیکھئے سورۃ النسآء: ۵۹

۱۰) حبیب اللہ ڈیروی دیوبندی نے کہا:

"اس میں ارشاد الحق صاحب نے وارکعو میں واؤ زائد کردی ہے اور یوں قرآن مجید کی اصلاح کی ہے۔" (تنبیہ الغافلین ص ۱۰۹)

عرض ہے کہ قرآن میں ارکعوا ہے۔ دیکھئے سورۃ الحج آیت نمبر ۷۷

ڈیروی کے اس مطبوعہ نسخے سے ارکعوا کا آخری الف (ا) گر گیا ہے۔

تنبیہ: حنفیوں کے نزدیک مستند کتاب الہدایہ میں بھی "وارکعوا واسجدوا" لکھا ہوا ہے۔ دیکھئے الہدایہ مع الدرایہ (اولین ص ۹۸ باب صفۃ الصلوٰۃ)

مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ پر تنقید کرنے والوں کی خدمت میں عرض ہے کہ

صاحبِ ہدایہ علامہ مرغینانی کے بارے میں کیا خیال ہے؟

۱۱) عبدالقدوس قارن دیوبندی نے ایک آیت کو اہلِ حدیث کے خلاف بطورِ اعتراض پیش کیا: ''... فاتّقوا لنّار ''(انکشافِ حقیقت ص ۲۵۱)

حالانکہ قرآن مجید میں ''فَاتَّقُوا النَّارَ ''یعنی الف (ا) کے اضافے کے ساتھ یہ آیت ہے۔ دیکھئے سورۃ البقرۃ:۲۴

۱۲) سرفراز خان صفدر دیوبندی نے سورۃ النحل سے ایک آیت نقل کی:

''... فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الزِّكْرِ ... '' (الکلام المفید فی اثبات التقلید ص ۷۳)

حالانکہ اصل آیت ''... فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ ... ''یعنی ذال کے ساتھ ہے، زاء کے ساتھ نہیں۔ دیکھئے سورۃ النحل:۴۳

۱۳) سعود اشرف عثمانی دیوبندی نے محمد تقی عثمانی کی انگریزی کتاب کے اردو ترجمے میں لکھا: '' يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا أَطِيْعُوا اللّٰه وَالرَّسُوْلَ وَ أُولِي الأَمْرِ مِنْكُمْ ''

(حجیتِ حدیث ص ۱۳)

حالانکہ قرآن مجید میں ''... اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ... '' لکھا ہوا ہے۔ دیکھئے سورۃ النسآء آیت:۵۹، یعنی یہاں ''واطیعوا '' رہ گیا ہے۔

تنبیہ: اسی کتاب کے صفحہ ۵۴ پر یہ آیت ''و اطیعوا '' کے اضافے کے ساتھ صحیح طور پر لکھی ہوئی ہے۔

۱۴) سعود اشرف عثمانی نے کہا: '' وَمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ... '' (حجیتِ حدیث ص ۱۶)

حالانکہ قرآن میں '' اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ... '' ہے۔ دیکھئے سورۃ النور:۵۱

تنبیہ: یہ آیت اسی کتاب کے صفحہ ۷۰ پر ''انما '' کے لفظ کے ساتھ ٹھیک طور پر لکھی ہوئی ہے۔

۱۵، ۱۶) سعود اشرف نے کہا:

'' وَمَن يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ '' (حجیتِ حدیث ص ۱۸، اور ص ۲۲)

حالانکہ یہ آیت واو کے اضافے کے بغیر سورۃ النساء: ۸۰ میں لکھی ہوئی ہے۔

۱۷) سعود اشرف عثمانی نے کہا:

''ایک اور نطقہ نظر پیش کیا جاتا رہا ہے اور وہ یہ کہ...'' (حجیتِ حدیث ص ۹۰)

صحیح لفظ نقطۂ نظر ہے۔ دیکھئے علمی اردو لغت ص ۱۵۲۰

۱۸) سعود اشرف نے لکھا: ''... وَاتَّبَعُوْهُ'' (حجیتِ حدیث ص ۲۳)

حالانکہ قرآن میں ''... وَاتَّبِعُوْهُ'' یعنی زیر کے ساتھ ہے۔ دیکھئے سورۃ الاعراف: ۱۵۸

۱۹) دیوبندیوں کے مکتبہ رحمانیہ لاہور سے شائع شدہ صحیح مسلم کے ترجمے میں لکھا ہوا ہے کہ ''...لوگوں میں بہترین زندگی اُس شخص کی ہے جو اپنے گھوڑے کی لگام تھامے اللہ کی پشت پر اللہ کے راستہ میں اُڑا جا رہا ہو۔'' (ج ۳ ص ۱۸۹ حدیث: ۴۸۸۹)

حالانکہ یہ کمپوزنگ کی بڑی فاش غلطی ہے جبکہ صحیح لفظ ''اس کی پشت پر'' یعنی گھوڑے کی پشت پر ہے۔

۲۰) تقی عثمانی اور سعود اشرف عثمانی نے کہا:

''حضرت جابرؓ کے مشہور شاگر قتادہؒ فرماتے ہیں۔'' (حجیتِ حدیث ص ۱۴۴)

صحیح لفظ شاگر نہیں بلکہ شاگرد ہے۔ یاد رہے کہ قتادہ بن دعامہ رحمہ اللہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کے شاگرد نہیں تھے بلکہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے اُن کی ملاقات ہی ثابت نہیں ہے۔

بہر حال یہ ایک علمی غلطی ہے۔

۲۱) عاشق الٰہی میرٹھی دیوبندی نے کہا:

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث موقوف صحیح مسلم میں مروی ہے کہ قرأت فاتحہ ہر رکعت میں ضروری ہے اِلَّا اَنْ یَّكُوْنَ وَرَاءَ الْاِمَامِ'' (تذکرۃ الرشید ج ۱ ص ۹۲)

یہ حدیث صحیح مسلم میں نہیں بلکہ موطأ امام مالک اور سنن ترمذی وغیرہما میں موجود ہے۔

۲۲) صوفی عبدالحمید سواتی دیوبندی نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک حدیث ''فَمَسَحَ مُقَدَّمَ رَأْسِهٖ.'' کی درج ذیل تخریج لکھی:

''(ابوداود ج ۱ ص ۲۰، مستدرک حاکم ج ۱ ص ۱۶۹ و مسلم ج ۱ ص ۱۳۴)''

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ابوداود اور حاکم والی یہ روایت بلحاظِ سند ضعیف بھی ہے اور صحیح مسلم میں موجود بھی نہیں ہے۔ صحیح مسلم کے محولہ صفحے پر سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ضروری لکھی ہوئی ہے کہ'' ومقدم رأسه وعلی عمامته '' (ج ۱ ص ۱۳۴)

اور عمامے پر مسح کا دیوبندی حضرات انکار کرتے ہیں حالانکہ صحیح مسلم کی حدیثِ مغیرہ رضی اللہ عنہ سے اس کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

۲۳) محمد یوسف لدھیانوی دیوبندی نے کہا:

''صحیح مسلم میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:''

(اختلاف امت اور صراط مستقیم طبع اول ۱۹۹۰ء ج ۲ ص ۴۹)

حالانکہ یہ حدیث صحیح مسلم میں سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے نہیں بلکہ سیدنا ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ دیکھئے صحیح مسلم (ج ۱ ص ۱۷۴)

تنبیہ: اختلافِ امت اور صراطِ مستقیم کے اضافہ وترمیم شدہ جدید ایڈیشن میں اس غلطی کی اصلاح کر کے ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کا حوالہ لکھ دیا گیا ہے۔ (ج ۲ ص ۶۸)

۲۴-۲۶) عبدالحمید سواتی نے کہا:

'' مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلاً (زخرف)'' (مقالات سواتی حصہ اول ص ۲۶)

اس آیت کی طباعت میں کئی غلطیاں ہیں جو دیوبندیوں کی مراجعت سے رہ گئی ہیں مثلاً:

اول: وَحْيًا سے پہلے ''اِلَّا'' رہ گیا ہے۔

دوم: آیت کے شروع میں واو رہ گئی ہے۔

سوم: حوالہ زخرف کا دیا گیا ہے حالانکہ یہ آیت سورۃ الشوریٰ میں ہے۔ دیکھئے آیت نمبر ۵۱

۲۷) جمیل احمد نذیری دیوبندی نے تعوذ اور بسم اللہ پڑھنے کے بارے میں لکھا:

''نماز خواہ جہری ہو یا سرّی ان دونوں کو ہمیشہ سرّاً ہی پڑھنا ہے۔'' (نسائی ج ۱ ص ۱۴۴ عن

عبداللہ بن مسعود)'' (رسولِ اکرم ﷺ کا طریقۂ نماز ص ۱۰۸)

حالانکہ یہ روایت سنن نسائی (ح ۹۰۹) کے محولہ صفحے پر سیدنا عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نہیں۔

۲۸) تقی عثمانی وغیرہ نے قرآن مجید سے نقل کرتے ہوئے کہا:

''مِنَ الْحَقَّ .'' (تذکرے ص ۱۸)

حالانکہ قرآن میں ''مِنَ الْحَقِّ '' زیر کے ساتھ ہے۔ دیکھئے سورۃ المائدۃ: ۴۸

۲۹) محمد عمران صفدر دیوبندی نے قرآن مجید سے نقل کرتے ہوئے کہا:

''من بعد تبین له الهدی '' (دیوبندیوں کا رسالہ: قافلۂ حق سرگودھا ج ۱ ص شمارہ ۲ ص ۳۸)

حالانکہ قرآن میں '' من بعد ما تبین له الهدی '' ہے۔ دیکھئے سورۃ النساء: ۱۱۵

تنبیہ: اس مضمون میں آئندہ اس رسالے کا حوالہ قافلۂ باطل کے نام سے لکھا جائے گا جو کہ حقیقت کے عین مطابق ہے۔

۳۰) محمد عمران صفدر دیوبندی نے سورۃ الحدید سے نقل کیا:

'' والله بما تعلمون خبیر '' (قافلۂ باطل ج ۱ شمارہ ۲ ص ۳۸)

حالانکہ قرآن میں '' والله بما تعملون خبیر ''یعنی میم کی تقدیم سے ہے۔ دیکھئے سورۃ الحدید: ۱۰

۳۱) سرفراز خان صفدر نے سورۃ ھود سے نقل کیا:

''وَلَا تَسْئَلْنِیْ مَا لَیْسَ لَکَ بِهٖ عِلْمٌ '' (سماع الموتی طبع ۱۹۹۷ء ص ۹۹)

حالانکہ قرآن مجید میں '' فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَیْسَ لَکَ بِهٖ عِلْمٌ '' ہے۔ دیکھئے سورۃ ھود: ۴۶

۳۲) سرفراز خان نے کہا:

''قرآن کریم میں انك لا تسمع الموتیٰ اور ولا تسمع من فی القبور کے ظاہری الفاظ سے معاملہ مشکل معلوم ہوتا ہے...'' (سماع الموتی ص ۱۷۹)

حالانکہ ''ولا تسمع من فی القبور '' کے الفاظ والی کوئی آیت قرآن کریم میں موجود

نہیں، ممکن ہے سرفراز خان صاحب کی مراد آیت '' وَمَآ اَنۡتَ بِمُسۡمِعٍ مَّنۡ فِی الۡقُبُوۡرِ ''
(فاطر:۲۲) ہو، جسے سرفراز صاحب نے غلطی سے الفاظِ بالا میں لکھ دیا ہو۔ واللہ اعلم

۳۳) عبدالغفار نامی ایک دیوبندی نے کہا:

'' کما قال اللّٰہ تعالیٰ " الا لعنة اللّٰہ علی الکذبین " '' (قافلۂ باطل ج ا شمارہ ۲ ص ۵۷)

حالانکہ ان الفاظ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا کلام ثابت نہیں ہے بلکہ قرآن مجید میں تو '' اَلَا لَعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَی الظّٰلِمِیۡنَ '' لکھا ہوا ہے۔ دیکھئے سورۃ ھود:۱۸

تنبیہ: میری کتاب '' امین اوکاڑوی کا تعاقب '' میں '' معاذ اللہ، استغفر اللہ، الالعنۃ اللہ علی الکاذبین '' کے الفاظ میرے اپنے لکھے ہوئے ہیں، یہ الفاظ نہ قرآن ہیں اور نہ حدیث بلکہ میرا کلام ہیں اور یاد رہے کہ ان الفاظ کو عربی رسم الخط میں نہیں بلکہ اردو رسم الخط میں لکھا گیا ہے۔ دوسری طرف عبدالغفار دیوبندی نے اپنی عبارت کو '' قال اللّٰہ تعالیٰ '' یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کے ساتھ لکھا ہے۔

۳۴) ابوسعد الشیر ازی (؟) دیوبندی نے ۹۱۱ھ میں فوت ہونے والے علی بن احمد السمہودی (کی کتاب وفاء الوفاء ج ۴ ص ۱۷۸) سے نقل کیا:

'' وروہ ابن عبدالبر و صحهحه کما نقله ابن تیمیة ... '' (قافلۂ باطل ج ۲ شمارہ ۴ ص ۱۷)

حالانکہ وفاء الوفاء میں '' ورواہ ابن عبدالبر و صححه کما نقله ابن تیمیة '' لکھا ہوا ہے۔ (ج ۴ ص ۱۷۸، مطبوعہ دار الکتاب العلمیہ بیروت لبنان)

یعنی ابوسعد یا کمپوزر سے الف رہ گیا ہے اور صححہ بھی غلط لکھا ہے۔

۳۵) عبدالغفار دیوبندی نے صحیح بخاری سے ایک باب نقل کیا ہے:

'' باب لبس الحریر للرجال و قد مایجوز منه . '' (قافلۂ باطل ج ا شمارہ ۲ ص ۵۴)

حالانکہ صحیح بخاری میں '' ...وقدر ما یجوز منه '' لکھا ہوا ہے۔ (درسی نسخہ ج ۲ ص ۸۶۷ قبل ح ۵۸۲۸) یعنی قدر کی راء رہ گئی ہے۔

۳۶) احمد رضا بجنوری دیوبندی نے کہا:

''فتح الباری (ج ۷) ص ۱۳۹ میں بھی حدیثِ نزول وصلوۃِ بیت اللحم نسائی، بزار وطبرانی کے حوالہ سے ذکر ہوئی ہے، مگر کچھ ابہام کے ساتھ، اور غالباً اسی سے علامہ ابن القیم نے غلط فائدہ اٹھایا ہے، واللہ اعلم۔'' (ملفوظات محدث کشمیری ص ۱۸۳)

عرض ہے کہ علامہ ابن القیم ۷۵۱ھ میں فوت ہوئے تھے اور حافظ ابن حجر ۷۷۳ھ میں پیدا ہوئے، لہٰذا دیوبندی بتائیں کہ کس نے غلط فائدہ اٹھایا ہے؟

۳۷) راقم الحروف نے اپنی کتاب ''تعداد رکعاتِ قیامِ رمضان کا تحقیقی جائزہ'' میں حافظ ابن حجر کی کتاب الدرایہ کا حوالہ لکھا ہے۔ دیکھئے طبع اولیٰ ص ۷۳، طبع دوم ۲۰۰۶ء ص ۵۱

لیکن حبیب اللہ ڈیروی کی کتاب تنبیہ الغافلین میں میرے حوالے سے ''الداریہ'' لکھا ہوا ہے۔ دیکھئے مطبوعہ دسمبر ۲۰۰۴ء ص ۲۲

۳۸) حبیب اللہ ڈیروی نے لکھا:

''علامہ نورالدین ھیثمیؒ نے بھی مجمع الزوائد ص ۱۰۳/ ج ۲ میں معجم طبرانی کبیر کے حوالے سے بکل اصبعین (ہر دو انگلیوں سے اشارہ کرے) نقل کیا ہے اور'' (تنبیہ الغافلین ص ۸۶)

حالانکہ مجمع الزوائد کے محولہ صفحے پر'' بکل اصبع حسنة أو درجة '' لکھا ہوا ہے یعنی اصبعین نہیں بلکہ اصبع ہے۔ (مطبوعہ ۱۹۸۲ء/۱۴۰۲ھ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

تنبیہ: ہیثمی ش کے ساتھ نہیں بلکہ ث کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔

۳۹) عبدالغنی طارق لدھیانوی دیوبندی نے اپنی شادی کی دوسری رات میں کہا:

''فرمان نمبر ا۔ علیکم بسنتی وسنتی الخلفاء الراشدین'' (ترمذی)'' (شادی کی پہلی دس راتیں ص ۱۰)

سنن ترمذی میں یہ حدیث ''علیکم بسنتی و سنتی الخلفاء الراشدین '' کے الفاظ سے نہیں بلکہ ''فعلیه بسنتي و سنة الخلفاء الراشدین '' کے الفاظ سے موجود ہے۔ دیکھئے حدیث نمبر ۲۶۷۶

۴۰) دیوبندیوں کے ممدوح ابن الترکمانی حنفی نے صحیح مسلم کی طرف ایک حدیث کو منسوب کیا تو امین اوکاڑوی نے کہا:

''اس حدیث کو محدث ابن ترکمانی نے مسلم شریف کے حوالہ سے لکھا۔ حالانکہ یہ حدیث اس راوی سے مسلم میں نہیں ہے۔'' (تجلیات صفدر ج ۴ ص ۲۴۷)

۴۱) سیف اللہ اکرم دیوبندی نے طارق جمیل کے واقعات بیان کرتے ہوئے آیت لکھی:

'' ... كُلَّمَا دِعُوْتُهُمْ ... '' (حیرت انگیز اور ناقابل فراموش واقعات ص ۴۳)

حالانکہ قرآن میں '' دَعَوْتُهُمْ '' یعنی عین کی زبر کے ساتھ ہے۔ دیکھئے سورۃ نوح: ۷

۴۲) حبیب اللہ ڈیروی نے مشہور اہلِ حدیث عالم مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ کے بارے میں کہا: '' البتہ اثری صاحبؓ نے ترجمہ اردو صحیح کیا ہے۔''

(توضیح الکلام پر ایک نظر ص ۶۱ طبع اول ۲۰۰۲ء)

عرض ہے کہ اثری صاحب صحابی نہیں ہیں اور زندہ موجود ہیں، ان کے ساتھ ؓ یعنی رضی اللہ عنہ والی علامت لکھنا عجیب وغریب ہے۔ یہ وہی اثری صاحب ہیں جن کے بارے میں ڈیروی نے اسی کتاب میں لکھا ہے:

'' کاش ظالم انسان تجھے ماں نے نہ جنا ہوتا۔'' (دیکھئے توضیح الکلام پر ایک نظر ص ۲۰۳)

۴۳) حبیب اللہ ڈیروی نے امام المغازی محمد بن اسحاق بن یسار رحمہ اللہ کے بارے میں لکھا: ''...دراصل محمد بن اسحاق ہے جو کہ مشہور دلا ہے'' (توضیح الکلام پر ایک نظر ص ۱۱۷)

حبیب اللہ ڈیروی صاحب نے ہمارے پاس خود آکر کہا تھا کہ یہ کمپوزنگ کی غلطی ہے۔

۴۴) حبیب اللہ نے اپنی کتاب ''نور الصباح حصہ دوم'' کی کمپوزنگ ساتھ بیٹھ کر کرائی۔ دیکھئے ص ۱۰، اس کتاب میں حبیب اللہ نے اکمال المعلم بفوائد مسلم نامی کتاب کے بارے میں لکھا ہے: '' لا کمال المعلم بفوائد مسلم '' (نور الصباح حصہ دوم ص ۳۲۲)

اس کتاب کی فہرست میں سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کے لئے '' جابر بن ثمرہ '' ث کے ساتھ لکھا ہوا ہے۔ دیکھئے ص ۴

۴۵) خصیب بن جحدر نامی ایک کذاب راوی کا ذکر کرتے ہوئے فقیر اللہ دیوبندی نے لکھا ہے: '' یہ خطیب بن جحدر کی روایت ہے جسے محدثین نے جھوٹا کہا ہے۔''

(نماز میں بتدریج ترک رفع یدین ص۱۸۶)

حالانکہ نصیب صاد کے ساتھ ہے، طاء کے ساتھ نہیں۔

۴۶) مشکوٰۃ المصابیح (ص۳۱ ح۱۸۶) میں ایک حدیث ہے:

"ترکت فیکم أمرین لن تضلوا ما تمسکتم بهما کتاب اللّٰه وسنة رسوله"

اس حدیث کو "ملا محمد عمر الحنفی" دیوبندی نے درج ذیل الفاظ میں مشکوٰۃ سے نقل کیا ہے:

"ترکتم الامرین کتاب اللّٰه تعالٰی وسنة رسوله إلخ (مشکواة)"

(مسئلہ فاتحہ خلف الامام غیر مقلدین کا دجل وفریب ص۶)

۴۷) حافظ ابن عبدالبر نے التمہید (ج۱۱ ص۴۶) میں محمد بن ابی عائشہ رحمہ اللہ کی بیان کردہ حدیث کے بارے میں لکھا ہے: "واما حدیث محمد بن ..."

اس حوالے کو فقیر اللہ دیوبندی نے درج ذیل الفاظ میں نقل کیا ہے:

"و امام حدیث محمد بن ..." (رسالہ فاتحہ خلف الامام علی زئی کارد ص۲۲)

۴۸) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "یٰٓاَیُّهَا الذین اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ ...." إلخ دیکھئے سورۃ الممتحنہ آیت نمبر۱۳

اس آیتِ کریمہ کو مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ نے نقل کیا۔ دیکھئے "تحریک آزادیٔ فکر اور شاہ ولی اللہ کی تجدیدی مساعی" (ص۴۷۹)

ابوبکرِ غازیپوری دیوبندی نے اس کتاب سے اس آیت کو درج ذیل الفاظ میں نقل کیا:

"یا ایها الذین امنوا تتولوا قومًا غضب اللّٰه علیهم ..." (غیر مقلدین کی ڈائری ص۱۹)

غازیپوری کی نقل میں "لا" رہ گیا ہے جس سے آیت کا معنی اُلٹ گیا ہے۔

۴۹) ابوبکر غازیپوری تقلیدی دیوبندی نے لکھا ہے:

"اور اسی وجہ سے قرآن میں آنحضور کے بارے میں ارشاد ہے:

فبما رحمة من اللّٰه لنت لهم ولو کنت فظا غلیظ القلب لا نفضوا من حولك،

(ال عمران)" (غیر مقلدین کی ڈائری ص۵۱)

حالانکہ قرآن مجید میں ''فبما رحمة من الله لنت لهم '' إلخ ہے یعنی قرآن میں باء موجود ہے جو غازیپوری تقلیدی کی کتابِ مطبوع سے گرگئی ہے۔

نیز دیکھئے سورۃ آل عمران: ۱۵۹

۵۰) قاری محمد طیب دیوبندی نے کہا:

''اسی کے بارے میں وہ روایت ہے جو صحیح بخاری میں ہے کہ ایک آواز بھی غیب سے ظاہر ہو گی کہ: هذا خليفة الله المهدى ، فاسمعو له و اطيعوه .

''یہ خلفیۃ اللہ مہدیؒ ہیں ان کی سمع وطاعت کرو۔'' '' (خطبات حکیم الاسلام ج ۷ ص ۲۳۲)

یہ حدیث صحیح بخاری میں نہیں بلکہ سنن ابن ماجہ (۴۰۷۴) میں ہے اور اس کی سند (سفیان ثوری کی تدلیس کی وجہ سے) ضعیف ہے۔

یہ پچاس حوالے اس لئے پیش کئے ہیں تا کہ دیوبندیوں کو آئینہ دکھایا جائے کہ کمپوزنگ، کتابت اور تحریر کی نادانستہ غلطیاں جھوٹ نہیں ہوتیں۔

فاعتبروا يا أولي الأبصار

(۷/ دسمبر ۲۰۰۸ء)

قادیانیوں اور فرقۂ مسعودیہ میں بیس (۲۰) مشترکہ عقائد

الحمد للّٰہ ربّ العالمین و الصّلوٰۃ و السّلام علٰی رسولہ الأمین و رضي اللّٰہ عن أصحاب آخر النبیین و رحمۃ اللّٰہ علٰی من تبعھم بإحسان إلٰی یوم الدین ، أما بعد:

فرقۂ مسعودیہ (کراچی کی جماعت المسلمین رجسٹرڈ) اور ختم نبوت پر ڈاکا ڈالنے والے قادیانیوں کے درمیان بہت سی باتیں مشترک ہیں، جن میں سے بیس (۲۰) مثالیں اس مضمون میں پیشِ خدمت ہیں:

۱) قادیانی ـــــ اجماعِ اُمت کے منکر ہیں۔
مسعودی بھی اجماعِ اُمت کے منکر ہیں۔

تنبیہ: اجماعِ اُمت سے مراد کسی ایک دور مثلاً خیر القرون کے مسلم صحیح العقیدہ علماء (اور صحیح العقیدہ عوام) کا اجماع ہے، قیامت تک پوری اُمتِ اجابت کی شرط والا اجماع مراد نہیں جس کا فی الحال وقوع محال ہے۔

مشہور محدث حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے ابوقلابہ عبداللہ بن زید الجرمی (راوی) کے بارے میں فرمایا: ''أجمعوا علٰی أنہ من ثقات العلماء''

اس پر اجماع ہے کہ وہ ثقہ راویوں میں سے ہیں۔

(کتاب الاستغناء فی معرفۃ المشہورین من حملۃ العلم بالکنیٰ ج ۲ ص ۸۹۵۔۸۹۶ ت ۱۰۶۳)

یہ ظاہر ہے کہ یہ اجماع حافظ ابن عبدالبر سے پہلے والی صدیوں میں واقع ہوا تھا لہٰذا بعض منکرینِ اجماع کا وقوعِ اجماع کے لئے قیامت تک کی شرط لگانا باطل ہے۔

۲) قادیانی ـــــ سلف صالحین کے متفقہ فہم کے منکر ہیں۔
مسعودی بھی سلف صالحین کے متفقہ فہم کے منکر ہیں۔

۳) قادیانی ـــــ غیر قادیانیوں کو مسلمین نہیں سمجھتے اوران کی تکفیر کرتے ہیں۔
مسعودی بھی غیر مسعودیوں کو مسلمین نہیں سمجھتے اوران کی تکفیر کرتے ہیں۔
٤) قادیانیوں کے نزدیک اُن کے خلیفہ کی بیعت شرطِ ایمان ہے۔
مسعودیوں کے نزدیک اُن کے امیر کی بیعت شرطِ ایمان ہے۔
٥) قادیانیوں کے نزدیک غیر قادیانی کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے۔
مسعودیوں کے نزدیک غیر مسعودی کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے۔
٦) قادیانیوں کے نزدیک غیر قادیانی کی نمازِ جنازہ (صلوٰۃ الجنازۃ) نہیں پڑھنی چاہئے، چاہے مرنے والا نابالغ بچہ ہی کیوں نہ ہو۔
مسعودیوں کے نزدیک غیر مسعودی کی نمازِ جنازہ (صلوٰۃ الجنازۃ) نہیں پڑھنی چاہئے، چاہے مرنے والا نابالغ بچہ ہی کیوں نہ ہو۔
۷) قادیانی ـــــ قرآن وحدیث سے غلط استدلال کرتے ہیں۔
مسعودی بھی قرآن وحدیث سے غلط استدلال کرتے ہیں۔
۸) قادیانیوں کے نزدیک ان کے سلسلے سے خارج ہونے والا شخص مرتد ہے۔
مسعودیوں کے نزدیک ان کے سلسلے سے خارج ہونے والا شخص مرتد ہے۔
۹) قادیانیوں کے نزدیک غیر قادیانی کی اقتدا میں حج ادا کرنا جائز نہیں ہے۔
مسعودیوں کے نزدیک غیر مسعودی کی اقتدا میں حج ادا کرنا جائز نہیں ہے۔
۱۰) قادیانیوں کے نزدیک قرآن وحدیث کی وہی تشریح معتبر ہے جو مرزا قادیانی اور اس کے خلفاء سے ثابت ہے۔
مسعودیوں کے نزدیک قرآن وحدیث کی وہی تشریح معتبر ہے جو مسعود احمد اور اس کے خلیفہ (یا خلفاء) سے ثابت ہے۔
۱۱) قادیانیوں کے نزدیک غیر قادیانیوں کے ساتھ رشتے ناطے (نکاح) جائز نہیں اِلا یہ کہ اُن کی بیٹیوں کو اہلِ کتاب کے حکم میں لے کر مشرّف بہ قادیانیت کرلیا جائے۔

مسعودیوں کے نزدیک غیر مسعودیوں کے ساتھ رشتے ناطے (نکاح) جائز نہیں اِلا یہ کہ اُن کی بیٹیوں کو اہلِ کتاب کے حکم میں لے کر مشرّف بہ مسعودیت کر لیا جائے۔

۱۲) اہلِ حدیث اہلِ سنت سے قادیانیوں کو سخت چڑ اور بغض ہے۔

اہلِ حدیث اہلِ سنت سے مسعودیوں کو سخت چڑ اور بغض ہے۔

۱۳) مرزا قادیانی نے اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھے۔

مسعود احمد نے کہا: ''اللہ تعالےٰ کو یہ تو گوارا ہے کہ کوئی گھر میں بیٹھ کر بت کی پوجا کرے یا آگ کی یا کسی اور چیز کی لیکن یہ گوارا نہیں کہ ملک اور معاشرے میں اس کا قانون نافذ نہ ہو'' (جماعت المسلمین کی دعوات اور تحریک اسلام کی آئینہ دار ہیں ص ۲۶۸)

عبارتِ مذکورہ میں اللہ تعالیٰ پر صریحاً بہتان باندھا گیا ہے اور اس کے برعکس اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَ لَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ﴾ اور وہ اپنے بندوں کے لئے کفر (ناشکری) پسند نہیں کرتا۔ (الزمر: ۷)

۱٤) رسول اللہ ﷺ پر قادیانیوں نے بہتان تراشے ہیں۔

مسعودیوں نے بھی رسول اللہ ﷺ پر بہتان تراشے ہیں مثلاً ''تلزم جماعة المسلمين و إمامهم '' سے فرقہ مسعودیہ اور اس کا کاغذی بے اختیار امیر مُراد لینا رسول اللہ ﷺ پر بہتان ہے۔

۱۵) مرزا قادیانی نے صحابۂ کرام (مثلاً سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ) کی توہین کی ہے۔

مسعودیوں نے بھی صحابۂ کرام کی توہین کی ہے مثلاً فرقۂ مسعودیہ کے امام دوم محمد اشتیاق نے کہا: ''حضرت ابو موسیٰ اور حضرت حذیفہ اس مسئلہ میں حضرت ابنِ مسعود کی تقلید کر رہے ہیں۔'' (نماز کے سلسلہ میں یوسف لدھیانوی صاحب کے چند اعتراضات اور ان کے جوابات ص ۳۰)

یاد رہے کہ مسعودیوں کے نزدیک تقلید شرک ہے۔ دیکھئے التحقیق فی جواب التقلید (ص ۵)

۱٦) قادیانیوں کے نزدیک تمام صدقات اور زکوٰۃ اُن کی پارٹی اور خود ساختہ خلیفہ کو ہی دینی چاہئے۔

مسعودیوں کے نزدیک تمام صدقات اور زکوٰۃ اُن کی پارٹی اور خود ساختہ امیر کو ہی دینی چاہئے۔

۱۷) قادیانیوں کے نزدیک محدثین کرام کی کوئی حیثیت نہیں ہے بلکہ وہ اُن کی توہین کرتے ہیں۔

مسعودیوں کے نزدیک محدثین کرام کی کوئی حیثیت نہیں ہے بلکہ وہ اُن کی توہین کرتے ہیں۔ مثلاً امام ہشیم بن بشیر سے پوچھا گیا: کس چیز نے آپ کو تدلیس پر آمادہ کیا ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: یہ بہت مزیدار چیز ہے۔

(الکفایہ للخطیب ص۳۶۱ وسندہ صحیح، التأسیس فی مسئلۃ التدلیس/ الحدیث حضرو: ۳۳ ص۴۶)

امام عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ نے فرمایا: میں نے ہشیم سے کہا: آپ کیوں تدلیس کرتے ہیں حالانکہ آپ نے (بہت کچھ) سنا بھی ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا: دو بڑے (بھی) تدلیس کرتے تھے یعنی اعمش اور ثوری۔ (العلل الکبیر للترمذی ۹۶۶/۲ وسندہ صحیح، التأسیس ص۴۶)

معلوم ہوا کہ امام ہشیم نے اپنا مدلس ہونا تسلیم کیا، جبکہ مسعود احمد نے کہا:

''مدلس راوی کذاب ہوتا ہے۔'' (اصولِ حدیث ص۱۸)

اس عبارت سے ثابت ہوا کہ مسعود احمد نے ہشیم کو کذاب قرار دیا ہے اور یاد رہے کہ میرے ساتھ ایک مباحثے میں مسعود احمد نے یہ تسلیم کر لیا تھا کہ ہشیم مدلس ہیں۔

۱۸) قادیانیوں کی پشت پناہی انگریزوں نے کی۔ فرقۂ مسعودیہ کی پشت پناہی طاغوتی حکومت سے ''جماعت المسلمین'' نام کو رجسٹر کروا کر کی گئی ہے۔

۱۹) قادیانیوں کے نزدیک اصولِ حدیث و اصولِ محدثین کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

مسعودیوں کے نزدیک اصولِ حدیث اور اصولِ محدثین کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

۲۰) قادیانیوں میں شدید تنظیم پرستی ہے۔ مسعودیوں میں بھی شدید تنظیم پرستی ہے۔

یہ بیس مثالیں مشتے از خروارے پیش کی گئی ہیں تاکہ عامۃ المسلمین اس فرقۂ ضالہ مضلہ مسعودیہ تکفیریہ سے دور رہیں۔ و ما علینا إلا البلاغ (۱۷/ اپریل ۲۰۱۰ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قادیانیوں کے بارے میں ایک استفتاء کا جواب

الحمدللّٰہ ربّ العالمیں والصّلوٰۃ والسّلام علٰی رسولہ الأمین :خاتم النبیین أي آخر النبیین وعلٰی أصحابہ أجمعین و من تبعھم بإحسان إلٰی یوم الدین، أما بعد:

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ آخر الانبیاء ہیں اور آپ کے بعد نبوت ورسالت کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا گیا ہے لہٰذا آپ ﷺ کے بعد نہ کوئی رسول پیدا ہوگا اور نہ کوئی نبی پیدا ہوگا۔

اس میں بھی کوئی شک وشبہ نہیں کہ مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے تمام متبعین: قادیانی، مرزائی اور لاہوری مرزائی سب کے سب پکے کافر ہیں اور دائرہ اسلام سے یقیناً خارج ہیں، تفصیل کے لئے دیکھئے مولانا محدّث ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ کی کتاب: ''قادیانی کافر کیوں؟'' اور کتبِ متعلقہ۔

اس تمہید کے بعد آپ کے سوالات کا مختصر اور جامع جواب درج ذیل ہے:

سورۃ الممتحنہ (آیت:۴) اور دیگر دلائل کی رُو سے ہر مسلمان پر ضروری ہے کہ وہ قادیانیوں، مرزائیوں اور تمام کفار ومرتدین سے برادرانہ تعلقات منقطع کرے۔ ان سے میل جول، نشست وبرخاست اور شادی غمی میں شرکت نہ رکھے اور سلام وکلام منقطع کر دے۔

تنبیہ: اگر قادیانیوں، مرزائیوں اور کفار ومرتدین کو دعوتِ اسلام اور اُن کے شبہات کا رد مقصود ہو تو اہلِ علم حضرات شرائطِ شرعیہ کے مطابق اُن سے کلام کر سکتے ہیں۔

ہر مسلمان پر یہ فرض ہے کہ ان کفار ومرتدین سے تجارت، لین دین اور خرید وفروخت نہ کرے، اُن کے کارخانوں، فیکٹریوں، دکانوں اور بیکریوں کا مکمل بائیکاٹ کرے۔ ان کی تعلیم گاہوں، ہوٹلوں، ریستورانوں اور ہسپتالوں میں ہرگز نہ جائے اور ان کے ڈاکٹروں

سے علاج بالکل نہ کروائے۔

یہ لوگ یہود ونصاریٰ سے زیادہ خطرناک ہیں لہٰذا ان کے ساتھ کسی قسم کی رواداری نہ برتی جائے بلکہ اپنے تمام وسائل کے ساتھ ہر طریقے سے ان کفار ومرتدین کی پوری مخالفت کر کے ان کی دعوت کو ختم کرنے اور دینِ اسلام کو غالب کرنے کی کوشش کی جائے۔

حافظ زبیر علی زئی
مدرسہ اہل الحدیث حضرو۔ ضلع اٹک، پاکستان
(۳۱/ مارچ ۲۰۱۰ء)

شذرات الذہب

زمین سے عرش تک کا فاصلہ

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: '' ما بین کل سماء إلٰی أخری مسیرة خمسمائة عام و ما بین السماء والأرض مسیرة خمسمائة عام و ما بین السماء السابعة إلی الکرسي مسیرة خمسمائة عام و ما بین الکرسي إلی الماء مسیرة خمسمائة عام، والعرش علی الماء واللّٰه علی العرش و یعلم أعمالکم . '' ہر آسمان اور دوسرے آسمان کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے، آسمان اور زمین کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے، ساتویں آسمان اور کرسی کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے، کرسی اور پانی کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے، عرش پانی پر ہے اور اللہ عرش پر ہے اور تمھارے اعمال جانتا ہے۔

(کتاب التوحید لابن خزیمہ ص ۱۰۴، دوسرا نسخہ ۱/۲۴۲۔۲۴۳ ح ۱۴۹، وسندہ حسن لذاتہ، کتاب الرد علی الجہمیہ :۸۱، دوسرا نسخہ: ۲۶، الرد علٰی بشر المریسی ص ۷۳، ۹۰، ۱۰۵، المعجم الکبیر للطبرانی ۹/۲۲۸ ح ۸۹۸۷ وقال الہیثمی فی مجمع الزوائد ۱/۸۶: '' ورجالہ رجال الصحیح ''، الاسماء والصفات للبیہقی ص ۴۰۱، دوسرا نسخہ ص ۵۰۷، تیسرا نسخہ ۲/۲۹۰ ح ۸۵۱، وعنہ الذہبی فی کتاب العلو للعلی الغفار ۱/۴۱۷ ح ۶۷)

کتاب اللہ اور نبی ﷺ کی سنت

سیدنا ابن عباس (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر خطبہ دیا تو فرمایا: شیطان مایوس ہو گیا ہے کہ تمھاری زمین میں اس کی عبادت کی جائے لیکن وہ اس پر راضی ہے کہ اس کے علاوہ اُن اعمال میں اُس کی اطاعت کی جائے جنھیں تم حقیر سمجھتے ہو، پس اے لوگو! ڈر جاؤ ((إني قد ترکت فیکم ما إن اعتصمتم بہ فلن تضلوا أبدًا: کتاب اللّٰه و سنة نبیه ﷺ .))

میں تمھارے درمیان وہ چھوڑ کر جا رہا ہوں جسے اگر تم مضبوطی سے پکڑو گے تو کبھی گمراہ

نہیں ہوگے: کتاب اللہ اور اس کے نبی ﷺ کی سنت۔

ہر مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں اور کسی آدمی کا مال اس کی خوشی اور مرضی کے بغیر حلال نہیں ہے، ظلم نہ کرو اور میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹتے پھرو۔ (المستدرک للحاکم ۹۳/۱ ح ۳۱۸ وسندہ حسن)

تنبیہ: اس روایت کے راوی اسماعیل بن ابی اویس جمہور محدثین کے نزدیک موثق ہونے کی وجہ سے حسن الحدیث ہیں۔ دیکھئے میری کتاب: فضائل درود وسلام (ص ۴۰)

حدیث نبوی کا انکار کفر ہے

حافظ ابن حزم اندلسی نے فرمایا: ''وکل من کفر بما بلغه وصح عنده عن النبي ﷺ أو أجمع علیه المؤمنون مما جاء به النبي علیه السلام فهو کافر کما قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ﴾''

جو شخص نبی ﷺ کی صحیح حدیث معلوم ہو جانے یا نبی ﷺ جو لائے ہیں اُس پر مومنین کا اجماع ہونے کے بعد اُس کا انکار کرے تو وہ کافر ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اور جو شخص ہدایت معلوم ہو جانے کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور مومنین کے راستے کو چھوڑ کر دوسرے راستے پر چلے تو وہ جدھر جاتا ہے ہم اُسے اُسی طرف پھیر دیتے ہیں اور اُسے جہنم میں داخل کریں گے۔

(المحلی ج ۱ ص ۱۲ مسئلہ: ۲۰، نیز دیکھئے فتنۂ انکارِ حدیث کا ایک نیا روپ ج ۱ ص ۷۷، از غازی عزیر حفظہ اللہ)

مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''جماعت اہل حدیث صحیح اجماع کے وجود کو مانتی اور اس کو حجت گردانتی [ہے]۔ امام احمد کا یہ فرمان [یعنی جو شخص کسی امر میں اجماع کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے] اجماع کے غلط دعاوی [دعووں] کے بارے میں تھا۔ جو اُس دور کے بدعتی فرقے نصوص صریحہ صحیحہ کی مخالفت میں کرتے اور ان کا سہارا لیتے تھے۔ تفصیل کا

یہ موقع نہیں۔ حافظ ابن القیم اور ان کے شیخ امام ابن تیمیہ کی تالیفات میں بعض جگہ یہ وضاحت ملتی ہے۔'' (حاشیہ فتاویٰ علمائے حدیث ج ۱۲ ص ۹۷، بتصرف یسیر)

فتنہ انکارِ حدیث کی ابتدا خوارج نے کی تھی

ہمارے علم کے مطابق سب سے پہلے خوارج نے قرآن ماننے کا دعویٰ کر کے حدیث کا انکار کیا جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: اور وہ قرآن پڑھیں گے جو اُن کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ (صحیح بخاری: ۵۰۵۸، صحیح مسلم: ۱۰۶۴)

یعنی خوارج نہ تو قرآن پر عمل کریں گے اور نہ قرآن کا مفہوم سمجھیں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے خوارج کو ''کلاب النار'' [جہنم کے کتے] قرار دیا ہے۔

دیکھئے مسند احمد (۳۸۲/۴ ح ۱۹۴۱۵، وسندہ حسن)

سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے خوارج کو کلاب النار کہا اور اسے مرفوعاً یعنی نبی ﷺ سے بھی بیان کیا۔

(مسند احمد ۲۵۳/۵ ح ۲۲۱۸۳ وسندہ حسن، مسند احمد ۲۵۰/۵ ح ۲۲۱۵۱ میں اس کا حسن شاہد بھی ہے)

خوارج کی تقلید کرتے ہوئے روافض، معتزلہ، جہمیہ اور منکرینِ حدیث نے بھی صحیح احادیث کی حجیت کا انکار کیا اور قرآن کو رسول کے بغیر سمجھنے کا زبانِ حال سے دعوی کیا۔ یہاں یہ بات انتہائی قابلِ ذکر ہے کہ اُمت میں فتنۂ انکارِ حدیث کی پیش گوئی نبی کریم ﷺ نے اس فتنے کے وقوع سے پہلے کردی تھی۔ (دیکھئے سنن ابی داود: ۴۶۰۴ وسندہ صحیح)

اہلِ بدعت کی خاص نشانی: صحیح حدیث سے بغض

بقیہ بن الولید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ (امام) اوزاعی (رحمہ اللہ) نے مجھے کہا: اے ابومحمد! تم اُن لوگوں کے بارے میں کیا کہتے ہو جو اپنے نبی ﷺ کی حدیث سے بغض رکھتے ہیں؟ میں نے کہا: یہ بُرے لوگ ہیں۔

انھوں نے فرمایا: ''لیس من صاحب بدعة تحدثه عن رسول الله ﷺ

بخلاف بدعته إلا أبغض الحديث"
کوئی بھی ایسا بدعتی نہیں جسے تم رسول اللہ ﷺ کی ایسی حدیث سُناؤ جو اس کی بدعت کے خلاف ہو تو وہ حدیث سے بغض نہ کرے یعنی حدیث سے ہر بدعتی بغض رکھتا ہے۔

(الطیوریات ج ۴ ص ۱۳۷۸ ح ۱۳۴۴، وسندہ حسن)

اہلِ بدعت کے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا کیسا ہے؟

امام فضیل بن عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا: " إن لله ملائكة يطلبون حلق الذكر فانظر مع من تكون جلستك، لاتكون مع صاحب بدعة فإن الله لا ينظر إليهم وعلامة النفاق أن يقوم الرجل ويقعد مع صاحب بدعة "
یقیناً اللہ کے فرشتے ذکر کے حلقے تلاش کرتے رہتے ہیں لہٰذا دیکھو کہ تمھارا اُٹھنا بیٹھنا کس کے ساتھ ہے؟ بدعتی کے ساتھ نہ ہو کیونکہ اللہ اُن کی طرف (رحمت سے) نہیں دیکھتا اور نفاق کی علامت یہ ہے کہ آدمی کا اُٹھنا بیٹھنا بدعتی کے ساتھ ہو۔

(الطیوریات ۳۱۸/۲ ح ۲۵۸ وسندہ حسن، حلیۃ الاولیاء ۱۰۴/۸، وسندہ صحیح)

اہلِ بدعت سے بغض

☆ امام فضیل بن عیاض رحمہ اللہ (متوفی ۱۸۷ھ) نے فرمایا:
" من أعان صاحب بدعة فقد أعان على هدم الإسلام " جس نے کسی بدعتی کی مدد کی تو اس نے اسلام کے گرانے پر مدد کی۔ (حلیۃ الاولیاء ۱۰۳/۸، وسندہ صحیح)
☆ امام فضیل بن عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا: " وأدركت خيار الناس كلهم أصحاب سنة وهم ينهون عن أصحاب البدعة.... إن لله عبادًا يحيي بهم العباد والبلاد وهم أصحاب سنة، من كان يعقل ما يدخل جوفه من حلّه كان في حزب الله تعالىٰ " میں نے دیکھا ہے کہ سارے بہترین لوگ اصحابِ سنت

تھے اور وہ اہلِ بدعت سے منع کرتے تھے ..... اللہ کے ایسے بندے ہیں جن کے ساتھ وہ ملکوں کو آباد اور بندوں کی اصلاح فرماتا ہے اور وہ اصحابِ سنت ہیں، جس کو پتہ ہو کہ اس کے پیٹ میں کیا حلال جا رہا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی جماعت (حزب اللہ) سے ہے۔

(حلیۃ الاولیاء ۸/۱۰۴، وسندہ صحیح)

اہلِ بدعت کا احترام اور لمحۂ فکریہ

ابوالولید الباجی (متوفی ۴۷۴ھ) نے اپنی کتاب ''اختصار فرق الفقہاء'' میں لکھا ہے:
مجھے شیخ ابوذر (عبد بن احمد الہروی) نے بتایا، اور وہ اس (قاضی ابوبکر ابن الباقلانی) کے مذہب پر تھا: میں بغداد میں حافظ دارقطنی (امام علی بن عمر الدارقطنی رحمہ اللہ) کے ساتھ پیدل جا رہا تھا کہ ہماری ابوبکر ابن الطیب (الباقلانی) سے ملاقات ہوگئی تو شیخ ابوالحسن (امام دارقطنی) نے اُس سے معانقہ کیا اور اس کی پیشانی کا بوسہ لیا۔ جب ہم جدا ہوئے تو میں نے پوچھا: یہ کون آدمی تھا جس کے ساتھ آپ نے یہ (احترام والا) معاملہ کیا ہے؟ میں نہیں سمجھتا کہ آپ ایسا کرنے والے تھے اور آپ وقت کے امام ہیں؟ تو انھوں نے فرمایا:
یہ مسلمانوں کے امام اور دین کا دفاع کرنے والے ہیں، یہ قاضی ابوبکر محمد بن الطیب ہیں۔
ابوذر (الہروی) نے کہا: میں اس وقت سے اپنے والد کے ساتھ اُن (باقلانی) کے پاس جانے لگا۔ الخ (سیر اعلام النبلاء ج ۱۷ ص ۵۵۸)

یہ ہے وہ سبب جس کی وجہ سے ابوذر الہروی، اشعری فرقے میں داخل ہو گئے اور محدثین کے مسلک کو خیر باد کہا۔ باقلانی اپنی ساری خوبیوں اور بہترین مناظروں کے باوجود اشعری العقیدہ تھے۔ جب امام دارقطنی جو کہ اہلِ سنت کے بہت بڑے امام تھے، نے باقلانی کا یہ احترام کیا تو اُن کے شاگرد اشعری بن گئے۔ إنا للّٰہ و إنا إلیہ راجعون

مُرجی کون ہے؟

ابونصر عبید اللہ بن سعید بن حاتم الوائلی السجزی (الحنفی) رحمہ اللہ (متوفی ۴۴۴ھ) نے فرمایا: '' و كل من زعم أنّ الإيمان قول مفرد أو قول و معرفة أو قول و تصديق أو معرفة مجردة أو تصديق مفرد أو أنه لا يزيد و لا ينقص فهو مرجئ و بعضهم جهمي . ''

اور ہر شخص جو دعویٰ کرے کہ ایمان صرف قول ہے، یا قول و معرفت ہے، یا قول و تصدیق ہے، یا مجرد معرفت ہے، یا صرف تصدیق ہے، یا وہ (ایمان) نہ زیادہ ہوتا ہے اور نہ کم ہوتا ہے۔ تو یہ شخص مرجی ہے اور ان میں سے بعض جہمی ہیں۔ (رسالۃ السجزی الی اہل زبید ص ۳۴۴)

منکرینِ عذابِ قبر سے دُور رہیں

عبداللہ الداناج (رحمہ اللہ) سے روایت ہے کہ میں سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھا تو ایک آدمی نے انھیں کہا: اے ابوحمزہ! بے شک کچھ لوگ عذابِ قبر کو جھٹلاتے ہیں؟ (ہمیں ان کے متعلق نصیحت فرمائیں۔)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ان کے ساتھ مت بیٹھو۔

(اثبات عذاب القبر للبیہقی: ۲۵۸ وسندہ صحیح، دوسرا نسخہ: ۲۳۰)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام کے دور میں بھی ایسے گمراہ لوگ پیدا ہو چکے تھے جو عذابِ قبر کا انکار کرتے تھے۔ صحابۂ کرام نے عام لوگوں کو ان کی مجلسوں اور محفلوں سے دُور رہنے کی تلقین کی۔ ہمیں بھی صحابۂ کرام کی اس نصیحت کو سامنے رکھتے ہوئے اس قسم کے گمراہوں کی بیٹھک اور مجالس سے دُور رہنا چاہئے۔

(المسند فی عذاب القبر ص ۱۴۲، بتصرف یسیر/محمد ارشد کمال)

عذابِ قبر سے نجات یا روٹی کا علم؟!

امام ابوالحسن احمد بن محمد بن ثابت بن عثمان الخزاعی (ابن شبویہ) رحمہ اللہ نے فرمایا:
''مَنْ أَرَادَ عِلْمَ الْقَبرِ فَعَلَيْهِ بِالْأَثَرِ وَمَنْ أَرَادَ عِلْمَ الْخُبْزِ فَعَلَيْهِ الرَّأْيَ''
جسے قبر (میں نفع دینے) والا علم چاہئے تو وہ آثار کو لازم پکڑے اور جسے روٹی کا علم چاہئے تو وہ (کتاب وسنت کے مقابلے میں) رائے کو لازم پکڑ لے۔!

(شرف اصحاب الحدیث: ۱۴۹، وسندہ حسن)

ایک گستاخ عیسائی کا انجام

شیخ جمال الدین ابراہیم بن محمد الطیبی نے فرمایا: مغل امیروں میں سے ایک امیر عیسائی ہوگیا تو اس کے پاس عیسائیوں کے بڑوں میں سے ایک جماعت آئی، وہاں (بہت سے) مغل بھی موجود تھے پھر ایک (عیسائی) نے نبی ﷺ کی تنقیص (توہین) شروع کردی۔ وہاں ایک شکاری کتا بندھا ہوا تھا، پھر جب اُس عیسائی نے بہت زیادہ توہین کی تو کتے نے (رسی تڑوا کر) اُس پر چھلانگ لگائی اور کاٹ کاٹ کر زخمی کر دیا۔ حاضرین میں سے کسی نے کہا: کتے نے اس لئے حملہ کیا ہے کہ تُو نے محمد (ﷺ) پر کلام کیا ہے۔ وہ بولا: ہرگز نہیں بلکہ یہ کتا اپنے آپ میں بڑا بنتا ہے۔ اُس نے جب مجھے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے دیکھا تو یہ سمجھا کہ میں اُسے مارنا چاہتا ہوں۔ پھر اُس (عیسائی) نے دوبارہ لمبی بکواس شروع کر دی تو اس کتے نے اُس پر دوبارہ حملہ کر دیا اور اس کے حلق کو دبوچ کھایا حتیٰ کہ وہ شخص فوراً مر گیا۔ اس وجہ سے تقریباً چالیس ہزار مغل مسلمان ہوگئے۔

(الدرر الکامنہ للحافظ ابن حجر ج ۳ ص ۱۲۸۔ ۱۲۹/ محمد ارشد کمال)

گھمن اور ترویجِ اکاذیب: دو مثالیں

(۱) محمد الیاس گھمن دیوبندی نے کہا: ''... ہندوستان کے ایک راجہ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک زنجبیل (تازہ ادرک یا خشک سونٹھ) کا تحفہ بھیجا۔ جسے آنحضرت ﷺ نے پسند فرمایا اور ٹکڑے ٹکڑے کر کے صحابہ کرامؓ میں تقسیم فرمایا اور خود بھی تناول فرمایا۔''

(فرقہ اہلحدیث پاک وہند کا تحقیقی جائزہ ص۲ بحوالہ مستدرک حاکم ج۴ص ۳۵)

عرض ہے کہ مستدرک الحاکم (ج۴ص ۱۳۵ ح ۷۱۹۰) کی یہ روایت کئی وجہ سے ضعیف و مردود ہے: مثلاً علی بن زید بن جدعان ضعیف راوی ہے۔ (تقریب التہذیب: ۴۷۳۴)

عمرو بن حکام جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف و مجروح تھا۔ (لسان المیزان ج۴ص ۳۶۰۔۳۶۱)

یہ روایت منکر ہے۔ (دیکھئے میزان الاعتدال ج۳ص ۲۵۴)

(۲) گھمن نے کہا: ''تاریخی روایات میں جماعت صحابہؓ کے اندر بعض ہندی مسلمانوں کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ مثلاً حضرت بیر زطن ہندیؒ...''

(...اہلحدیث پاک وہند کا تحقیقی جائزہ ص۴ بحوالہ الاصابہ ج۱ص ۱۷۸)

عرض ہے کہ چھٹی صدی اور ساتویں صدی کے خواجہ رطن یا رتن کا صحابی ہونا قطعاً ثابت نہیں ہے، بلکہ حافظ ذہبی نے کہا: رتن شیخ دجال تھا جو چھٹی صدی کے بعد ظاہر ہوا اور صحابی ہونے کا دعویٰ کیا...

(الاصابہ ج۱ص ۵۳۷، میزان الاعتدال ج۲ص ۴۵، نیز دیکھئے نزہۃ الخواطر ج۱ص ۱۶۸۔۱۶۹)

قافلۂ باطل کے جواب میں

☆ بابا رتن یا بیر رَطن کا صحابی ہونا قطعاً ثابت نہیں ہے۔ اس مسئلے پر شرائط اور ثالث طے ہونے کے بعد ہم محمد الیاس گھمن سے پُر امن مناظرے کے لئے تیار ہیں۔

☆ عمرو بن حکام اور علی بن زید بن جدعان (دو ضعیف راویوں) کی منکر روایت میں عام

کتبِ حدیث میں "ملك الروم" کے الفاظ اور المستدرک للحاکم میں "ملك الهند" کے الفاظ آئے ہیں۔ روایت ایک ہی ہے، جسے ضعیف راویوں نے الفاظ بدل کر بیان کیا ہے، اگر کوئی شخص اس روایت کو صحیح سمجھتا ہے تو شرائط اور ثالث طے کرنے کے بعد ہم اُس سے اس روایت کے ضعیف ہونے پر مناظرہ کرنے کے لئے تیار ہیں۔

(۲۴/جنوری ۲۰۱۰ء)

کتاب کی اصلاح اور مصنف

سید مشتاق علی شاہ (دیوبندی) نے سرفراز خان صفدر (دیوبندی) کے بارے میں لکھا ہے:

"۶۔ ایک مرتبہ میں نے دریافت کیا کہ جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ کے حضرات کہتے ہیں کہ مولانا سرفراز صاحب نے اپنی کتاب "راہ سنت" میں تحریف کردی ہے، کیونکہ پہلے ایڈیشنوں میں انھوں نے ایک جگہ لکھا تھا کہ "شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب خطیب راول پنڈی پر پشاور میں شیخ التفسیر حضرت مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری گجراتی پر منڈی بہاؤالدین میں قاتلانہ حملہ ہوا۔" لیکن بعد میں یہ عبارت نکال دی گئی۔ حضرت نے فرمایا کہ اس کو تحریف نہیں کہتے۔ مصنف کو اپنی زندگی میں حق ہوتا ہے کہ وہ کتاب میں جیسے چاہے، ردوبدل اور کمی بیشی کرے اور ہمیشہ اس کی آخری بات کا اعتبار ہوتا ہے۔ فرمایا کہ میں نے "راہ سنت" میں عرض حال لکھتے ہوئے حضرت شیخ القرآن اور سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری کے بارے میں یہ لکھا تھا، لیکن جب شاہ صاحب نے علمائے دیوبند سے الگ راہ نکالی اور اس پر محاذ آرائی شروع کردی تو بہت سے احباب نے مشورہ دیا کہ یہ عبارت حذف کردی جائے، اس لیے میں نے اکابر علما کے مشورے سے یہ عبارت نکال دی ہے۔" (ماہنامہ الشریعہ گوجرانوالہ ج ۲۱ شمارہ ۱ ص ۲۱، جنوری ۲۰۱۰ء)

ایک اور حوالے کے لئے دیکھئے عبدالقدوس قارن دیوبندی کا مجذوبانہ واویلا (ص ۱۸۷۔۱۸۸، تلبیسانہ انداز)

دوغلی پالیسی

عیدین کی بارہ تکبیرات والی حدیثوں میں سے ایک حدیث سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے
روی ہے، اس حدیث کے ایک راوی عبداللہ بن لہیعہ کے بارے میں منیر احمد منور دیوبندی
نے لکھا ہے: ''اس کی سند میں ابن لھیعہ ضعیف راوی ہے۔''

(نمازِ عید کے مسائل پر حنفی تحقیقی جائزہ ص ۲۳ طبع اول)

اسی راوی (ابن لہیعہ) سے تکبیراتِ عیدین میں رفع یدین والی حدیث بھی مروی ہے۔

(دیکھئے التلخیص الحبیر ۸۶/۲ ح ۶۹۲)

یہ حدیث اس مسئلے میں آلِ دیوبند کی تائید میں ہے لہٰذا منیر احمد منور نے مذکورہ بالا
کتاب میں لکھا: ''عبداللہ بن لھیعہ ضعیف محض نہیں بلکہ اس کے ثقہ وضعیف ہونے میں
محدثین کے درمیان اختلاف ہے۔ پس یہ راوی مختلف فیہ ہے اور مختلف فیہ راوی کی حدیث
درجہ حسن میں ہوتی ہے۔'' (نمازِ عید کے مسائل پر حنفی تحقیقی جائزہ ص ۳۳)

ان دونوں عبارتوں میں صرف نو یا دس صفحات کا فرق ہے۔ ایسی دوغلی پالیسی کی بنیاد
پر دیوبندی اتحاد سرگودھا اس کوشش میں مصروف ہے کہ اہلِ حدیث (اہلِ سنت) کی پھیلتی
ہوئی دعوتِ حقہ کا راستہ روک دے لیکن یہ سچی دعوت رُکے گی نہیں بلکہ پھیلتی ہی پھیلتی رہے
گی۔ ان شاءاللہ (۲۶/ دسمبر ۲۰۰۹ء)

تحذیر

کسی پروفیسر حافظ اظہر محمود نے ''سیرتِ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ'' کے نام سے ایک کتاب لکھی
ہے جس میں تاریخ طبری اور البدایہ والنہایہ وغیرہما تاریخی کتابوں کی ضعیف و مردود تاریخی
روایات سے استدلال کیا ہے، جو کہ تحقیق کے سراسر منافی ہے۔ اس کتاب میں امام ابن
شہاب الزہری وغیرہ کے بارے میں شیعہ ہونے کا جھوٹا پروپیگنڈا بھی کیا گیا ہے لہٰذا عوام کو

چاہئے کہ ایسی غیر مستند اور مردود کتابوں سے اجتناب کریں۔

رقص وسماع اور خرقہ پوشی

شیخ ابومحمد محمود بن ابی القاسم بن بدران الدشتی الحنفی رحمہ اللہ (متوفی ۶۶۵ھ) نے فرمایا:

"ألا فإنّ الرقص و استماع الغناء والشبابات واللعب بالشطرنج و لبس الخرقة من المشايخ و تقليد الجهال من العبّاد أمر تبيّن زيغه عند أهل الإسلام والسنة."

لوگو سُن لو! بے شک رقص کرنا، گانے سُننا، بانسریاں بجانا، شطرنج سے کھیلنا، مشائخ (پیروں) سے خرقہ پوشی کرنا، جاہل عبادت گزاروں کی تقلید (اُن کی مقرر کردہ خاص علامات کو بطورِ نشان پہننا یا اختیار کرنا) ایسی باتیں ہیں جن کی اہلِ اسلام اور اہلِ سنت کے نزدیک گمراہی واضح ہے۔ (کتاب النہی عن الرقص والاستماع ج ۲ ص ۶۷۶)

امام بخاری رحمہ اللہ اور تراویح کے بعد تہجد؟

ایک راوی سے روایت ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ اپنے شاگردوں کو نماز تراویح پڑھاتے تو ہر رکعت میں بیس آیتیں پڑھتے اور اسی طرح ختم قرآن تک سلسلہ جاری رہتا اور سحری کے وقت (تہجد میں) آدھے سے تہائی قرآن تک پڑھتے الخ

(تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۲، ہدی الساری مقدمہ فتح الباری ص ۴۸۱، حدیث اور اہلحدیث ص ۶۸۳ وغیرہ)

یہ راوی کون ہے؟ اس کے نام میں سخت اختلاف ہے: کسی نے کہا: نسج بن سعید، دوسروں نے کہا: مقسم بن سعید، فسیح بن سعید، مسیح بن سعید، مسبح بن سعید، مقسم بن سعد، شیخ بن محمد (!) اس کا جو بھی نام ونسب ہو، یہ راوی مجہول ہے لہٰذا درج بالا قصہ ضعیف اور غیر ثابت ہے۔ واعظین حضرات کی خدمت میں عرض ہے کہ ایسے ضعیف و مردود قصے لوگوں کے سامنے بیان نہ کریں۔ وما علینا إلا البلاغ (۲۹/ جون ۲۰۰۹ء)

امام بخاری کی قبر اور مشک کستوری؟

محمد بن ابی حاتم الوراق (وراق البخاری) سے روایت ہے کہ میں نے (ابومنصور) غالب بن جبریل (الخرتنگی السمر قندی) سے سنا: جب ہم نے (امام) بخاری کا جنازہ پڑھا اور آپ کو قبر میں دفن کیا تو مٹی سے مشک (کستوری) کی خوشبو (مہک) آتی رہی اور عرصہ دراز تک لوگ دُور دُور سے آکر قبر کی مٹی کو بطورِ تبرک لے جاتے رہے۔

(ہدی الساری ص ۴۹۳، تذکرۃ المحد ثین از غلام رسول سعیدی بریلوی ص ۱۷۹)

یہ سارا قصہ ثابت نہیں ہے کیونکہ نہ تو محمد بن ابی حاتم الوراق کا ثقہ وصدوق ہونا معلوم ہے اور نہ غالب بن جبریل کی توثیق کہیں ملی ہے۔ محمد بن ابی حاتم الوراق تک سند بھی نا معلوم ہے۔ مختلف قبروں کی مٹی اور خوشبو والے بے اصل اور ضعیف قصے آج کل عوام الناس میں بہت پھیلے ہوئے ہیں، جن سے اجتناب ضروری ہے۔ وما علینا إلا البلاغ

(۲۹/ جون ۲۰۰۹ء)

امام شافعی رحمہ اللہ کے لئے دعا

☆ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا: ’’ستة أدعولهم بسحر : أحدهم الشافعي رضي اللّٰه عنه‘‘ میں سحری کے وقت چھ آدمیوں کے لئے دعا کرتا ہوں: ان میں ایک شافعی ہیں، اللہ اُن سے راضی ہو۔ ([illegible] ۲/۲۶۸ ح ۱۹۴۲، وسندہ صحیح)

معلوم ہوا کہ اہل [illegible] کو ایک دوسرے سے محبت کرنی چاہئے اور ایک دوسرے کے لئے دعائیں کرتے رہنا چاہئے۔

اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک امام ابوعبداللہ محمد بن ادریس الشافعی رحمہ اللہ کا بہت بڑا مقام تھا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور حافظ ابن القیم رحمہما اللہ

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی تعریف وتوثیق جمہور محدثین مثلاً حافظ ذہبی، حافظ ابن کثیر، حافظ ابن عبدالباری اور حافظ ابن ناصر الدین وغیرہم نے کی اور ملا علی قاری حنفی نے حافظ ابن تیمیہ اور حافظ ابن القیم دونوں کے بارے میں کہا: ''... أنهما كانا من أكابر أهل السنة والجماعة ومن أولياء هذه الأمة ''وہ دونوں اہلِ سنت والجماعت کے اکابر میں سے اور اس اُمت کے اولیاء میں سے تھے۔

(جمع الوسائل فی شرح الشمائل ج ۱ ص ۲۰۷)

عمران بن حطان السدوسی البصری

عمران بن حطان کے بارے میں مختصر تحقیق درج ذیل ہے:

روایات: عمران مذکور کی روایات درج ذیل کتابوں اور کئی کتبِ حدیث میں موجود ہیں:

۱: صحیح بخاری: ۵۸۳۵، ۵۹۵۲

۲: سنن ابی داود: ۴۱۵۱

۳: سنن النسائی: ۸/۲۰۰۔۲۰۱ ح ۵۳۰۸

۴: مسند ابی داود طیالسی: ۱۵۴۷، دوسرا نسخہ: ۱۶۵۰

۵: مصنف ابن ابی شیبہ ۱۳/۳۴۱ ح ۲۴۶۷۲، عوامہ: ۳۵۸۲۸

۶: مسند اسحاق بن راہویہ ۳/۸۷۷، ۹۷۲ بحوالہ المکتبۃ الشاملۃ

۷: صحیح ابن حبان: ۵۰۳۳، دوسرا نسخہ: ۵۰۵۵

۸: مسند احمد ۱/۴۶، ۶/۵۲، ۷۵، ۲۳۷، ۲۵۲

جرح:

۱: عقیلی: کتاب الضعفاء میں ذکر کیا۔

۲:   دارقطنی، قال: متروك لسوء اعتقاده و خبث رأيه . (التتبع: ۳۳۳)

☆ احمد قال: يرى رأي الخوارج (العلل ۱/۱۹۷)

☆ ابوداود: ليس في أهل الأهواء أصح حديثًا من الخوارج ثم ذكر عمران بن حطان و أبا حسان الاعرج. (سوالات الآجری) آجری مجہول.

توثیق:

۱:   عجلی قال: تابعی ثقة (الثقات: ۱۳۰۰)

۲:   ابن حبان (ذکرہ فی الثقات ۵/۲۲۲، وروی لہ فی صحیحہ: ۵۰۳۳)

۳:   بخاری، روی لہ فی صحیحہ

۴:   محارب بن دثار (ثقہ تابعی) نے فرمایا: ''صحبت عمران بن حطان فما رأيت أحدًا مثله . ''میں نے عمران بن حطان کی مصاحبت کی ہے، میں نے اس جیسا کوئی نہیں دیکھا۔ (کتاب العلل و معرفۃ الرجال لاحمد ۳/۲۷ فقرہ: ۵۲۳۳ وسندہ صحیح)

۵:   ہیثمی حسن لہ (مجمع الزوائد ۴/۳۴۴)

۶:   صحح لہ البغوی فی شرح السنہ

۷:   ذہبی قال: صدوق فی نفسہ

۸:   ابن حجر قال: صدوق إلا أنه كان على مذهب الخوارج و يقال : رجع عن ذلك (تقریب التہذیب: ۵۱۵۲)

روایات صحیح بخاری: صحیح بخاری میں اُن کی صرف دو روایتیں موجود ہیں۔

۵۸۳۵: شاھدہ فی صحیح مسلم: ۲۰۶۸ دار السلام: ۵۴۰۱

۵۹۵۲: شاھدہ عند احمد ۶/۱۴۰ ح ۲۵۰۹۱

فائدہ: جمہور محدثین کے نزدیک موثق راوی پر خارجی، شیعہ اور مرجی وغیرہ کی جرحیں مردود ہوتی ہیں اور ایسے راوی کی حدیث حسن کے درجے سے کبھی نہیں گرتی۔ خلاصۃ التحقیق یہ ہے کہ عمران بن حطان صدوق وثقہ الجمہور حسن الحدیث راوی ہیں۔ (۵/ اپریل ۲۰۱۰ء)

ہر نماز کے آخری تشہد میں تورک

نماز ایک رکعت ہو، دو رکعت ہو، تین رکعت ہو یا چار رکعت وغیرہ، ہر نماز کے آخری تشہد (جس کے آخر میں سلام پھیرا جاتا ہے) میں تورک کرنا چاہئے۔
دلیل کے لئے دیکھئے منتقیٰ ابن الجارود (۱۹۲، وسندہ صحیح) اور صحیح بخاری (۸۲۷)
اگر نماز صرف دو رکعتوں والی ہو (مثلاً نمازِ فجر) تو اُس کے آخر (تشہد) میں تورک نہ کرنا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے بلکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دو رکعتیں پڑھیں اور پھر تورک کیا۔ دیکھئے نور العینین (طبع جدید ص ۲۰۴)

اے اللہ! ان دونوں پر رحم فرما

سیدنا اسامہ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ (جب میں چھوٹا بچہ تھا تو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ایک ران پر بٹھاتے اور (سیدنا) حسن بن علی (رضی اللہ عنہما) کو دوسری ران پر بٹھاتے پھر (ہم) دونوں کو ملا دیتے پھر فرماتے: ((اللھم ارحمھما فإني أرحمھما .))
اے اللہ! تُو ان دونوں پر رحم فرما کیونکہ میں ان دونوں پر رحم کرتا ہوں۔ (صحیح بخاری: ۶۰۰۳)

والدین کی اطاعت

دینِ اسلام میں والدین کی اطاعت فرض ہے اور ان کا اتنا عظیم الشان مقام ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((إن کان العدوّ عند باب البیت فلا تذھب إلیه إلا بإذن أبویك.))
اگر دشمن گھر کے دروازے کے پاس پہنچ جائے تو پھر بھی اپنے والدین کی اجازت کے بغیر اُس کی طرف (لڑنے کے لئے) نہ جا۔
(المعجم الصغیر للطبرانی ۱/۱۰۴ ح ۲۷۸ وسندہ حسن، باب من اسمہ اسامہ)
تنبیہ: روایتِ مذکورہ میں اسامہ بن علی بن سعید بن بشیر الرازی اور احمد بن عبدالرحمٰن بن

وہب دونوں حسن الحدیث راوی ہیں اور باقی سند صحیح ہے۔

جو رحم نہیں کرتا، اُس پر رحم نہیں کیا جاتا

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (سیدنا) حسن بن علی (رضی اللہ عنہما) کا بوسہ لیا اور آپ کے پاس اقرع بن حابس التمیمی (رضی اللہ عنہ) بیٹھے ہوئے تو اقرع نے کہا: میرے دس بیٹے ہیں لیکن میں نے کبھی ان کا بوسہ نہیں لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ سنا تو (غور سے) اُس کی طرف دیکھا پھر فرمایا: ((من لا یرحم لا یرحم .))
جو رحم نہیں کرتا، اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔ (صحیح بخاری: ۵۹۹۷، صحیح مسلم: ۲۳۱۸)

بچوں سے پیار

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک اعرابی (بدو) آیا تو کہا: کیا تم لوگ چھوٹے بچوں کو چومتے ہو؟ ہم تو انھیں نہیں چومتے۔! نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (جواب میں) فرمایا: ((أوَ أملك لك أن نزع اللّٰه من قلبك الرحمة .؟))
جب اللہ نے تیرے دل سے رحمت نکال دی ہے تو میں تیرے لئے کیا کر سکتا ہوں؟!
(صحیح بخاری: ۵۹۹۸، صحیح مسلم: ۲۳۱۷)

کھجوریں اور قرض

ایک طویل حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک صحابی سے فرمایا: خویلہ بنت حکیم بن امیہ (رضی اللہ عنہا) کے پاس جاؤ، پھر اُسے کہو: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تجھے کہتے ہیں کہ اگر تمھارے پاس جمع شدہ (عجوہ) کھجوروں کا ایک وسق (تقریباً 150 کلوگرام) ہے تو ہمیں قرض دے دو، ہم ان شاء اللہ تمھیں یہ بعد میں واپس کر دیں گے۔
پھر آپ نے اُن سے کھجوریں لے لیں اور اُس اعرابی کو دے دیں، جس سے آپ نے ایک

اونٹ یا اونٹوں کا سودا کیا تھا۔ دیکھئے مسند الامام احمد (۲۶۸/۶، ۲۶۹ ح ۲۶۳۱۲ وسندہ حسن، السنن الکبریٰ للبیہقی ۲۰/۶ بسند آخر وسندہ حسن فالحدیث صحیح)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کھانے پینے کی چیزیں وغیرہ ایک دوسرے سے بطورِ قرض لینا دینا جائز ہے۔ والحمد للہ

تین نصیحتیں

مشہور ثقہ تابعی امام عامر بن شراحیل الشعبی رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۳، یا ۱۰۴ھ) نے فرمایا:

"[أ] حبَّ أهلَ بيتِ نبيك ولا تكن رافضِيًّا .
واعمل بالقرآن و لا تكن حرورِيًّا.
واعلم أن ما أتاك من حسنة فمن الله وما أتاك من سيئة فمن نفسك ولا تكن قدريًّا. و أطع الإمام وإن كان عبدًا حبشيًّا."

اپنے نبی کے اہلِ بیت سے محبت کر اور رافضی نہ ہونا۔
قرآن پر عمل کر اور خارجی نہ ہونا۔
جان لے! کہ تجھے جو اچھائی ملی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو مصیبت پہنچی ہے وہ تیری اپنی وجہ سے ہے اور قدری (یعنی تقدیر کا منکر) نہ ہونا۔
اور خلیفہ (یعنی مسلمان حکمران) کی اطاعت کر اگرچہ وہ حبشی غلام ہو۔

(تاریخ یحییٰ بن معین روایۃ عباس الدوری وھذا من زیادتہ: ۱۱۶۳، وسندہ صحیح/ تنویر الحق ہزاروی)

چڑیا کے دو بچے اور چیونٹیوں کی بستی

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق سفر تھے پس ایک دفعہ آپ رفع حاجت کے لیے تشریف لے گئے تو ہم نے ایک چڑیا دیکھی جس کے دو چھوٹے چھوٹے بچے تھے۔ ہم نے وہ دونوں پکڑ لیے تو وہ چڑیا (بے قراری کی وجہ سے) پر

پھڑ پھڑانے لگی، اتنے میں نبی ﷺ تشریف لے آئے تو آپ نے فرمایا: اسے کس نے اس کے بچوں کی وجہ سے تکلیف پہنچائی ہے؟ اسے اس کا بچہ (یعنی دونوں بچے) لوٹا دو۔ اور آپ نے چیونٹیوں کی بستی کو دیکھا جسے ہم نے جلا دیا تھا پس آپ نے فرمایا: اسے کس نے جلایا ہے؟ ہم نے کہا: ہم نے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: آگ کے رب (یعنی اللہ تعالیٰ) کے سوا کسی شخص کے لیے زیبا (جائز) نہیں کہ وہ کسی کو آگ سے تکلیف پہنچائے۔

(سنن ابی داود: ۲۶۷۵، ترجمۃ الشیخ ابی انس محمد سرور گوہر حفظہ اللہ ج ۲ ص ۳۴۷ بتصرف یسیر طبع مکتبہ قدوسیہ لاہور)

[اس کی سند حسن ہے اور اسے حاکم وذہبی دونوں نے صحیح کہا ہے۔ دیکھئے المستدرک وتلخیصہ ۲۳۹/۴ ح ۷۵۹۹]

مچھر کا خون

ابو الحکم عبدالرحمٰن بن ابی نعم البجلی الکوفی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ میں (سیدنا) ابن عمر (رضی اللہ عنہ) کے پاس حاضر تھا اور ایک آدمی نے اُن سے (حالتِ احرام میں) مچھر کے خون کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: تُو کہاں کا رہنے والا ہے؟ اس نے کہا: میں اہلِ عراق میں سے یعنی عراقی ہوں۔ انھوں نے فرمایا: اسے دیکھو! یہ مجھ سے مچھر کے خون کے بارے میں پوچھ رہا ہے اور انھوں نے نبی ﷺ کے بیٹے (سیدنا ومحبوبنا حسین بن علی رضی اللہ عنہ) کو شہید کیا ہے اور میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا تھا:

یہ دونوں (یعنی سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما) دنیا میں میرے دو پھول ہیں۔

(صحیح بخاری: ۵۹۹۴)

جہاد بالقلم

نبی ﷺ نے فرمایا: ((جاھِدُوا المشرکینَ بأیدیکم و ألسنتکم .))
مشرکوں سے جہاد کرو، اپنے ہاتھوں کے ساتھ اور اپنی زبانوں کے ساتھ۔
(الاحادیث المختارہ للضیاء المقدسی ۵/۳۶ ح ۱۶۴۲، وسندہ صحیح)

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ زبان کے ساتھ دین کی دعوت، درس و تدریس، تقریریں اور اقامتِ دین کے تمام اقوال وافعال جہاد میں سے ہیں۔

ہاتھوں کے ساتھ میدانِ جنگ میں کفار و مشرکین و مرتدین سے قتال بھی جہاد ہے اور قلم، دوات اور قرطاس کے ذریعے سے دینِ اسلام کا دفاع بھی جہاد ہے۔

جہاد کی چار بڑی اور تیرہ ذیلی اقسام ہیں۔ دیکھئے استاذ محترم حافظ عبدالمنان نور پوری حفظہ اللہ کی کتاب: احکام و مسائل (ج ۲ ص ۶۷۷۔ ۶۷۸)

سلف صالحین میدانِ قتال میں ثابت قدم رہنے کے ساتھ تصنیف و تالیف کے جہاد میں بھی مصروف رہتے تھے، اُن کی کتابوں مثلاً صحیح بخاری، صحیح مسلم، موطأ امام مالک، کتاب الام للشافعی، مسند احمد اور دیگر کتب سے رہتی دنیا تک اہلِ ایمان مستفید ہو کر صراطِ مستقیم پر گامزن رہیں گے۔ ان شاء اللہ

علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ نے تقریر و تحریر کے ذریعے سے حق پھیلایا۔

اہلِ کفر اور اہلِ بدعت کو علمی میدان میں شکست دے کر مسلکِ حق (اہلِ حدیث) کو غالب کیا۔

ابھی چند دن پہلے مرزا قادیانی کے پوتے مرزا ناصر کے بیٹے احمد بلال (عبدالرحمٰن) نے علامہ رحمہ اللہ کی کتابیں پڑھ کر قادیانیت چھوڑ دی اور دینِ اسلام قبول کیا۔ دیکھئے روزنامہ نوائے وقت (پاکستان) ۳۰/ دسمبر ۲۰۰۹ء اور نوائے وقت ۱۱/ جنوری ۲۰۱۰ء

احمد بلال بن مرزا ناصر بن مرزا بشیر الدین محمود بن مرزا غلام احمد قادیانی کے مسلکِ اہلِ حدیث قبول کرنے پر ہمیں بیحد خوشی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ انھیں دینِ اسلام پر ثابت قدم رکھے، دوسرے قادیانیوں کو بھی مسلمان بنائے اور بشمول علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ تمام اہلِ حق کو دنیا و آخرت میں کامیاب فرمائے۔ آمین یارب العالمین

نرمی کریں

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! بے شک اللہ رفیق (نرم خو) ہے، نرمی کو پسند کرتا ہے، وہ نرمی پر اتنا کچھ عطا فرماتا ہے جتنا وہ سختی پر نہیں دیتا اور نہ اس کے علاوہ کسی اور کو اس طرح بخشتا ہے۔ (صحیح مسلم: ۲۵۹۳، دارالسلام: ۶۶۰۱)

نیز آپ نے فرمایا: جس چیز میں بھی نرمی ہو تو وہ اسے مزین وخوبصورت بنا دیتی ہے اور جس سے نرمی اُٹھ جائے تو وہ چیز بدصورت ہو جاتی ہے۔ (صحیح مسلم: ۲۵۹۴)

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک اعرابی (بدو، دیہاتی جنگلی) نے مسجد میں پیشاب کر دیا تو لوگ اُس کی طرف (منع کرنے کے لئے) کھڑے ہو گئے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: اسے چھوڑ دو اور پیشاب والی جگہ پر پانی کا ایک ڈول بہا دو، تمھیں آسانی کرنے والا بنایا گیا ہے، سختی کرنے والا نہیں بنایا گیا۔ (دیکھئے صحیح بخاری: ۲۲۰)

پھر آپ نے ایک ڈول منگوا کر وہاں بہا دیا۔ (دیکھئے صحیح بخاری: ۲۱۹، صحیح مسلم: ۲۸۵)

رسول اللہ ﷺ انتہائی مہربان، رحمۃ للعالمین اور نرمی فرمانے والے تھے۔

ایک دفعہ سیدنا معاویہ بن الحکم السلمی رضی اللہ عنہ نے نماز میں دنیاوی باتیں کرنا شروع کر دی تھیں تو لوگ سخت ناراض ہوئے لیکن رسول اللہ ﷺ نے انھیں انتہائی نرمی سے سمجھایا۔ سیدنا معاویہ بن الحکم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرے ماں باپ آپ (ﷺ) پر قربان ہوں! میں نے آپ جیسا بہترین معلم (استاذ) کوئی نہیں دیکھا، نہ پہلے اور نہ بعد میں، اللہ کی قسم! آپ نے نہ مجھے ڈانٹا، نہ مارا اور نہ بُرا بھلا کہا۔ الخ (دیکھئے صحیح مسلم: ۵۳۷ دارالسلام: ۱۱۹۹)

اگر کسی بھائی سے کوئی غلطی ہو جائے تو اسے انتہائی نرمی اور پیار ومحبت سے سمجھانا چاہئے، تاکہ وہ آئندہ ایسی غلطی کبھی نہ کرے۔ اسلام امن وسلامتی کا دین ہے اور اگر اس پر صحیح طریقے سے عمل کیا جائے تو ساری دنیا امن وسلامتی کا گہوارہ بن جائے۔

رزقِ حلال

رب العالمین نے اپنے پیارے رسولوں سے ہم کلام ہو کر فرمایا:

اے رسولو! پاک چیزوں میں سے کھاؤ اور نیک اعمال کرو۔ (المؤمنون:۵۱)

اس آیتِ کریمہ کی تشریح میں حافظ ابن کثیر الدمشقی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

اللہ تعالیٰ اپنے (خاص) بندوں: رسولوں علیہم الصلوٰۃ السلام کو حکم دیتا ہے کہ حلال کھائیں اور نیک اعمال کرتے رہیں لہٰذا معلوم ہوا کہ رزقِ حلال عملِ صالح پر مددگار ہے۔ انبیاءِ کرام علیہم السلام نے اس ارشاد پر اکمل ترین طریقے سے عمل کیا اور قول، عمل، دلالت اور خیر خواہی کی ہر بھلائی کو اکٹھا کر لیا۔ اللہ انھیں سب بندوں کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔ (تفسیر القرآن العظیم ج ۱۰ ص ۱۲۶)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! اللہ پاک ہے اور صرف پاک کو ہی قبول فرماتا ہے، بے شک اللہ نے مومنوں کو وہی حکم دیا ہے جو اُس نے رسولوں کو حکم دیا۔ اللہ نے فرمایا: اے رسولو! پاک چیزوں میں سے کھاؤ اور نیک اعمال کرو، بے شک تم جو کچھ کرتے ہو، میں اُسے خوب جانتا ہوں۔ (المؤمنون:۵۱)

اور اللہ نے فرمایا: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ كُلُواْ مِن طَيِّبَٰتِ مَا رَزَقۡنَٰكُمۡ﴾ اے ایمان لانے والو! میں نے تمھیں جو رزق دیا ہے، اس میں سے پاک چیزیں کھاؤ۔ (البقرہ:۱۷۲)

پھر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک آدمی کا ذکر کیا جو لمبا سفر کرتا ہے، بکھرے میلے بالوں والا، اس پر گرد و غبار ہے۔ وہ آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا کر کہتا ہے: اے میرے رب! اے میرے رب! اور اس کا کھانا حرام ہے، پینا حرام ہے، لباس حرام ہے اور حرام پر وہ پلا ہوا ہے (اس کی غذا حرام ہے) تو اس کی دعا کس طرح قبول ہوگی؟ (صحیح مسلم:۱۰۱۵، ترقیم دارالسلام:۲۳۴۶)

معلوم ہوا کہ اللہ کے دربار میں حرام خور کی دعا قبول نہیں ہوتی۔

جولوگ ڈاکے ڈالتے ہیں، چوریاں اور فراڈ کرتے ہیں، رشوت کھاتے ہیں، امانت میں خیانت کرتے ہیں، پرایا مال مثلاً قرض واپس نہیں کرتے اور دوسروں کا مال و دولت ہڑپ کرنے کے لئے ہر طریقہ استعمال کرتے ہیں، وہ کس حالت میں اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیش ہوں گے؟ کیا کوئی ایسی طاقت ہے جو انھیں اللہ کی عدالت اور آخرت کی رسوائی سے بچا لے گی؟! اہلِ سنت کے مشہور ثقہ امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ نے آیت مذکورہ بالا کی تشریح میں فرمایا: یعنی حلال کھاؤ جسے اللہ نے تمھارے لئے پاک قرار دیا اور حرام نہ کھاؤ۔

(تفسیر ابن جریر ج ۱۸ ص ۲۲)

صحیح بخاری، صحیح مسلم اور موطأ امام مالک سے پرانی اور حدیث کی قدیم ترین مطبوعہ کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ ((وكان لا يأكل إلا من عمل يديه .)) اور (داود علیہ السلام) صرف اپنے ہاتھ کی کمائی میں سے ہی کھاتے تھے۔ (صحیفہ ہمام بن منبہ: ۴۷، نیز دیکھئے صحیح بخاری: ۲۰۷۳)

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

اور چھوٹے (نابالغ غلام) کو کمائی لانے پر مجبور نہ کرو، کیونکہ جب اسے کچھ نہیں ملے گا تو وہ چوری کرے گا اور تم بھی معاف کرو جس طرح اللہ نے تمھیں معاف کر رکھا ہے اور ایسا طعام کھاؤ جو حلال ہو۔ (موطأ امام مالک ج ۲ ص ۹۸۱ ح ۱۹۰۴، وسندہ صحیح)

ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((يأتي على الناس زمان لا يبالي المرء ما أخذ منه ، أمن الحلال أم من الحرام ؟))

لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ آدمی کو پروا نہیں ہوگی، اُس کے پاس جو کچھ آرہا ہے، وہ حلال میں سے ہے یا حرام میں سے؟ (صحیح بخاری: ۲۰۵۹)

یعنی سب کچھ ہڑپ کرتا جائے گا اور اس کے دل میں کسی قسم کا خوف نہیں ہوگا۔

بہت سے ایسے بدنصیب لوگ ہیں جو مناسب اور گزارے کا مال و دولت ہونے کے باوجود دوسرے لوگوں کے ہاتھوں پر نظریں جمائے رکھتے ہیں اور جھوٹ سچ ملا کر مبالغہ کرتے ہوئے اپنی ''مجبوریاں'' بیان کر کے زکوٰۃ اور صدقات وغیرہ وصول کرتے جاتے ہیں

حالانکہ یہ لوگ سرے سے اس کے مستحق ہی نہیں ہوتے۔
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تم میں سے کوئی آدمی (جنگل سے) لکڑیاں اکٹھی کر کے اپنی پیٹھ پر لے آئے، یہ اُس کے لئے بہتر ہے اس سے کہ وہ کسی سے سوال کرے پھر وہ اُسے کچھ دے دے یا نہ دے۔ (صحیح بخاری:۲۰۷۴، صحیح مسلم:۱۰۴۲)
ایک حدیث میں آیا ہے کہ کسی شخص نے اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہترین کھانا کبھی نہیں کھایا۔ دیکھئے صحیح بخاری (۲۰۷۲)
سیدنا فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
خوش خبری ہے اُس شخص کے لئے جسے اسلام کی ہدایت نصیب کی گئی، ضرورت کے مطابق رزق دیا گیا اور اس نے اس پر قناعت کی یعنی صبر کیا۔

(سنن ترمذی:۲۳۴۹ وسندہ حسن، وصححہ الترمذی وابن حبان:۲۵۴۱ والحاکم علیٰ شرط مسلم ۱/۳۴ ووافقہ الذہبی)

حافظ ابن حبان رحمہ اللہ نے فرمایا: قناعت دل میں ہوتی ہے لہٰذا جس کا دل غنی ہے تو اس کے ہاتھ غنی بن جاتے ہیں، اور جس کا دل محتاج ہے تو اُس کی (ظاہری) بے نیازی اُسے فائدہ نہیں دیتی۔ جو شخص قناعت کو اختیار کرتا ہے تو وہ کسی چیز کی پروا نہیں کرتا اور امن و اطمینان سے زندگی بسر کرتا ہے۔ الخ (روضۃ العقلاء ص ۱۵۱)
ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اور جو شخص اللہ پر توکل کرتا ہے تو اللہ اُس کے لئے کافی ہے۔

(سورۃ الطلاق:۳)

یاد رہے کہ جس چیز کے بارے میں شبہ ہو جائے کہ یہ حلال ہے یا حرام؟ تو اُس سے بھی بچنا چاہئے۔ دیکھئے صحیح بخاری (۵۲) اور صحیح مسلم (۱۵۹۹)
آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہر انسان کو ایمان کی نعمت نصیب فرمائے اور ہمارے ایمان میں اضافہ ہی اضافہ فرمائے، رزقِ حلال عطا فرمائے اور حرام سے بچائے۔ ہر اُس چیز سے ہمیں دور رکھے جو کتاب وسنت کے خلاف ہو یا شک وشبہ والی ہو۔ اے اللہ! ہمیں قناعت اور توکل نصیب فرما اور ہماری ساری خطائیں معاف فرما دے۔ آمین

حصولِ رزقِ حلال عبادت ہے

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اے ایمان والو! ہم نے تمھیں جو پاک رزق دیا ہے، اُس میں سے کھاؤ اور اللہ کا شکر ادا کرو اگر تم صرف اسی کی عبادت کرتے ہو۔'' (البقرۃ:۱۷۲)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے کہ تم پاک صاف اور حلال طیب چیزیں کھایا کرو اور میری شکر گزاری کرو۔ حلال لقمہ دعا اور عبادت کی قبولیت کا سبب ہے اور حرام کا لقمہ عدم قبولیت کا سبب۔'' (تفسیر ابن کثیر بتحقیق عبدالرزاق المہدی ۱/۴۲۰، تفسیر ابن کثیر اردو تحقیقی ج۱ ص۲۸۶، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ فیصل آباد/ لاہور)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''لوگوں پر ایسا زمانہ بھی آئے گا کہ آدمی کے ہاتھ میں جو بھی آئے گا، وہ اس کی پروا نہیں کرے گا کہ یہ حلال ہے یا حرام؟'' (صحیح بخاری:۲۰۵۹)

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: ''لونڈی جس کام یا ہنر کو نہ جانتی ہو تو اُسے اس پر مجبور نہ کرو، کیونکہ اگر تم ایسا کرو گے تو وہ زنا کے ذریعے سے پیسے کمانے پر آمادہ ہو جائے گی اور چھوٹے (غلام) بچوں کو کمائی پر مجبور نہ کرو کیونکہ اگر وہ کما نہیں سکیں گے تو چوریاں کریں گے۔ جب اللہ نے تمھیں معاف کر رکھا ہے تو تم بھی انھیں معاف کردو، اور تم ایسے کھانے کھاؤ جو پاک وحلال ہیں۔'' (موطأ امام مالک ج۲ ص۹۸۱ ح۱۹۰۴، وسندہ صحیح)

صحیح حدیث میں آیا ہے کہ ''ایک شخص لمبا سفر کرتا ہے، وہ پراگندہ بالوں والا اور غبار آلود ہوتا ہے، اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر دعا کرتا ہے اور گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے لیکن اس کا کھانا پینا، لباس اور غذا سب حرام کی ہیں اس لئے اس کی ایسے وقت کی ایسی دعا بھی قبول نہیں ہوتی۔''

(تفسیر ابن کثیر ج۱ ص۲۸۸ بحوالہ مسند احمد ۲/۳۲۸، ۴۰۰، صحیح مسلم: ۱۰۱۵، سنن الترمذی: ۲۹۸۹ وسندہ حسن)

رب العالمین اپنے پیارے رسولوں سے خطاب فرماتا ہے:

"اے رسولو! پاک چیزوں میں سے کھاؤ اور نیک اعمال کرو۔" (المؤمنون:۵۱)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کوئی آدمی اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہترین کھانا کبھی نہیں کھاتا، بے شک اللہ کے نبی داود علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی میں سے کھاتے تھے۔" (صحیح بخاری:۲۰۷۲)

بلکہ ایک روایت میں آیا ہے کہ بے شک نبی داود علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی کے علاوہ نہیں کھاتے تھے۔ (صحیح بخاری:۲۰۷۳ واللفظ لہ، صحیفہ ہمام بن منبہ:۴۷)

ان آیات اور احادیث کا خلاصہ درج ذیل ہے:

① پاک اور حلال کھانا پینا انبیاء ورُسل کی سنت ہے۔ ② حصولِ رزقِ حلال عبادت ہے۔

③ مشکوک اور ناپاک چیزوں سے ہمیشہ اجتناب کرنا چاہئے۔

④ اپنے ہاتھوں کی محنت سے حلال کمائی میں شرم نہیں کرنی چاہئے۔

⑤ لوگوں کے ہاتھوں کی طرف للچائی نظروں سے دیکھتے رہنا اُن لوگوں کا کام ہے جو انبیاء ورسل کے طریقے سے ہٹے ہوتے ہیں۔

⑥ اللہ تعالیٰ کے دربار میں حرام خور انسان کی دعا قبول نہیں ہوتی۔

⑦ کھانے پینے میں حسبِ استطاعت پوری احتیاط کرنی چاہئے۔

⑧ تھوڑے سے رزقِ حلال پر قناعت کرنا اور ہر قسم کی رطب و یابس سے بچنا بہت اعلیٰ درجے کی نیکی ہے۔ ارشادِ نبوی ہے: اُس شخص کے لئے خوش خبری ہے جسے اسلام کی ہدایت نصیب ہوئی اور جسے ضرورت کے مطابق رزق دیا گیا تو اس نے قناعت اور صبر کیا۔

(سنن الترمذی:۲۳۴۹ وقال: "حسن صحیح" وسندہ حسن وصححہ ابن حبان:۲۵۴۱ والحاکم علیٰ شرط مسلم ۱/۳۴ ووافقہ الذہبی)

⑨ رزقِ حلال کھانے والے صحیح العقیدہ انسان کی دعا قبول ہوتی ہے۔

⑩ لَبید شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

فمنهم سعيد آخذ بنصيبه ومنهم شقي بالمعيشة قانع

لوگوں میں وہ خوش نصیب ہے جو اپنی قسمت پر راضی ہے۔

اور بدنصیب ہے وہ جو دنیا کی معیشت پر ہی مطمئن ہے۔

موجودہ حالات صحیح حدیث کی روشنی میں

مشہور تابعی امام عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ میں (سیدنا) عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہ) کے پاس تھا، پھر ایک نوجوان نے اُن سے عمامہ (پگڑی) لٹکانے کے بارے میں پوچھا تو ابن عمر (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا:

ان شاء اللہ تعالیٰ میں تجھے علم کے ساتھ جواب دوں گا، رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں ہم دس (افراد): ابوبکر، عمر، عثمان، علی، ابن مسعود، حذیفہ، ابن عوف، ابوسعید الخدری (رسول اللہ ﷺ اور میں) موجود تھے کہ ایک انصاری نوجوان نے آکر رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا اور بیٹھ گیا پھر عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مومنوں میں افضل کون ہے؟

آپ نے فرمایا: جس کا اخلاق سب سے اچھا ہے۔ اس (نوجوان) نے کہا: مومنوں میں سب سے زیادہ سمجھدار کون ہے؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا: جو موت کو زیادہ یاد کرتا ہے اور موت آنے سے پہلے سب سے زیادہ اُس کی تیاری کرتا ہے، یہی لوگ سمجھدار (عقل مند) ہیں۔

پھر وہ نوجوان خاموش ہو گیا اور نبی ﷺ نے اُس کی طرف رُخ کر کے فرمایا: اے جماعت مہاجرین! اگر تم پانچ چیزوں کے ساتھ آزمائے گئے اور یہ چیزیں تمھارے درمیان واقع ہو گئیں (تو) میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں (کہ یہ چیزیں تمھارے درمیان پائی جائیں):

☆ جس قوم میں بھی فحاشی ظاہر ہوگی، پھر وہ اسے (علانیہ) کریں گے تو اس قوم میں طاعون اور ایسی بیماریاں پھیل جائیں گی، جو اُن کے آباء واجداد میں نہیں تھیں۔

☆ جو لوگ ماپ تول میں کمی کریں گے تو انھیں قحط سالی، رزق کی تنگی اور حکمرانوں کے ظلم کے ساتھ پکڑ لیا جائے گا۔

☆ اور جو لوگ زکوٰۃ نہیں دیں گے تو آسمان سے بارش کے قطروں کو روک لیا جائے گا اور

اگر جانور نہ ہوتے تو بارش ہی نہ ہوتی۔

☆ اور جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول کے ساتھ معاہدہ توڑ دیں گے (یعنی لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ پر عمل نہیں کریں گے) تو اللہ غیروں سے اُن کے دشمن (یعنی کفار) اُن پر مسلط کر دے گا اور وہ اُن کے ہاتھوں سے بعض چیزیں (مثلاً علاقے، مال وغیرہ) لے لیں گے۔

☆ اور جب اُن کے حکمران کتاب اللہ کے مطابق فیصلے نہیں کریں گے، تو اللہ انھیں آپس میں لڑا دے گا۔

پھر آپ (ﷺ) نے عبدالرحمٰن بن عوف (رضی اللہ عنہ) کو حکم دیا کہ ایک فوجی گروہ تیار کریں، جس پر آپ نے انھیں امیر بنایا۔

صبح کو (سیدنا) عبدالرحمٰن (بن عوف رضی اللہ عنہ) کالے رنگ کے موٹے سوتی کپڑے کا عمامہ باندھ کر آئے تو نبی ﷺ نے انھیں اپنے قریب بلایا اور عمامہ کھول دیا، آپ نے انھیں سفید عمامہ بندھوایا اور چار انگلیاں یا اس کے قریب اُن کی پیٹھ پر لٹکا دیا اور فرمایا: اے ابن عوف! اس طرح عمامہ باندھو کیونکہ یہ اچھا اور بہترین ہے۔

پھر نبی ﷺ نے بلال (رضی اللہ عنہ) کو حکم دیا کہ وہ جھنڈا اُن کے حوالے کر دیں۔ تو انھوں نے اللہ کی حمد بیان کی اور نبی ﷺ پر درود پڑھا، پھر فرمایا: ابن عوف! اسے پکڑ لو پھر اکٹھے ہو کر اللہ کے راستے میں جہاد کرو، اُن سے لڑو جو اللہ کو نہیں مانتے، خیانت نہ کرو، غداری اور بے وفائی نہ کرو، مُثلہ نہ کرو (یعنی دشمن کے ہاتھ پاؤں اور ناک وغیرہ نہ کاٹو) بچوں کو قتل نہ کرو۔ یہ ہے اللہ کا معاہدہ اور اس کے نبی ﷺ کی سیرت۔

(المستدرک للحاکم ج ۴ ص ۵۴۰ ح ۸۶۲۳ وصححہ ووافقہ الذہبی، وسندہ حسن، المخطوط المصور ۴/ ۲۴۰۔ ۲۴۱)

تنبیہ: المستدرک کے مطبوعہ نسخے (اور مخطوطے) میں علی بن حمشاذ اور ابو الجماہر کے درمیان عبید (بن محمد الغازی العسقلانی) کا واسطہ رہ گیا ہے۔

دیکھئے اتحاف المہرہ (۸/ ۵۹۰ ح ۱۰۰۱۵)

سُود حرام ہے

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ﴾
اور اللہ نے تجارت کو حلال قرار دیا اور ربا (سود) کو حرام قرار دیا ہے۔ (البقرہ:۲۷۵)
ربا یعنی سود کھانا اصل میں اللہ اور اُس کے رسول کے خلاف اعلانِ جنگ ہے۔ (دیکھئے البقرہ:۲۷۹)

اللہ تعالیٰ نے سود کھانے والوں کی مثال اُس شخص سے دی ہے جسے شیطان چُھو کر مخبوط الحواس کر دے، نیز فرمایا: اور جس نے یہ کام دوبارہ کیا تو یہ لوگ دوزخی ہیں، اُس میں ہمیشہ رہیں گے۔

(البقرہ:۲۷۵)

رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے، سود کھلانے والے، اسے لکھنے والے اور اس کے گواہوں (سب) پر لعنت بھیجی اور فرمایا: یہ سب اس (جرم) میں برابر ہیں۔

(صحیح مسلم:۱۵۹۸، دارالسلام:۴۰۹۳)

رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا جو خون کی نہر میں تیرتے ہوئے باہر نکلنے کی کوشش کرتا تھا اور کنارے پر دوسرا شخص اُس کے منہ میں پتھر ڈال دیتا تھا، وہ شخص دوبارہ دریا میں چلا جاتا۔ آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ یہ وہ شخص ہے جو سود کھاتا تھا۔ (صحیح بخاری:۲۰۸۵ ملخصاً)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہلاک کرنے والی سات چیزوں سے بچ جاؤ: ..... اور سود کھانا۔ الخ

(صحیح بخاری:۲۷۶۶، صحیح مسلم:۸۹)

الربا (سود) کا معنی و مطلب یہ ہے: '' زیادتی، اضافہ (۲) ناجائز نفع، بیاج، سود۔ شریعت اسلام میں ربا اس فاضل مال کو کہتے ہیں جو کسی عوض (بدل) کے بغیر معاملہ کا ایک فریق دوسرے سے طے شدہ شرط کے تحت حاصل کرے۔ علم الاقتصاد میں ربا اس رقم کو کہتے ہیں جو قرض لینے والا مقرر شرائط کے مطابق اصل قرض کے علاوہ ادا کرتا ہے۔'' (القاموس الوحید ص ۵۹۵)

سیدنا فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: '' كل قرض جرّ منفعة فهو وجه من وجوه الربا ''
ہر قرض جو نفع کھینچے، وہ سود کی قسموں میں سے ایک قسم ہے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۳۵۰/۵ وسندہ حسن)

آئینۂ انتخاب

غلام رسول سعیدی بریلوی لکھتے ہیں:

''یاد رکھئے جب کوئی مسئلہ حدیث سے ثابت ہو اور اس کے معارض اور مخالف، کتاب وسنت میں کوئی قطعی دلیل نہ ہو تو ایسی صورت میں اس حدیث پر عمل کرنا ہی صحیح دین ہے اور کوئی شخص اپنی جگہ پر کتنا ہی بڑا بزرگ اور عالمِ دین کیوں نہ ہو لیکن جب وہ حدیثِ صریح کے خلاف کوئی بات محض اپنی رائے سے بلا دلیل کہتا ہو تو صحیح اور صریح حدیث کے مقابلہ میں اس کی ذاتی رائے کو چھوڑ دینا ہی ہدایت اور راہِ استقامت ہے، بعد کا کوئی شخص علم وفضل میں کتنا ہی فائق کیوں نہ ہو، صحابہ سے نہیں بڑھ سکتا اور جب اصول یہ ہے کہ قولِ صحابی بھی اگر حدیثِ رسول کے معارض ہو تو حدیث کے مقابلہ میں اس قول کو چھوڑ دیا جاتا ہے تو سوچئے جن کی حدیث کے خلاف صحابہ کی بات بھی نہ سنی جاتی ہو تو ان کے خلاف بعد کے کسی بزرگ یا ماوشما کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے۔'' (ذکر بالجہر ص ۱۰۵، مطبوعہ فرید بک سٹال ۴۰/ اردو بازار لاہور)

سرفراز خان صفدر دیوبندی لکھتے ہیں:

''اسی طرح ان کا بار بار علماء کی عبارات نقل کرنا کہ فلاں فرماتے ہیں کہ آپ کا سایہ نہ تھا اور فلاں فرماتے ہیں کہ آپ کا سایہ نہ تھا تو یہ بالکل بے سود ہے کیونکہ مثلاً انہوں نے اگر دس بزرگوں نے نام لے کر ان کی عبارات اس مضمون پر نقل کی ہیں کہ آپ کا سایہ نہ تھا تو ہم کہتے ہیں کہ اگر وہ بجائے دس کے دس ہزار بزرگوں کی عبارات بھی پیش کر دیں تو اس سے کچھ نہیں بنتا کیونکہ مسند مرفوع اور صحیح حدیث کے مقابلہ میں دس ہزار تو کیا دس لاکھ بلکہ دس ارب و کھرب حضرات کی بات بھی کوئی وقعت نہیں رکھتی کیونکہ علمی قاعدہ تو یہ ہے کل احد یؤخذ عنہ ویترک الا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔''

(اتمام البرہان فی رد توضیح البیان طبع سوم ص ۳۸۹ حصہ سوم ص ۵۷)

فضائلِ اہلِ بیت

امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ نے فرمایا: '' أخبرنا أبو عامر العقدي عن كثير بن زيد عن محمد بن عمر بن علي عن أبيه عن علي رضي الله عنه قال: إنّ النبي ﷺ حضر الشجرة بخمّ، ثم خرج آخذًا بيد علي رضي الله عنه، قال: ((ألستم تشهدون أن الله تبارك و تعالٰى ربّكم ؟)) قالوا: بلى .
قال ﷺ: ((ألستم تشهدون أن الله عزوجل و رسوله أولٰى بكم من أنفسكم و أن الله تعالٰى و رسوله أولياء كم ؟)) فقالوا: بلى. قال: ((فمن كان الله و رسوله مولاه فإن هذا مولاه . و قد تركت فيكم ما إن أخذتم به لن تضلوا : كتاب الله تعالٰى ، سببه بيده و سببه بأيديكم . و أهل بيتي.))

(سیدنا) علی (بن ابی طالب) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی ﷺ (مقامِ) خُم میں ایک درخت کے پاس آئے پھر آپ علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر باہر تشریف لے آئے، فرمایا: کیا تم اس کی گواہی نہیں دیتے کہ اللہ تعالیٰ تمھارا رب ہے؟ لوگوں نے کہا: جی ہاں! گواہی دیتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم اس کی گواہی نہیں دیتے کہ اللہ اور اس کا رسول تمھیں اپنی جانوں سے زیادہ پیارے ہیں اور تم اللہ اور اس کے رسول کو اپنے اولیاء سمجھتے ہو؟ تو لوگوں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: پس جس کا اللہ اور اس کا رسول مولیٰ ہیں تو یہ (علی رضی اللہ عنہ بھی) اس کے مولیٰ ہیں۔ اور میں تمھارے درمیان وہ (چیز) چھوڑ کر جا رہا ہوں، اگر تم نے اسے پکڑا تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے: اللہ تعالیٰ کی کتاب، جس کا ایک سرا اُس کے ہاتھ میں ہے اور ایک سرا تمھارے ہاتھوں میں ہے، اور میرے اہلِ بیت [کے بارے میں اللہ سے ڈرو]

(المطالب العالیہ ۸/ ۳۹۰ ح ۳۹۴۳ وقال ابن حجر: '' هذا إسناد صحيح و حديث غدير خم قد أخرجه النسائي ... '' مشکل الآثار للطحاوی ۵/ ۱۳ ح ۱۷۶۰، السنۃ لابن ابی عاصم: ۱۵۵۸، دوسرا نسخہ: ۱۶۰۲، وسندہ حسن)

اس حدیث کی سند حسن لذاتہ ہے۔

رمضان المبارک کے بعض مسائل

اس مختصر مضمون میں رمضان المبارک کے بعض مسائل پیشِ خدمت ہیں:

۱) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾

پس تم میں سے جو شخص یہ مہینہ (رمضان) پائے تو اس کے روزے رکھے۔ (البقرہ:۱۸۵)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر بالغ مکلّف مسلمان پر رمضان کے روزے رکھنا فرض ہے۔ اس عموم سے صرف وہی لوگ خارج ہیں جن کا استثناء قرآن، حدیث اور اجماع سے ثابت ہے۔ مثلاً نابالغ، مسافر، حائضہ عورت، بیمار اور شرعی معذور۔

۲) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چاند دیکھ کر روزے رکھنا شروع کرو اور چاند دیکھ کر عید کرو، اگر (۲۹ شعبان کو) بادل ہوں تو شعبان کے تیس دن پورے کر کے روزے رکھنا شروع کرو۔ (صحیح بخاری:۱۹۰۹، صحیح مسلم ۱۰۸۱، مفہوماً)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر شہر اور ہر علاقے کے لوگ اپنا اپنا چاند دیکھ کر رمضان کے روزے رکھنا شروع کریں گے اور اسی طرح عید کریں گے۔

یاد رہے کہ دُور کی رُویت کا کوئی اعتبار نہیں ہے مثلاً اگر سعودی عرب میں چاند نظر آجائے تو حضرو کے لوگ رمضان کے روزے رکھنا شروع نہیں کریں گے۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں مُلک شام میں جمعہ کی رات کو چاند نظر آیا جب کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ میں ہفتہ کی رات کو چاند دیکھا تھا، پھر انھوں نے اپنے (ثقہ) شاگرد کے کہنے پر فرمایا: ہم تو تیس تک روزے رکھتے رہیں گے حتیٰ کہ چاند نظر آجائے۔ پوچھا گیا: کیا آپ (سیدنا) معاویہ (رضی اللہ عنہ) اور اُن کے روزے کا کوئی اعتبار نہیں کرتے؟ انھوں نے فرمایا: کوئی اعتبار نہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اسی طرح حکم دیا تھا۔ (صحیح مسلم:۱۰۸۷)

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ ملک شام کی رُویت مدینے میں معتبر نہیں ہے۔ درج

ذیل محدثین وعلماء نے اس حدیث پر ابواب باندھ کر یہ ثابت کیا ہے کہ ہر علاقے کے لوگ اپنا اپنا چاند دیکھیں گے:

۱: امام ترمذی رحمہ اللہ (باب ماجاء لكل أهل بلد رؤيتهم) سنن الترمذی (۶۹۳)

۲: امام الائمۃ شیخ الاسلام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (باب الدليل على أن الواجب على أهل كل بلد صيام رمضان لرؤيتهم ، لا رؤية غيرهم) صحیح ابن خزیمہ (۲۰۵/۳ ح ۱۹۱۶)

۳: علامہ نووی (باب بيان أن لكل بلد رؤيتهم و أنهم إذا رأوا الهلال ببلد لا يثبت حكمه لما بعد عنهم) شرح صحیح مسلم (ج ۷ ص ۱۹۷ تحت ح ۱۰۸۷، طبع احیاء التراث العربی بیروت، لبنان)

۴: محمد بن خلیفہ الوشتانی الابی (حدیث لکل قوم رؤیتہم) شرح صحیح مسلم (ج ۴ ص ۱۹ ح ۱۰۸۷)

۵: ابو العباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی (ومن باب : لأهل كل بلد رؤيتهم عند التباعد) المفہم لما اشکل من تلخیص کتاب مسلم (ج ۳ ص ۱۴۱ ح ۹۵۵)

۶: ابو جعفر الطحاوی نے فرمایا: اس حدیث میں یہ ہے کہ ابن عباس نے اپنے شہر کے علاوہ دوسرے شہر کی رُویت کا کوئی اعتبار نہیں کیا الخ (شرح مشکل الآثار ۴۲۳/۱ ح ۴۸۱)

محدثین کرام اور شارحین حدیث کے اس تفقہ کے مقابلے میں چودھویں صدی اور متاخر ''علماء'' کے منطقی استدلالات مردود ہیں، جو حدیثِ ابن عباس کو موقوف وغیرہ کہہ کر اپنی تاویلات کا نشانہ بناتے ہیں۔

حافظ ابن عبدالبر الاندلسی نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ خراسان کی رُویت کا اندلس میں اور اندلس (Spain) کی رُویت کا خراسان میں کوئی اعتبار نہیں ہے۔ (الاستذکار ۲۸۳/۳ ح ۵۹۲)

تنبیہ: یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے کہ ساری دنیا کے لوگ ایک ہی دن روزہ رکھیں اور ایک ہی دن عید کریں۔ جغرافیائی لحاظ سے ایسا ممکن ہی نہیں ہے کیونکہ جب مکہ ومدینہ میں دن ہوتا ہے تو امریکہ کے بعض علاقوں میں اُس وقت رات ہوتی ہے۔

۳) یہ برحق ہے کہ ہر عمل کی قبولیت کے لئے نیت ضروری ہے لیکن نیت دل کے ارادے کو

کہتے ہیں مثلاً رمضان کی تیاریاں کرنا، چاند دیکھنا یا معلوم کرنے کی کوشش کرنا، سحری کھانا اور تراویح پڑھنا وغیرہ سب کاموں سے نیت ثابت ہو جاتی ہے لیکن یاد رہے کہ زبان کے ساتھ روزے کی نیت (مثلاً **بصوم غدٍ نویت من شهر رمضان**) ثابت نہیں ہے۔

٤) اگر کوئی شخص حالتِ روزہ میں بھول کر کھا پی لے تو اُس کا روزہ برقرار رہتا ہے لہٰذا وہ دوسرے لوگوں کے ساتھ شام کو غروبِ آفتاب کے بعد روزہ افطار کرے۔

تنبیہ: یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے کہ ''اگر کوئی شخص روزے میں بھول کر کھا یا پی رہا ہے تو اسے یاد نہیں دلانا چاہئے'' لہٰذا اُسے یاد دلانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

٥) روزہ افطار کرتے وقت درج ذیل دعا پڑھنا سنت سے ثابت ہے:

ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ و ثَبَتَ الْأَجْرُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ .

پیاس ختم ہوئی، رگیں تر ہو گئیں اور اجر ثابت ہو گیا۔ ان شاء اللہ

(سنن ابی داود: ۲۳۵۷ وسندہ حسن وصححہ الحاکم ۱/۴۲۲ والذہبی وحسنہ الدار قطنی ۲/۱۸۲، وھو الصواب)

تنبیہ: سنن ابی داود کی ایک روایت میں '' **اللّٰهم لك صمت و علٰی رزقك أفطرت** '' کے الفاظ آئے ہیں لیکن یہ روایت ثابت نہیں ہے بلکہ مرسل ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

٦) گرمی یا پیاس کی وجہ سے سر پر پانی ڈالنا جائز ہے۔

دیکھئے موطأ امام مالک (ج ۱ص ۲۹۴ ح ۶۶۰ وسندہ صحیح، سنن ابی داود: ۲۳۶۵)

جنابت اور احتلام کی وجہ سے غسل کرنا فرض ہے لیکن اگر گرمی یا ضرورت ہو تو روزے کی حالت میں نہانا بالکل جائز ہے، کیونکہ اس کی ممانعت کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

نیز دیکھئے صحیح بخاری (۱۹۲۵، ۱۹۲۶) وصحیح مسلم (۱۱۰۹)

امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ (تابعی) کپڑا بھگو کر اپنے چہرے پر ڈالنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۳/۴۰ ح ۹۲۱۴ وسندہ صحیح)

٧) کھجور یا پانی سے روزہ افطار کرنا چاہئے۔

دیکھئے سنن ابی داود (۲۳۵۵ وسندہ صحیح وصححہ الترمذی: ۶۹۵ وابن خزیمہ: ۲۰۶۷ وابن حبان:

۸۹۴ والحاکم علیٰ شرط البخاری ۱/۱/۴۳۱ و وافقه الذهبی و أخطأ من ضعفه)

۸) ابراہیم نخعی رحمہ اللہ (تابعی صغیر) نے فرمایا: اگر تم چاند دیکھو تو کہو:

"رَبِّيْ وَ رَبُّكِ اللّٰهُ" میرا اور تیرا رب اللہ ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۳/۹۸ ح ۹۷۳۰ وسندہ صحیح)

تنبیہ: اس بارے میں مرفوع روایات ضعیف ہیں۔

۹) روزے کی حالت میں مسواک کرنے میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ (۳/۳۵ ح ۹۱۴۹ وسندہ صحیح)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: روزے کی حالت میں مسواک کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، چاہے مسواک خشک ہو یا تر ہو۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۳/۳۷ ح ۹۱۷۳ وسندہ صحیح)

نیز دیکھئے صحیح بخاری (قبل ح ۱۹۳۴)

۱۰) امام زہری رحمہ اللہ (تابعی) نے فرمایا: روزے کی حالت میں سرمہ ڈالنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۳/۴۷ ح ۹۲۷۵ وسندہ صحیح)

سلیمان بن مہران الاعمش رحمہ اللہ نے فرمایا: میں نے اپنے اصحاب میں سے کسی کو بھی روزہ دار کے لئے سُرمے کا استعمال مکروہ قرار دیتے ہوئے نہیں دیکھا۔ (یعنی وہ سب اُسے جائز سمجھتے تھے۔) دیکھئے سنن ابی داود (۲۳۷۹ وسندہ حسن)

معلوم ہوا کہ سُرمہ ڈالنے سے روزہ خراب نہیں ہوتا۔

۱۱) اگر دورانِ وضو کلی کرتے ہوئے حلق میں پانی چلا جائے تو عطاء (بن ابی رباح رحمہ اللہ تابعی) نے فرمایا: کوئی حرج نہیں ہے۔ دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ (۳/۷۰ ح ۹۴۸۶ وسندہ قوی، روایۃ ابن جریج عن عطاء محمولۃ علی السماع)

۱۲) جس شخص کو روزے کی حالت میں خود بخود قے آجائے تو اُس کا روزہ نہیں ٹوٹتا اور اگر کوئی شخص جان بوجھ کر قے کرے تو اُس کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

یہ مسئلہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے۔ (دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ ۳/۳۸ ح ۹۱۸۸ وسندہ صحیح)

تنبیہ: اس بارے میں مرفوع روایت ضعیف ہے۔

۱۳) سورج غروب ہوتے ہی روزہ جلدی افطار کرنا چاہئے۔ (صحیح بخاری: ۱۹۵۷، صحیح مسلم: ۱۰۹۸)

۱۴) جو شخص سحری کھا رہا ہو اور کھانے کا برتن اس کے ہاتھ میں ہو (یعنی وہ کھانا کھا رہا ہو) اور صبح کی اذان ہو جائے تو وہ کھانا کھا کر اس سے فارغ ہو جائے۔ (سنن ابی داود: ۲۳۵۰، سندہ حسن)

۱۵) اگر کوئی شخص کسی روزہ دار کو روزہ افطار کرائے تو اُسے روزہ دار جتنا ثواب ملتا ہے اور روزہ دار کے ثواب میں کوئی کمی نہیں آتی۔ (سنن الترمذی: ۸۰۷ وقال: ''ھذا حدیث حسن صحیح'' وسندہ صحیح)

۱۶) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ یا کسی صحابی سے بھی بیس رکعات تراویح قولاً یا فعلاً ثابت نہیں ہے بلکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دو صحابیوں سیدنا ابی بن کعب اور سیدنا تمیم الداری رضی اللہ عنہما کو حکم دیا کہ لوگوں کو گیارہ رکعتیں پڑھائیں۔ دیکھئے موطأ امام مالک (روایۃ یحییٰ بن یحییٰ ۱/۱۱۴ ح ۲۴۹ وسندہ صحیح) شرح معانی الآثار للطحاوی (۱/۲۹۳)

تقلید کے دعویدار محمد بن علی النیموی نے اس اثر کے بارے میں کہا:

''و إسناده صحيح'' اور اس کی سند صحیح ہے۔ (آثار السنن ص ۲۵۰ ح ۷۷۶)

ان دو صحابیوں میں سے ایک مَردوں کو اور دوسرے عورتوں کو تراویح کی نماز پڑھاتے تھے۔ مصنف ابن ابی شیبہ کی ایک روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ دونوں صحابی گیارہ رکعات پڑھاتے تھے۔ (ج ۲ ص ۳۹۲ ح ۷۶۷۰)

سیدنا سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم (یعنی صحابہ) عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں گیارہ رکعات پڑھتے تھے۔ (سنن سعید بن منصور بحوالہ الحاوی للفتاوی ج ۱ ص ۳۴۹)

اس روایت کے بارے میں سیوطی نے کہا:

''بسند في غاية الصحة'' بہت زیادہ صحیح سند کے ساتھ۔ (الحاوی للفتاوی ج ۱ ص ۳۵۰)

ان صحیح آثار کے مقابلے میں بعض تقلیدی حضرات السنن الکبریٰ للبیہقی اور معرفۃ السنن والآثار کی جو روایتیں پیش کرتے ہیں، وہ سب شاذ (یعنی ضعیف) ہیں۔

۱۷) رمضان کے پورے مہینے میں باجماعت نمازِ تراویح پڑھنے کا ثبوت اس حدیث میں ہے، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((إنه من قام مع الإمام حتى ينصرف

کتب له قیام لیلة .)) بے شک جو شخص امام کے ساتھ (نماز سے) فارغ ہونے تک قیام کرتا ہے تو اس کے لئے پوری رات (کے ثواب) کا قیام لکھا جاتا ہے۔

(سنن الترمذی:۸۰۶ وقال: ''ھذا حدیث حسن صحیح'' وسندہ صحیح)

۱۸) نمازِ تراویح میں پورا قرآن پڑھنا کئی دلائل سے ثابت ہے۔ مثلاً:

ا: ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اور قرآن میں سے جو میسر ہو، اُسے پڑھو۔ (سورۃ المزمل:۲۰)

۲: رسول اللہ ﷺ ہر سال رمضان میں جبریل علیہ السلام کے ساتھ قرآن مجید کا دور کرتے تھے۔ دیکھئے صحیح بخاری (۴۹۹۷) وصحیح مسلم (۲۳۰۸)

۳: یہ عمل سلف صالحین میں بلا انکار جاری وساری رہا ہے۔

۱۹) رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف کرنا سنت ہے لیکن یاد رہے کہ یہ فرض یا واجب نہیں ہے۔ سنیت کے لئے دیکھئے صحیح بخاری (۲۰۲۶) اور صحیح مسلم (۱۱۷۲/۵)

اعتکاف ہر مسجد میں جائز ہے اور جس حدیث میں آیا ہے کہ'' تین مسجدوں کے سوا اعتکاف نہیں ہے'' الخ اس کی سند امام سفیان بن عیینہ کی تدلیس (عن) کی وجہ سے ضعیف ہے اور بعض علماء کا اُسے صحیح قرار دینا غلط ہے۔

۲۰) اگر شرعی عذر (مثلاً بارش) نہ ہو تو عید کی نماز عیدگاہ (یا کھلے میدان) میں پڑھنی چاہئے۔ دلیل کے لئے دیکھئے صحیح بخاری (۹۵۶) اور صحیح مسلم (۸۸۹/۹)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر بارش ہو تو عید کی نماز مسجد میں پڑھ لو۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۳۱۰ وسندہ قوی)

۲۱) اگر کسی شرعی عذر کی وجہ سے رمضان کے روزے رہ جائیں اور اگلے سال کا رمضان آجائے تو پہلے رمضان کے روزے رکھیں اور بعد میں قضا روزوں کے بدلے میں روزے رکھیں اور ہر روزے کے بدلے میں ایک مسکین کو کھانا بھی کھلائیں۔ یہ فتویٰ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے۔ (دیکھئے السنن الدارقطنی ج ۲ ص ۱۹۷ ح ۲۳۲۱ وقال: '' إسناده صحيح '' وسندہ حسن)

۲۲) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: '' **الإفطار مما دخل وليس مما خرج** ''

جسم میں اگر کوئی چیز (مرضی سے) داخل ہو تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور اگر کوئی چیز (مثلاً خون) باہر نکلے تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔ (الاوسط لابن المنذر ج ا ص ۱۸۵ اث ۸۱ وسندہ صحیح / ترجمہ مفہوماً ہے۔)

اس اثر سے معلوم ہوا کہ ہر قسم کا ٹیکہ اور ڈرپ لگانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے لہٰذا روزے کی حالت میں ہر قسم کے انجکشن لگانے سے اجتناب کریں۔

۲۳) روزے کی حالت میں اگر مکھی وغیرہ خود بخود منہ میں چلی جائے تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا کیونکہ ایسی حالت میں انسان مجبور محض ہے۔ دیکھئے سورۃ البقرۃ (۱۷۳)

۲۴) روزے کی حالت میں آنکھ یا کان میں دوائی ڈالنے کا کوئی ثبوت نہیں ہے لہٰذا اس عمل سے اجتناب کریں۔

۲۵) روزے کی حالت میں خشک یا تر وتازہ مسواک اور سادہ برش کرنا جائز ہے لیکن ٹوتھ پیسٹ استعمال کرنے کا کوئی ثبوت نہیں ہے لہٰذا ٹوتھ پیسٹ یا دانتوں کی دوائی استعمال کرنے سے اجتناب کریں۔

۲۶) روزے کی حالت میں آکسیجن کا پمپ (جس میں دوا بھی ہوتی ہے) استعمال کرنے کا کوئی ثبوت میرے علم میں نہیں ہے لہٰذا اس فعل سے اجتناب کریں یا پھر اگر شدید بیماری ہے تو روزہ افطار کر کے اسے استعمال کریں۔ بعض موجودہ علماء روزے کی حالت میں آکسیجن کے پمپ کا استعمال جائز سمجھتے ہیں۔ واللہ اعلم

۲۷) چھوٹے بچوں کو روزہ رکھنے کی عادت ڈلوانا بہت اچھا کام ہے۔

۲۸) دائمی مریض جو روزے نہ رکھ سکتا ہو، اسے ہر روزے کا کفارہ دینا چاہئے۔

۲۹) اگر کوئی شخص فوت ہو جائے اور اس کے رمضان کے روزے رہ گئے ہوں تو پھر اس کے رہ جانے والے تمام روزوں کا کفارہ دینا چاہئے اور اگر اُس پر نذر کے روزے بقایا تھے تو پھر اس کے وارثین یہ روزے رکھیں گے۔

۳۰) سفر میں روزہ نہ رکھنا بھی جائز ہے لیکن اس روزے کی قضا بعد میں ادا کرنا ہوگی اور اگر طاقت ہو اور مشقت نہ ہو تو سفر میں روزے رکھنا بہتر ہے۔

اُونٹ کے آنسو اور ظلم کا خاتمہ

سیدنا عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو قضائے حاجت کے لئے پردہ کرنے کے لئے دو مقامات زیادہ پسند تھے: اونچا مقام یا کھجوروں کا جھنڈ۔ آپ ایک انصاری آدمی کے باغ میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک اونٹ ہے، جب اونٹ نے نبی ﷺ کو دیکھا تو اپنی آواز سے رونے لگا، اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ پھر نبی ﷺ اُس اونٹ کے پاس تشریف لے گئے اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو وہ خاموش ہو گیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ یہ کس کا اونٹ ہے؟ ایک انصاری نوجوان نے آکر کہا: یا رسول اللہ! یہ میرا اونٹ ہے۔
آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم اس جانور کے بارے میں اللہ سے نہیں ڈرتے جس نے تمھیں اس کا مالک بنایا ہے، اس نے میرے سامنے تمھاری شکایت کی ہے کہ تم اسے بھوکا رکھتے ہو اور (زیادہ) کام لے کر اسے تھکاتے ہو۔ (سنن ابی داود: ۲۵۴۹ وسندہ صحیح واصلہ فی صحیح مسلم: ۳۴۲)

رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات سے زیادہ علم عطا فرمایا تھا اور آپ ﷺ بفضلِ تعالیٰ جانوروں کی زبانیں بھی سمجھتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ رحمۃ للعالمین یعنی ساری کائنات کے لئے رحمت ہیں اور یہ آپ کی صفتِ خاصہ ہے، مخلوقات میں سے کوئی بھی آپ کا اس میں شریک نہیں۔ آپ ﷺ انسانوں اور جنوں کے ساتھ ساتھ جانوروں پر بھی از حد مہربان تھے اور خاص خیال رکھتے تھے تاکہ مخلوق میں سے کسی پر کوئی ظلم نہ ہو اور یہی دینِ اسلام کی دعوت ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو دل و دماغ سے دینِ اسلام قبول کر کے کتاب و سنت کے راستے پر گامزن رہتے ہیں اور پوری کوشش میں مصروف ہیں کہ ساری دنیا امن و سلامتی کا گہوارا بن جائے اور تمام لوگ جہنم کے عذاب سے بچ جائیں۔

اے اللہ! کفار اور مشرکین کے دلوں کو اسلام قبول کرنے کے لئے کھول دے اور دنیا سے ظلم، کفر، شرک، بدعات اور تمام گمراہیوں کا خاتمہ فرما۔ آمین (۵/ اپریل ۲۰۱۰ء)

بلی کے پنجے اور کُتے کی پیاس

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((بينا رجل يمشي فاشتد عليه العطش فنزل بئرًا فشرب منها ، ثم خرج فإذا هو بكلب يلهث ، يأكل الثرى من العطش، فقال : لقد بلغ هذا مثل الذي بلغ بي، فملأ خفه ثم أمسكه بفيه ثم رقي فسقى الكلب ، فشكر الله له فغفر له .))

ایک آدمی پیدل جا رہا تھا کہ اُسے شدید پیاس لگی تو وہ ایک کنویں میں اُترا اور پانی پیا پھر جب باہر آیا تو دیکھا کہ ایک کتا پیاس کی شدت کی وجہ سے زبان نکالے کیچڑ کھا رہا ہے۔ اس نے کہا: جس طرح مجھے شدید پیاس لگی تھی اُسے بھی پیاس لگی ہوئی ہے۔ پھر اس نے اپنے جوتے کو پانی سے بھرا اور اسے منہ کے ساتھ پکڑ کر (کنویں سے) اُوپر چڑھ آیا، پھر اس نے کتے کو پانی پلایا تو اللہ تعالیٰ نے اُس کے اس کام کو شرفِ قبولیت عطا فرمایا اور اسے بخش دیا۔

(صحیح بخاری: ۲۳۶۳، صحیح مسلم: ۲۲۴۴)

دوسری روایت میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ کسوف کے موقع پر ایک عورت کو جہنم میں دیکھا، جسے ایک بلی پنجے مار کر نوچ رہی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے (فرشتوں سے) پوچھا: اسے کیا ہوا ہے؟ انھوں نے جواب دیا: اس عورت نے اس بلی کو پکڑ کر بند کر دیا تھا، حتیٰ کہ وہ بھوک سے مر گئی۔ (صحیح بخاری: ۲۳۶۴، صحیح مسلم: ۲۲۴۲)

دین اسلام میں انسانی حقوق کے ساتھ ساتھ جانوروں کے ساتھ بھی رحم اور ہمدردی کا حکم دیا گیا ہے۔ دیکھئے! ایک عورت بلی کو ناحق قتل کرنے کی وجہ سے دوزخ میں چلی گئی اور اسے عالمِ برزخ میں عذابِ قبر ہو رہا ہے، جبکہ دوسرے شخص نے فطری ہمدردی اور رحم کے جذبے سے ایک کُتے کی پیاس بجھائی تو اللہ تعالیٰ نے اُس کے اس عمل سے خوش ہو کر اسے بخش دیا اور جنت کا حقدار بنا دیا۔

اسلام کے علاوہ جتنے بھی مذاہب ہیں، ان میں جانوروں کے ساتھ ہمدردی اور رحم نہیں بلکہ انسانوں کے بارے میں بھی وہ بڑے ظالم ہیں۔ ایٹم بم، نیپام بم، ڈیزی کٹر بم اور تمام جدید وسائل استعمال کر کے بستیوں کی بستیاں جلاتے ہیں۔ بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کا قتلِ عام کرتے ہیں۔ ان تمام مظالم کے باوجود اپنے آپ کو ''انسانی حقوق'' اور ''مہذب تہذیب'' کا ٹھیکیدار سمجھتے ہیں۔ ھداھم اللّٰہ (۵/اپریل ۲۰۱۰ء)

تدلیس اور بریلویہ

۱) حافظ ابن حجر کے نزدیک طبقۂ ثالثہ کے مدلس عبداللہ بن ابی نجیح المکی المفسر رحمہ اللہ کی ایک روایت کے بارے میں احمد رضا خان بریلوی نے کہا:

''اس کا مدار ابن ابی نجیح پر ہے وہ مدلس تھا اور یہاں روایت میں عنعنہ کیا اور عنعنۂ مدلس جمہور محدثین کے مذہب مختار ومعتمد میں مردود ونامستند ہے۔''

(فتاویٰ رضویہ مع تخریج وترجمہ عربی عبارات ج ۵ ص ۲۴۵)

شریک بن عبداللہ القاضی رحمہ اللہ (مدلس طبقۂ ثانیہ عند الحافظ ابن حجر ۲/۵۶) کے بارے میں احمد رضا خان بریلوی نے (بطورِ رضامندی) لکھا:

''تہذیب التہذیب میں کہا کہ عبدالحق اشبیلی نے فرمایا: وہ تدلیس کیا کرتا تھا۔ اور ابن القطان نے فرمایا: وہ تدلیس میں مشہور تھا'' (فتاویٰ رضویہ ج ۲۴ ص ۲۳۹)

۲) محمد شریف کوٹلوی بریلوی نے سفیان ثوری کی ایک روایت پر جرح کرتے ہوئے لکھا:

''اور سفیان کی روایت میں تدلیس کا شبہ ہے۔'' (فقہ الفقیہ ص ۱۳۴)

۳) محمد عباس رضوی بریلوی نے سفیان ثوری کے بارے میں لکھا:

''یعنی سفیان مدلس ہے اور یہ روایت انہوں نے عاصم بن کلیب سے عن کے ساتھ کی ہے اور اصول محدثین کے تحت مدلس کا عنعنہ غیر مقبول ہے جیسا کہ آگے انشاء اللہ بیان ہوگا۔

(مناظرے ہی مناظرے ص ۲۴۹)

عباس رضوی نے سلیمان الاعمش کی روایت کے بارے میں کہا:

''اس روایت میں ایک راوی امام اعمش ہیں جو کہ اگر چہ بہت بڑے امام ہیں لیکن مدلس ہیں اور مدلس راوی جب عن: سے روایت کرے تو اس کی روایت بالاتفاق مردود ہوگی۔''

(واللہ آپ زندہ ہیں ص ۳۵۱)

۴) غلام مصطفیٰ نوری بریلوی نے سعید بن ابی عروبہ (مدلس طبقۂ ثانیہ عند الحافظ ابن حجر

۲/۵۰) کے بارے میں لکھا:

''لیکن اس کی سند میں ایک تو سعید بن ابی عروبہ ہیں جو کہ ثقہ ہیں لیکن مدلس ہیں اور یہ روایت بھی انہوں نے قتادہ سے لفظ عن کے ساتھ کی ہے اور جب مدلس عن کے ساتھ روایت کرے تو وہ حجت نہیں ہوتی۔''

(ترکِ رفع یدین ص ۴۲۵ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، گلبرگ اے۔ فیصل آباد)

۵) محمد محبت علی قادری بریلوی نے فاتحہ خلف الامام کی ایک حدیث پر جرح کرتے ہوئے بطورِ رضامندی لکھا:

''علامہ محمد بن علی نیموی فرماتے ہین کہ اس کی سند میں مکحول ہیں جو کہ تدلیس کرتے ہیں اور اس نے اس روایت میں عنعن کیا ہے اور اس کی سند میں اضطراب ہے....''

(نصرت الحق ص ۲۲۴ مطبوعہ مکتبہ قادریہ سکندریہ حزب الاحناف، گنج بخش روڈ لاہور)

۶) حافظ عبدالرزاق چشتی بھترالوی حطاروی بریلوی نے فاتحہ خلف الامام کی ایک حدیث کے بارے میں کہا:

''یہ حدیث قابل حجت نہیں، اس لئے کہ ایک تو یہ حدیث مضطرب ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ مدلس ہے تیسری وجہ یہ ہے کہ یہ حدیث معنعن ہے لہذا یہ حدیث دلیل بنانے کے لائق نہیں۔ اس حدیث کے متعلق علامہ نیموی نے بیان کیا۔'' قال النیموی فیه مکحول و هو یدلس، رواہ معنعنا....'' (نماز حبیب کبریاء علیہ التحیۃ والثناء ص ۲۱۷)

۷) غلام رسول سعیدی بریلوی نے بقیہ (مدلس راوی) کی ایک روایت پر جرح کی:

''اور امام طبرانی کی سند میں بقیہ بن ولید معنعن ہے'' (تبیان القرآن ج ۲ ص ۵۳۳)

نیز دیکھئے شرح صحیح مسلم للسعیدی (ج ۲ ص ۳۶۴)

۸) سید محمود احمد رضوی بریلوی نے کہا:

''اور مدلس ہونا ایک خاص قسم کا عیب ہے....

اور یہ بھی مسلم ہے کہ مدلس جب لفظ عن سے روایت کرے تو روایت متصل نہیں قرار پائے گی

....لہذا یہ روایت منقطع ہوگی اور قابل حجت نہ رہے گی۔''

(فیوض الباری فی شرح صحیح البخاری حصہ سوم ص ۴۰۶، مکتبہ رضوان داتا دربار لاہور، من فوائد محمد زبیر صادق آبادی)

۹) محمد حنیف خان رضوی بریلوی نے مدلس وغیرہ روایات کے بارے میں کہا:

'' ایسی احادیث ضعیف کی اہم اقسام سے ہیں ''

(جامع الاحادیث جزء اول ص ۵۲۶، از فوائد محترم ابوصہیب محمد داود ارشد حفظہ اللہ)

۱۰) محمد شوکت علی سیالوی بریلوی نے امام بیہقی کی بیان کردہ ایک روایت کے راوی ابن جریج کے بارے میں میزان الاعتدال سے نقل کیا کہ '' وہ مشہور ثقات میں سے ہیں مگر تدلیس کرتے تھے'' (مسئلہ وضع الیدین ص ۲۸ مطبوعہ انجمن انوار القادریہ جمشید روڈ نمبر ۳ کراچی)

سیالوی مذکور نے امام ہشیم کے بارے میں حافظ ذہبی سے بطورِ تائید نقل کیا کہ '' وہ بے شک ثقہ حفاظ سے تو ہیں مگر کثرت سے تدلیس کرتے ہیں...'' (مسئلہ وضع الیدین ص ۳۲)

فهرس أطراف الآيات والأحاديث والآثار

اسماء الرجال

مختصر اشاریہ